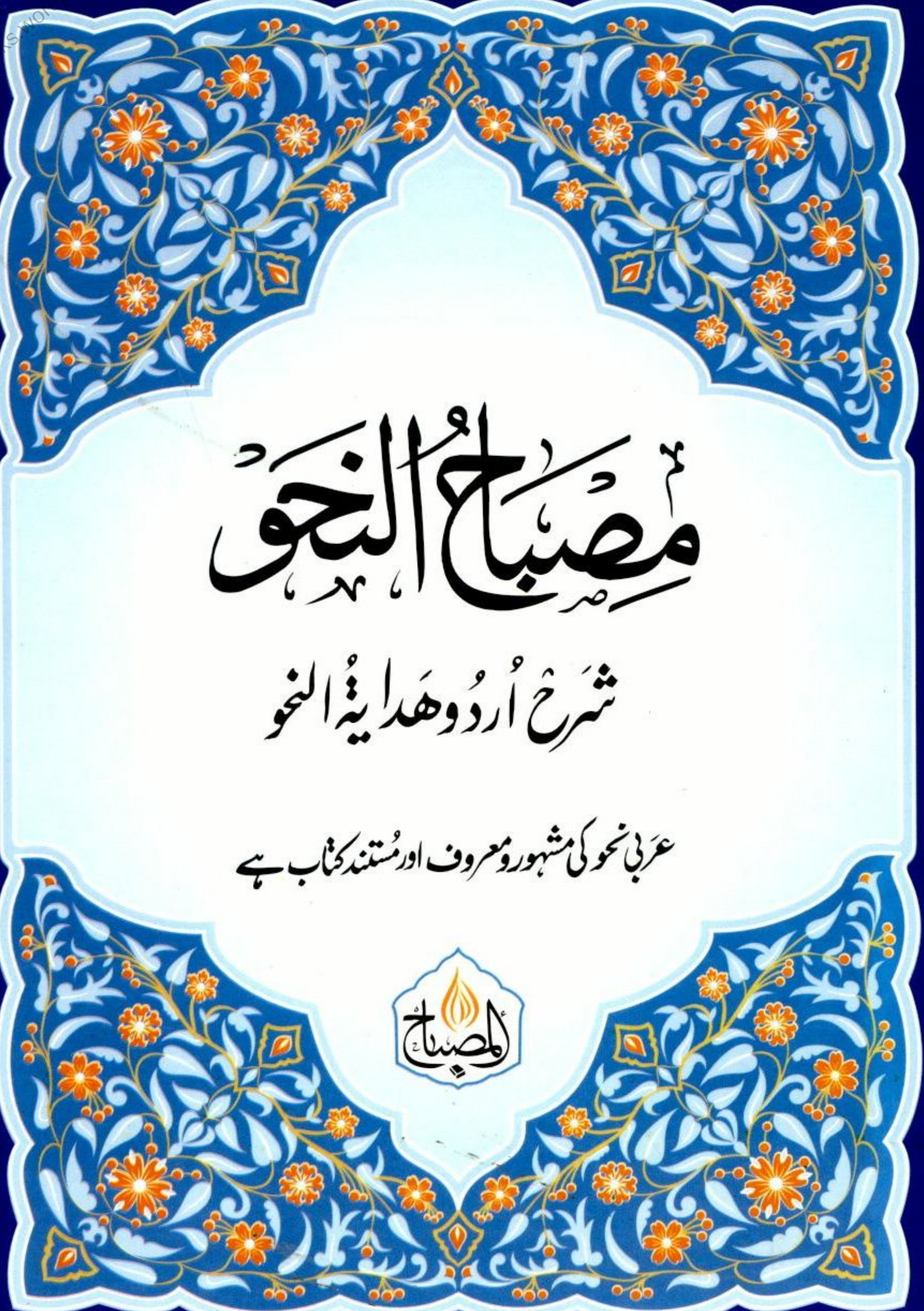

مِصباحُ النحو

شَرح اُردو هَدایۃُ النحو

عَربی نحو کی مشہور و معروف اور مُستند کتاب ہے

المصباح

ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

مِصباحُ النحو

شرح اُردو ھدایۃُ النحو

عربی نحو کی مشہور و معروف
اور مُستند کتاب ہے

المصباح

کتابت کے جملہ حقوق بحق المصباح محفوظ ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۃ حامدا و مصلیا **قولہ بسم** مصنف نے اپنے اس رسالہ کو تسمیہ سے شروع کیا ہے۔ تاکہ کتاب اللہ کی اقتدا ہو جائے نیز حدیث کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم اللہ فہو ابتر پر بھی عمل ہو جائے اور سلفؒ کا طریقہ بھی ہاتھ سے نہ جاوے۔ چونکہ سلف کا طریقہ ہے کہ شروع کتاب میں تسمیہ کو ذکر کرتے ہیں اگر کوئی کہے کہ حدیث پر عمل ناممکن ہے کیونکہ تسمیہ بھی اک امر ذی بال ہے اور ہر امر ذی بال کی ابتداء تسمیہ سے ضروری ہے لہذا ضروری ہوا کہ اس تسمیہ کی ابتداء دوسرے تسمیہ سے اور پھر اس تسمیہ کی دوسرے تسمیہ سے ابتداء کی جاوے علیٰ ہذا القیاس غرضیکہ تسلسل لازم آویگا۔ تو جواب یہ ہے کہ حدیث مخصوص ہے ذی بال سے مراد غیر بسملہ ہے یا کہا جائے کہ ذی بال سے مراد ذی بال مقصود اصلی ہے اور تسمیہ مقصود اصلی نہیں نیز اگر کوئی کہے کہ حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کسی امر ذی بال کو تسمیہ سے شروع نہ کیا جاوے تو وہ ابتر یعنی ہالک ہوتا ہے حالانکہ بہت سے امور کی بلا تسمیہ ابتداء کی جاتی ہے اور ہالک نہیں ہوتے تو جواب یہ ہے کہ ابتر سے مراد بے برکت ہے لہذا اعتراض وارد نہیں ہوتا ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ حدیث میں باسم اللہ ہے اس سے سمجھا جاتا ہے کہ اللہ کے کسی نام سے شروع کرنا کافی ہے اس تسمیہ مخصوص کیساتھ لزوم شروع حدیث سے نہیں سمجھا جاتا لہذا مصنف کو شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا لانا ضروری نہ تھا بلکہ کوئی سے اسم سے ابتدا کرنا کافی تھا تو جواب حدیث اصل میں لفظ باسم اللہ کیساتھ نہیں ہے بلکہ بسم اللہ کیساتھ ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ مخصوص کیساتھ شروع کی جاوے بعض کہتے ہیں کہ حدیث لفظ باسم اللہ کیساتھ ہے اور اس سے مراد یہ کلمہ مخصوص ہے واللہ اعلم جب آپکو اس کلمہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ابتداء کی وجہ معلوم ہو چکی تو اب جاننا چاہیے کہ اس کلمہ میں ب جار ہے اور اس کا مدخول مجرور ہے اور ہر جار مجرور کیواسطے ایک متعلق کا ہونا ضروری ہے چونکہ اسکے مدخول کا ربط دوسری شئے کیساتھ ہوتا ہے تو جب وہ متعلق ظاہر ہوتا ہے تو اسکا نام ظرف لغو رکھا جاتا ہے اور جب ظاہر نہیں ہوتا تو اسکا نام مستقر رکھا جاتا ہے یہاں پر متعلق ظاہر نہیں اسی وجہ سے لامحالہ مقدر ہوگا اس مقدر میں بصریوں اور کوفیوں کا اختلاف ہے کہ آیا فعل مقدر کیا جائے یا اسم بصری کہتے ہیں کہ فعل مقدر کرنا چاہیے چونکہ یہ متعلق مقدر اسی جار اور مجرور میں عمل کرے گا اور عمل میں فعل اصل ہے کیوں کہ فعل عمل کیواسطے موضوع ہوا ہے بخلاف اسم کے کہ وہ اصل میں عمل کیواسطے موضوع نہیں ہوا بلکہ فعل سے جو اسکو مشابہت ہے اس واسطے عمل کرتا ہے اور کوفی کہتے ہیں کہ اسم مقدر کرنا چاہیے چونکہ اصل تقدیر میں مفرد ہے لہذا اس اختلاف کی بنا پر بصریوں کے نزدیک فعل مقدر ہوگا اور کوفیوں کے نزدیک اسم پھر یہ بات کہ جو فعل مقدر کیا جائے وہ افعال عامہ میں سے مقدر کیا جاوے یا افعال خاصہ سے تو بصریوں کی تصریح ہے کہ فعل عام مقدر کیا جائے چونکہ وہ تمام افعال کو شامل ہوتا ہے البتہ اگر افعال خاصہ میں سے کسی فعل خاص کو مقدر ماننے کیلئے کوئی قرینہ ملجائے تو اس صورت میں فعل خاص مقدر کرلیا جاویگا اور اس مقام پر فعل خاص کی تقدیر کیلئے قرینہ (کتاب کے شروع میں واقع ہونا) موجود ہے اس وجہ سے یہاں پر اشرع فعل خاص مذہب بصریین پر ماننا اولیٰ ہوگا نیز اسکا مؤخر محذوف ماننا بہ نسبت مقدم محذوف ماننے کے اولیٰ ہوگا کیونکہ جب متعلق مقدم ہوگا تو اس وقت شروع اسم اللہ سے نہ ہوگا بلکہ فعل سے شروع کرنا لازم آجاویگا حالانکہ مصنفؒ کا مقصود اسم اللہ سے شروع کرنا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ متعلق مؤخر کرنے پر بھی اسم اللہ سے شروع کرنا نہیں ہوگا۔ چونکہ لفظ اسم اسم اللہ نہیں ہے بلکہ لفظ اللہ اسم اللہ ہے جواب امر تو ایسے ہی ہے جیسے تم کہتے ہو لیکن اگر باللہ ہوتا بغیر لفظ اسم زائد کرنیکے تو بجائے قسمیہ سے التباس واقع ہوتا اس وجہ سے مصنف نے لفظ اسم زائد کر دیا۔ دوسرے اس امر پر تنبیہ کرنی ہے کہ جس چیز کا بھی اللہ تعالیٰ پر اطلاق ہوتا ہے اسی سے برکت اور استعانت حاصل ہوتی ہے خواہ وہ لفظ اللہ یا الرحمٰن وغیرہ تیسری وجہ اس لفظ کے بڑھانے کی یہ ہے کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ سب اسماء اللہ سے استعانت اور برکت حاصل کرنا درست ہے۔ نیز یہ اعتراض شروع سے ساقط ہے کیونکہ ابتداء بسم اللہ سے مراد اس کلمہ مخصوص کے ساتھ ابتدا کرنا ہے نیز مؤخر مقدر کرنیکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مؤخر مقدر کرنے میں اختصاص حاصل ہوتا ہے جو تقدیم کی صورت میں نہیں ہوتا کیونکہ جب اسکا حق تقدیم کا تھا اور اس کو مؤخر کر دیا تو اس قاعدہ پر تاخیر ما حقہ التقدیم فائدہ اختصاص کا دیتا ہے اسکے مؤخر مقدر کرلینے سے اختصاص حاصل ہو جاویگا جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو اب جاننا چاہیے کہ بصریوں کے مذہب پر بسم اللہ جملہ فعلیہ ہے اور کوفیوں کے مذہب پر جملہ اسمیہ بصریوں کے یہاں تقدیری عبارت بسم اللہ اشرع اور کوفیوں کے نزدیک ابتدائی ثابت باسم اللہ ہے نیز جاننا چاہیے کہ بسم اللہ میں ہمزہ کو کتابت میں حذف کرنا کثرت استعمال کی وجہ سے ہوا ہے اور اقرأ باسم ربک میں سے کتابت میں ہمزہ کو حذف نہیں کیا چونکہ اسکا استعمال قلیل ہے۔ **قولہ اللہ** محققین کے نزدیک لفظ اللہ ایسی ذات جامع جمیع صفات کا علم ہے جس کا وجود ضروری ہے لیکن بعض مناطقہ ذات کا علم نہیں کہتے بلکہ مفہوم کلی مذکور کا اسم بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مفہوم ایک فرد جزئی میں منحصر ہے لیکن یہ انکا وہم ہے کیونکہ اگر اس قول کو حق مانا جاوے تو کلمہ طیبہ سے جو توحید مقصود ہے ہرگز درست نہ ہوگی۔ کیونکہ الا اللہ بھی مفہوم کلی مذکور کا اسم ہے اگر لفظ اللہ بھی ایسا ہو تو استثناء الشئی عن نفسہ لازم آویگی جو محال ہے جاننا چاہیے کہ اس لفظ میں اختلاف ہے کہ یہ اسم عربی ہے یا عجمی ایک جماعت اسکے عجمی ہونیکی قائل ہے اور ایک جماعت اسکے عربی ہونیکی قائل ہے جو عربی کہتے ہیں ان میں پھر اختلاف ہے آیا یہ اسم جامد ہے یا اسم مشتق بعض اسم جامد ہونیکے قائل ہیں اور بعض اسم مشتق جو اسم مشتق کہتے ہیں پھر ان میں اختلاف ہے کہ یہ اسم کونسے مادہ سے مشتق ہے بعض ولہ سے کہتے ہیں بعض الہ سے غرضیکہ اس میں بیس قول ہیں جنکی تحقیق تفسیر بیضاوی میں ہے طوالت کے خوف سے ترک کی جاتی ہے **قولہ الرحمٰن الرحیم** ۔ دونوں لغت میں نرم دلی کے معنی میں ہیں چونکہ رحمت کے معنی ایسی نرم دلی کے ہیں جو احسان کو مقتضی ہے اس پر یہ نرم دل ہوا ہے یہاں پر احسان اور انعام مراد ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کیواسطے دل جو لازمہ جسمیت ہے ثابت نہیں ہے اسوجہ سے رحمت کی غایت جو کہ احسان ہے وہ مراد ہے ایسے ہی اسطرح کی ہر صفت سے جو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہو اس سے مراد اس صفت کی غایت ہے نیز یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ اللہ چونکہ ذات پر دلالت کرتا ہے اور یہ موصوف ہوتا ہے اور صفت نہیں ہوتا اسوجہ سے اسکو مقدم کیا ہے اور الرحمٰن کو الرحیم سے اس وجہ سے مقدم کیا کہ الرحمٰن علم کی مانند ہے چونکہ اسکا اطلاق غیر اللہ پر درست نہیں بخلاف الرحیم کے کہ اسکا اطلاق ذات باری اور اسکے غیر سب پر ہوتا ہے اور یہ اعتراض کہ الرحیم کو الرحمٰن سے پہلے لانا چاہیے کیونکہ مشہور مقام مدح میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنا ہے الرحمٰن الرحیم سے اعلیٰ اسوجہ سے ہے کہ الرحمٰن الرحیم سے ابلغ ہے کیونکہ فعلان فعیل سے ابلغ ہوتا ہے کیونکہ زیادتی مبنا زیادتی معنی پر دال ہوتی ہے اور الرحمٰن کی بنا الرحیم سے زیادہ ہے اسوجہ سے الرحمٰن کے معنی ہیں بے نہایت رحم والا اور الرحیم کے بہت رحم والا کے ہیں ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کیطرف اس وقت ضروری ہے جبکہ موصوف سب صفات میں غایت کمال میں نہ ہو اور جبکہ موصوف تمام صفات میں غایت کمال میں ہو تو پھر ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کیطرف ممکن نہیں ہوتی ہے چونکہ اس وقت کوئی ادنیٰ اور اعلیٰ نہیں ہوسکتا ہے لہذا الرحمٰن کی تقدیم الرحیم پر ابلغ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ علم کی مانند ہونیکی وجہ سے ہے۔ نیز یہ بھی جاننا چاہیے کہ الرحمٰن الرحیم میں اعراب کے اعتبار سے تین وجہ درست ہیں صفت کی بنا پر جر اور اعنی کے مفعول ہونیکی بنا پر نصب تقدیری عبارت یہ ہوگی اعنی الرحمٰن الرحیم اور مبتدائے محذوف کی خبر ہونے کی بنا پر رفع اس وقت تقدیری عبارت ہو الرحمٰن الرحیم ہوگی ۱۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

قولہ الحمد مصنفؒ نے حمد اللہ سے ابتداء کی تاکہ کتاب اللہ کی اقتداء ہو جاوے اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کل امر ذی بال لم یبدأ بحمد اللہ فہو اقطع وابتر) پر بھی عمل ہو جاوے نیز اس میں سلف کے طریقہ کا اتباع بھی ہو جاویگا لیکن اس علت پر کہ حدیث مذکور کی بناء پر مصنفؒ نے ابتداء تحمید سے کی کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں ایک اعتراض تو یہ ہے جو تسمیہ پر تسلسل کا واقع ہوا تھا اس کا جواب بھی اسی طرز پر ہے دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اب ابتداء کے بارہ میں دو حدیثیں ہو گئیں۔ ایک حدیث تسمیہ دوسری حدیث تحمید۔ حدیث تسمیہ مقتضی ہے کہ تسمیہ سے ابتداء کیجاوے اور حدیث تحمید چاہتی ہے کہ حمد سے ابتداء ہو چونکہ ابتداء کے معنی کسی چیز سے شروع کرنا ہے اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ شروع کرنا ایک ہی امر سے ہو سکتا ہے نہ کہ متعدد امور سے اس وجہ سے لازم آیا کہ دونوں حدیثوں پر عمل نہ ہو۔ کیونکہ اگر بسم اللہ کو شروع میں ذکر کیا تو حمد اللہ تعالیٰ شروع میں نہ ہوگی بلکہ تسمیہ کے بعد ہوگی ایسے ہی اگر حمد اللہ تعالیٰ شروع میں ذکر کی جاوے تو بسم اللہ سے شروع نہیں ہو سکتا لہذا دونوں حدیثیں متعارض ہو گئیں لہذا ساقط ہونی چاہئیں اور جب دونوں ساقط ہو گئیں تو شروع کی علت نہیں ہو سکتی۔ جواب ابتداء تین قسم پر ہے حقیقی، اضافی، عرفی۔ ابتداء حقیقی وہ ہے جو سب چیزوں پر مقدم ہو یعنی مقصود اور غیر مقصود سب پر مقدم ہو اور ابتداء اضافی وہ ہے جو پہلے ہو خواہ سب سے یا بعض سے ابتداء عرفی وہ ہے جو مقصود سے پہلے ہو جب آپکو ابتداء کی ہر قسم کی تعریف معلوم ہو گئی تو اب جاننا چاہئے کہ حدیث تسمیہ میں ابتداء سے مراد ابتداء حقیقی ہے اور حدیث تحمید میں ابتداء سے مراد ابتدائے اضافی ہے یا عرفی یا یہ کہ حدیث تسمیہ اور تحمید دونوں میں ابتداء سے مراد ابتدائے اضافی یا عرفی ہو لیکن حدیث تحمید میں ابتداء ابتدائے حقیقی پر محمول نہ ہوگی اور جب حدیثوں میں ابتداء سے مذکورہ ابتدائیں مراد ہو جائینگی تو تعارض باقی نہیں رہیگا۔ رہا یہ امر کہ حدیث تحمید میں ابتداء سے مراد ابتدائے حقیقی کیوں نہیں ہے تو اس وجہ سے کہ حدیث تسمیہ اللہ تعالیٰ کے تین ناموں پر مشتمل ہے اور تحمید ایک پر اس وجہ سے حدیث تسمیہ ابتدائے حقیقی پر محمول ہوگی نہ حدیث تحمید۔ اگر کوئی کہے کہ حمد کو بھی اسمائے ثلثہ پر مشتمل کر دیا جاوے اور یوں حمد کی جاوے الحمد للہ الرحمن الرحیم تو حمد بھی اسمائے ثلثہ کو شامل ہو جاوے گی جو ابتدائے حقیقی پر عمل کرنیکا سبب ہے اسی وجہ سے مصنفؒ ایسا کر کے حمد کو تسمیہ سے مقدم کر دیتے تو جواب یہ ہے کہ ایسا کرنے میں اسلوب بدل جائیگا اور حسن نہیں ہے بعض نے کہا ہے کہ حمد سے مقصود صفات کا ثابت کرنا اور تسمیہ سے مقصود اسم ذات کا بیان کرنا ہے اور اس سے برکت اور استعانت حاصل کرنا ہے اور ذات صفات پر اصل میں مقدم ہے اس وجہ سے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا جاتا ہے نیز جواب دیا ہے کہ حدیث تحمید میں اگر ابتداء سے مراد ابتدائے حقیقی ہو۔ اور حدیث تسمیہ میں اضافی یا عرفی تو حمد کا بسم اللہ پر مقدم کرنا لازم آجائیگا حالانکہ حمد کی تقدیم اہل شرع کے عرف اور اطلاق سے ثابت نہیں واللہ اعلم بالصواب حمد پر جو لام تعریف ہے اس میں اختلاف ہے بعض اسکو جنس کا کہتے ہیں اور بعض استغراق کا اور بعض عہد خارجی کا اور معہود وہ عبارت ہے جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے چنانچہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ الحمد للہ اضعاف ما حمدہ جمیع خلقہ کما یحبہ ویرضاہ۔ ہر ایک اپنے قول کی وجہ ترجیح بیان کرتے ہیں جس کا کچھ ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آویگا حمد کے معنے لغت میں تعریف کرنا ہیں اور اصطلاح میں زبان سے تعریف کرنے کو کہتے ہیں جو قصد تعظیم پر ہو چاہے اسکا متعلق نعمت ہو یا غیر نعمت اور شکر اس فعل کو کہتے ہیں جو منعم کی تعظیم پر آگاہی بخشے اسکے انعام کے سبب سے خواہ وہ فعل زبانی ہو یا اعتقادی یا عملی حمد اور شکر میں عموم اور خصوص من وجہ کی نسبت ہے چونکہ مورد حمد خاص ہے اور اس کا متعلق عام اور مورد شکر عام اور اس کا متعلق خاص ہے دونوں کے تصادق کا مادہ وہ زبانی تعریف ہے جو نعمت کے مقابلہ میں ہو اور وہ مادہ جہاں حمد بلا شکر کے پائی جاوے وہ زبانی تعریف ہے جو نعمت کے مقابلہ میں نہ ہو اور وہ مادہ جہاں شکر بلا حمد کے پایا جاوے یعنی وہ عملی یا اعتقادی فعل جو نعمت کے مقابلہ میں ہو اور تعظیم منعم پر آگاہی بخشے شکر کا ہے مدح اور حمد کے درمیان عموم وخصوص مطلق ہے حمد خاص ہے اور مدح عام ہے حمد فعل اختیاری پر تعریف ہوتی ہے اور مدح میں فعل اختیاری کی شرط نہیں ہے فعل اختیاری پر زبان سے جو تعریف ہو اس کو بھی مدح کہتے ہیں اور فعل غیر اختیاری پر جو زبان سے تعریف ہو اس کو بھی مدح کہتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ مدح حمد سے عام ہے لہذا جو تعریف زبان سے فعل اختیاری پر ہو اس کو مدح اور حمد دونوں کہہ سکتے ہیں اور جو فعل غیر اختیاری پر ہو اسکو مدح کہیں گے حمد نہیں بعض محققین نے مدح اور حمد کو مترادف کہا ہے اور بعض نے گمان کیا ہے کہ ان دونوں میں ترادف ۴ ہے۔ لیکن یہ درست نہیں رہا یہ امر کہ ان کو یہ گمان کیوں ہو گیا تو اسکی یہ وجہ ہے کہ محاورات میں یہ سب امور متضاد ہو گئے۔ چنانچہ محاورہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کو حمد کہتے ہیں اور حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بیان کو نعت وثنا کہتے ہیں اور بڑوں کی اچھی عادتوں کے بیان کرنے کو مدح اور بعض مدح اور حمد کو مترادف کہتے ہیں چنانچہ زمخشری کہتے ہیں الحمد والمدح اخوان جب آپکو یہ معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ مصنفؒ نے لفظ حمد کو بجائے لفظ مدح کے کیوں اختیار کیا ہے تو اسی وجہ سے کہ حمد کے ذکر سے مدح بھی ہو جاویگی کیونکہ وہ خاص ہے اور مدح عام ہے اور وجود خاص مستلزم ہے وجود عام کو اور وجود عام وجود خاص کو مستلزم نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ بجائے لفظ شکر کے لفظ حمد کیوں اختیار کیا جبکہ اس مقام کے مناسب شکر ہے چونکہ تالیف ایک نعمت ہے اور شکر اس کے مقابلہ میں واجب ہے تو اسکے اختیار کی وجہ دو طور پر بیان کی جاتی ہے ایک تو یہ کہ صیغہ حمد جب نعمت کے مقابلہ میں ہوتا ہے تو وہ شکر کے معنی میں ہوتا ہے چونکہ قاعدہ ہے کہ جب ایک شے دوسری شے کے مقابلہ میں ہو یعنی اس کی جگہ واقع ہو تو اسکا حکم وہی ہوتا ہے جو دوسری شے کا ہوتا ہے جیسے تیمم محل وضو میں وضو کا حکم پاتا ہے دوسرے یہ کہ شکر نعمت کے مقابلہ میں ہونیکے ساتھ مخصوص ہے اور حمد عام ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا اگر چہ یہ موقع شکر ہے چونکہ تالیف ایک نعمت ہے لیکن اللہ سبحانہ کے مناسب حمد ہے کیونکہ اللہ سبحانہ ایسی ذات ہے کہ اس کی تعریف کی جانی چاہیے اسباب سے خواہ نعمت ہو یا نہ ہو تیسری وجہ اسکے اختیار کرنیکی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ کے انعامات غیر متناہی ہیں جن کا شکر بندہ کی طاقت سے باہر ہے اس وجہ سے مصنفؒ نعمت سے قطع نظر کر کے بجائے شکر کے حمد کرتا ہے نیز جاننا چاہیے کہ جملہ الحمد للہ اصل کے اعتبار سے جملہ فعلیہ ہے حمدت اللہ حمدا تھا بعض کے نزدیک فعل فاعل بطور سماعی کے وجوبا حذف ہوا ہے بعض کے نزدیک بطور قیاس کے وجوبا حذف ہوا ہے چنانچہ رضی شارح کافیہ نے کہا ہے کہ جس مقام میں فاعل اور مفعول ایسے مصدر کے بعد مذکور ہوں جو اسکی طرف بلا واسطہ جیسے سبحان اللہ یا بواسطہ حرف جر جیسے حمدا لک شکرا مضاف ہو اس وقت فعل کو وجوبا حذف کر دیں گے بشرطیکہ وہ مفعول مطلق بیان نوع کے واسطے نہ ہو جیسے مکرر اکرم میں بیان نوع کے واسطے ہے پھر اس پر لام داخل کر کے جملہ اسمیہ بنالیا ہے چونکہ جملہ اسمیہ دوام پر دلالت کرتا ہے بخلاف فعلیہ کے کہ وہ تجدد پر دال ہوتا ہے۔

(باقی بر صـ)

اور اس مقام کے مناسب دوام ہے اب اس میں کلام ہے کہ اس میں لام کیسا ہے اس پر تو اتفاق ہے کہ یہ لام تعریف کا ہے لیکن آیا جنس کیلئے ہے یا استغراق کیلئے یا عہد خارجی کیلئے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے بعض لام استغراق کے قائل ہیں دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ حقیقت میں تمام محامد خدا تعالیٰ کے لئے ہیں اور اس معنی پر لام استغراقی کی دلالت ہو سکتی ہے اور لام جنس اس دلالت سے قاصر ہے چونکہ اسمیں افراد کا لحاظ نہیں ہوتا جس سے یہ معلوم ہوا کہ تمام محامد اللہ کے مملوک ہیں تو جنس کے لیئے کہتے ہیں وہ اکی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ حمد اصل میں مصدر ہے فعل کے قائم مقام ہوا ہے اور فعل معنی حدثی پر دال ہوتا ہے یعنی ماہیت پر لہٰذا اسکا قائم مقام بھی ایسا ہونا چاہیے لہٰذا اگر استغراق کا لیں گے تو نائب کی منوب پر مزیت لازم آئیگی اور یہ یقیناً برا ہے اب رہا استغراق والوں کی دلیل کا جواب تو کہا جاتا ہے کہ جنس کیلئے لینے پر بھی یہ جملہ جمیع محامد کے اللہ تعالیٰ کے مملوک ہونے پر دلالت کرنے سے قاصر نہیں ہے کیونکہ للہ میں لام تخصیص کیواسطے ہے لہٰذا اسکا مطلب یہ ہوگا کہ جنس حمد اللہ تعالیٰ کیواسطے مخصوص ہے اور کسی جنس کا کسی کیساتھ مخصوص ہونا اسوقت ہو سکتا ہے جبکہ جنس کا ہر ہر فرد اسکے ساتھ مخصوص ہو، اور اسکا مملوک ہو ورنہ تو جنس اسکے ساتھ مخصوص نہ ہوگی. حاصل کلام یہ ہے کہ ان دونوں قرینوں میں نزاع لفظی نزاع ہے معنوی نزاع نہیں اس لیئے کہ جو استغراق کیلئے لام تعریف کو لیتے ہیں وہ اللہ کے لام کو تملیک کیلئے لیتے ہیں دونوں صورتوں میں حمد کے ہر فرد کا ثبوت اللہ کے لیے ہی ہوتا ہے ان تمام تحقیقات پر نظر رکھتے ہوئے الحمد للہ کے معنی ہوئے کہ ہر حمد ازل سے ابد تک خواہ کسی حامد سے صادر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے مختص ہے حمد کی تعمیم لام تعریف سے سمجھ میں آتی ہے اور زمانہ کی تعمیم اسکے جملہ اسمیہ ہونے سے اور حامد کی تعمیم اسوجہ سے سمجھ میں آتی ہے کہ کوئی مخصوص حامد ذکر نہیں کیا۔ جب کوئی خاص مذکور نہیں تو یہ عام پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کیلئے اختصاص لام تخصیص سے مفہوم ہوتا ہے چونکہ یہاں پر للہ میں لام جارہ تخصیص کیواسطے ہے واللہ اعلم اگر کوئی کہے کہ مصنفؒ نے للہ الحمد کیوں نہیں کہا یعنی لفظ اللہ کو الحمد پر مقدم کیوں نہیں کیا باوجودیکہ لفظ الحمد وصف کیلئے موضوع اور لفظ اللہ ذات کیلئے اور ذات وصف پر مقدم ہوتی ہے دوسرے ذکر الشئی عندہ ذاتہ اہم التقدیم ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقام مقام حمد ہے تو یہ اسکو مقتضی ہے کہ حمد کو پہلے ذکر کیا جاوے ورنہ مقتضائے حال کی رعایت نہ ہوگی۔ جو کہ کلام کی ضروریات سے ہے جس کی رعایت نہ کرنے سے کلام بلیغ نہ رہیگا۔ بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ صفت اللہ کیساتھ خاص ہے جیسا کہ تحقیق سے معلوم ہوا تو جب یہ وصف مختص ہے تو اسکی تقدیم اس ذات پر واجب ہوگی بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں پر مقصود وصف بیان کرنا ہے ذات کا ذکر تعلق وصف کیوجہ سے ہے اور جو چیز مقصود ہوتی ہے اسکی تقدیم غیر مقصود پر واجب ہوتی ہے اس وجہ سے یہاں پر حمد کی تقدیم لفظ اللہ پر ضروری ہے سوال مصنف نے الحمد للہ میں اسم ذات کیوں ذکر کیا اسم صفت کیوں نہیں ذکر کیا مثلاً یوں کہدیتا الحمد للرحمن جواب اسم ذاتی اسم صفتی سے اشرف ہے اور اشرف کا ذکر افضل ہے غیر اشرف کے ذکر سے اسوجہ سے مصنف نے اسم ذات کو ذکر کیا اور اسم صفت ذکر نہیں کیا۔

رہا یہ امر کہ اسم ذات اسم صفت سے کیوں اشرف ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسم ذات بمنزلہ مفرد کے ہے اور اسم صفت بمنزلہ مرکب کے ہے چونکہ اسم صفت ذات مع الوصف پر دال ہوتا ہے بخلاف اسم ذات کے کہ وہ محض ذات پر دلالت کرتا ہے اور مفرد مرکب سے اشرف ہے دوسرا جواب ہے کہ اس اسم کو دوسرے اسماء پر ذکر میں اس وجہ سے ترجیح دی گئی ہے کہ یہ اسم اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء کو جامع ہے خواہ وہ ذاتی ہوں یا صفتی چونکہ یہ اسم اس ذات پر دلالت کرتا ہے جو ذات کے تمام محامد اور صفات کمال کو جامع ہو یعنی اس میں تمام صفات کمال اور محامد موجود ہوں بخلاف اور اسماء کے کہ وہ ایسے نہیں ہیں متکلمین کے اقوال معقولات میں یہاں اس پر دال ہیں نیز یہ اعظم اسماء اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ اس کا اطلاق رب العلمین کے غیر پر کبھی نہیں ہوا بخلاف اور اسماء کے کہ انکا اطلاق غیر اللہ پر ہوتا ہے یا ہوا ہے اس وجہ سے اس اسم کو ذکر کیا دوسروں میں سے کسی کو ذکر نہیں کیا نیز اس اسم کی ترجیح کی وجہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی دوسرا اسم ذکر کرتا تو وہم ہوتا کہ حمد اس صفت کے اعتبار سے ہے اور دوسری صفت کے اعتبار سے نہیں ہے نیز مصنفؒ نے استحقاق پر تنبیہ کرنی چاہی کہ باری تعالیٰ حمد کا مستحق ذات اور انعام دونوں کے اعتبار سے ہے نیز مصنفؒ نے چاہا کہ اسکے بعد صفت کو ذکر کرے۔ اس وجہ سے اسم ذات کو ذکر کردیا واللہ اعلم بالصواب **قولہ رب العلمین**

رب دراصل مصدر ہے بمعنی پرورش کرنا یعنے کسی چیز کو آہستہ آہستہ اسکی کمال کی حد پر پہنچانا۔ اس کا اطلاق خدا تعالےٰ کی ذات پر بطور مبالغہ ہے جیسے زیدٌ عدلٌ میں عدل کا حمل زید پر بطور مبالغہ ہے یا اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی پرورش کرنے والا اور جو مدارک میں ہے کہ الرب بمعنی الخالق ابتداءً والمربی غذاءً والغافر انتہاءً اس معنی کی طرف مشیر ہیں جو ہم نے ذکر کیئے ہیں ارباب لغت و تفسیر نے جو کہا ہے کہ الرب بمعنی مصلح و مدبر ہے یہ بھی اسی مذکور معنی کی طرف راجع ہے یا الرب رابّ صیغہ اسم فاعل کا مخفف ہے صاحب مجمع البحار کے قول سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ صفت مشبہ ہے جیسے صفت مشبہ اگرچہ فعل متعدی سے نہیں آتی لیکن یہ امر اہل فن کے مقررات سے ہے کہ جب فعل متعدی سے صفت مشبہ بنانا چاہیں اسکو فعل لازم قرار دیکر بنالیں۔ یعنی باب لازم میں لیجا کر بنالیں۔ رب موحد اور رشید اور مصلح کے معنی میں بھی کہا گیا ہے اور بہ تخفیف الباء بھی آیا ہے صاحب مجمع البحار کہتا ہے کہ الرب بمعنی مالک و سید و مربی و مدبر و منعم کے معنی آیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ بلا اضافت کے اسکا اطلاق اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے اور کسی پر نہیں ہوتا اور اضافت کی حالت میں بندہ پر بھی [illegible] اطلاق ہوتا ہے۔ البتہ اگر اضافت کی تقدیر [illegible] مانع ہو تو پھر بندہ پر اسکا اطلاق نہیں ہوتا۔ العالمین عالم کی جمع ہے بمعنے ما یعلم بہ الشئی یعنی جاننے کا آلہ اس لیئے کہ فاعل [illegible] ہے جیسے خا[illegible] بمعنے ما یقلب بہ ہے اور عرف عام میں اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزوں پر ہوتا ہے اس پر اللہ تعالےٰ کا قول دلالت کرتا ہے قال فرعون وما رب العالمین قال رب السمٰوٰت والارض وما بینہما ان کنتم موقنین۔ ہر عالم کی ہر جنس کو بھی عالم کہتے ہیں جیسے عالم افلاک عالم عناصر البتہ عالم کے ہر فرد کو عالم نہیں کہتے چنانچہ عالم زید عالم بکر نہیں بولتے مناسبت دونوں معنی میں ظاہر ہے چونکہ اس عالم سے صانع کا وجود جانا جاتا ہے بعض کے نزدیک عالم اصل میں علم بمعنی علامت تھا الف کو اشباع کیواسطے زائد کر دیا چونکہ عالم وجود باری تعالےٰ پر علامت ہے اس وجہ سے یہ نام رکھ دیا۔ ابن عباسؓ اور بعضوں کے نزدیک ذوی العقول ثلثہ یعنے ملائکہ جن و انس کو عالم کہا جاتا ہے ان کے سوا کو عالم حقیقۃً نہیں کہتے بلکہ انکے غیر کا شمول بالتبع ہے۔ اس صورت میں عالم علم بمعنی ادراک سے مشتق ہوگا۔ بعض کے نزدیک عالم نفس انسان سے عبارت ہے اسیوجہ سے انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں اگر کوئی کہے کہ جب عالم بمعنی جمیع ما سوی اللہ ہے تو پھر اسکا جمع بنانا کیا معنے رکھتا ہے۔ جواب اللہ کے ماسوا جتنی اجناس ہیں سب میں ایک چیز قدر مشترک ہے اس قدر مشترک کیلئے یہ موضوع ہے اس کا اطلاق ہر ایک جنس اور تمام اجناس پر ایسا ہے جیسا انسان کلی کا اطلاق اسکے ہر فرد اور تمام افراد پر مثلاً جب انسان بولتے ہیں تو ایک انسان بھی مراد ہو جاتا ہے اور تمام انسان بھی اور عالم کا اطلاق بھی اس طرح پر ہے تو اس کی جمع لانا درست ہوگیا جیسے انسان کی جمع اناس اور قرن کی اقران آتی ہے درست ہے اس جواب سے یہ معلوم ہو گیا کہ لفظ عالم کی جمع بنانا درست ہے رہی اس پر دلیل کہ مصنفؒ جمع کیوں لایا، رب العالم کیوں نہ کہا تو مصنفؒ کے اس لفظ کو جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اطلاق ایک جنس پر شامل ہو گیا۔ لہٰذا اگر مصنفؒ اس کو مفرد لاتا

(باقی بر صفحہ ۵)

تو وہم ہوتا کہ اللہ کسی مخصوص جنس کا رب ہے اس خصوصیت کے وہم کو دور کرنے کیلئے مصنف اسکو جمع لایا اعتراض یہ خصوصیت تمام اجناس پر دال کا وہم تو اسوقت ہوتا جبکہ مصنف ؒ کا مضاف الیہ ذکر کرتا مثلاً کہتا عالم الحیوان اور مصنف نے مضاف الیہ ذکر نہیں کیا۔ تو یہ وہم نہیں ہوتا۔ جواب یہ درست ہے لیکن چونکہ لفظ باعتبار معنی کے تمام اجناس پر دال ہے تو مصنف نے چاہا کہ یہ لفظ جس طرح معنے کے اعتبار سے تمام اجناس پر دال ہے۔ لفظ کے اعتبار سے بھی تمام اجناس پر دال ہو۔ دوسرا جواب جمع نہ لانے کی صورت میں وہم سابق بالکلیہ ساقط نہیں ہوتا کیونکہ اسم مفرد جب معرف باللام ہوتا ہے۔ تو جس طرح وہ شمول کیلئے ہوسکتا ہے اسیطرح عہد کے لیئے بھی ہو سکتا ہے۔ نیز یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ یہ لام مضاف الیہ کے بدلے میں ہو۔ لہذا وہم باقی رہتا ہے۔ لہذا مفرد لانے سے جمع لانا بہتر ہے نیز مصنف کا اسکو جمع لانا رعایت سجع کیواسطے بھی ہو سکتا ہے اور رعایت سجع قبل اور بعد دونوں میں مدنظر رکھنا جائز ہے۔ ماقبل کے ساتھ مخصوص نہیں جاننا چاہیے کہ رب کو مرفوع منصوب مجرور تینوں طرح پڑھنا درست ہے مجرور پڑھنے کی صورت میں صفت اور بدل الکل اور عطف بیان تینوں بنانا درست ہے لیکن صفت بنانے پر ایک اعتراض پڑتا ہے۔ جس کی تقریر یہ ہے کہ رب کی اضافت العالمین کی طرف لفظی ہے۔ کیونکہ رب صفت ہے جو کہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہے اور اضافت لفظی تعریف کا فائدہ نہیں دیتی۔ اس وجہ سے رب العلمین نکرہ ہے اور معرفہ کی صفت نہیں بنتا لہذا رب العلمین کو لفظ اللہ کی صفت بنانا درست نہیں جواب اضافت لفظی میں یہ ضروری ہے کہ صفت بمعنی حال یا استقبال ہو اور رب یہاں پر زمانہ استمرار پر مشتمل ہے قاعدہ ہے کہ جب شرط فوت ہو جاتی ہے تو مشروط بھی فوت ہوتا ہے اس وجہ سے رب کی اضافت العالمین کی طرف لفظی نہیں ہے بلکہ معنوی ہے جو مفید تعریف ہے اور جب معرفہ ہو گیا تو اس کا صفت بنانا درست ہو گیا جواب ثانی اگرچہ اضافت لفظی کی ہیئت ترکیبیہ تعریف کا فائدہ مطلقاً نہیں دیتی لیکن اس ترکیب خاص میں معنی کے اعتبار سے تعریف کا فائدہ دے رہی ہے چونکہ رب العلمین کا مصداق خدا کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور جب منصوب پڑھیں گے تو حال یا منادی یا مدح کی بناء پر منصوب ہوگا اور جب مرفوع پڑھیں گے تو یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہوگا تقدیر عبارت ھو رب العلمین ہوگی قدا

۴ یعنی مضاف محذوف ہے کیونکہ اگر مضاف محذوف نہ مانا جاوے اور اسکو مطلق رکھا جاوے تو عاقبت کے معنی انجام کے ہیں خواہ وہ شر ہو یا خیر۔ تو اسکے معنی ہوں گے کہ انجام متقین کیلئے ہے خواہ انجام شر ہو یا خیر۔ اور متقین کیواسطے انجام شر درست نہیں اس وجہ سے اس سے مراد حسن العاقبۃ ہے المتقین المتقی کی جمع ہے یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے باب افتعال سے لفیف مفروق ہے بمعنی پرہیزگار شریعت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے کو ان چیزوں سے باز رکھے جن میں عذاب اور سزا مقرر ہے۔ صوفیاء کے مسلک میں اس شخص کو متقی کہتے ہیں جو اپنے دل میں خطرات شیطانی نہ آنے دے اور امراء اور سلاطین سے قطع تعلق کر کے اور اکثر اوقات حضرت ربانی کے استغفار کا مراقب رہے اور زہد بریائی سے ڈرتا رہے جس کا منشاء طول امل اور حرص ہے محقق نے کہا ہے کہ متقی وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو کسی سے اچھا نہ سمجھے۔ سوال ہوتا ہے کہ مصنف اس جملہ کو کیوں لایا تو جواب دیا جاتا ہے کہ یہ جملہ اعتراضیہ ہے ایک نکتہ کے بیان کرنے کے لیے لایا ہے اس سے یا تو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تمام اعمال میں تقوی ایک عمدہ عمل ہے یا اس امر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مہالک سے نجات پانا بذریعہ تقوی ہی ہو سکتا ہے یا اس سے ایک وہم کو دور کرنا ہے جو کلام سابق سے پیدا ہو سکتا جس کی تقریر یہ ہے کہ جب مصنف نے الحمد للہ رب العلمین کہا تو اس سے وہم ہوا کہ جب اللہ جہانوں کا پالنے والا ہے۔ تو تمام جہانوں کیواسطے خیر عاقبت ہی ہے تو مصنف نے والعاقبۃ کہہ کر اس وہم کو دور کر دیا کہ تمام جہانوں کی پرورش سے یہ لازم نہیں آتا کہ خیر عاقبت بھی سب کے واسطے ہو بلکہ خیر عاقبت پرہیزگاروں کیواسطے ہے یا مصنف اس جملہ کو اس امر پر تصریح کیواسطے لایا ہے کہ آخرت کی خیر اور درجات خاشعین کیواسطے ہیں۔ چونکہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لو کان للعلم شرف بدون التقوی لکان الشیطان اعلی منزلۃ۔ یعنی اگر علم کے واسطے بغیر تقوی کے کچھ شرف ہوتا تو شیطان سب سے بلند مرتبہ ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ خیر و درجات خاشعین کیلئے ہیں یا مصنف اس جملہ کو اس غرض سے لایا کہ مصنف کو تعمیم کے بعد تخصیص کرنی ہے اس طرح پر کہ جب مصنف نے متقین ذکر کیا تو نبی کریم علیہ التحیات والتسلیم چونکہ اتقی الاتقیاء ازہد الزہداء ہیں اس وجہ سے اس میں داخل ہو گئے۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام متقین میں سے نکالکر صلوۃ کیساتھ مخصوص کر دیا ایسا مصنف نے دو وجہ سے کیا ہے ایک کمال مدح کی بناء پر دوسرے اس وجہ سے کہ ہمت تقوی کی طرف پھیرے **قولہ الصلوۃ**

والعاقبۃ للمتقین الخ العاقبۃ سے مراد خیر العاقبۃ وحسن العاقبۃ ہے ۴

جاننا چاہیئے کہ صلوۃ مع تسلیم کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عقلاً اور نقلاً دونوں طرح پر ثابت ہے لیکن نقل تو اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالے نے ارشاد فرمایا ہے یایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما یعنی اے مومنو نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو اور سلامتی بھیجو۔ نیز اللہ تعالی فرماتا ہے۔ قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اس میں دو چیزوں کا حکم ہے یعنی الحمد للہ اور سلام علی عبادہ الذین اصطفی ہے اس میں اللہ تعالی کے ذکر کے ساتھ اس کے نبی کے ذکر کا حکم دیا ہے رہا عقل کا تقاضا سو وہ بھی اس امر کو مقتضی ہے کہ حضور پر صلوۃ و سلام بھیجنا چاہیئے کیونکہ بندہ اللہ تعالی سے بہت بعید ہے چونکہ اللہ تعالی لطیف ہے اور انسان نہایت کثیف لہذا انسان جب حمد کا ہدیہ خدا تعالی کی درگاہ میں پیش کرے تو ضروری ہے کہ اس انسان اور خدا کے درمیان ایک ذات ہو جس کا تعلق دونوں سے ہو تاکہ اس قبول ہدیہ سے جو رحمت نازل ہو اس کیلئے یہ واسطہ بن جاوے کیونکہ فیض عالی کا پہنچنا مستفیض کیطرف اکثر بلا واسطہ نہیں ہوتا بلکہ درمیان میں واسطہ کی ضرورت ہے ایسی ذات ہمارے لئے فقط حضور کی ذات ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ حضور پر صلوۃ و سلام کی دعا کی جاوے۔ جاننا چاہیے کہ یہ ہماری تقریر قولہ تعالی نحن اقرب الیہ من حبل الورید کے منافی نہیں کیونکہ اسی آیت سے جو قربت مفہوم ہوتی ہے۔ وہ قدرت کے اعتبار سے ہے بندہ کا بعد جو خدا سے ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ خدا تعالی کی بندگی کے لائق بندوں کے اعمال نہیں لہذا قربت دوسرے اعتبار سے ہے اور بعد دوسرے اعتبار سے اسلئے ان دونوں میں کچھ منافات نہیں کہ خدا بندے سے قریب ہو اور بندہ خدا سے بعید ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے یعنی وجہ عقلی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور بندوں کے درمیان احکام پہنچانے میں سفیر ہیں۔ لہذا آپ بندوں کے واسطے افادہ دارین کے حصول کیلئے وسیلہ ہیں تو جب حمد کیجاوے تو آپ پر صلوۃ کی جاوے تیسری وجہ یہ ہے کہ مصنف نے چاہا کہ اللہ تعالی کی ثنا کی تکمیل ہو جاوے اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ثنا کی چونکہ آپ کی ثنا فی الحقیقت خداوند تعالی کی ثنا ہے جیسا کہ آپکا اتباع خدا تعالی کا اتباع ہے۔ نیز صلوۃ کو لاکر مصنف اس امر پر تنبیہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ تالیف اہل اسلام کی تالیفات سے ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ و سلام مومنین کے خواص میں سے ہے بخلاف حمد کے کہ یہ مسلمان اور دوسرے سب آدمی کرتے ہیں۔ جانو کہ لفظ صلوۃ اصل میں صلوۃ تین فتحوں کے ساتھ تھا جب واؤ متحرک ہو نیکے اور ماقبل کے فتح کے واؤ کو الف سے بدلا صلوۃ ہو گیا اس کے الف کی کتابت واؤ کیساتھ مشہور ہے۔ صاحب فصول اکبری نے اصول میں کہا ہے کہ صلوۃ اور زکوۃ اور ایسے ہی مشکوۃ اور الربوا ان سب کے الف کو واؤ کیساتھ لکھا جاتا ہے کیونکہ ان کلمات کو تفخیم کیساتھ پڑھا جاتا ہے یعنی واؤ کی طرف مائل کر کے پڑھا جاتا ہے۔ البتہ جب ان کی اضافت کی جاتی ہے تو الف سے لکھے جاتے ہیں جیسے صلاتی

(باقی بر صـ ۶)

نیز انکی کتابت الف کیساتھ غیر حالت اضافت میں بھی واقع ہے اسی وجہ سے قرآن شریف میں عن صلاتہم ساہون جو الف سے لکھا ہوا ہے اس پر اعتراض نہ ہوگا۔ اگرچہ اسکا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ قرآن شریف کے رسم الخط کا اعتبار نہیں کہ اس کا رسم الخط عام لوگوں کے رسم الخط سے جدا ہے واللہ اعلم جاننا چاہیے کہ صلوٰۃ تصلیہ کا اسم ہے اسی وجہ سے یہ مفعول مطلق واقع ہو سکتا ہے عبداللہ بن عباس رضی اور انکے تابعین کے نزدیک یہ لفظ مشترک لفظی ہے جب خدا تعالے کیطرف منسوب ہوتا ہے خواہ کلام الٰہی میں ہو خواہ کلام ناس میں فقط رحمت کے معنے ہوتے ہیں اور جب ملائکہ کیطرف منسوب ہو تو دعا کے معنی میں ہیں اور جب طیور و ہوام کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اسکے معنی تسبیح کے ہیں بعض محققین کے نزدیک مشترک معنوی ہے عظمت اور افادہ خیر کے واسطے موضوع ہے۔ یہ افادہ خیر مذکورہ بالا سب معانی پر صادق آتا ہے یہاں پر مراد یہ ہے کہ اللہ آپکو دنیا میں عظمت بخشے۔ ذکر کے بلند کرنے اور اسلام کی ترقی سے اور آخرت میں امت کے واسطے شفیع کرنے سے اور اعمال کا دو چند ثواب دینے کیساتھ السلام لفظ سلام کے لغت میں دو معنی ہیں ایک معنے تسلیم اور دوسرے معنے عیبوں سے بچا ہوا ہونا مصنف چونکہ متاخرین میں سے ہے اسوجہ سے تصلیہ کیساتھ تسلیم بھی ذکر کرتا ہے **قولہ رسولہ** رسول لغت میں بمعنی مرسول ہے اور اصطلاح میں اس انسان کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ نے مخلوق کی طرف احکام پہنچانے کیلئے مبعوث کیا ہو۔ اور اس کے ساتھ نئی کتاب اور نئی شریعت ہو اور نبی عام ہے یعنی اسکے مفہوم میں کتاب اور شریعت کی شرط نہیں یہ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے اللہ تعالی کا قول وما ارسلنا قبلک من رسول ولا نبی اس پر دلیل ہے اعتراض رسول کی یہ تعریف آدم علیہ السلام پر صادق نہیں آتی چونکہ وہ مخلوق کی طرف مبعوث نہ تھے اسوجہ سے کہ جب وہ مبعوث ہوئے انسان نہ تھے۔ بلکہ انکی بعثت کے بعد مخلوق وجود میں آئی جواب مخلوق کی طرف انکا تعلق احکام پہنچانے کے اعتبار سے ہے پہنچنے کیساتھ نہیں یعنی تعریف کا مطلب یہ ہے کہ رسول اس انسان کو کہتے ہیں جسکو اللہ تعالے نے اس غرض سے بھیجا ہو کہ وہ مخلوق کو احکام پہنچا وے جاننا چاہیے کہ اس مقام پر بڑا اعتراض ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ رسولوں کی گنتی جیسا کہ حدیث میں ہے تین سو تیرہ ہیں اور کتابوں کا شمار ایک سو چار باوجود اس کے ایک رسول پر متعدد کتب اور صحیفے نازل ہوئے ہیں تو اگر اسکا نزول ہر رسول پر ضروری ہو جیسا کہ بعض نے کہا ہے تو چاہیے کہ کتابوں کی گنتی رسولوں سے کم نہ ہو۔ حالانکہ امر بالعکس ہے ایسے ہی اگر نئی شریعت کا ہونا ہر رسول کیساتھ ضروری ہے جیسا کہ بعض نے کہا ہے تو لازم آتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام رسول نہ ہوں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ان کی شریعت پر تھی نئی شریعت نہ رکھتی تھی جیسا کہ صاحب بیضاوی نے وکان رسولا نبیا کے تحت میں بیان کیا ہے شارح مواقف نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ رسول میں معتبر کتاب کا ساتھ ہونا ہے اگرچہ اس پر نازل نہ ہوئی ہو پس ہو سکتا ہے کہ ایک کتاب متعدد رسولوں کے ساتھ ہو اگرچہ نازل ایک پر ہی ہوئی ہو یا مکرر نازل ہوئی ہو جیسا کہ سورۃ فاتحہ مکہ شریف میں ایک دفعہ اور یک دفعہ مدینہ شریف میں نازل ہوئی اس تقدیر پر ایک شخص کی تخصیص کسی کتاب کے ساتھ اول نزول کے اعتبار سے ہوگی۔ لیکن جاننا چاہیے کہ یہ دونوں جواب محض احتمال عقلی ہیں جن کا روایت کے مقابلہ میں کچھ اعتبار نہیں معتزلہ کا مذہب اس میں یہ ہے کہ نبی اور رسول دونوں متحد بالذات اور مغائر بالاعتبار ہیں لیکن مذکورہ بالا آیت اور قولہ تعالی وکان رسولا نبیا اس کے خلاف دلالت کرتی ہے بعض کے نزدیک رسول عام ہے اور نبی خاص چونکہ رسول انسان اور فرشتہ دونوں کو شامل ہے بخلاف نبی کے کہ وہ انسان کے ساتھ مخصوص ہے اس معنی کی تائید اللہ تعالی کے قول سے ہوتی ہے وہ یہ ہے وکان رسولا نبیا بعض کے نزدیک کتاب اور نئی شریعت کا نہ ہونا نبی کے مفہوم میں شرط ہے اس تقدیر پر دونوں کے درمیان میں تباین ہے واللہ اعلم بالصواب **قولہ محمد** جب اس کو مجرور پڑھا جاوے تو بدل یا عطف بیان ہوگا بندے کے نزدیک عطف بیان بنانا بدل بنانے سے اولی ہے۔ کیونکہ بدل کی صورت میں رسولہ مقصود نہ رہیگا حالانکہ اسم گرامی سے زیادہ یہ وصف محمود مقصود ہے کما لا یخفی اور جب اس کو مرفوع پڑھا جاوے تو مبتدائے محذوف کی خبر ہوگی بنا بر حال کے نصب پڑھنا بھی جائز ہے لغت میں اسکے معنی ہیں بہت تعریف کیا ہوا چونکہ یہ تحمید سے ماخوذ ہے جسکے معنی بہت تعریف کرنا ہے یہاں باب تفعیل مبالغہ کیلئے حضور پر نور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف القریشی البطحی المضری کا اسم گرامی ہے۔ حضور کی ذات گرامی کا اسم اس لفظ کے ساتھ اسوجہ سے رکھا گیا ہے کہ حضور کی ذات بہت ہی زیادہ محمود ہے صلی اللہ علیہ وسلم فاضل اسفرائنی نے اطول میں لکھا ہے کہ حمد سے دو نام مبالغہ کے واسطے مشتق ہوئے ہیں ایک محمد جو محمودیت کے مبالغہ کیواسطے ہے اور دوسرا احمد جو حامدیت کے مبالغہ کیلئے **قولہ وآلہ** لفظ آل میں دو بحثیں ہیں ایک بحث باعتبار لفظ کے اور دوسری بحث باعتبار معنے کے اور مصداق کے آل اسم جمع ہے سیبویہ کے نزدیک اصل اسکی اہل ہے ہا کو قیاس کیخلاف الف سے بدلا ہے دلیل اس پر اُہیل ہے جو اسکی تصغیر ہے اور بصریوں کے نزدیک بھی مسلم ہے اور کوفی کہتے ہیں اصل اسکی اَوَل ہے واو کو الف سے بدلا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اسکی تصغیر اُویل آتی ہے چنانچہ کوفیوں میں سے کسائی کہتا ہے کہ میں نے ایک فصیح اعرابی سے آل واُویل واُہیل سنا ہے اصمعی لغوی سے بھی یہی منقول ہے آل اور اہل میں کئی طرح سے فرق کیا جاتا ہے ایک فرق تو یہ ہے کہ آل کی اضافت ذوی العقول کیطرف کی جاتی ہے چنانچہ یہ اللہ اور حق اور زمان اور مکان اور معانی اور حرف کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔ آل اللہ وآل الحق وآل الزمان وآل المصر وآل العلم وغیرہ نہیں کہتے بخلاف اہل کے کہ وہ ان سب کے ساتھ متصل ہوتا ہے دوسرا اسکی اضافت ذوی العقول میں بھی ذکور کیطرف کی جاتی ہے بخلاف اہل کے کہ اسکی اضافت ذکور اور اناث سب کی طرف درست ہے تیسرا فرق یہ ہے کہ ذکور میں سے بھی اشراف اور ارباب عظمت کی طرف مضاف ہوتا ہے چنانچہ آل حائک نہیں بولا جاتا بخلاف اہل کے کہ یہ عام ہے چوتھا فرق یہ ہے کہ اس کی اضافت ضمیر کی طرف نادر ہے بخلاف اہل کے کہ اسکی اضافت ضمیر کیطرف نادر نہیں جاننا چاہیے کہ آل کے معنی لغت میں کنبہ کے ہیں لیکن آل النبی کے مصداق میں اختلاف ہے اس میں پانچ مذہب ہیں اول بمعنی اتباع یہ جابر بن عبداللہ اور سفیان الثوری کا مذہب ہے بعض اصحاب شافعی نے بھی اسکو پسند کیا ہے نووی اور ازہری کے نزدیک بھی یہ ہی راجح ہے دوم بمعنے بنو ہاشم اور بنو المطلب یہ شافعی کا مذہب ہے سوم بمعنے بنو ہاشم فقط یہ امام اعظم کا مذہب ہے بعض مالکیہ کا بھی یہ ہی معیار ہے۔ چہارم بمعنی ازواج و بنات و دامادِ آنحضرت اور آپکی اولاد اور بعض کے نزدیک خادم بھی داخل ہیں پانچواں قول اہل بیت جبکہ اول معنی مراد لیے جائیں اسوقت صحابہ کا ذکر عطف الخاص علی العام کے طور پر ہوگا **قولہ اصحابہ** صحب کی جمع ہے نہ صاحب کی چونکہ فاعل کی جمع افعال نہیں آتی صاحب رسول اس شخص کو کہا جاتا ہے جو حضور کے دیدار سے حالت اسلام و ایمان میں مشرف ہوا ہو۔ اور خاتمہ اسکا ایمان پر ہوا ہو واللہ اعلم بالصواب ۱۲ اللھم اغفر لکاتبہ ولمن سعی فیہ ولوالدیھم اجمعین۔

اَمَّا بَعْدُ فَهٰذَا مُخْتَصَرٌ مَضْبُوْطٌ فِی النَّحْوِ جَمَعْتُ فِیْهِ مُهِمَّاتِ النَّحْوِ عَلٰی تَرْتِیْبِ الْکَافِیَةِ

قولہ اما بعد اما شرط کیلئے آتا ہے اس کے استعمال کے دو طریق ہیں ایک استیناف کیلئے جبکہ اس سے پہلے اجمال ذکر شدہ ہو خارجاً یا ذہناً اور وہ اما جو اوائل کتب میں واقع ہے اسی قسم میں داخل ہے دوسرے اس شئے کی تفصیل کیواسطے آتا ہے جس کو متکلم پہلے اجمالاً ذکر کرے خواہ خارج میں یا ذہن میں۔ یہاں پر استیناف کیلئے ہے چونکہ اس سے پہلے اجمال نہیں ہے اس کی اصل میں اختلاف ہے جس کی تحقیق بحث اما میں انشاء اللہ تعالےٰ اسی کتاب میں آوے گی۔ بعد مبنی علی الضم ہے چونکہ اس کا مضاف الیہ محذوف معنوی ہے اصل میں عبارت یوں تھی۔ اما بعد البسملۃ والحمدلۃ والصلوٰۃ واللہ اعلم **قولہ فہذا مختصر** فا اما کے جواب میں ہے کلمہ ہذا مشار الیہ محسوس کی طرف اشارہ کرنے کیواسطے موضوع ہوا ہے۔ یہاں اس کے مشار الیہ میں سات احتمال ہیں معانی یا الفاظ یا نقوش یا دونوں کا مجموعہ یا تینوں کا مجموعہ اگر نقوش کی طرف اشارہ ہو اس وقت اگر خطبہ الحاقیہ ہو یعنی خطبہ تصنیف کے بعد لکھا ہو جیسا کہ بعض مصنفین کا دستور ہے تو اس وقت مشار الیہ اس کا محسوس ہوگا۔ اور اگر خطبہ ابتدائیہ ہو یعنی تصنیف سے پہلے اسکو لکھا ہے تو اس وقت اگر مشار الیہ نقوش محض کو ہی قرار دیا جائے تب بھی یہ اشارہ محسوس کی طرف نہ ہوگا چونکہ نقوش اس وقت خارج میں محسوس موجود نہ تھے اور اگر معانی یا الفاظ دونوں کے مجموعہ یا الفاظ اور نقوش کے مجموعہ یا معانی اور نقوش کے مجموعے یا تینوں کے مجموعہ کی طرف اشارہ ہو تو بھی اشارہ محسوس کی طرف نہ ہوگا بلکہ معقول کی طرف ہوگا خواہ خطبہ الحاقیہ ہو یا ابتدائیہ چونکہ یہ خارج میں محسوس موجود نہیں جیسا کہ ظاہر ہے رہا یہ امر کہ مصنفؒ نے اس لفظ سے امر معقول کی طرف اشارہ کیوں کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس لفظ سے امر معقول کی طرف اشارہ اس وجہ سے کیا ہے کہ اس سے اس امر معقول کے کمال ظہور پر تنبیہ ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے طالبین کو اس امر کے حاصل کرنے کی رغبت بڑھ جاتی ہے یہ بھی جاننا چاہیے کہ جب معانی کیلئے اشارہ ہوگا تو ہذا کا مطلب ہوگا کہ یہ کلام نفسی ہے۔ اور جب الفاظ کی طرف اشارہ ہوگا تو ہذا کا مطلب ہوگا کہ یہ کلام لفظی قول مصنفؒ مختصر ہذا کی خبر ہے مختصر اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس کی عبارت تھوڑی ہو۔ اور معنی بہت ہوں اور مضبوط مختصر کی صفت ہے یعنی یہ معانی یا الفاظ جو حشو و تطویل سے محفوظ ہیں مختصر کلام ہیں حشو اس زائد کلام کو کہتے ہیں جو مقصود میں خلل انداز اور بے فائدہ ہو۔ اور تطویل اس زائد کلام کو کہتے ہیں جو مقصود میں خلل انداز نہ ہو اور فائدہ رکھتا ہو اور فی النحو ظرف مستقر ہے جو مرفوع ہے وصفیت کی بنا پر یعنی مختصر کی صفت بعد صفت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ علم نحو میں ثابت ہے۔ اس پر اعتراض پڑتا ہے کہ یہاں ظرف مظروف مرکب ہے اور شئی واحد آن واحد میں ظرف مظروف نہیں ہو سکتی۔ لہذا مختصر کا ظرف مظروف ہونا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ جواب اصل میں عبارت فیہ النحو ہے ضمیر مجرور کو یہاں حذف کر کے فاعل ظرف اسکے قائم مقام کر دیا۔ جب عبارت اس طرح پڑھیگی تو اعتراض مذکور لازم نہیں آتا چونکہ مختصر کا مظروف بننا لازم نہیں آتا بلکہ مختصر مظروف ہو گی اور نحو ظرف عبارت کا مطلب یہ ہو گیا کہ یہ مختصر کلام حشو و تطویل سے محفوظ ایسا ہے جس میں علم نحو حاصل ہے واللہ اعلم **قولہ جمعت فیہ** یہ جملہ بھی مختصر کی صفت بعد صفت ہے اور یہ بھی درست ہے کہ مختصر سے حال ہو اور اس وقت عامل اس میں معنی اشارہ ہے۔ اور اس جملہ میں مہمات مہمۃ کی جمع ہے۔ یا ہم کی ہمت بمعنی قصد سے ماخوذ ہے۔ ہم بمعنی رنج سے ماخوذ نہیں۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے لیکن اول اولیٰ ہے یہاں پر اس سے مراد نحو کے مقاصد جزئیہ اور مسائل ہیں اور اگر ہم سے ماخوذ ہو تو بمعنی مشکلات ہیں اس وقت اس سے مراد مشکل مسائل ہیں چونکہ مہمات جمع مؤنث سالم ہے اور اسکا اعراب حالت نصبی اور جری میں یکساں ہوتا ہے یعنی کسرہ کے ساتھ اور یہاں پر جمعت کا مفعول بہ ہونے کی بنا پر منصوب ہے اس وجہ سے کسرہ کے ساتھ اس کا اعراب ہو گیا اس مقام پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں اول کی تقریر یہ ہے جبکہ فی النحو تقدیر میں فیہ النحو کی ہے تو اس سے مستفاد ہوا کہ اس مختصر میں نحو ہے اور جمعت فیہ بھی اس پر دال ہے۔ کہ اس مختصر میں مصنفؒ نے نحو کے مسائل جمع کئے ہیں تو دونوں کا ایک مطلب ہوا۔ جب دونوں کا مطلب ایک ہوا اب سوال یہ ہوا کہ مصنفؒ نے ایسا کس نکتہ کی بنا پر کیا کیونکہ اگر اس میں کوئی نکتہ نہ ہو تو مصنفؒ کی یہ عبارت مستدرک اور فضول ہے جواب یہ عبارت ماقبل عبارت کے واسطے بیان ہے اس سے غرض ایک وہم کا دور کرنا ہے چونکہ جب مصنفؒ نے کہا کہ فیہ النحو یعنی اس مختصر میں نحو ہے یعنی اس مختصر میں علم نحو کے مسائل ہیں تو وہم ہوتا ہے کہ یہ کتاب مختصر کیسے ہو سکتی ہے بلکہ مطول ہو گی۔ چونکہ نحو مہمات اور زوائد دونوں کو شامل ہے جب یہ وہم ہوا تو مصنفؒ نے جمعت فیہ کی عبارت کو بڑھا دیا تاکہ وہم مذکورہ بالا دفع ہو جاوے تقریر دفع یہ ہے کہ یہ کتاب مختصر ہے اور مطول نہیں چونکہ اس میں نحو کے مقصودات ہی بیان کئے گئے جو تطویل کے مقتضی ہیں۔ دوسرے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مصنفؒ کو مہمات النحو کی بجائے مہماتہ کہنا چاہیے تھا۔ چونکہ جس کا ذکر ایک مرتبہ پہلے ہو چکے تو اس کی جگہ ضمیر لاتے ہیں مصنفؒ نے یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کیوں رکھا۔ جواب اسم ظاہر کا ضمیر کی جگہ میں لانا زیادت تمکن کی وجہ سے ہوا ہے۔ یعنی اگرچہ مہماتہ کہنے میں اختصار زیادہ تھا۔ لیکن اس طرح کہنے پر ذہن میں خوب جگہ پکڑنا حاصل نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے مصنفؒ نے مہماتہ نہیں کہا بلکہ ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لے آئے **قولہ علی ترتیب الکافیۃ**۔ لفظ الکافیہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ کافیہ کتاب کا نام ہو گا اس صورت میں عبارت کا مطلب یہ ہو گا کہ میں نے نحو کے مسائل کو اس مختصر میں کتاب کافیہ کی ترتیب سے ملا ہوا جمع کیا ہے۔ کافیہ شیخ جمال الدین ابن حاجب کی کتاب کا نام ہے جو کہ علم نحو میں ہے۔ یہاں پر دو باتوں میں غور کرنا ہے ایک یہ کہ مصنفؒ نے کافیہ کی ترتیب پر کیوں جمع کیا۔ دوسرے ہم کو اس بات کی کیوں اطلاع دی پہلی بات یعنی مصنفؒ کا اس کتاب کو کافیہ کی ترتیب پر لکھنا تو اس وجہ سے ہوا ہے کہ کافیہ ایسی ترتیب پر واقع ہے جس کو۔ (باقی بر صـ ۸)

◆ ◆ ◆

مُبَوَّبًا وَمُفَصَّلًا

طبیعت سلیم تقاضا کرتی ہے۔ نیز عنداللہ بھی بڑی مقبول ہے۔ اس وجہ سے مصنفؒ نے چاہا کہ میں بھی اپنی اس مختصر کو اسی ترتیب پر لکھوں تاکہ یہ کتاب بھی اسی طرح مقبول ہو جاوے اور قواعد میں بہترین ہو رہا مصنفؒ کا ہم کو اطلاع دینا۔ کہ یہ کتاب کافیہ کی ترتیب پر مرتب ہے۔ تو اس وجہ سے ہوا کہ ذہنوں میں اسکی عظمت جاگزین ہو۔ کیونکہ جب کسی عظیم الشان شے کی طرف نسبت کرتے ہیں تو منسوب الیہ منسوب کی عظمت کا موجب اور باعث ہو جاتا ہے چنانچہ کعبہ کو بیت اللہ اسی وجہ سے کہتے ہیں اور جب اذہان اسکو مہتم بالشان سمجھنے لگیں گے تو اسکی طرف متوجہ اور ملتفت ہونگے۔ چنانچہ یہ کتاب بھی کافیہ کی طرح مشارق اور مغارب میں مشہور ہے اور تمام اسلامی درسگاہوں میں داخل درس ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ جس طرح کافیہ میں اول بحث اسم واقع ہے۔ پھر بحث فعل پھر بحث حرف اور بحث اسم میں پہلے مرفوعات اور پھر منصوبات اور پھر مجرورات کی ابحاث ہیں اسی طرح اس مختصر میں واقع ہیں۔ ایک اعتراض ہوتا ہے۔ کہ کافیہ میں بہت سے ایسے مسائل مذکور ہیں جو اس مختصر میں نہیں جیساکہ تضمن مبتدا معنی شرط کا مسئلہ لہٰذا یہ کتاب کافیہ کی ترتیب پر نہ ہوئی چونکہ اس کی ترتیب پر تو جب ہوتی جب اس میں تمام مسائل ہوتے جواب عبارت علی ترتیب الکافیہ سے مصنفؒ کی مراد یہ ہے کہ جو کچھ اس مختصر میں مذکور ہے وہ کافیہ کی ترتیب پر ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ جو کچھ کافیہ میں مذکور ہے ان سب کے اعتبار سے یہ مختصر کافیہ کی ترتیب پر واقع ہے کیونکہ یہ کتاب مختصر ہے اگر اس میں کافیہ کے سارے مسائل ہوں تو پھر [illegible] نہ رہے گی۔ اعتراض اس مذکورہ بالا بیان پر کہ یہ مختصر کافیہ کی ترتیب پر نہیں کیونکہ اس میں بعض مسائل جو کافیہ میں مقدم ہیں مثلاً مسئلہ منادی مسئلہ تحذیر سے اس میں مؤخر ہے اور [illegible] میں مسئلہ تحذیر منادی سے مؤخر ہے نیز اسم فعل حرف کی تعریف اور اسکے خواص اس مختصر میں شروع میں ہیں۔ اور کافیہ میں ہر ایک اپنی اپنی بحث میں مذکور ہے لہٰذا یہ مختصر کافیہ کی ترتیب پر بھی نہ ہوئی نیز مقدمۃ الکتاب نحو کی تعریف اور غرض اور موضوع کے بیان اس مختصر میں ہے اور کافیہ میں نہیں ہے ایسے ہی اور بہت سے مسائل ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ یہ مختصر کافیہ کی ترتیب پر مرتب ہے سراسر غلط ہے جواب کافیہ کی ترتیب پر ہونے سے یہ مراد ہے کہ اقسام اور ابحاث کلیہ میں یہ مختصر کافیہ کی ترتیب پر ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ ابحاث جزئیہ میں بھی کافیہ کی ترتیب پر ہے۔ اور اس مراد مذکورہ کے اعتبار سے یہ کتاب کافیہ کی ترتیب پر ہے۔ رہا حدود و تعریف و خواص سے اعتراض تو یہ بھی نہیں پڑتا چونکہ یہ امور کافیہ کے شروع میں موجود ہیں کیونکہ یہ بطور دلیل حصر سے سمجھے جاتے ہیں چونکہ حدود کتاب میں واقع ہے لہٰذا حدود کے اعتبار سے تو کافیہ کی ترتیب پر ہے ایسے ہی اسم کے خواص بھی صدر کتاب میں ہیں۔ البتہ حرف و فعل کے خواص کو مصنفؒ نے اسم کے اتباع سے نہیں ذکر کر دیا رہا مقدمہ تو یہ شروع کے لئے تمہید ہے جس میں نہ مختصر کے مسائل ہیں نہ کافیہ کے بلکہ جملہ معترضہ کی مانند ہے جو سقوط کے حکم میں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ مختصر ہر طور سے کافیہ کی ترتیب پر واقع ہے غرضیکہ مصنفؒ کی عبارت الکافیہ میں کتاب کافیہ مراد لینے پر مذکورہ بالا مطلب ہوگا اور علی ترتیب میں باعتبار ترکیب کے چند احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ جمعت کے متعلق ہو دوسری یہ کہ مختصر کی صفت واقع ہو۔ تیسرے یہ کہ مہمات النحو سے حال ہو نیز جاننا چاہئے کہ در صورت اول ترجمہ ہوگا کہ میں نے اس مختصر میں نحو کے مقاصد کو کافیہ کی ترتیب پر جمع کیا صورت ثانی میں یہ ترجمہ ہوگا کہ اس مختصر میں جو کافیہ کی ترتیب پر ہے تیسری صورت میں یہ معنی ہونگے کہ جمع کیا میں نے اس مختصر میں نحو کے مقاصد کو درانحالیکہ اسکا بیان قواعد کافیہ کی ترتیب پر شامل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مختصر سے حال ہو یا مفعول مطلق محذوف کی صفت ہو۔ یعنی جمعت جمعا مشتملا علی ترتیب الکافیۃ الکافیہ کی تا یا تو تانیث کی ہے اس وقت موصوف مقدر ہوگا یعنے الرسالۃ الکافیہ یا مبالغہ یا حکایت کیلئے اس طور سے کہ مصنفؒ نے اس لفظ کو دوسری جگہ سے نقل کیا ہے یا اسمیت کی ہے اس طور پر کہ کلمہ کے حروف سے ہو کیونکہ یہ لفظ وصفیت سے اسمیت کیطرف منقول ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ الکافیہ کتاب کا نام نہ ہو۔ بلکہ اپنے حقیقی معنی پر ہو کہ موصوف محذوف کی صفت ہو یعنی القواعد الکافیہ یا اسم فاعل کے وزن پر مصدر ہو جیسے **قولہ تعالیٰ** لیس لوقعتہا کاذبۃ وہل تری لہم من باقیہ میں اسم فاعل بمعنی مصدر رہے اس صورت میں احتمال ہے کہ مہمات النحو سے حال ہو یا مختصر کی صفت واقع ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ کافی قواعد کی ترتیب پر شامل ہے ثانی پر یہ معنی ہونگے کہ ان میں قواعد کافی رکھے گئے ہیں یا وہ مختصر کفایت کی وضع پر ثابت ہے۔ **قولہ مبوّبا و مفصلا** ان دونوں صیغوں میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ صیغہ اسم فاعل ہو بکسر الواؤ والصاد دوسری یہ کہ اسم مفعول کا صیغہ ہو۔ بفتح الواؤ والصاد۔ اول صورت میں دونوں ضمیر مرفوع سے جو جمعت کے اندر ہے۔ حال ہوں گے اور دوسری صورت میں فیہ کی ضمیر مجرور سے مبوب تبویب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں باب باب کرنا کسرہ کی صورت میں اسکے معنی ہونگے باب باب کرنے والا اور فتح کی صورت میں باب باب کیا ہوا۔ اور مفصلا تفصیل سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں فصل فصل کرنا کسر صاد کی صورت میں اسکے معنی ہونگے فصل فصل کرنیوالا۔ اور فتح صاد کی حالت میں فصل فصل کیا ہوا ہونگے۔ جب جمعت سے حال ہوں گے۔ تو یہ معنی ہونگے کہ جمع کیا میں نے ایسی حالت میں کہ میں باب باب اور فصل فصل کرنیوالا تھا اور جب فیہ کی ضمیر سے حال واقع ہونگے تو یہ معنی ہوں گے کہ میں نے اس میں مہمات نحو کو جمع کیا۔ درانحالیکہ یہ مختصر باب باب اور فصل فصل کیا ہوا ہے یعنی یہ مختصر الابواب اور فصول پہ مشتمل ہے غرضیکہ جب الکافیہ سے مراد کتاب کافیہ ہو۔ اور کافیہ کی ترتیب پر ہونے سے یہ مراد ہے کہ نفس کافیہ کے ڈھنگ پر ہے۔ تو مصنفؒ کا یہ قول بمنزلہ استثناء ہوگا یعنی نفس کافیہ کے طرز پر ہے لیکن اس میں ابواب اور فصول مقرر کئے ہیں اور اگر کافیہ کی ترتیب ہونے سے مراد ترتیب بالکلیہ ہے۔ تو چونکہ قواعد کلیہ بھی مبوب اور مفصل ہیں جیساکہ ادنی ملاحظہ سے معلوم ہو سکتا ہے تو مصنفؒ کا تبویب اور تفصیل کا ذکر کرنا محض مدعی کے انکشاف کے واسطے ہوگا اور بمنزلہ استثناء نہ ہوگا۔ باب کے معنے لغت میں (باقی برص ۹

بعبارۃٍ واضحۃٍ مع ایراد الامثلۃِ فی جمیع مسائلِہا من غیر تعرُّضٍ للادلۃِ والعلل

گھرکے دروازے کے ہیں۔ اور فصل بمعنی قطع اور اصطلاح میں قواعد کلیہ کے اعتبار سے کتاب کا جو حصہ ہوتا ہے اس کو باب کہتے ہیں اور کلام کے اس حصہ کو جو ایسے دو مشترک کلاموں کے درمیان لایا جاوے۔ جس میں قدر مشترک مفہوم کلی ہو اور خواص اور بعض امور جزئیہ میں وہ دونوں کلام باہم مخالف ہوں تو اسکو فصل کہتے ہیں۔ جیسے فاعل اور مبتدا کہ دونوں مفہوم کلی یعنی مرفوعیت میں مشترک ہیں۔ اور مفہوم جزئی میں مخالف۔ چنانچہ فاعل عامل لفظی کا معمول ہے اور مبتدا عامل معنوی کا ایسے ہی دونوں خواص میں مختلف ہیں۔ تو ان دونوں کے جدا کرنے کے واسطے کلام کا جو حصہ لایا جاتا ہے اس کا نام فصل ہے لہٰذا یہ امر اس پر تنبیہ کرنے کیلئے لایا جاتا ہے کہ اس کے مابعد کا کلام ماقبل کے ساتھ مفہوم کلی میں شریک ہے اور خواص اور بعض امور جزئیہ میں مختلف لہٰذا کتاب بمنزلہ خانہ کے ہے۔ اور باب بمنزلہ دروازے کے اور فصول بمنزلہ تعلیم اور تعلیم کی کوٹھڑیوں کی مصلحت کی بناء پر کتاب کو ان اقسام یعنی ابواب و فصول کی طرف منقسم کر دئیے ہیں وہ مصلحت وہ خرمی اور خوشی اور مسرت و فرحت ہے جو کتاب کے کسی باب یا فصل کے ختم کر دینے سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔

قولہ بعبارۃ واضحۃ العبارت لغت میں خوابوں کے معنے بیان کرنے کو کہتے ہیں ویقال عبرتہا عبارۃ ای فسرتہا جو الفاظ کہ معنی پر دلالت کرتے ہیں ان کو عبارت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ الفاظ ان معانی کے جو نفوس انسانیہ میں مضمر اور مستور ہیں مفسر ہیں۔ واضحۃ وضاحت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں روشن ہونا مطلب یہ ہے کہ ایسی عبارت کے ساتھ جمع کیا جس کے معنی صاف اور روشن ہیں اور اس سے معنی کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی اور پہلی ہی نظر میں سمجھ میں آجاتے ہیں۔ مصنفؒ نے اپنے قول بعبارۃ واضحۃ سے ایک وہم کا ازالہ فرمایا ہے چونکہ جب مصنفؒ نے علی ترتیب الکافیہ کہا۔ تو وہم ہوا کہ اس مختصر کی عبارت بھی کافیہ کے ہی مانند ہوگی تو مصنفؒ نے اس کے دور کرنے کے لیے فرمایا کہ عبارت اس مختصر کی واضح ہے کافیہ کی عبارت کی طرح معلق نہیں۔ **قولہ مع ایراد الامثلۃ** مع مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ منصوب ہوا کرتا ہے باعتبار متعلق کے یا واضحۃ سے متعلق ہے یا عبارۃ کی صفت ہے ایراد مصدر ہے اس کے معنی ہیں لانا۔ اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے امثلہ مثال کی جمع ہے جیسے ائمہ امام کی۔ مثال اس شے کو کہتے ہیں جس کو قاعدہ کی ایضاح کے لئے لایا جاوے اور شاہد اس کو کہتے ہیں جو اپنی آنکھوں دیکھی چیز کو دوسرے کے سامنے پیش کرے اثبات قاعدہ کی غرض سے بیان کیا جاوے مثال اور شاہد میں عموم و خصوص مطلق ہے ہر وہ شے جو شاہد بننے کے قابل ہوتی ہے مثال بن سکتی ہے اور جو شے مثال ہوتی ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ شاہد بھی ہو کیونکہ کسی مسئلہ کا ثابت کرنا ہر کلام سے ممکن نہیں ہے بخلاف ایضاح مسئلہ کے کہ وہ ہر کلام سے ہو سکتا ہے شاہد چونکہ مقتدا بہ ہوتا ہے لہٰذا اس کا پہلے سے ہونا ضروری ہے مثلاً قرآن مجید و فرقان حمید یا احادیث سرور عالم فخر بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم یا اس شخص کے کلام سے جس کی عربیت پر وثوق کامل اور اعتماد کلی حاصل ہو۔ **قولہ فی جمیع مسائلہا** فی یہاں لام اختصاص کے معنی میں ہے۔ اور مسائل مسئلہ اسم ظرف (بمعنی جائے سوال و وقت سوال) کی جمع ہے اصطلاح شرع میں مسئلہ کہتے ہیں کسی امر کی نسبت اللہ تعالیٰ یا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم یا مجتہدین کی رائے کی طرف کرنے کو اور اہل فنون کی اصطلاح میں مسئلہ کہتے ہیں اثبات محمول للموضوع بالدلیل یا بلا دلیل بیان کرنے کو مسائلہا کی ضمیر مجرور میں کئی احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ مہمات النحو کی طرف راجع ہو اس وقت کچھ اشکال نہیں دوسرے یہ کہ مختصر کی طرف پھرتی ہو۔

البتہ اس وقت یہ اشکال ہوتا ہے کہ ضمیر مؤنث مذکر کی طرف کیسے راجع ہو سکتی ہے چونکہ راجع اور مرجع میں مطابقت .... ضروری ہے۔ اس اشکال کے دفع کرنے کی دو صورتیں نکالی ہیں۔ ایک یہ کہ مختصر کافیہ کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے مؤنث ہے چونکہ کافیہ مؤنث ہے اگر چہ اس میں تا مبالغہ کے لیے ہے۔ لیکن تا تانیث کے معنی سے مبالغہ کی صورت میں خارج نہیں ہوتی یہ ہی وجہ ہے کہ علامہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ضمیر کافیہ کی طرف راجع ہے نہ مختصر کی طرف۔ چونکہ مختصر کے مسائل بعینہ کافیہ کے مسائل ہیں۔ لہٰذا مختصر کے مسائل کی مثال لانا گویا کہ کافیہ کے مسائل کی مثال لانا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ضمیر مختصر کی طرف راجع ہے بتاویل رسالۃ حاصل یہ ہے کہ مصنفؒ کہتا ہے کہ میں نے تمام مختصر کے مسائل کی امثلہ پیش کی ہیں۔ لیکن یہ کہنا اغلب کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض مسائل کی مثالیں نہیں بھی بیان کیں۔ **قولہ من غیر تعرض للادلۃ والعلل** تعرض اور اعتراض دونوں کے معنی اقدام علی الشئی (کسی شئے کے آگے آنا اور درپے ہونا) ہیں ادلہ دلیل کی جمع ہے جیسے اجنۃ جنین کی دلیل کے معنی لغت میں راہ نمائندہ یعنی راستہ بتانے والے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں وہ شئے ہے کہ جس کے جاننے سے دوسری چیز کا جاننا لازم آ جاوے۔ اس معنی پر دلیل شے مفرد ہوگی۔ مناطقہ کی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو دو مقدموں سے مرکب ہو کہ اس سے مطلوب کا علم حاصل ہو جاوے۔ اور العلل علۃ کی جمع ہے لغت میں بمعنی مؤثر ہے اصطلاح میں وہ شے ہے جس پر دوسری شے کا وجود موقوف ہو۔ یہاں دلیل سے مراد مناطقہ کا مصطلح ہے۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ دلیل اور علت دونوں مترادف ہیں اور خطبہ میں الفاظ مترادفہ کا جمع کرنا مذموم نہیں ہے۔ جاننا چاہیے کہ ادلہ اگر چہ جمع قلت ہے لیکن جمع قلت کثرت کی جگہ اور جمع کثرت جمع قلت کے بجائے مستعمل ہوتی رہتی ہیں۔ اس وجہ سے لفظ ادلہ یہاں پر کثرت کیلئے مستعمل ہے اور مصنفؒ کا یہ کہنا کہ اس مختصر میں مسائل پر دلیلیں اور علتیں بیان نہیں کی گئیں۔ یہ اغلبیت پر محمول ہے۔ یعنی اغلب اور اکثری یہی ہے کہ دلائل اور علل بیان نہیں کی گئیں۔ اگر چہ بعض مسائل میں بیان بھی کی ہیں۔

* * *

لِئَلَّا يُشَوَّشَ ذِهْنُ الْمُبْتَدِیْ عَنْ فَهْمِ الْمَسَائِلِ وَسَمَّيْتُهُ بِهِدَايَةِ النَّحْوِ رَجَاءَ اَنْ يَّهْدِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِ الطَّالِبِيْنَ وَرَتَّبْتُهُ عَلٰى مُقَدِّمَةٍ وَثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ وَخَاتِمَةٍ بِتَوْفِيْقِ الْمَلِكِ الْعَزِيْزِ الْعَلَّامِ

قولہ لئلا یشوش الخ۔ التشویش پریشان کرنا الذہن لغت میں بمعنی فہم ہے۔ اور اصطلاح میں وہ قوت ہے جو انسان کے قلب میں موجود ہے اور اس میں معنی کا انطباع ہوتا ہے جس کو مدرکہ و دراکہ و قوت علمیہ وغیرہ بھی کہتے ہیں المبتدی لغت میں شروع کرنے والے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جو کسی شے کے جزء اول کو باقی تمام اجزاء کی تحصیل کے ارادہ پر شروع کرے۔ مبتدی کی دو قسمیں ہیں۔ طبعی، الکتابی۔ طبعی وہ شخص ہے جو مسائل کو اپنی طبیعت اور سمجھ سے حاصل کرے اور الکتابی وہ شخص ہے جو غیر سے سیکھے جیسے شاگرد استاد سے سیکھتا ہے۔ مصنفؒ کی عبارت میں المبتدی سے مراد الکتابی ہے نہ کہ طبعی لئلا یشوش میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کو معروف پڑھا جاوے اور ذہن المبتدی کو اسکا مفعول بنا کر منصوب پڑھیں۔ اور فاعل اس میں ضمیر ہوگی جو ایراد ادلہ کیطرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ادلہ کا نہ لانا اس وجہ سے ہے کہ ایراد ادلہ ذہن مبتدی کو تشویش میں ڈالتا ہے اور پریشان کرتا ہے کیونکہ اگر ادلہ و علل سے تعرض کیا جاتا اور ان کو بیان کیا جاتا تو مبتدی اور طالب اولاً مسائل میں مشغول ہوتا پھر دلیلوں اور علتوں میں پڑ جاتا تو اس بیچارے کا ذہن خراب اور پریشان ہو جاتا اور نفس مسئلہ کو بھی نہ سمجھ سکتا۔ کیونکہ مبتدی الکتابی کا ذہن قاصر ہے مجموع امور ثلثہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ لئلا یشوش کو مجہول پڑھا جاوے اس وقت ذہن المبتدی نائب فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع پڑھا جاویگا۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ پریشان نہ کیا جاوے مبتدی الکتابی کا ذہن نیز جاننا چاہیئے کہ لئلا میں لام جمعت کے متعلق ہے یعنی میں نے مہمات نحو کو جمع کیا ان مثالوں اور حالتوں اور صفات میں تاکہ ذہن مبتدی کو پریشان نہ کیا جاوے نیز جاننا چاہیے کہ المسائل میں الف لام یا تو عہد خارجی کیلئے ہے یا مضاف الیہ کے عوض اور بدلے میں ہے اور اس سے مراد مسائل مختصرہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب **قولہ سمیتہ الخ** سمیت واحد متکلم تسمیہ سے اسکے معنی نام رکھنا ہیں۔ یہ دو مفعولوں کی طرف بلا واسطہ بھی متعدی بنفسہ ہو جاتا ہے یہاں پر اس کے دو مفعولوں میں سے اول ضمیر متصل ہے اور دوسرا ہدایۃ النحو ہے اور با بہدایۃ النحو میں زائد ہے اور یہ زیادتی بخلاف قیاس ہے چونکہ با زائدہ جب ہوتی ہے جبکہ نفی اور استفہام کے تحت میں ہو اور یہاں پر ایسا نہیں ہے اس وجہ سے یہ سماعاً زیادتی ہے۔ ہدایۃ کی اضافت النحو کی طرف معنوی ہے۔ قیام اللیل صیام النہار کی مانند یعنی مصدر کی اضافت مفعول فیہ کی طرف ہے النحو کے معنی لغت میں قصد ہے اور اصطلاح میں وہ ہے جس کو مصنفؒ آگے بیان کرے گا۔ ہدایت کے معنی لغت میں راہ دکھانے کے ہیں جو مطلوب تک پہنچا دے۔ بعض کہتے ہیں کہ مطلوب تک پہنچانا ضروری ہے زیادہ بحث حواشی شرح تہذیب میں دیکھو۔ مصنفؒ نے اس کا نام ہدایۃ النحو رکھا ہے۔ وجہ تسمیہ رجاء ان یہدی سے خود بیان کرتا ہے۔ رجاء سمیت کا مفعول لہ ہے جس کی اضافت مصدر تاویلی کی طرف ہو رہی ہے۔ جو رجاء کا مفعول بہ ہے بتقدیر فاعل ای لرجائی ہدایۃ النحو۔ یعنی اس مختصر مذکور کا میں نے ہدایۃ النحو اس وجہ سے نام رکھا کہ مجھے خدا تعالی سے امید ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے طلباء علم کی رہنمائی فرمائیگا لہذا اس صورت میں اس کتاب کا نام ہدایۃ النحو رکھنا تسمیہ سبب باسم المسبب کے قبیل سے ہو جائیگا اور ممکن ہے کہ رجاء مصدر بمعنی فاعل ہو کر حال ہو بارادۃ المبالغہ جیسے زیدٌ عدلٌ (فائدہ) اس کتاب کے مصنف کا نام ابو حیان نحوی ہے **قولہ ورتبتہ** رتبت صیغہ واحد متکلم ماضی ترتیب سے ماخوذ ہے ترتیب کے معنی لغت میں ہر چیز کو اس کی جگہ رکھنا اور اصطلاح میں ترتیب اسے کہتے ہیں کہ اشیائے کثیرہ کو اس طرح پر کر دینا کہ ان سب پر ایک اسم کا اطلاق ہو اور ان میں تقدیم و تاخر کے ساتھ تعلق ہو **قولہ علی** بعض شراح کہتے ہیں کہ علی یہاں من تبعیضیہ کے معنی میں ہے اور استعلاء جو اسکے ذاتی معنی ہیں۔ اسکے لیے نہیں کیونکہ استعلاء میں ضروری ہے کہ متعلی اور متعلی علیہ میں تغایر ہو۔ اور یہاں پر تغایر نہیں کیونکہ مختصر کی حقیقت خود بھی امور ثلثہ ہیں جو علی کے مدخول ہیں **قولہ مقدمۃ** اس سے مصنفؒ کتاب کے اجزاء کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی اس کتاب کے پانچ جزو ہیں۔ ایک مقدمہ اور تین قسم ایک اسم اور ایک فعل اور ایک حرف میں اور ایک خاتمہ جاننا چاہیے کہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا کتاب کے اجزاء کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ اور بعض اسکو واجبات سے قرار دیتے ہیں اور بعض مستحبات سے تبلاتے ہیں مسئلہ کی تحقیق مطولات میں تلاش کیجائے **قولہ وخاتمۃ** لفظ خاتمہ صحیح نسخوں میں نہیں ہے بظاہر یہ ناسخوں کے سہو سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ خاتمۃ الکتاب اس کتاب کے آخر میں پایا ہی نہیں جاتا **قولہ بتوفیق الملک** توفیق لغت میں کام کے اندر کسی کی مدد کرنیکو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اللہ تعالی کا بندہ کے اسباب کو اس چیز کے موافق کر دینا جو اسکے حق میں بہتر ہو جاننا چاہیئے کہ مصنفؒ نے بتوفیق الخ رتبتہ کے بعد دو وجہ سے ذکر کیا۔ ہے ایک یہ کہ تالیف و تصنیف امور عظام اور محال خطرات سے ہیں۔ لہذا اس میں خداوند تعالی سے مدد طلب کرنا ضروری ہے اس وجہ سے مصنفؒ نے بتوفیق الملک کہا کہ اللہ تعالی سے مدد طلب کر لی جائے دوسری وجہ یہ ہے کہ رتبت صیغہ متکلم ہے جس میں فعل کی نسبت اپنے نفس کی طرف ہے اور فعل کی نسبت اپنی طرف عجز اور کسر نفسی کیخلاف ہے اور یہ مقام ہضم نفس اور عجز کا ہے اس وجہ سے مصنف نے رتبتہ کے بعد بتوفیق کہا کیونکہ اس میں بھی ہضم اور عجز ہے جو مقتضائے مقام ہے رہا یہ کہ مصنفؒ نے ان اسماء کو کیوں اختیار کیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ اسماء اعظم صفات سے ہیں اللہ عجز اور کسر نفسی کو ظاہر کرنے کیلئے یہ اسماء مناسب ہیں جیسا کہ ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے اور نیز ان کو ترجیحاً اختیار کئے ہیں کہ اللہ تعالی وتر ہے اور وتر کو محبوب رکھتا ہے اگر کوئی کہے کہ ایک اور پانچ بھی تو وتر ہے لہذا ایک اور پانچ کیوں نہیں اختیار کئے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مصنفؒ نے خیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیث خیر الامور اوسطہا پر عمل کیا یعنی تین اوسط ہے ایک اور پانچ وغیرہ کے درمیان اس وجہ سے تین کو اختیار کیا۔ ۱۲۔

* * *

أمّا المقدّمة ففي المبادي التي يجب تقديمها لتوقّف

قولہ المقدمۃ اسکے تلفظ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ آیا اسکو بفتح الدال پڑھنا چاہیے یا بکسر الدال زمخشری نے فائق میں بفتح الدال کو غلط یعنی باطل قرار دیا ہے یہ باب تفعیل سے ہے کسر دال کی صورت میں اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں آگے کرنے والا فتح دال کی صورت میں اسم مفعول ہے جسکے معنی ہیں آگے کیا ہوا۔ بعض نے مقدمہ بفتح دال کو غلط قرار دینے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جو امور اس عنوان کے تحت میں بیان کئے جاتے ہیں وہ بنفسہ متقدم ہیں جو اسکے مقتضی ہیں کہ اگر بفتح دال پڑھیں گے تو لازم آئیگا کہ اس عنوان کے تحت میں جو امور ذکر کئے جاتے ہیں ان کے مقدم کرنے کیلئے کوئی جاعل ہو۔ حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے اس وجہ سے زمخشری نے بفتح دال پڑھنے کو غلط قرار دیا ہے اور جب یہ بات ثابت اور متحقق ہو گئی تو دوسری صورت بکسر دال ہے لیکن اس پر بھی اشکال وارد ہوتا ہے کہ مقدمہ بکسر دال کے معنی ہیں آگے کرنیوالا تو جب اسکو بکسر دال پڑھیں گے تو معنی یہ ہوں گے کہ اس عنوان کے تحت میں جو امور ذکر کئے جاتے ہیں وہ امور ایسے ہیں کہ ان پر غیر کو مقاصد سے آگے کرنے والے ہیں حالانکہ وہ کسی کو بھی آگے کرنیوالے نہیں اس وجہ سے بکسر دال پڑھنا بھی غلط ہوا اس کا جواب دیا گیا ہے کہ مقدمہ بکسر دال بمعنی متقدمہ ہے یعنی باب تفعیل باب تفعل کے موافق اور ہم معنی ہے۔ اور تقدم کے معنی آگے ہونا ہے۔ اور متقدمہ کے معنی آگے ہونیوالا ہیں۔ لہذا مقدمہ کے معنی ہیں آگے ہونیوالا۔ اب وہ اشکال جو فتح دال اور کسر دال کی صورت میں پڑتے ہیں وارد نہیں ہوتے چونکہ جو امور اس عنوان کے تحت میں بیان کئے جاتے ہیں وہ خود مقدم ہیں مقاصد پر اور بمعنی متقدمہ کے ہیں۔ اس لفظ کو اہل فن مقدمۃ الجیش (لشکر کا وہ حصہ جو انتظام کیلئے آگے جاوے) سے مستعار لیتے ہیں دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ مقاصد مثل جیش کے ہیں اور مقدمہ کے ماتحت جو امور بیان کیے جاتے ہیں وہ انتظام کے لیے آگے جانیوالوں کے مانند ہیں۔ چونکہ یہ امور مقاصد میں امداد و تعاون کرتے ہیں جیسے جیش کو مقدمۃ الجیش نصرت و مدد پہنچاتا ہے اہل فن مقدمہ کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ مقدمہ وہ شے ہے جس پر شروع فی العلم موقوف ہو۔ مقدمہ کے تحت میں تین امور بیان کرتے ہیں ایک علم کی رسم دوسرے تصدیق کو موضوع علم تیسرے تصدیق بغایت علم۔ حالانکہ ان تینوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جس پر شروع فی العلم متوقف ہو اس وجہ سے بعض نے علی وجہ البصیرۃ کی قید کا اضافہ کیا ہے یعنی مقدمہ وہ شے ہے جس پر شروع فی العلم علی وجہ البصیرۃ موقوف ہو بعض نے توقف کے معنی میں تاویل کی ہے کہ یہاں پر توقف سے مراد بولاہا امتنع نہیں ہے۔ (یعنی اگر اس شے کا علم نہ ہو تو شروع ممتنع ہو) بلکہ اس سے توقف مصحح لدخول فار ہے۔ (یعنی اگر وہ شے جس پر شروع فی العلم متوقف ہو معلوم ہو جائے تو شروع کرنا درست ہے) مراد ہے متاخرین مقدمہ کی دو قسم کرتے ہیں۔ مقدمۃ العلم مقدمۃ الکتاب مقدمۃ العلم کی تعریف مذکورہ بالا ہے۔ اور مقدمۃ الکتاب کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ مقدمۃ الکتاب وہ شے ہے جو مقصود سے پہلے ذکر کی جاوے اس وجہ سے کہ اس میں اور مقصود میں تعلق ہے۔ جس کے علم سے مقصود میں ایک قسم کا نفع ہوگا کہا جاتا ہے کہ ان دونوں میں تباین کلی کی نسبت ہے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مقدمۃ الکتاب الفاظ ہیں لیکن بندے کے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ مقدمۃ الکتاب کتاب کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور کتاب پانچ چیزوں سے مراد ہو سکتی ہے معانی۔ الفاظ۔ نقوش دو کا مجموعہ تینوں کا مجموعہ تو جس وقت کتاب سے مراد معانی ہونگے تو مقدمہ سے بھی مراد معانی ہوں گے۔ اس وقت مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب دونوں ایک چیز پر صادق آئیں گے۔ لہذا تباین کا قول غلط ہوگا۔ زیادہ تحقیق مطولات میں ہے۔ ان شئتم فارجعوا الیہا جاننا چاہیے کہ توقف دو قسم پر ہے۔ ایک بمعنی امتناع یعنی موقوف کا تصور موقوف علیہ کے تصور کے بغیر ممتنع ہو جیسے نتیجہ کا تصور طرفین کے تصور پر موقوف ہے جب تک طرفین کا تصور حاصل نہ ہوگا اس وقت تک نتیجہ کا تصور بھی ظہور پذیر نہ ہوگا دوسرے توقف بمعنے دخول فار یعنی موقوف علیہ موقوف میں من وجہ داخل ہو۔ اس طور پر کہ دونوں کے درمیان علاقہ ذاتی نہ ہو جیسے چھت کا توقف دیوار یا ستون پر۔ اگرچہ چھت کا توقف دیوار مخصوص یا ستون مخصوص پر ہوتا ہے لیکن چھت کا وجود دیوار مخصوص یا ستون مخصوص کے بغیر ممتنع نہیں کیونکہ اگر اس دیوار کی جگہ اور دیوار قائم کی جاوے تو تب بھی چھت کا وجود ہو جاویگا۔ مقدمہ کی تعریف میں توقف سے مراد یہی توقف ہے کیونکہ شروع کیواسطے اس علم اور غرض کا تصور من وجہ کافی ہوتا ہے۔ لہذا رسم علم اور تصدیق غرض شروع کیواسطے موقوف علیہ تام ہیں اسی کو توقف مصحح لدخول فار کہا جاتا ہے اس قسم ثانی توقف کی پھر دو قسمیں ہیں ایک حقیقی اور دوسری عادی یعنی مجازی۔ اور لفظ اور معنی شروع کے موقوف علیہ بمعنی حقیقی ہیں اور لفظ شروع کا موقوف علیہ بمعنی عادی ہوتا ہے جب آپ کو یہ باتیں معلوم ہو گئیں۔ تو اب مصنف کی عبارت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ مصنف کہتا ہے اما المقدمۃ ففی المبادی یعنی مقدمہ ایسے مبادی میں ہے جن کی تقدیم ضروری ہے چونکہ مسائل کا توقف اول مبادی پر ہے کہ مبادی سے کیا مراد ہے مبادی مبدار کی جمع ہے مبدار بدر کا اسم ظرف ہے یعنی شروع کی جگہ اول اصطلاح میں مبداء کے معنی وہی ہیں جو مقدمہ کے معنی ہیں یعنی وہ چیز جس پر شروع کرنا موقوف ہو۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جبکہ مقدمہ اور مبدار ایک ہی ہیں۔ تو مصنف کی عبارت میں ظرفیۃ الشئ لنفسہ لازم آویگی۔ کیونکہ عبارت کا مطلب، یہ ہے لیکن وہ چیز جس پر شروع کرنا موقوف ہے ان چیزوں میں ہے جن پر شروع کرنا موقوف ہے اور یہ ظرفیۃ الشئ لنفسہ ہے اور یہ باطل ہے اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ مقدمہ سے مراد مخصوص معانی ہیں جن پر شروع فی العلم موقوف ہو۔ اور مبادی سے مراد الفاظ مخصوصہ ہیں یا اس کا عکس مراد لیا جاوے اس وقت ظرفیۃ الشئ لنفسہ کا شبہ رفع ہو جاویگا کیونکہ اس وقت عبارت مصنف کا مطلب ہوگا معانی مخصوصہ الفاظ مخصوصہ ہیں یا الفاظ مخصوصہ معانی مخصوصہ میں اگر کوئی کہے کہ الفاظ کا معانی کے واسطے ظرف ہونا اگر کسی درجہ میں مان لیا جاوے لیکن معانی الفاظ کے واسطے ظرف نہیں ہو سکتے۔ لہذا مقدمہ سے مراد الفاظ اور مبادی سے مراد معانی نہیں لیئے جا سکتے۔ تو جواب یہ ہے کہ اس صورت میں فی بمعنی لام ہے یعنی لیکن الفاظ پس

(باقی بر صہ ۱۲)

المسائل علیہا وفیہا فصول ثلثۃ فصل النحو علم باصول

معانی کیلئے ہیں کہ یہ عنوان ایسے امور کے بیان کیلئے ہے جن کا شروع کرنے سے پہلے بیان کر دینا ضروری ہے چونکہ مسائل ان پر موقوف ہیں۔ اس ثانی ترجمہ پر مقدمہ سے مراد مقدمۃ العلم ہوگا اور اوّل ترجمہ پر مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب دونوں مراد ہو سکتے ہیں جیسا کہ پہلے گذرا ہے جب آپ کو کتاب کی عبارت معلوم ہوگی تو اب جاننا چاہیے کہ وہ امور جو مسائل کے لیے موقوف علیہ ہیں۔ تین ہیں ایک تعریف علم اس پر فہم مسائل اس وجہ سے متوقف ہے کہ اگر تعریف شئے معلوم نہ ہو تو شئے مجہول کی طلب لازم آتی ہے اور یہ ناجائز ہے دوسری شئ غرض چونکہ اگر غرض کا شروع فی العلم سے قبل علم نہ ہو تو طلب عبث لازم آتی ہے۔ اور یہ نادرست ہے تیسرے موضوع یہ اس وجہ سے موقوف علیہ بنتا ہے کہ اگر اس علم کا موضوع مجہول ہو جس کے شروع کرنے کا قصد اور ارادہ ہے تو وہ علم دوسرے علم سے ممتاز نہ ہوگا کیونکہ بین العلمین آلۂ امتیاز یہ ہی ہے۔ یعنی ایک علم دوسرے علم سے بذریعہ موضوع جدا اور ممتاز ہو جاتا ہے **قولہ المسائل علیہا** ضمیر علیہا کا مرجع المقدمہ اور المبادی ہے یکے بعد دیگرے دونوں بن سکتی ہیں المسائل علم کا ترجمہ ہے۔ جو مقدمہ کی تعریف ما یتوقف علیہ الشروع فی العلم میں واقع ہے چونکہ علم کا اطلاق عرف میں پانچ چیزوں پر ہوتا ہے بلکہ علم، جمیع المسائل علم بعض مسائل بقدر مقدمہ خود تمام مسائل خود مسائل بقدر مقدمہ لہٰذا مصنفؒ کے قول یتوقف المسائل علیہا کا مطلب ہوا کہ چونکہ علم کا شروع کرنا مقدمہ یا مبادی پر موقوف ہے لہٰذا مبادی کی تقدیم مقصود یعنی علم (مسائل) پر ضروری اور لازم ہے **قولہ فیہا فصول** یعنی اس مقدمہ میں جبکہ ضمیر مجرور المقدمہ کی طرف راجع کر دیا ان مبادی میں جبکہ ضمیر مجرور مبادی کی طرف لوٹاؤ حاصل یہ کہ اس میں تین فصلیں ہیں پہلی فصل اس علم کی تعرف اور غرض اور موضوع میں ہے جس کے شروع کے ہم مستدعی اور در پے ہیں اور دوسری اور تیسری فصل اس شئے کی تعریف میں ہے جو علم کا موضوع ہے مصنفؒ کی اس عبارت پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں۔ ایک اعتراض کی تقدیر یہ ہے کہ کلمۂ فی یہاں بے محل ہے کیونکہ فصول ثلثۃ عین مقدمہ ہیں اور جب فصول ثلثۃ عین مقدمہ ہیں تو ظرفیۃ الشئ لنفسہ لازم آویگی کیونکہ اصل میں عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ امور ثلثہ امور ثلثہ میں ہیں۔ کیونکہ مقدمہ یا مبادی امور ثلثہ ہیں اور فصول بھی امور ثلثہ ہیں جواب مصنفؒ کی یہ عبارت فی فصول ثلثۃ کی تاویل میں ہے۔ لہٰذا اعتراض مذکور ساقط ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فصول موصوف ہے اور ثلثۃ اسکی صفت ہے اور موصوف اور صفت میں جبکہ صفت بحال متعلق موصوف ہو۔ دس چیزوں میں موافقت و مطابقت ضروری ہے اور یہاں وہ مفقود ہے کیونکہ فصول جمع ہے اور ثلثۃ مفرد جواب معنیً اتحاد و موافقت مفقود نہیں بلکہ موجود ہے کیونکہ ثلثۃ جمع کے معنے میں ہے موافقت معنوی بمنزلہ موافقت لفظی قرار دے دی گئی ہے۔ چنانچہ من وجہ نظیر قرآن مجید فرقان حمید میں بھی موجود ہے۔ خداوند قدوس تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ **او الطفل الذین لم یظھروا** علیٰ عورات النساء الطفل اگرچہ لفظاً مفرد ہے۔ لیکن معنًا جمع ہے۔ اسی وجہ سے اس کی صفت الذین لم الخ آنا درست ہو گئی۔ **قولہ فصل**۔ جبکہ اسکو مابعد کیساتھ نہ ملاویں تو اس پر تنوین نہیں پڑھیں گے اور اسمائے معدودہ سے ہو کر مبنی ہو جاویگا۔ اور جب وصل کریں تو اعراب پڑھیں گے چونکہ یہ لفظ فصل اس وقت ترکیب میں واقع ہوگا رہا یہ امر کہ آیا کیا اعراب پڑھا جائے تو بنا بر خبریت کے اس پر رفع پڑھنا بھی درست ہے۔ عبارت کی تقدیر ہوگی ہذا فصل اور فعل محذوف کا مفعول بنانے پر نصب بھی درست ہے تقدیر عبارت ہوگی خذ فصلاً، فصل کے معنی لغت میں کاٹنا جدا کرنا ہیں یقال فصلت الثیاب ای قطعتہا اور اصطلاح میں حاجز بین الحکمین کو کہتے ہیں۔ **قولہ النحو** نحو لغت میں بمعنی قصد کے بولا جاتا ہے نحوتہ و نحیتہ، اے قصدتہ علم نحو کو نحو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس علم سے اس کا قصد ہوتا ہے کہ فصاحت کلام میں اہل زبان کی مانند ہو جاویں تاکہ گفتگو اہل زبان جیسی کرنے لگیں اور اصطلاح میں علم نحو کے معنی وہ ہیں جس کو مصنف علم باصول سے بیان کریگا۔ **قولہ علم باصول** ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ علم کے پانچ معنے آتے ہیں جس طرح علم پانچ معنے میں مستعمل ہے۔ اسی طرح علوم مدوّنہ کا اطلاق بھی ان ہی پانچ چیزوں پر آتا ہے۔ مثلاً نحو کا اطلاق اس ملکہ پر بھی ہوتا ہے جو ایسے قواعد کی ممارست سے حاصل ہو۔ جو کلام عرب میں خطاء لفظی سے بچاتے ہیں۔ دوسرا اطلاق ان جمیع قواعد کے ادراک پر ہوتا ہے جن سے عصمت مذکورہ حاصل ہو تیسرا ان بعض قواعد کے ادراک پر جن سے عصمت مذکورہ حاصل ہو۔ چوتھا اطلاق خود تمام قواعد مذکورۃ الشان پر پانچواں اطلاق خود بعض قواعد ہی پر جن سے کلام عرب میں غلطی سے عصمت حاصل ہوتی ہے تو جو معنی نحو سے مراد ہونگے وہی علم سے مقصود ہوں گے۔ مثلاً اگر النحو سے مراد مصنفؒ کی عبارت میں ملکہ لیویں۔ تو علم سے مراد بھی ملکہ ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ نحو وہ ملکہ ہے جو ایسے اصول کے احاطہ سے حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے کلمہ ثلث کے اواخر کی حالت معلوم ہوتی ہے اس وقت مصنفؒ کی عبارت ظرف مستقر متعلق فعل عام حاصل کے ہوگی اور با کے بعد لفظ احاطہ مقدر ماننا ہوگا تقدیر عبارت علم حاصل باحاطہ اصول الخ ہوگی اور اگر النحو سے مراد ثانی یا ثالث معنے ہیں تو علم باصول سے مراد بھی ثانی یا ثالث معنی ہوں گے اور اس وقت با زائد ہوگی مطلب یہ ہوگا کہ نحو (ادراک لجمیع القواعد العاصمۃ عن الخطاء فی کلام العرب او لبعض القواعد العاصمۃ عن الخطاء فی کلام العرب) ایسے جمیع یا بعض قواعد کا ادراک ہے اور اگر النحو سے مراد نفس جمیع قواعد یا نفس بعض قواعد ہوں تو علم باصول میں جو علم ہے اس سے بھی تمام قواعد یا بعض قواعد مراد ہوں گے اس صورت میں باصول علم کا عطف بیان ہے یا اسکی صفت کاشفہ ہے اور با زائد ہے جس کے کچھ معنے نہیں محض تحسین عبارت کے لیے ہوگی مطلب یہ ہوگا کہ نحو ایک علم ہے یعنی ایسے قواعد ہیں الخ غرضیکہ النحو سے جو معنی مراد ہوں گے۔ وہی علم سے مراد ہوں گے تاکہ علم کا حمل النحو پر درست ہو جائے۔ لیکن بظاہر مصنفؒ کی عبارت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ علم النحو سے مراد ادراک بجمیع مسائل النحو لے رہا ہے اسی وجہ سے مصنف نے علم باصول سے اسکی تفسیر کی ہے۔ اصول اصل کی جمع ہے لغت میں اس کے معنی اس شئے کے ہیں جس پر

(باقی بر صہ ۱۳)

یُعْرَفُ بِہَا اَحْوَالُ اَوَاخِرِ الْکَلِمِ الثَّلٰثِ مِنْ حَیْثُ الْاِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ وَکَیْفِیَّۃُ تَرْکِیْبِ بَعْضِہَا مَعَ بَعْضٍ

کوئی شے قائم ہو۔ جو چیز قائم ہوتی ہے اس کو فرع کہتے ہیں اور اصطلاح میں اصل اس قضیہ کلیہ کو کہا جاتا ہے۔ جو اپنے موضوع کے تمام جزئیات پر صادق ہو۔ قاعدہ۔ قانون۔ ضابطہ اس کے مرادف اور ہم معنی ہیں مثلاً نحو کا ایک قضیہ کلیہ کل فاعل مرفوع ہے جاء زید میں جو زید ہے اس قضیہ کلیہ کا موضوع فاعل کا جزئی ہے۔ یہ اس پر طرح صادق ہوتا ہے کہ جاء زید میں زید فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہے۔ لہٰذا زید مرفوع ہے۔ یعنی قضیہ کلیہ کے موضوع کو اس طرح کی جزئی پر حمل کر کے ایک قضیہ بنا کر اس کو صغریٰ بنالیں گے اور قضیہ کلیہ کو کبریٰ اس وقت میں ثبوت مطلب کے واسطے شکل اول جو کہ بدیہی الانتاج ہے تیار ہوگی مع شرائط انتاج کے لہٰذا مطلب ثابت ہو جاویگا۔ جاننا چاہیئے کہ مصنفؒ علم باصول سے نحو کی حد بیان کرنا چاہتا ہے اس میں علم باصول النحو کے واسطے جنس ہے چونکہ علم کے خواہ کوئی معنے مراد ہوں یہ لفظ تمام علوم کو شامل ہوگا واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب **قولہ یعرف** الخ یعنی جن قاعدوں کے ذریعہ سے تینوں کلموں کے اواخر کے حالات دریافت ہوتے ہیں اعراب اور بناء کے اعتبار سے یہ فصل ہے اس کے ذریعہ سے علم النحو کو تمام علوم سے امتیاز حاصل ہو گیا۔ چونکہ علم النحو کے ساتھ علم میں بعض ایسے علوم بھی شریک ہیں جن سے کلمہ کے حالات کی معرفت نہیں ہوتی جیسے فقہ حدیث تفسیر منطق وغیرہ۔ تو کلمہ کی قید لگانے سے یہ سب خارج ہو گئے اور بعض ایسے علم شریک تھے جن سے کلمہ کے حالات کی معرفت اور پہچان ہوتی ہے جیسے علم الصرف علم المعانی والبیان والبدیع وعلم الصیغہ وغیرہ تو ان سے علم النحو کو اواخر کی قید سے امتیاز حاصل ہو گیا۔ کیونکہ علوم مذکورہ بالا میں اگرچہ کلمہ ثلثہ کے حالات کی معرفت ہوتی ہے۔ لیکن اواخر کی نہیں ہوتی۔ نیز بعض ایسے علوم علم النحو کے ساتھ علم میں شریک ہیں جن میں کلمہ ثلثہ کے اواخر کے حالات کی معرفت ہوتی ہے مگر اعراب اور بناء کے اعتبار سے نہیں ہوتی اور علم النحو کی تعریف میں من حیث الاعراب والبناء کی قید ہے اس قید سے علم النحو علم القوافی وغیرہ سے بھی ممتاز ہو گیا البتہ علم ابجد والہیئۃ والہندسۃ والحساب ابھی تک علم النحو کیساتھ علم میں شریک ہیں ان سے امتیاز کیواسطے مصنفؒ نے قید کیفیت ترکیب الخ کو زیادہ کر دیا حاصل یہ کہ علم نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے دو امور کی معرفت ہوتی ہے جن میں سے ایک امر کلمہ ثلثہ کے اواخر کے حالات کی معرفت ہے دوسرا امر بعض کلموں کو بعض کیساتھ ملانے کی کیفیت کی معرفت ہے ملانیکی کیفیت سے کلمات کے وہ حالات مراد ہیں جو ان کی تقدیم وتاخیر تعریف وتنکیر وغیرہ کے اعتبار سے ان کو حاصل ہوتے ہیں جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو اب جاننا چاہیئے کہ قول مصنفؒ یعرف اصول کی صفت ہے اس کو دو طرح پڑھ سکتے ہیں بصیغہ معروف وبصیغہ مجہول۔ جب بصیغہ معروف پڑھیں گے تو اس میں ضمیر ہوگی جو المبتدی کی طرف راجع ہے جو سیاق کلام سے مفہوم ہوتا ہے لہٰذا ضمیر بلا مرجع نہ رہے گی چونکہ مرجع کے لیئے ضمیر کا مراجعاً ہونا ضروری نہیں بلکہ حکماً کافی ہے اور احوال منصوب ہوگا بنا بر مفعولیت کے اور جب بصیغہ مجہول پڑھیں گے تو اس وقت یعرف میں ضمیر نہ ہوگی بلکہ احوال نائب فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہو جائیگا۔ اور الکلم الثلث مرکب توصیفی احوال کا مضاف الیہ ہے۔ الکلم الثلث پر ایک سوال کیا جاتا ہے کہ الکلم حقیقت میں ثلث کی تمیز ہے اور ثلثہ سے لے کر عشرہ تک استعمال خلاف قیاس مذکر کیلئے مونث اور مونث کیلئے مذکر آتا ہے لہٰذا الکلم الثلثۃ بالتاء ہونا مناسب بلکہ انسب ہے۔ جواب امر تو اصل میں اسیطرح ہے جیسے تم کہتے ہو لیکن یہ ترکیب مرکب توصیفی کی طرف منقول ہو گئی ہے اس وجہ سے امر مذکور لازم نہیں رہا اور مصنفؒ کا قول کیفیۃ الخ احوال پر معطوف ہے اگر احوال کو منصوب پڑھا جاوے تو اس کو بھی منصوب پڑھنا چاہیے اور جب احوال کو مرفوع پڑھا جاوے تو اس کو بھی مرفوع پڑھنا چاہیئے۔ نیز جاننا چاہیئے کہ مصنفؒ اصول کے ساتھ لفظ علم کو لایا اور احوال کیساتھ لفظ معرفت کو بھی اس کی وجہ یہ ہے کہ عادات فضلاء وبلغاء میں علم کا اطلاق کلیات [illegible] راک ہی میں ہوتا ہے اور معرفت کا اطلاق جزئیات کے ادراک میں لہٰذا مصنفؒ نے بھی اصول (جو کہ قواعد کلیہ سے عبارت ہے) کو علم اور احوال (جو کہ امور جزئیہ سے مراد ہے) کو معرفت [illegible] لاحق وملاحق کیا تاکہ محاورات فصحاء کا خلاف [illegible] دلیل اہل کلام کا قول ہے کہ ان کے نزدیک [illegible] عالم کہنا جائز ہے اور اللہ عارف کہنا بالکل ناجائز ہے علیٰ ہذا القیاس عرفت اللہ کہنا درست ہے اور علمت اللہ کہنا قطعاً نادرست علم نحو کی اسی تعریف پر تین اعتراض کیئے جاتے اول یہ کہ بہت سے مبتدی علم النحو پڑھتے ہیں اور ان کے اندر یہ قدرت اور طاقت پیدا نہیں ہوتی کہ وہ اواخر کلم ثلثہ کے حالات دریافت کرسکیں لہٰذا علم النحو کی یہ تعریف غلط ہوئی۔ جواب تعریف میں مضاف مقدر ہے اصل عبارت اسطرح ہے یعرف باستحضارہا احوال اواخر الکلم الثلث اور جس کو اصول مستحضر اور محفوظ اور ازبر ہونگے وہ لامحالہ شناخت کر سکتا ہے لہٰذا اعتراض مندفع اور ساقط ہے چونکہ جو پڑھے اور اس کو استحضار اور حفظ نہ ہو تو وہ عبور اور تلاوت ہوگی اور اس سے معرفت اور شناخت نہیں ہو سکتی دوسرا اعتراض یہ کہ نحو کی یہ تعریف جامع جمیع افراد کو نہیں کیونکہ احوال سے مراد یا کل احوال ہیں۔ جیسا کہ اضافت اس پر دلالت کرتی ہے۔ یا بعض غیر معین یا بعض معین اور تینوں صورتیں باطل ہیں اول اس وجہ سے کہ حوادث علم غیر محصور ہیں لہٰذا ان قواعد سے جو اس کتاب میں مذکور ہیں تمام حالات جزئیہ کی معرفت کیسے حاصل ہو سکتی ہے صورت ثانیہ بھی غیر ممکن ہے ورنہ طلب مجہول مطلق لازم آئے گی۔ صورت ثالثہ بھی جائز اور نادرست ہے چونکہ ارادہ اور قصد دلالت کی فرع ہیں۔ اور معین پر دلالت نہیں ہوتی لہٰذا معین مقصود اور مراد بھی نہیں ہو سکتا۔ جواب جمیع احوال مراد ہیں اور معرفت سے مراد ملکہ استنباط ہے۔ مطلب تعریف یہ ہے کہ علم النحو ایسے قواعد کے ادراک کا نام ہے جن کی مزاولت اور ممارست سے

(باقی بر صفحہ ۱۴)

والغرض منه صيانةُ الذّهنِ عن الخطأ اللفظي في كلامِ العربِ وموضُوعُه الكلمةُ والكلام

ایک ایسی قوت پیدا ہو جاوے جس کے سبب سے کلمہ ثلث کے حالات سے ہر ہر حالت کے استخراج پر بوجہ تفصیل قدرت حاصل ہو جاوے یعنی ان حالات میں سے جس حالت کو حاصل کرنا چاہے تو اس ملکہ کے ذریعہ اور وسیلہ سے پہچان سکتا ہے اور اسکا مطلب یہ نہیں کہ تمام احوال کو وقت واحد میں اس قدرت و قوت کے ذریعہ حاصل کر سکے کہ مالا نہایۃ لہ کا وجود وقت واحد میں غیر ممکن ... اور محال ہے اسی کے مثل ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ معرفت احوال سے مراد یا تو تمام احوال کی معرفت ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی شخص نحوی نہ ہو۔ چونکہ جمیع احوال کی معرفت اور تمام حالات اور عوارضات کی شناخت کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی دوسرے یہ لازم آتا ہے کہ مدون علم نحو نہ ہو بلکہ بعض نحوی ہو یا معرفت احوال سے مراد بعض احوال کی معرفت ہے اس سے لازم آتا ہے کہ جو شخص نحو کے ان مسائل کا بھی عارف ہو وہ بھی نحوی ہے۔ چونکہ بعض احوال کی معرفت اس کو حاصل ہے حالانکہ عرف میں اس کو کوئی نحوی نہیں کہتا اور اگر معرفت احوال سے جمیع احوال مدونہ کی معرفت مراد ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ جب کوئی اور نحوی اگر اور احوال کی تدوین کرے تو وہ سابق نحوی نحوی نہ رہے چونکہ وہ جمیع احوال مدونہ فی ہذا الآن کا عارف نہیں اس شق پر اعتراض کیا گیا ہے کہ ہر زمانہ کے لیئے یہ ضروری ہے کہ جو اسکے زمانہ میں احوال مدونہ ہیں انکا عارف ہو اس وجہ سے خرابی مذکورہ لازم نہیں آتی جواب ہم یہ کہتے ہیں کہ نحوی سابق اس زمانہ میں نحوی نہ رہے حالانکہ وہ نحوی ہے اعتراض مذکور اس پر لازم نہیں آتا علاوہ اس کے کہ اگر کسی اور نحوی نے احوال مدون کئے تو اس کو ان مدون احوال کا عارف ہونا بھی ضروری ہے ورنہ وہ نحوی نحوی نہ رہے گا جواب معرفت سے احوال مراد معرفت جمیع احوال ہے اس طور سے کہ نحوی کو ایک ملکہ حاصل ہو جاوے جس کے ذریعہ سے جمیع احوال کی معرفت پر قادر ہو۔ واللہ اعلم بالصواب **قولہ والغرض** جب مصنفؒ علم نحو کی حد اور تعریف سے فراغت حاصل کر چکا تو اب نحو کی غرض کو سمط تحریر میں اور سلک تقریر میں منظم کرتا ہے چونکہ شروع اور ابتدار کے لیئے جس طرح حد کا جاننا ضروری ہے اسی طرح غرض کا جاننا بھی حتمی اور لابدی ہے بخلاف موضوع کے کہ اس سے زیادت بصیرت حاصل ہوتی ہے اس وجہ سے یہاں حد کے بعد بیان غرض کو لایا۔ غرض وہ شے ہے جس کی وجہ سے فعل فاعل سے صدور پاتا ہے اور غایت وہ شئے ہے جو فاعل کے فعل کے وجود پر مرتب ہوتی ہے۔ ان دونوں میں اتحاد ذاتی ہے اور تغایر اعتباری مثلاً ذہن کا خطائے لفظی سے محفوظ و مصون رہنا اس اعتبار سے کہ تحصیل علم نحو پر مرتب ہے غایت کہلائیگا اور اس حیثیت سے کہ یہ اس کے تحصیل پر باعث اور محرض ہے اسکا نام غرض ہوگا مزید تحقیق کے لیئے مطولات فن کی طرف رجوع کرو مصنفؒ یہاں پر لفظ غرض لایا تاکہ غرض و غایت میں جو اتحاد ذاتی ہے اس پر تنبیہ ہو جائے چونکہ اساتذہ کے کلام میں اس مقام پر لفظ غایت مذکور ہے تو مصنفؒ کا یہ لفظ لانا اس کے ساتھ متحد ہونے پر دال ہوگا **قولہ صیانۃ الذہن** صیانت مصدر ہے اس کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہے اور فاعل عمدہ ہونیکی وجہ سے متروک ہے صاحب الہامیہ فرماتے ہیں کہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے بنابر اول ترجمہ ذہن کو بچانا اور بنابر ثانی ذہن کا بچنا اللفظی پہلی صفت ہے فی کلام العرب دوسری صیانت الذہن علم نحو کی غرض کے واسطے بمنزلہ جنس کے ہے اور عن الخطأ اللفظی بمنزلہ فصل کے تو صیانت الذہن میں علم النحو کی غرض کیساتھ تمام وہ علوم جن سے ذہن کی صیانت ہوتی ہے شریک ہیں اور الخطأ اللفظی سے وہ علوم خارج ہوگئے جن سے خطاء اللفظی سے صیانت نہیں ہوتی بلکہ خطائے معنوی سے جیسے علم بیان علم معانی وغیرہ یا خطائی الاحکام سے جیسے فقہ یا خطاء فی الفکر سے جیسے منطق یا خطائی العرف سے (جیسے علم العرف سے صیانت حاصل ہوتی ہے ایسے ہی علوم۔ فی کلام العرب کی قید محض اصطلاح ہے۔ چونکہ یہ کتاب عربی نحو میں ہے اس وجہ سے اس قید کا اضافہ کر دیا نیز جاننا چاہیئے کہ جب صیانت کی اضافت فاعل کی طرف ہوگی تو الذہن میں الف لام عوض مضاف الیہ کا ہوگا۔ ای ذہن المبتدی اور جب مصدر کی اضافت مفعول کی طرف مانیں گے تو مبتدی کا فاعل ہوگا تو یہ متروک ہے اس مقام پر ایک اعتراض ہوتا ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ مصنفؒ کا یہ کہنا کہ علم نحو سے صیانت حاصل ہوتی ہے خطائے لفظی سے غلط ہے چونکہ ذہن لافظ نہیں کہ اس کو خطائے لفظی سے صیانت ہو کہ تلفظ لسان یعنی زبان سے ہی ہو سکتا ہے لہٰذا مصنفؒ کو صیانت لسان المبتدی کہنا چاہیے تھا۔ اس کے دو جواب دیئے جاتے ہیں ایک یہ کہ متلفظ حقیقت میں ذہن ہے اور لسان مترجم ہے اور قاعدہ ہے کہ جب حقیقت کی صیانت ہوگی تو فرع کی بھی ہو جاوے گی اس وجہ سے مصنفؒ نے صیانت الذہن کہا جواب ثانی اصل میں یہاں مضاف مقدر ہے اصل میں عبارت اس طرح تھی صیانت مبین الذہن اور مبین الذہن زبان ہی ہو سکتی ہے لہٰذا اعتراض مذکور ساقط اور مدفوع ہو گیا **قولہ موضوعہ** جب مصنفؒ بیان غرض علم نحو سے فارغ ہو گیا تو مقدمہ کے اجزاء سے جو تیسرا جز موضوع ہے اس کو بیان کرتا ہے چونکہ اس کے جاننے سے علم نحو کو دوسرے علوم سے امتیاز حاصل ہو جاویگا اور علوم میں امتیاز موضوع کے امتیاز سے ہوتا ہے موضوع کسی علم کا وہ شئے ہے جس کے احوال ذاتی سے بحث کی جاتی ہے مزید تفصیل کتب منطق وغیرہ میں طلب کیجئے **قولہ الکلمۃ الخ** مصنفؒ کہتا ہے کہ علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔ کلمہ اور کلام موضوع علم نحو کا اس وجہ سے ہے کہ علم نحو میں ان دونوں کے احوال ذاتی سے بحث کیجاتی ہے اور جسکے احوال ذاتی سے جس علم میں بحث ہو وہ اس علم کا موضوع ہے اس وجہ سے کلمہ اور کلام علم نحو کا موضوع ہے یہاں پر ایک اعتراض پڑتا ہے کہ ہر علم کا موضوع ایک ہوتا ہے کیونکہ تعدد موضوع تعدد علم کو مستلزم ہے تو جب علم نحو کے موضوع کلمہ و کلام ہوئے تو اس سے لازم آتا ہے کہ علم نحو ایک علم نہیں بلکہ دو علم ہونگے جواب تعدد دو قسم پر ہے لفظی معنوی تعدد معنوی جیسے بالغ عاقل دوسری قسم تعدد لفظی فقط جیسے قاعد جالس۔ یہاں پر جو تعدد ہے وہ لفظ میں تعدد ہے معنی کے اعتبار سے تعدد نہیں اس لیئے کہ کلمہ اور کلام اگرچہ باعتبار لفظ کے متعدد ہیں مگر حقیقت میں ایک ہی چیز ہیں چونکہ دونوں سے مراد وہ لفظ ہے جو معنے کے لئے نحو کا موضوع ہے اس لحاظ سے نحو کا

(باقی بر صـ۱۵)

حقیقت میں ایک ہی موضوع ہے یعنی معنی۔ نیز سوال ہوتا ہے کہ علم النحو کا موضوع کلمہ اور کلام دونوں امر ہیں تو جب یہ دونوں امر ہیں تو اسکی کیا وجہ ہے کہ کلمہ کو کلام پر مقدم کرتے ہیں جواب یہ ہے کہ کلمہ کلام کا جز ہے۔ لفظاً بھی اور معناً بھی۔ اس وجہ سے کہ زید مثلاً زید قائم کا جز ہے۔ جو کہ کلام ہے اور معناً اس وجہ سے کہ زید قائم مجموعہ کے معنی ہیں۔ حیوان ناطق مع ہذا التشخص وذات من لہ القیام اور لفظ زید کے معنی ہیں حیوان ناطق مع ہذا التشخص فقط یہ معنی پہلے مجموعہ معنی کا جز ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کلمہ کلام کا جز ہے اور جز کل پر مقدم ہوتا ہے نیز کلام کے مفہوم ما تضمن کلمتین بالاسناد میں کلمہ موجود ہے۔ تو کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جز بن گیا۔ اور جز کل پر مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا مصنفؒ نے کلمہ کو کلام پر مقدم کیا اور جس طرح اس اجمال میں مقدم کیا ہے اسی طرح تفصیل میں بھی ایسا کیا تاکہ تفصیل اجمال کے موافق ہو جانا چاہیے کہ الکلمہ میں تین جز ہیں ایک حرف تعریف دوسرے مادہ ک ل م، تیسرا جز تا، ہم ان تینوں کو تین بحثوں میں ذکر کریں گے۔ بحث اول الف لام کی دو قسمیں ہیں۔ اسمی۔ حرفی۔ اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور اسم موصول کے معنی دیتا ہے اسکا صلہ وہ اسم فاعل اور وہ اسم مفعول ہوتے ہیں جن پر یہ داخل ہوتے ہیں یہاں الکلمہ میں الف لام اسمی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کلمہ جس پر الف لام داخل ہے نہ اسم فاعل ہے نہ اسم مفعول حالانکہ الف لام اسمی کیلئے ضروری ہے کہ اسکا مدخول ان دونوں میں سے کوئی ضرور ہو لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ الف لام حرفی ہے پھر الف لام حرفی کی چار قسمیں ہیں۔ جنسی۔ استغراقی۔ عہد خارجی۔ عہد ذہنی۔ چونکہ لام کے مدخول سے یا تو ماہیت مراد ہوگی یا افراد مراد ہوں گے۔ اول کو الف لام جنسی کہتے ہیں جیسے الرجل خیر من المرأۃ یعنی ماہیت رجل ماہیت مرأۃ سے بہتر ہے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ افراد رجل افراد مرأۃ سے بہتر ہیں۔ دوسری صورت جبکہ مدخول الف لام سے افراد مراد ہوں تو وہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔ یا کل افراد مراد ہونگے یا بعض اول کو الف لام استغراقی کہتے ہیں جیسے قولہ تعالیٰ ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا الخ یہاں الانسان میں الف لام استغراقی ہے کیونکہ اگر استغراقی نہ ہوگا تو استثناء درست نہ ہوگی نہ متصل نہ منفصل۔ کیونکہ اول کے اندر مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں داخل ہونا یقینی ہوتا ہے اور استثنائے منقطع کے اندر مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ سے خروج یقینی ہوتا ہے۔ اور یہ دخول اور خروج یقینی طور پر جب ہی ہو سکتے ہیں کہ مستثنیٰ منہ مدخول الف لام سے تمام افراد مراد ہوں اور یہ بدون استغراق اور بلا احاطہ تمام افراد ممکن نہیں لہٰذا لا محالہ آیت مذکورہ میں بقرینہ استثناء الف لام استغراقی ہوگا اور جب مدخول الف لام سے بعض افراد مراد ہوں تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔ وہ بعض افراد خارج میں معین ہوں گے یا غیر معین اول کو الف لام عہد خارجی کہتے ہیں۔ جیسے قولہ تعالیٰ فعصیٰ فرعون الرسول فاخذناہ اخذا وبیلا۔ یعنی فرعون نے اس رسول معین یعنی موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی کی جس کا ذکر سابقہ آیت کما ارسلنا الی فرعون رسولا میں آچکا ہے اور ثانی کو الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں۔ جیسے قولہ تعالیٰ واخاف ان یاکلہ الذئب یہاں ذئب مذکور سے خارج میں کوئی فرد معین مراد نہیں ہے معہود ذہنی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اسی وجہ سے اسکے ساتھ نکرہ کا معاملہ کرنا جائز ہے کما فی قول الشاعر ؎

ولقد امر علی اللئیم یسبنی ٭ فمضیت ثمت قلت لا یعنینی ۔

اب اس تفصیل کے بعد اس امر کی تحقیق ضروری ہے کہ الکلمہ میں الف لام ان اقسام میں سے کون سی قسم کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ الف لام جنسی ہے استغراق و عہد خارجی کا نہیں ہے۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں ہوتی پس یہ الف لام اگر غیر جنسی ہوگا تو چونکہ اس وقت اس کے مدخول سے افراد مراد ہوں گے۔ کلاً یا بعضاً لہٰذا ماہیت کی تعریف نہ ہوگی افراد کی ہو جاویگی اور یہ ناجائز ہے اور وجہ ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ تعریف سے مقصود معرَّف بالفتح کا استحضار ہوتا ہے اور اس کے افراد غیر متناہی ہیں جن زمانہ متناہی میں انکا استحضار نہیں ہو سکتا بخلاف ماہیت کے کہ وہ متناہی ہے۔ اسکا استحضار زمانہ متناہی میں ہو سکتا ہے لہٰذا ثابت اور محقق ہو گیا کہ تعریف ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں ہوتی لیکن یہ ایک منطقی قاعدہ ہے نحوی نہیں ہے لہٰذا ان نحاۃ پر حجت نہیں ہو سکتا جو الکلمہ میں الف لام عہد خارجی کے قائل ہوئے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ تعریف افراد ہمارے نزدیک جائز ہے نیز یہاں پر کلمہ سے مراد وہ کلمہ ہے جو نحویوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے اور اس کے افراد غیر متناہی نہیں ہیں کہ تعریف بلا افراد ناجائز ہو۔ بلکہ وہ تین قسموں (اسم، فعل، حرف) میں منحصر ہے پس الکلمہ میں الف لام عہد خارجی لینے میں کوئی اشکال نہیں۔

(بحث دوم کلمہ لغت میں بمعنی سخن یا قاعدہ (کذا فی الصراح) کلمہ اور کلام کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انکا اشتقاق کلم بسکون اللام سے ہے جس کے معنی زخمی کرنے کے ہیں اسلئے کہ نفس میں کلمہ اور کلام کی تاثیر ایسی ہے جیسی زخم کی ہوتی ہے کما قیل ؎ جراحات السنان لہا التیام ٭ ولا یلتام ما جرح اللسان ۔ پھر لفظ کلم میں اختلاف ہے کہ یہ جمع ہے یا اسم جنس۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم جنس ہے اور ان کی دلیل قولہ تعالیٰ الیہ یصعد الکلم الطیب ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر وہ جمع ہوتا تو اسکی صفت طیب نہ آتی بلکہ طیبہ تا کے ساتھ آتی اور لوگ اس کو جمع کہتے ہیں وہ اسکی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ تین سے کم پر اس کا اطلاق نہیں آتا اور اگر اسم جنس ہوتا تو تین سے کم پر بھی اس کا اطلاق آسکتا تھا اور وہ اس آیت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ کلم کی صفت مذکر لانے کی وجہ یہ ہے کہ جو جمع ایسی ہو کہ اس کے درمیان اور اسکے مفرد کے درمیان تا سے فرق ہو تو اسکی صفت میں تذکیر و تانیث برابر ہے۔ نیز احتمال ہے کہ طیب کلم کی صفت نہ ہو بلکہ اس کا موصوف محذوف ہوا ہے۔ بعض الکلم الطیب ہیں اس آیت سے جنسیت کلم پر استدلال کرنا صحیح اور درست نہیں (بحث سوم تا الکلمہ میں وحدت کیلئے ہے لیکن جب ہم اس تا کو وحدت کیلئے لیں گے تو یہ اعتراض وارد ہوگا کہ جنسیت الکلمہ میں کثرت اور عموم کی متقاضی ہے اور وحدت اس کے منافی ہے لہٰذا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ الکلمہ میں کثرت بھی ہو اور وحدت بھی کیونکہ دونوں میں منافات اور تضاد ہے بلکہ اگر الف لام جنسیت کے لئے ہوگا تو تا وحدت کیلئے نہ ہوگی جواب یہ ہے کہ وحدت کی تین قسمیں ہیں شخصی، نوعی، جنسی۔ ان تینوں میں صرف وحدت شخصی عموم اور کثرت کے منافی ہے اور وہ یہاں مراد نہیں پس جب الکلمہ میں تا وحدت کے لئے لیں گے تو تخصیص کلمہ نحویہ کی صحیح ہو جائے گی اور کلمہ لغوی اور کلمہ شہادت سے احتراز ہو جائیگا اور یہ معنے ہوں گے کہ جنس کلمہ نحوی کی ماہیت نحویوں کے نزدیک یہ ہے ٭

فصل الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد

لفظ النحو: لفظ کے معنی لغت میں کسی چیز کے پھینکنے اور ڈالنے کے ہیں یقال اکلت التمرۃ ولفظت النواۃ یعنی میں نے چھوہارے کو کھایا اور گٹھلی کو پھینک دیا اور اصطلاح نحات میں لفظ .. لے بہ الانسان من حرف فصاعدا کو کہتے ہیں یعنی جس کو انسان تلفظ کرسکے وہ لفظ ہے خواہ ایک حرف ہو یا زیادہ پس اس صورت میں لفظ کی یہ تعریف محذوف اور ضمیر مستتر کو بھی شامل اور متناول ہوگی۔ اس لیے کہ انسان ان دونوں کا تلفظ کرسکتا ہے محذوف کا تلفظ تو ظاہر ہے کہ انسان کرسکتا ہے۔ اور ضمیر مستتر کا تلفظ اس صورت میں ہوگا جبکہ اسکو ضمیر بارز مثلاً انت ہو وغیرہ سے تعبیر کیا جاوے پھر انسان کا یہ تلفظ عام ہے کہ ابتداءً اس سے صادر ہوا ہو۔ یا کسی دوسرے کا کلام ہو اس وقت یہ تعریف الفاظ الٰہیہ اور جنیہ کو بھی شامل ہوگی کلمہ کی تعریف میں لفظ مابہ الاشتراک ہے کہ مہمل اور موضوع مفرد اور مرکب سبکو شامل ہے اور باقی قیودات اس میں احترازی اور مابہ الامتیاز کے درجہ میں ہیں (ترکیب) الکلمۃ مبتدا اور لفظا اپنی صفت وضع سے مل کر اس کی خبر ہے لیکن اس ترکیب پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مبتدا اور خبر کے درمیان تذکیر و تانیث میں مطابقت اور موافقت ضروری ہے۔ اور یہاں مبتدا مؤنث اور خبر مذکر ہے۔ جواب یہ ہے کہ مبتدا اور خبر کے مابین مطابقت اس وقت ضروری ہے جبکہ خبر مشتق ہو اور اس میں ایک ایسی ضمیر ہو جو مبتدا کی طرف راجع ہو نیز وہ ضمیر تذکیر تانیث میں برابر ہو۔ اور یہاں پر ضمیر اگرچہ تذکیر و تانیث میں برابر نہیں مگر وہ مشتق نہیں لہذا یہاں پر مبتدا اور خبر کے مابین مطابقت کا ہونا ضروری نہیں۔ وضع لغت میں بمعنی نہادن اور اصطلاح میں ایک شئی کو دوسری شئے کیساتھ اس طرح خاص کرنے کو کہتے ہیں کہ جب شئے اولیٰ یعنی مخصص کا احساس یا اطلاق کیا جاوے تو شئے ثانی یا مخصوص لہ سمجھ میں آجاوے کلمہ کی تعریف میں اس قید سے مہملات جیسے جسق اور وہ الفاظ جو بالطبع دلالت کرتے ہیں جیسے اُح اُح خارج ہوگئے اس لیے کہ وضع اور تخصیص ان میں نہیں پائی جاتی اور ابھی تک اس میں الفاظ موضوعہ مفردہ مرکبہ کلامیہ اور غیر کلامیہ تمام داخل ہیں لمعنًی یہ باعتبار لغت کے یا تو بروزن مفعل اسم مکان ہے بمعنی جائے قصد یا مصدر میمی ہے معنی میں مفعول کے یا اسم مفعول کا صیغہ ہے دراصل معنوی تھا بقاعدہ سیبویہ واؤ ی سے بدل گیا اور مناسبت یا کی وجہ سے ضمہ نون کسرہ سے بدل گیا پھر خلاف قیاس ایک یا کو حذف کر دیا اور کسرہ نون فتحہ سے بدل گیا پھر یا کو الف سے بدلا اور الف التقائے ساکنین کی وجہ سے گرا دیا معنی ہوگیا۔ معنی کی قید سے حروف ہجا با تا وغیرہ خارج ہوگئے اس لیے کہ ان کی وضع غرض ترکیب کے لیے ہے معنی کے لیے نہیں اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ غرض حروف ہجا سے مقصود ہوتی ہے اور وہ شئے جو کسی شئے سے مقصود ہوتی ہے وہ معنی ہے۔ لہذا غرض ترکیب کو معنے سے خارج کرنا درست نہیں جواب یہ ہے کہ معنی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جو لفظ سے مقصود ہوں اور لفظ میں داخل ہوں غرض ترکیب باعث فعل ہونے کی وجہ سے چونکہ لفظ حروف سے خارج ہے اس میں داخل نہیں اس لیے اس کو معنی کہیں گے۔ نیز معنے کیلئے ضروری ہے کہ بوقت اطلاق لفظ مفہوم ہوں غرض ترکیب چونکہ بوقت اطلاق حروف ہجا مثلاً الف با تا ثا وغیرہ نہیں سمجھی جاتی اس لیے اسکو معنی نہیں کہیں گے۔ علاوہ ازیں اگر غرض ترکیب کو حروف ہجا کا معنی تسلیم کر بھی لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ باہم حروف ہجا ایک دوسرے کے مرادف ہو جاویں اور تا کا مثلاً سین پر اور جیم کا دال پر (وعلیٰ ہذا القیاس سائر الحروف) اطلاق صحیح اور درست اور جائز ہو جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ شان ترادف کی ہے اس میں معنی ایک اور الفاظ متعدد ہوتے ہیں۔ اور لازم باطل ہے پس غرض ترکیب کو بھی حروف ہجا کا معنی قرار دینا سراسر باطل اور نادرست ہے (فائدہ) جاننا چاہیے کہ جب حروف کو انکے اسمار کیساتھ شمار کیا جاوے مثلاً کہیں الباء واللام والمیم وغیرہ تو انکو حروف ہجا کہیں گے۔ اور جب وہ کسی کلمہ کا جزو ہوں تو انکو حروف مبانی کہیں گے جیسے با ضرب زید میں اور جب ان کے کوئی معنی ہوں تو ان کو حروف معانی کہیں گے جیسے با مررت بزید میں . . . .

. . . . مفرد اس میں رفع نصب جر تینوں اعراب جاری ہو سکتے ہیں مرفوع ہونے کی حالت میں یہ لفظ کی صفت ثانیہ ہے اور مفرد کے یہ معنی ہونگے کہ لفظ مفرد وہ ہے کہ اس کا جز معنی کے جز پر دلالت نہ کرے لیکن اس صورت میں مصنف پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ لفظ کی پہلی صفت ماضی اور دوسری کو مفرد لائے ہیں دونوں کو ایک طرز پر نہیں لائے اس میں کیا نکتہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ لفظ کی پہلی صفت کو جملہ بفعل ماضی اور دوسری کو مفرد لانے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ لفظ کا موضوع ہونا پہلے اور لفظ کا مفرد اور مرکب ہونا بعد کو ہوتا ہے اور مجرور ہونے کی حالت میں مفرد معنی کی صفت ہے اور اس وقت مفرد کے یہ معنی ہیں کہ معنی مفرد وہ ہے کہ اس کے جز پر لفظ کا جز دلالت نہ کرے لیکن اس صورت میں بھی مصنف پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو معنی صفت افراد کیساتھ پہلے سے متصف تھے، ان کیلئے وضع ہوئی جس سے معنی کا مفرد ہونا پہلے اور وضع کا بعد میں ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ وضع پہلے اور افراد و ترکیب بعد میں واقع ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے یہاں معنی کو وضع سے پہلے مفرد مجازاً کہا گیا ہے۔ جیسا طالب علموں کو مجازاً مولوی کہہ دیتے ہیں۔ نصب کی صورت میں دو احتمال ہیں یا تو یہ ضمیر وضع سے حال ہے یا معنی سے حال واقع ہوگا جو کہ درحقیقت مفعول بہ ہے بواسطہ حرف جر کے اور یہ صورت بھی اشکال سے خالی نہیں اس لئے کہ حالت نصبی میں رسم خط میں الف لکھا جاتا ہے اور عامل ذوالحال اور حال کا زمانہ ایک ہی ہوتا ہے اور یہاں ان دونوں میں سے ایک بھی موجود نہیں بلکہ دونوں مفقود ہیں نہ تو رسم خط میں الف ہے اور نہ عامل ذوالحال اور حال کا زمانہ ایک ہے جواب یہ ہے کہ رسم خط میں نصب اس وقت لکھا جاتا ہے جبکہ نصب کے سوا اس پر کوئی اور احتمال نہ ہو اور یہاں نصب کے علاوہ دو احتمال اور ہیں اور پھر عامل ذوالحال اور حال میں مقارنت بھی ہو سکتی ہے اور تقدم اور تاخر میں بھی مقارنت زمانیہ ہوگی اور تقدم اور تاخر ذاتی میں کوئی منافات نہیں اس لیے کہ مقارنت زمانی وہ ہے کہ مقدم اور مؤخر دونوں ایک زمانہ میں پائے جاویں اور تقدم اور تاخر ذاتی وہ ہے کہ مؤخر مقدم کا محتاج ہو۔ اور مقدم مؤخر کے لیے علت تامہ ہو

(باقی بر صـ ١٧)

وَهِيَ مُنْحَصِرَةٌ فِي ثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ اِسْمٌ وَفِعْلٌ وَحَرْفٌ لِاَنَّهَا اِمَّا اَنْ لَّا تَدُلَّ

جیسے حرکت ید اور حرکت قلم کہ دونوں کا زمانہ ایک ہے اور حرکت قلم حرکت ید کی محتاج ہے کہ بدون ہاتھ کی حرکت کے قلم کی حرکت متخیل اور ناممکن ہے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وضع اور افراد دونوں کا زمانہ ایک ہی ہو اور وضع افراد پر مقدم بھی ہو۔ لہذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا کیونکہ اس وقت عامل ذو الحال اور حال کا زمانہ بھی ایک ہو گیا اور وضع کا افراد پر تقدم بھی ہو گیا کلمہ کی تعریف میں مفرد کی قید لگانے سے قائمۃ اور بصریۃ۔ خارج ہو گئے اس لیے کہ قائم ذات من لہ القیام پر اور تا تانیث پر دلالت کرتی ہے اسی طرح بصرہ ایک شہر ہے اور یا اسے نسبت مفہوم ہوتی ہے اور تا تانیث پر دلالت کرتی ہے **قولہ ہی الخ** اس مقام پر ایک اعتراض ہے کہ ہی ضمیر یا لفظ کلمہ کی طرف راجع یا مفہوم کلمہ کی طرف لوٹتی ہے اور دونوں صورتیں باطل اور غیر صحیح ہیں اول اس وجہ سے کہ لفظ کلمہ اسم ہے تو اس کا تو مطلب ہوا کہ لفظ کلمہ یعنی اسم ان اقسام ثلثہ یعنی اسم و فعل و حرف کی طرف منقسم ہو کر ان ہی میں منحصر ہے اس مطلب پر لازم آتا ہے کہ شے کی تقسیم اپنے نفس اور غیر کی طرف ہو رہی ہے یعنی خود اس اسم کی طرف اور اس کے غیر (فعل حرف) کی طرف ہوتی ہے اور یہ لازم صریح باطل ہے اور امر ناجائز۔ اور ثانی صورت اس وجہ سے باطل ہے کہ کلمہ کا مفہوم مذکر ہے اور ضمیر مونث مذکر کی طرف نہیں لوٹتی چونکہ ضمیر اور اس کے مرجع میں موافقت و مطابقت ضروری ہے اور وہ یہاں معدوم ہے جواب ضمیر ہی کا مرجع لفظ کلمہ باعتبار مفہوم کے ہے اور صرف لفظ اور صرف معنی نہیں اور قباحت مذکورہ جب لازم آتی جبکہ صرف لفظ یا صرف معنی ضمیر کا مرجع کیا جاتا اور جب ضمیر کا مرجع لفظ کلمہ باعتبار مفہوم کے قرار دیا گیا تو اشکال مذکور مردود ہے چونکہ مونث ضمیر لفظ کلمہ کی رعایت سے لائی گئی اور تقسیم معنی کلمہ کے اعتبار سے ہے واللہ اعلم بالصواب **قولہ اسم الخ** اس میں سوال ہوتا ہے کہ مصنف نے اسم کو فعل پر اور فعل کو حرف پر کیوں مقدم کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم افادہ میں مستقل ہے فعل و حرف کی طرف احتیاج نہیں رکھتا اور صحیح مذہب پر فعل اس سے مشتق ہے بخلاف فعل کے کہ وہ افادہ میں مستقل نہیں ہے بلکہ اسم کی طرف محتاج ہے اس وجہ سے اسم اصل ہوا اور فعل فرع اور اصل فرع پر مقدم ہوا کرتی ہے لہذا مصنف نے اسم کو فعل پر مقدم کر دیا۔ پھر فعل کو حرف پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ فعل حرف کی طرف افادہ میں محتاج نہیں اور حرف دونوں کی طرف محتاج ہے۔ اور جو محتاج ہوتا ہے وہ غیر محتاج کا فرع ہوتا ہے۔ اس وجہ سے فعل اصل ہوا اور حرف فرع لہذا فعل کو حرف پر مقدم کیا۔ **قولہ لانہا الخ** مصنف نے چونکہ مفہوم کلمہ کے اقسام ثلثہ میں منحصر ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور دعویٰ دلیل کو مقتضی ہے اس وجہ سے مصنف اپنے دعویٰ پر لانہا سے حصر فی اقسام ثلثہ پر دلیل بیان کرتا ہے اس دلیل پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ دلیل دو حال سے خالی نہیں یا تو عقلی ہے یا نقلی اور دونوں شق باطل ہیں اول اس وجہ سے کہ عقل حصر کا حکم نہیں کرتی کیونکہ قسم اول (غیر دال علی معنی فی نفسہ) میں تقسیم کا احتمال ہے عقلاً کہ وہ بھی مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ اور غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ کی طرف منقسم ہو اور ایسے ہی قسم ثانی کی ہر قسم عقلاً تقسیم کا احتمال رکھتی ہے کیونکہ جو قسم مقترن بالزمان ہوتی ہے عقل اس کے اقسام کو زمانہ ماضی و حال و استقبال کی طرف منقسم ہونے کو نہیں روکتی پھر مقترن بالماضی ماضی قریب و ماضی بعید وغیرہ کی طرف منقسم ہو سکتا ہے اسی طرح مقترن بالاستقبال مستقبل فی الدنیا و مستقبل فی الآخرۃ کی طرف منقسم ہونے کا محتمل ہے اور ایسے ہی غیر مقترن کو بھی مشتق اور غیر مشتق کی طرف منقسم ہونے سے عقل نہیں منع کرتی غرضیکہ تقسیم الی مالا نہایۃ لہ چلتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ دلیل حصر عقلی نہیں اور نہ عقل کلمہ کے ان اقسام کے اندر محصور ہونے کو چاہتی ہے نیز یہ دلیل حصر نقلی بھی نہیں کیونکہ اگر یہ دلیل حصر نقلی ہوتی تو عرب کے کسی شخص سے منقول ہوتی حالانکہ یہ دلیل کسی آدمی سے منقول نہیں ہے۔ جواب یہ دلیل عقلی ہے اور اسکے مقدمات اصطلاحی اور نقلی ہیں اسکا بیان یہ ہے کہ ہم نحات کی اصطلاح میں پاتے ہیں کہ کلمہ دو قسموں میں منحصر ہے ایک ما دل علی معنی فی نفسہ دوسرے مالا یدل علی معنی فی نفسہ اور نیز ان کی اصطلاح میں یہ بھی پاتے ہیں کہ کلمہ دو قسموں میں محصور ہے ایک ما یقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ اور دوسرے مالا یقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ اور یہ مقدمات اہل اصطلاح سے منقول ہیں جب یہ مقدمات ثابت اور متحقق ہو گئے تو عقل نے حکم کیا کہ یہ تقسیم اثبات اور نفی کے درمیان دائر ہے لہذا عقل نے حصر کو چاہا لہذا یہ دلیل عقلی ہو گئی کیونکہ اگر عقل حصر فی الاقسام الثلثۃ کا تقاضا نہ کرے تو اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین دونوں لازم آ جائیں گے اور یہ دونوں عقلاً محال ہیں اور دلیل عقلی کے واسطے اس کے سب مقدمات کا عقلی ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کے مقدمات کبھی عقلی ہوتے ہیں کبھی نقلی حسی اور کبھی نقلی تجربی اور کبھی متواترات جیسا کہ کتب منطق میں مذکور ہیں۔ فارجعوا الیہا واللہ اعلم دوسرا اعتراض اس دلیل پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ دلیل انحصار تعریف کلمہ سے مربوط نہیں ہے بلکہ اسکی مخالف اور معاند ہے۔ کیونکہ دلالت اور اقتران کلمہ کی حقیقت میں مذکور نہیں ہے جواب حقیقت کلمہ (لفظ وضع لمعنی مفرد) میں دلالت اور اقتران اگرچہ لفظاً موجود نہیں مگر تقدیراً موجود ہے بعض نے جواب دیا ہے کہ صیغہ وضع تعریف کلمہ میں مذکور ہے اور وضع دلالت کو مستلزم ہے لہذا دلالت کا بھی ذکر کلمہ کی تعریف اور حقیقت میں مذکور ہے پس اعتراض مذکور ساقط اور باطل ہے **قولہ ان لاتدل** یہ ان کی خبر ہے اور ضمیر انہا میں جو ہے وہ اسم ہے اور خبر کا اسم پر محمول ہونا ضروری ہے اور ان لاتدل کا حمل ضمیر پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ضمیر کلمہ کی طرف راجع ہے اور یہ ذات ہے اور ان لاتدل بتاویل مصدر ہے اور مصدر وصف ہوتا ہے اور صرف وصف کا حمل ذات پر صحیح اور درست نہیں جواب یہ ہے کہ ان لاتدل اُن کی خبر نہیں بلکہ محذوف کی خبر ہے ای لانہا من شانہا ان لاتدل پس اس وقت وصف کا حمل ذات پر نہیں۔ لہذا اعتراض مذکور ساقط ہے اس اعتراض کے جوابات اور بھی مختلف طرز سے دیئے جاتے ہیں دلیل کی اس شق پر ایک اعتراض یہ بھی وارد کیا جاتا ہے کہ ان لاتدل میں جیسا کہ مطلق دلالت کی نفی ہوتی ہے وضع کی بھی ہو جاتی ہے اس لیے کہ وضع خاص ہے اور دلالت عام کیونکہ دلالت بدون وضع کے دلالت عقلیہ و طبعیہ میں پائی جاتی ہے اور قاعدہ ہے (باقی بر صہ ۱۸)

عَلٰی مَعْنًی فِی نَفْسِهَا وَهُوَ الْحَرْفُ اَوْ تَدُلَّ عَلٰی مَعْنًی فِی نَفْسِهَا وَیَقْتَرِنُ مَعْنَاهَا
بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ وَهُوَ الْفِعْلُ اَوْ تَدُلَّ عَلٰی مَعْنًی فِی نَفْسِهَا وَلَمْ یَقْتَرِنْ مَعْنَاهَا
بِهٖ وَهُوَ الْاِسْمُ فَحَدُّ الْاِسْمِ كَلِمَةٌ تَدُلُّ

کہ انتفاء عام انتفاء خاص کو مستلزم ہے پس جب مطلق دلالت کی نفی ہوگئی تو وضع کی بھی ہوگئی اور جب وضع کی نفی ہوگی تو کلمہ کی بھی ہو جائیگی اس لئے کہ کلمہ کی تعریف میں وضع موجود ہے تو جب کلمہ کی نفی ہو گئی تو مصنفؒ کا ہو الحرف کہنا غلط ہے چونکہ حرف کیلئے کلمہ کا ہونا ضروری ہے جواب یہ ہے کہ اگرچہ مطلق دلالت وضع سے عام ہے لیکن ان لاتدل میں جس دلالت کی نفی ہے وہ مطلق دلالت کی نفی نہیں بلکہ خاص کی ہے یعنی دلالت فی نفسہا پس اس صورت میں دلالت فی نفسہا کی نفی ہو کر مطلق دلالت کی نفی نہ ہوگی جب مطلق دلالت کی نفی نہ ہوئی تو وضع کی نفی بھی نہ ہوئی اور اس شق اوّل کو حرف کہنا درست ہوگا واللہ اعلم بالصواب **قولہ علیٰ معنی فی نفسہا** ۔ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ظرف لغو ہو تدل کے متعلق لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ فی دلالت کے صلہ میں نہیں آتا تو اسکا جواب دیتے ہیں کہ فی یہاں پر باء کے معنی میں مستعمل ہے یعنی کلمہ کی دلالت معنی پر بذاتہا نہ ہو بلکہ ضم ضمیمہ کیساتھ ہو دوسرا احتمال یہ ہے کہ ظرف مستقر ہو کر معنی کی صفت بنے تقدیر عبارت یوں ہوگی علیٰ معنی حاصل فی نفس الکلمۃ یعنی کلمہ کا دلالت کرنا ایسے معنی پر جو معنی نفس کلمہ میں حاصل ہیں یعنی مستقل بالمفہوم نہ ہو۔ **قولہ ہو الحرف** یعنی جس کلمہ کی دلالت معنی پر بالاستقلال نہ ہو وہ حرف ہے مصنفؒ نے تقسیم میں حرف کو مؤخر بیان کیا تھا اور حصر میں مقدم کر دیا اسکی کئی وجہ بیان کرتے ہیں اوّل یہ کہ حرف کے معنی لغت میں طرف کے ہیں جیسا کہ کتاب میں عنقریب آئیگا اس وجہ سے مصنفؒ نے اس کو ایک مرتبہ طرف انتہاء میں بیان کر دیا اور ایک مرتبہ طرف ابتداء میں تقسیم میں انتہاء میں ذکر اس وجہ سے کیا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ اسکا رتبہ مؤخر ہے اور وجہ حصر میں اس وجہ سے پہلے بیان کیا تاکہ بیان حصر میں قریب سے شروع ہو جاوے اگر برعکس معاملہ کرتا تو یہ بات ثابت نہ ہوتی بعض نے کہا ہے کہ وجہ حصر میں حرف کو اس وجہ سے مقدم کیا کہ حرف عدمی ہے چونکہ اسکی نفس معنی پر دلالت نہیں ہوتی بخلاف اسم اور فعل کے کہ انکی دلالت معنی مستقل پر ہوتی ہے لہذا حرف عدمی ہوا کہ اسکے نفس معنی پر دلالت نہیں ہوتی اور عدم وجود پر مقدم ہے یا حرف کو دلیل میں اس وجہ سے مقدم کیا ہے کہ کلمہ کی یہ قسم غیر منقسم ہے بخلاف دوسری قسم کے کہ وہ اقتران اور عدم اقتران کی طرف منقسم ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب **قولہ ہو الفعل** ۔ یعنی وہ قسم جس کی دلالت معنی فی نفسہا پر ہوتی ہے اور اس معنی کا اقتران تین زمانوں سے ایک کے ساتھ ہو تو وہ فعل ہے فعل کو مصنفؒ نے اسم پر مقدم کر دیا حالانکہ تقسیم میں مؤخر بیان کیا تھا وجہ اسکی یہ ہے کہ تقسیم میں اس وجہ سے مؤخر کیا تھا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ فعل مرتبہ میں اسم سے مؤخر ہے اور یہاں اس بنا پر مقدم کیا کہ فعل کی تعریف وجودی ہے اور اسم کی عدمی اور اعدام کی معرفت اسکے ملکات سے ہوتی ہے ۔ اس وجہ سے حصر میں فعل کو اسم پر مقدم کیا۔ **قولہ فحد الاسم** ۔ اس میں فاء فصیحیہ ہے جو شرط محذوف کے جواب پر داخل ہوتی ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ فانفجرت میں ہے ای واضرب موسیٰ الحجر بعصاہ فانفجرت لہذا تقدیر عبارت یوں ہوگی اذا بینا دلیل الحصر فحد الاسم الخ یعنی جب ہم نے دلیل حصر بیان کر دی تو اسم کی حد کلمۃ تدل الخ ہے چونکہ مصنفؒ جب دلیل حصر کے بیان سے فارغ ہو گیا تو اس نے چاہا کہ ان تینوں میں سے ہر ایک کی تعریف بھی کر دی جاوے ۔ اگرچہ دلیل حصر سے بھی ایک گونہ تعریف مستفاد ہو گئی تھی لیکن وہ تبعاً مستفاد ہوئی تھی نہ قصداً ۔ حالانکہ حدود قصدی ہونی چاہئیں نہ تبعی اگر کوئی کہے کہ حد کی تقدیم دلیل حصر پر واجب ہے تو مصنفؒ نے یہاں کس وجہ سے حد کو دلیل پر مقدم نہیں کیا تو جواب یہ ہے کہ حد کی تقدیم وجہ حصر پر اس وقت ضروری ہوتی ہے کہ جب وجہ حصر حدود کو شامل نہ ہو اور یہ دلیل حصر حدود پر مشتمل اور ہر سہ تعریفات کو متضمن ہے اس وجہ سے اسکی تقدیم وجہ حصر پر جائز ہو گئی لیکن اس تقدیم کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ مصنفؒ کو دونوں قسم کی تعریف (ضمنی اور قصدی) پر مطلع اور متنبہ کرنا مقصود ہے اگرچہ یہ امر صورت تاخیر میں بھی ممکن ہے لیکن تصریح تضمین کے بعد امکن فی الذہن ہوتا ہے بخلاف تضمین بعد تصریح کے کہ وہ امکن فی الذہن نہیں ہوتی کیونکہ تعریف صریح کو ذکی اور غبی دونوں طبقے کے لوگ سمجھتے ہیں بخلاف ضمنی تعریف کے کہ غبی اس کو نہیں سمجھتا لہذا تصریح بعد تضمین لامحالہ مفید عام ہوگی۔ حد کے معنی لغت میں منع (روکنا) ہیں اور مناطقہ کی اصطلاح میں شے کا وہ معرف ہے جو شے کی ذاتیات سے مرکب ہو اس کے مقابلہ میں رسم ہے اور وہ معرف ہے جو شے کی محض ذاتیات سے مرکب نہ ہو بلکہ ذاتیات یا عرضیات یا خالص عرضیات سے ترکیب پاوے اور اہل عربیت کی اصطلاح میں معرف جامع مانع کو حد کہتے ہیں یہ تعریف حد اور رسم دونوں کو شامل اور متناول ہے یہاں پر حد اہل منطق اور حد اہل عربیت ہر ایک بن سکتی ہے کما لا یخفی **قولہ کلمۃ تدل** مصنفؒ نے یہ اسم کی تعریف کی ہے اس میں کلمہ موصوف ہے اور تدل علی معنی اسکی صفت ہے اور فی نفسہا معنی کی صفت اول ہے اور غیر مقترن معنی کی صفت ثانی ہے یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو ایسے معنے پر دلالت کرے جو نفس کلمہ میں حاصل ہیں اور وہ معنی تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مقترن نہ ہو اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ کلمہ فی یہاں مناسب نہیں چونکہ کلمہ معنی کیلئے ظرف نہیں ہے اور فی ظرفیت کا تقاضا کرتی ہے جواب کلمہ فی بمعنی باء ہے یعنی بنفسہا لیکن مصنفؒ کلمہ فی کو اس وجہ سے لایا ہے کہ کلمہ جب ایسے معنی پر دلالت کریگا جو ذات کلمہ کے ساتھ ہیں بلا احتیاج دوسرے کلمہ کے ضم کے تو گویا وہ کلمہ اس معنی کو محیط ہوگا جیسے ظرف مظروف کا احاطہ کرتا ہے اس علاقہ کی وجہ سے مصنفؒ نے کلمہ فی وارد کیا ہے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی بمعنی باء ہو کلمہ تدل کے متعلق ہو جاوے غرضیکہ معنی کا نفس کلمہ میں حاصل ہونا اور کلمہ کا اپنی ذات کے اعتبار سے دلالت کرنا مدلول لہ کے معنی ایک ہیں یعنی معنی مستقل بالمفہوم اس طرح پر کہ بلا دوسرے کلمہ کے ملانے کے اس کے معنی اسکے تلفظ کے وقت سمجھ میں آجائیں لیکن اس معنی کا اقتران زمانہ کے ساتھ نہ ہو ماضی ہو یا حال یا استقبال مصنفؒ کا کلمہ تدل اسم کے واسطے بمنزلہ جنس قریب ہے کیونکہ

(باقی بر ص ۱۹)

عَلٰی مَعْنًی فِیْ نَفْسِهَا غَیْرِ مُقْتَرِنٍ بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ اَعْنِی الْمَاضِیَ وَالْحَالَ

اسم کے بعض شرکار اور جمیع شرکار فی ہذا الجنس (فعل و حروف) کے جواب میں کلمہ ہی واقع ہوتا ہے اس وجہ سے جنس قریب ہے اسم کیساتھ اس میں فعل اور حرف شریک ہیں اور علی معنی فی نفسہا فصل ہے اس سے حرف خارج ہو گیا کیونکہ حرف کی دلالت معنی پر ذات کلمہ کے اعتبار سے نہیں ہوتی بلکہ ضمیمہ کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اور غیر مقترن کی قید سے اسم کو فعل سے امتیاز حاصل ہو گیا کیونکہ فعل کا اقتران زمانہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اب یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تعریف اسم میں جیسا کہ تدل علی معنی فی نفسہا کی قید سے حرف سے احتراز ہوتا ہے اسی طرح فعل بھی اس قید سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں دلالت مطلق ہے اور مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے لہٰذا بقاعدہ المطلق اذا اطلق یراد بہ الفرد الکامل اس دلالت سے دلالت مطابقی مراد ہوگی جو کہ دلالت کا فرد کامل ہے اور یہ معنی ہونگے کہ اسم وہ کلمہ ہے جو معنی مستقل پر مطابقۃً دلالت کرے اور فعل چونکہ معنی مستقل پر مطابقۃً دلالت نہیں کرتا لہٰذا وہ تدل علی معنی فی نفسہا کی قید سے خارج ہو گیا پس اب اس اخراج کیلئے تعریف اسم میں کسی دوسری قید کا لگانا یقیناً عبث ہو گا رہا یہ امر کہ فعل معنی مستقل پر مطابقۃً کیوں دلالت نہیں کرتا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ فعل حدث یعنی معنی مصدری اور اقتران بالزمان اور نسبت الی الفاعل تین چیزوں سے مرکب ہوتا ہے جن میں سے صرف معنی مصدری مستقل ہے اور باقی غیر مستقل ہیں اور چونکہ مستقل اور غیر مستقل سے جو مرکب ہوتا ہے وہ غیر مستقل ہی ہوتا ہے لہٰذا فعل کا مجموعہ معنی مطابقی غیر مستقل ہوا پس فعل چونکہ وہ معنی مستقل پر مطابقۃً دلالت نہیں کرتا لہٰذا وہ تعریف تدل علی معنی فی نفسہا کی قید سے خارج ہو گیا اب اسکے اخراج کیلئے کسی دوسری قید کا لگانا یقینی طور پر عبث اور لغو ہو گا۔ جواب یہ ہے کہ تعریف اسم میں گو پہلی قید سے فعل التزاماً خارج ہو جاتا ہے لیکن چونکہ تعریفات کے اندر دلالت التزامی و تضمنی کا اعتبار نہیں ہے اس لئے قید ثانی کا اضافہ کرنا پڑا ہے کہ فعل سے بصراحت احتراز ہو جائے (فائدہ) اور اوپر جو مذکور ہوا ہے کہ مستقل اور غیر مستقل کا مجموعہ غیر مستقل ہوتا ہے یہ حکم ہر مستقل اور غیر مستقل کے مجموعہ کا نہیں بلکہ اس مرکب کا حکم ہے جس کی ترکیب کسی ایسے غیر مستقل سے ہو جو امر خارج اور اجنبی کا محتاج ہو پس یہ اعتراض کہ کلام کا ایک جزء اسناد ہے اور وہ غیر مستقل ہے لہٰذا مستقل اور غیر مستقل سے مل کر کلام بھی غیر مستقل ہو گا صحیح نہیں اس لیے کہ کلام میں کسی اجنبی کی طرف احتیاج نہیں ہے بلکہ مسند الیہ اور مسند کی طرف ہے جن سے اسناد اختراع کی جاتی ہے بخلاف فعل کے کہ اس کا ایک جزء یعنی نسبت الی الفاعل اجنبی یعنی فاعل کا محتاج ہے۔ پس فعل کا مجموعہ معنی مطابقی مستقل اور غیر مستقل سے مل کر غیر مستقل ہوا اور کلام مستقل ہوا۔ قولہ غیر مقترن کلمہ غیر یا تو معنی کی صفت کی بنا پر مجرور ہے یا مبتدائے محذوف کی خبر ہونے کے اعتبار سے مرفوع ہے تقدیر عبارت غیر مقترن ہوگی یا معنی سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور معنی کے زمانہ کے ساتھ مقترن ہونے سے یہ مراد ہے کہ وضع اوّل کے اعتبار سے مقترن نہ ہو اس طور سے کہ اسی کلمہ سے زمانہ کیساتھ معنی کا اقتران مفہوم نہ ہو اقتران فہم میں نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جب کلمہ کا تلفظ کیا جاوے اور اس سے معنی مفہوم ہو تو اس معنی کے ساتھ زمانہ مفہوم نہ ہو اگرچہ مصادر کے معنی زمانہ کیساتھ مقترن ہوتے ہیں لیکن نفس الامر میں اور باعتبار حقیقت کے ہوتے ہیں فہم میں نہیں ہوتے نفس الامر میں اسی وجہ سے مقترن ہوتے ہیں کہ مصادر کے معنی کا تحقق اور ثبوت اور وجود کسی نہ کسی زمانہ میں ضرور ہو گا مثلاً ضرب جب پائی جاویگی تو لا محالہ اور بالضرورۃ کسی زمانہ میں ہی پائی جاویگی اور جس زمانہ میں پائی جاویگی اسی زمانہ سے اسکا اقتران ہو جاویگا لیکن یہ اقتران تحقق کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ فہم کے اعتبار سے چونکہ جب ضرب کا تلفظ ہوتا ہے تو اس سے معنی مفہوم ہوتے ہیں زمانہ کے ساتھ اس معنی کا ملنا نہیں سمجھا جاتا ایسے ہی اسم فاعل و مفعول کے معنی بھی اگرچہ زمانہ کیساتھ مقترن ہوتے ہیں اور اقتران بھی فہم میں ہوتا ہے یعنی جب اسم فاعل مثلاً زیدٌ ضاربٌ غداً یا امس یا الآن کہا تو ضارب کے ضرب کا اقتران زمانہ کے ساتھ سمجھا گیا یعنی زمانہ استقبال یا ماضی یا حال کیساتھ لیکن یہ خود اسم فاعل ضارب سے نہیں سمجھا گیا بلکہ غداً اور امس اور الآن سے مفہوم ہوا ہے حاصل یہ کہ مصادر اور اسم فاعل اور اسم مفعول میں چونکہ اقتران معنی کا زمانہ کے ساتھ اسی کلمہ سے سمجھ میں نہیں آتا لہٰذا یہ تعریف اسم میں داخل رہیں گے اور خارج نہ ہونگے ایسے ہی وہ کلمات جن کے معنی میں زمانہ ہو جیسے امس غداً الآن وغیرہ تعریف اسم سے خارج نہ ہونگے چونکہ معنی کا اقتران زمانہ سے نہیں ہے ایسے ہی لفظ ماضی و حال و مستقبل تعریف اسم سے نہ نکلیں گے اگرچہ ان کی معنی کی مقارنت زمانہ سے ہو رہی ہے۔ لیکن یہ مقارنت علی سبیل الوصفیۃ ہے نہ علی سبیل الجزئیۃ اور ہم نے جو اقتران کی تفسیر کی ہے اس سے آپکو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اقتران سے مراد اقتران علی سبیل الجزئیۃ ہے چونکہ ہم نے کہا ہے کہ جب کلمہ سے معنی مفہوم ہوں تو ایک زمانہ بھی اس کے ساتھ مقارن سمجھا جاوے ایسے ہی اسماء افعال بھی تعریف اسم میں داخل رہے چونکہ انکے معنی کا اقتران انکے زمانہ کے ساتھ اگرچہ خود ہی سمجھا جاتا ہے لیکن وضع اوّل کے اعتبار سے نہیں بلکہ وضع ثانی کے اعتبار سے سمجھا جاتا ہے اسی طرح افعال مقاربہ اور افعال مدح و ذم بھی تعریف اسم سے خارج ہو گئے چونکہ اگرچہ انکے معنی کا اقتران ان کے زمانہ کے ساتھ خود ان سے سمجھا نہیں جاتا۔ لیکن یہ بات وضع ثانی کے اعتبار سے ہے اول وضع میں انکے معنی کا اقتران احد ازمنہ ثلٰثہ کیساتھ خود ان سے سمجھا جاتا تھا اس تمام بیان سے حد اسم کی جامعیت اور مانعیت خوب روشن اور اچھی طرح واضح ہو گئی البتہ فوق تحت وغیرہ پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ان سب کو اسماء کہتے ہیں حالانکہ ان پر تعریف اسم صادق نہیں آتی کیونکہ جب تک انکا مضاف الیہ مذکور نہیں ہوتا اس وقت تک ان کے معنی پر ان کی دلالت نہیں ہوتی لہٰذا یہ دلالت میں ضم ضمیمہ کے محتاج ہوئے پس تعریف جامع نہ رہی جواب یہ ہے کہ یہ اسماء وضع کے اعتبار سے مستقل بالمفہوم ہیں ہاں البتہ باعتبار استعمال کے مستقل نہیں چونکہ یہ بلا اضافت استعمال میں نہیں لائے جاتے اور یہی طریقہ معتاد ہو گیا ہے لہٰذا عدم استقلال ان کا استعمالی ہے وضعی نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

* * *

وَالاستقبالَ كَرَجُلٍ وَعِلْمٍ وَعَلَامَتُهُ صِحَّةُ الإِخْبَارِ عَنْهُ نَحْوُ زَيْدٌ قَائِمٌ وَالاِضَافَةُ

قولہ کرجل وعلم یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہے اے ہو کرجل وعلم مصنفؒ نے اسم کی دو مثالیں دی ہیں ایک مثال اسم عین کی اور ایک مثال اسم معنی کی **قولہ علامتہ صحۃ الاخبار عنہ وبہ** چونکہ اسم کی تعریف استقلال اور عدم استقلال پر موقوف ہے یعنی انکے سمجھنے پر اور اسکو مبتدی متعلم عام طور سے نہیں سمجھ سکتا اس وجہ سے مصنفؒ نے تعریف حدی سے فارغ ہونے کے بعد اسم کی تعریف رسمی کردی۔ تاکہ ذاتیات اور عرضیات دونوں سے خوب واضح طور پر روشن ہو جاوے علامۃ الشئی وہ ہے جو شئے کے وجود پر دلالت کرے اور اس سے منفک اور علیحدہ نہ ہو چونکہ علامت کے مفہوم میں دلالت بر وجود شئے ماخوذ ہے اور خاصہ کے مفہوم میں یہ معتبر نہیں ہے کیونکہ خاصۃ الشئی وہ ہے کہ جس شئے کی جو شئے خاصہ ہو وہ اس میں پائی جاوے اور اس کے غیر میں نہ پائی جاوے اسی وجہ سے مصنفؒ نے لفظ خاصہ کو ترک کیا اور لفظ علامت کہا اگرچہ دونوں آپس میں متلازمین ہیں حد اور خاصہ میں فرق یہ ہے کہ حد میں جامعیت اور مانعیت شرط ہے اور خاصہ میں نہیں چنانچہ اول کے اعتبار سے یہ کہنا درست ہوگا کہ جو کلمہ فی نفسہ معنی پر دلالت کرے اور زمانہ سے مقترن نہ ہو وہ اسم ہے اور جو کلمہ ایسا نہ ہو وہ اسم نہیں اور یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ جس میں الف لام ہو وہ اسم ہے اور جس میں الف لام نہ ہو وہ اسم نہیں بلکہ خاصہ میں جامعیت شرط نہیں اور یہ فرق حد اور خاصہ غیر شاملہ میں ہے اور حد اور خاصہ شاملہ میں فرق صرف ذات اور عرض کے اعتبار سے ہے چونکہ ان دونوں میں جامعیت اور مانعیت شرط ہے لیکن اسم کے جتنے خواص کتاب میں مذکور ہیں وہ خواص اور علامات غیر شاملہ ہیں اخبار عنہ کا مطلب ہے شئے کا مخبر عنہ ہونا اور اخبار بہ کا مطلب ہے شئے کا مخبر بہ ہونا اس عبارت کے سمجھنے سے پہلے ایک امر کا سمجھنا ضروری ہے وہ یہ کہ بعض نسخوں میں عنہ کے بعد لفظ وبہ ہے اور بعض میں نہیں جن نسخوں میں موجود ہے بعض شراح نے اس کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ ناسخ کے قلم سے سہو ہوا ہے یعنی ناسخین کے تصرف سے ہے اور انہیں حضرات کی کارستانی ہے بعض شراح کا یہ قول اس پر مبنی ہے کہ وبہ میں واؤ عاطفہ ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسم کی علامت مخبر بہ یعنی مسند ہونا ہے اور ثابت ہو گیا ہے کہ شئے کی علامت وہ ہے جو اس شئے کیساتھ مخصوص ہو یعنی اس میں ہی وہ امر پایا جاوے اور اس کے غیر میں نہ پایا جائے تو جب مصنفؒ نے کہا ہے کہ اسم کی صحت کی علامت مخبر بہ ہونا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسند فقط اسم ہی ہوتا ہے فعل اور حرف نہیں ہوتا حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ فعل بھی مسند ہوتا ہے اسی وجہ سے اس شارح نے کہا کہ یہ غلط ہے اس کے بعد یہ شارح کہتا ہے کہ اگر مذکورہ ذیل تاویل کرلی جاوے تو یہ نسخہ بھی صحیح ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اخبار عنہ وبہ کی صحت سے مراد یہ ہے کہ دونوں کا مجموعہ اسم کی علامت ہے یعنی کلمہ کا حالت واحدہ میں مسند الیہ ہونیکی صحت علامت اسم ہے جیسے الجنبی ضرب زید ضرب حالت واحدہ میں مسند الیہ اور مسند ہے اس کے بعد اس تاویل کو رد کرتا ہے کہتا ہے کہ مصنفؒ کی عبارت میں یہ تاویل جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ نحو زید قائم سے مثال بیان کرنا اس تاویل کے منافی ہے کیونکہ اس میں وقت واحدہ کے اندر کوئی سا کلمہ مسند الیہ و مسند نہیں ہے بعض نے کہا کہ واؤ عاطفہ ہے اور بہ کا عنہ پر عطف ہے لیکن مع صحۃ اخبار عنہ بہ کے بعد محذوف ہے اور مصنفؒ نے اسم کی یہاں تک دو علامتیں بیان کی ہیں تقدیر عبارت وصحۃ کون الکلمۃ مسنداً مع صحۃ کونہ مسند الیہ یعنی ایک علامت اسم کی صحۃ کون الکلمۃ مسند الیہ ہے اور دوسری علامت اسم کی صحۃ کون الکلمۃ مسنداً اس سے معلوم ہوا کہ مسند ہونیکی صحت بغیر مسند الیہ ہونیکے صحت کے علامت اسم نہیں اگرچہ اس تاویل سے مطلب تو ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن اس حذف پر کوئی قرینہ نہیں بعض شراح نے کہا ہے کہ واؤ بمعنی مع ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اخبار عنہ کی صحت مع اخبار بہ کے اسم کی علامت ہے لیکن یہ تاویل اس تاویل کیطرف رجوع کرتی ہے جس کو بعض شارحین نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک حالت میں مخبر عنہ وبہ ہونیکی صحت ہو لیکن صحت سے مراد صحت بالفعل نہ مانی جاوے بلکہ صحت بالقوۃ مراد ہے یعنی قابلیت وقوع مطلب یہ ہے کہ اسم کی علامت کلمہ واحدہ مسند الیہ و مسند بننے کے قابل اور لائق ہونا ہے یعنی جو کلمہ ایسا ہو کہ وہ مسند الیہ بھی ہو سکے اور مسند بھی ہو سکے تو وہ اسم ہوتا ہے جیسے مثلاً زید قائم میں زید بھی اسم ہے اور قائم بھی اسم ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک مسند الیہ اور مسند ہونیکی قابلیت رکھتے ہیں مثلاً زید مثال مذکور میں مسند الیہ ہے اور ہو زید میں مسند اسی طرح قائم مثال مذکور میں مسند ہے اور القائم زید میں مسند الیہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کلمہ ایسا ہو کہ مسند ہو سکتا ہے اور مسند الیہ نہیں ہو سکتا تو وہ اسم نہیں بلکہ کلمہ کا دونوں کے واسطے قابل ہونا ضروری ہے رہا یہ امر کہ دونوں کے قابل ہونا اسم کا خاصہ کیوں ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اسم مستقل معنی پر مطابقۃً دلالت کرتا ہے اور فعل اور حرف دونوں ایسے نہیں اس وجہ سے اسم دونوں واقع ہو سکتا ہے اور فعل و حرف دونوں واقع نہیں ہو سکتے جاننا چاہیے کہ اسم کی اس علامت پر واذا قیل لہم لاتفسدوا کہ اس میں لاتفسدوا فعل مسند الیہ ہے) اور الجنبی ان ضربت زیداً کہ اس میں حرف ہم مسند الیہ واقع ہوا ہے) اعتراض نہیں پڑتا کیونکہ علامۃ الاسم میں جو اسم ہے اس میں تعمیم ہے کہ وہ اسم صریح ہو جیسے زید قائم یا تاویلی اگرچہ بظاہر ان میں فعل اور حرف لفظ مہمل مسند الیہ ہیں لیکن یہ تاویلاً اسم ہیں چونکہ اسم کی تاویل میں ہے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو سکتا ہے **قولہ والاضافۃ** مرفوع ہے چونکہ صحت پر معطوف ہے اور وہ علامۃ کی خبر ہونیکی بنا پر مرفوع ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ بتقدیر حرف جر مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے اس لیے کہ اضافت کو تعریف و تخفیف و تخصیص لازم ہے اور یہ تینوں اسم کے ساتھ مختص ہیں پس اگر اضافت غیر اسم میں پائی جاویگی تو ملزوم یعنی اضافت کا بدون لازم یعنی تعریف و تخفیف و تخصیص ہونا لازم آئے گا اور یہ محال و ناممکن ہے رہی یہ بات کہ صرف مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے یا مضاف الیہ ہونا بھی خواص اسم ہے اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ صرف مضاف ہونا وہ بھی بتقدیر حرف جر اسم کا خاصہ ہے اس لئے کہ فعل بھی مضاف ہوتا ہے جیسے قولہ تعالےٰ

(باقی بر صہ ۲۱)

نحو غلامُ زیدٍ ودُخولُ لامِ التعریفِ کالرَّجُلِ والجرِّ والتنوینِ نحو بزیدٍ والتثنیةِ والجمعِ

یوم ینفع الصادقین صدقہم میں ینفع فعل مضاف الیہ واقع ہوا ہے اور بتقدیر حرف جر کے شرط لگانے سے مررت بزید میں جو مررت فعل مضاف ہے وہ خارج ہو گیا اور اس سے اعتراض واقع نہ ہوگا کہ یہاں فعل مضاف ہے لہذا مضاف ہونا اسم کا خاصہ نہیں کیونکہ یہ بتلفظ حرف جر مضاف ہے نہ بتقدیر حرف جر بعض دونوں کو اسم کے خواص میں سے مانتے ہیں اور جن مثالوں میں فعل مضاف الیہ واقع ہے ان کو بتاویل مصدر کرتے ہیں لے یوم نفع الصادقین واللہ اعلم بالصواب **قولہ دخول لام التعریف** اسم کی علامتوں میں سے ایک علامت لام تعریف کا داخل ہونا بھی ہے چونکہ یہ معنی مستقل مطابقی کے تعین پر دلالت کرتا ہے اور یہ معنی اسم کے بعد کسی اور میں نہیں پائے جاتے کیونکہ حرف کے معنی تو سرے سے مستقل ہی نہیں اور فعل اگرچہ معنی مستقل پر دلالت کرتا ہے لیکن وہ معنی مطابقی نہیں بلکہ تضمنی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ فعل باعتبار معنی مصدری کے مستقل ہے نہ باعتبار مجموعہ معنی مطابقی کے پھر یہاں پر یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ مصنفؒ نے دخول لام التعریف کیوں کہا دخول الف التعریف و لام کیوں نہ کہا تو اس سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ میرے نزدیک سیبویہ کا مذہب مختار ہے کہ حرف تعریف فی الحقیقۃ لام ہے ہمزہ کو بوجہ متعذر ہونے ابتداء بسکون کے اس پر داخل کیا ہے بخلاف خلیل بن احمد کے کہ وہ حرف تعریف مجموعہ الف و لام کو کہتا ہے اور بخلاف مبردؒ کے کہ وہ حرف تعریف صرف ہمزہ کو مانتا ہے اور اس کے نزدیک لام کو فقط ہمزہ استفہام اور ہمزہ تعریف میں ایک امتیازی شان پیدا کرنے کیواسطے لایا گیا ہے اگر کوئی کہے کہ تینوں مذہبوں میں سے مصنف نے مذہب سیبویہؒ کیوں اختیار کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ الف درج کلام میں گر جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرف تعریف صرف نہ ہمزہ ہے نہ مجموعہ الف و لام ورنہ الف درج کلام میں نہ گرتا کہ اس سے مذہب خلیلؒ پر ترجیح بلا مرجح اور مذہب مبردؒ پر اصل کا محذوف ہونا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے پس ثابت ہو گیا کہ اصل تعریف میں لام ہے جو ہر حال میں ثابت رہتا ہے اور میم بھی چونکہ حرف تعریف ہے لہذا مصنفؒ کو چاہیے تھا کہ دخول حرف التعریف کہتے تاکہ میم کو بھی شامل ہو جاتا لیکن چونکہ مشہور اور متعارف نہیں اس واسطے محض لام کے ذکر پر ہی اکتفا کیا اور میم کو ترک کیا تعریف کی قید سے تمام لامات سے احتراز ہو گیا جیسے لام ابتداء لام جواب لام امر وغیرہ کیونکہ یہ اسم کے علامات نہیں ہیں کیونکہ اسم کیساتھ مختص نہیں اور جو لام کہ فعل پر داخل ہے اس شعر میں ؎

واذا یخرج الیربوع من نافقائہ ومن جحرہ بالشیحۃ الیتقصع

اس میں الیتقصع پر لام داخل ہے تو یہ یا تو شاذ ہے یا بنا بر ضرورت شعری کے داخل ہوا ہے چونکہ جو لام زائدہ تحسین کلمہ کیواسطے داخل ہوتا ہے وہ بھی لام تعریف پر محمول ہوتا ہے لہذا یہ بھی اسم ہی پر داخل ہوتا ہے اس وجہ سے الیتقصع پر جو لام ہے اسکو لام زائدہ برائے تحسین بھی نہیں کہہ سکتے لہذا شاذ ہی کہنا پڑیگا واللہ اعلم بالصواب **قولہ والجر** مجرور ہے لام تعریف پر اس کا عطف ہے لہذا یہ دخول کے تحت میں ہوا تقدیر عبارت ہوئی علامۃ الاسم دخول الجر یعنی جر کا دخول بھی اسم کی علامت ہے یہ اس وقت ہے کہ جر کے مصدری معنی یعنی اسم کا مجرور ہونا مراد نہ ہو بلکہ اس سے مراد کسرہ ہو اور اگر شئے کا مجرور ہونا یعنی معنی مصدری مراد ہو تو اس وقت اسکا عطف صحت یا دخول پر ہوگا اور مرفوع ہوگا ورنہ معنی درست نہیں رہیں گے چونکہ دخول کے معنی ہیں کسی شئے کے اول میں لگنا یا آخر میں لگنا اور شئے کا مجرور ہونا یہ معنی نہ اول میں اسم کے لگتے ہیں نہ آخر میں اسکے دخول کے تحت میں ہو کر مجرور نہ ہوگا یہی حال قول مصنف والتنوین کا ہے کہ اگر اس کے اصطلاحی معنی یعنی نون ساکن مراد ہو تو پھر لام پر معطوف ہو کر مجرور ہوگا اور اگر تنوین کے معنی مصدری مقصود ہوں یعنی کسی شئے کا منون ہونا تو صحت پر عطف ہوگا اور مرفوع رہیگا رہا یہ امر کہ جر اسم کی علامت کیوں ہے تو چونکہ جر مجرور بہ میں حرف جر کا اثر ہے خواہ حرف ملفوظ ہو جیسے مررت بزید خواہ مقدر ہو جیسے غلام زید اور یہ حرف جر اسم کا خاصہ ہے لہذا اس کا اثر بھی اسم کے ساتھ مختص ہونا چاہیے ورنہ اثر کا بغیر موثر ہونا لازم آئیگا اور یہ بدیہی البطلان ہے اب رہی یہ بات کہ دخول جر اسم کا خاصہ کیوں ہے سو اسکی دلیل یہ ہے کہ حرف جر اسلئے وضع کیا گیا ہے کہ وہ معنی فعل کو اسم تک پہنچا دیوے لہذا مناسب یہ ہے کہ اسم پر داخل ہو اور معنی فعل کو اسکی طرف پہنچائے اور اگر کوئی یہ کہے کہ دعویٰ تو یہ تھا کہ مطلق جر اسم کا خاصہ ہے اور دلیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو جر کہ حرف جر لفظی اور تقدیری کا اثر ہوتا ہے وہ اسم کا خاصہ ہے اور وہ جر کہ حرف جر کا اثر نہیں جیسے حسن الوجہ میں تو اس کا مختص بالاسم ہونا اس دلیل سے ثابت نہیں ہوتا اس کیلئے دوسری دلیل درکار ہے پس دعوی اور دلیل میں مطابقت اور موافقت نہیں ہوگی تو جواب یہ ہے کہ بلا شک و شبہ اس دلیل سے اس جر کا مختص بالاسم ہونا ثابت ہوتا ہے جو کہ حرف جر لفظی اور تقدیری کا اثر ہے اور وہ جر جو اضافت لفظی میں ہوتا ہے اس کے اختصاص کیلئے یہ دلیل کافی نہیں بلکہ دوسری دلیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اضافت لفظی اضافت معنوی کے فرع ہے پس نامناسب ہوگا کہ اصل جر کیساتھ مختص ہو اور اسکے غیر یعنی فعل کیساتھ فرع مخصوص ہو یا دونوں میں عام ہو کر پائی جاوے واللہ اعلم بالصواب۔ **قولہ والتنوین**۔ یعنی خواص اسم میں سے دخول تنوین بھی ہے اس لیے کہ تنوین کی پانچ قسمیں ہیں جیسا کہ نقشۂ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے تمکن تنکیر عوض مقابلہ ترنم ان پانچوں میں سے تنوین ترنم فعل میں پائی جاتی ہے بقول شاعر ؎ اقلی اللوم عاذل والعتابن ٭ وقولی ان اصبت لقد اصابن ۔ اور باقی چار قسمیں اسم کے ساتھ مختص ہیں اس لئے کہ خود تمکن تنکیر عوض مقابلہ من کے واسطے تنوین آتی ہے اسم کے خواص سے ہیں پس لامحالہ تنوین بھی خصائص اسم سے ہوگی اور چونکہ قاعدہ ہے کہ للاکثر حکم الکل لہذا مصنفؒ نے مطلق تنوین کو خواص اسم سے شمار کیا اور یہ خیال نہیں کیا کہ اقسام تنوین میں سے ترنم فعل میں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ **قولہ والتثنیۃ والجمع** انکا عطف صحت پر ہے اور علامتہ کی خبر ہونیکی بنا پر مرفوع ہیں یعنی یہ دونوں بھی اسم کی علامت ہیں تثنیہ کے معنی ہیں کلمہ کا مثنی ہونا اور جمع کا معنی اسم کا مجموع ہونا یہ دونوں اسم کی علامت اس وجہ سے ہیں کہ یہ دونوں تعدد کو مستلزم ہیں اور تعدد تغایر کو (باقی بر صـ ۲۲)

وَالنَّعْتُ وَالتَّصْغِيْرُ وَالنِّدَاءُ فَاِنَّ كُلَّ هٰذِهٖ خَوَاصُّ الْاِسْمِ وَمَعْنَى الْاِخْبَارِ عَنْهُ اَنْ يَّكُوْنَ مَحْكُوْمًا عَلَيْهِ لِكَوْنِهٖ فَاعِلًا اَوْ مَفْعُوْلًا اَوْ مُبْتَدَاً وَيُسَمّٰى اِسْمًا لِسُمُوِّهٖ عَلٰى

اور فعل اور حرف میں تغایر نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا دونوں اسم کی علامت ہو گئے اور فعل کا مجموع اور مثنیٰ ہونا حقیقت میں اسم ہی کی طرف راجع ہے یعنی فاعل کی طرف۔ **قولہ والنعت** اس کا عطف بھی صحت پر ہے یعنی اسم کی علامت کلمہ کا صفت ہونا کیونکہ صفت ہونا شے کا شے کے معنی زائد پر دلالت کرنے کے لیے ہوتا ہے اور فعل زیادتی کو قبول نہیں کرتا اس وجہ سے نعت نہیں ہوتا **قولہ التصغیر** یعنی کسی شئی کا مصغر ہونا بھی اس شے کے اسم ہونے پر دال ہے اور علامت ہے اسم کی کیونکہ تصغیر شئے کی تحقیر پر دال ہوتی ہے اور فعل مصغر نہیں ہوتا کہ فعل حقارت کو قبول نہیں کرتا اور نہ حرف **قولہ النداء** یعنی کسی شے کا منادیٰ ہونا بھی اسم کی علامت ہے کیونکہ یہ حرف ندا کا اثر ہے اور حرف ندا اسم کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اس کے اثر کا بھی اسم کے ساتھ خاص ہونا ضروری اور لابدی ہے ورنہ اثر کا موثر سے تخلف لازم آئیگا جو درست اور صحیح نہیں ہے۔

قولہ فان کل فاء شرط محذوف کے جواب میں واقع ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ اذا علمت ان المعدودات علامات الاسم فقد علمت ان جمیع ہذہ المعدودات خواص الاسم۔ یعنی جب معلوم ہو گیا کہ شمار کردہ چیزیں اسم کی علامتیں ہیں تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ یہ سب شمار کردہ اشیاء اسم کے خواص ہیں کیونکہ علامت اور خاصہ میں سے ہر ایک دوسرے کو مستلزم ہے مصنفؒ کی اس عبارت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ مصنف کا قول مکرر ہے۔ چونکہ علامت کہنے سے تو انکا خواص ہونا معلوم ہو گیا تھا جواب دیا جاتا ہے کہ اگرچہ یہ پہلے معلوم ہو گیا مگر وہ علم ضمناً تھا جو ضمناً دونوں میں الزام تھا۔ مصنفؒ نے چاہا کہ جو ضمناً معلوم ہوا ہے اس پر تصریح بھی کر دی جائے۔ چونکہ اس میں طالب مبتدی قاصر الفہم جو بلا تصریح کے کسی چیز کو نہیں سمجھتے ان کو آسانی اور تنبیہ ہوگی۔ لہٰذا تکرار بلا فائدہ لازم نہ آئیگا رہی یہ بات کہ اس کلام کو ان اور جملہ اسمیہ سے موکد کر کے کیوں لایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنفؒ اس سے ان شخصوں پر رد کرنا چاہتا ہے جو کہ ان علامات کو اسم کی ذاتیات بتلاتے ہیں اور ان کے عرضیات سے انکار کرتے ہیں رد اس طرح پر ہو گیا کہ خاصۃ الشئی شئی کا عرض ہوتا ہے جب مصنفؒ نے ان کو خواص قرار دیا تو معلوم ہوا کہ یہ اسم کی عرضیات ہیں اور ذاتیات نہیں لفظ کل مصنفؒ نے رفع وہم کیواسطے زیادہ کیا ہے چونکہ یہ علامات جو مصنفؒ نے ذکر کی ہیں ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو استعمال کے اعتبار سے مشہور ہیں اور بعض ایسی نہیں تو جو مشہور نہیں ان کے اسم کے ساتھ غیر مختص ہونیکا وہم ہوتا ہے خصوصاً تثنیہ جمع اخبار بہ اگرچہ باعتبار ظاہر کے ہی سہی تو مصنفؒ نے کلمہ کل لا کر اس وہم کو مرفوع اور مدفوع کر دیا اور بتایا کہ تمام مذکورہ اسم کے خواص ہیں **قولہ معنی الاخبار عنہ** مصنفؒ یہاں سے اخبار عنہ کے معنی بیان کرنا چاہتا ہے یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسم کے خواص بہت ہیں مصنف نے تمام خواص میں سے فقط اخبار عنہ کے معنی کیوں بیان کئے باقی خواص کی تفسیر کیوں نہیں کی بعض نے جواب دیا ہے کہ باقی تمام خواص کے معنی ظاہر تھے اور اس کے مبہم اس وجہ سے اسکے معنی بیان کر دئے لیکن حقیقت میں مصنفؒ اخبار عنہ کی یہ تفسیر کر کے ایک شبہ رفع کرنا چاہتا ہے جو اس مقام پر پڑتا ہے شبہ کی تقریر یہ ہے کہ اختصاص اخبار عنہ با اسم کے معنی بحسب الظاہر یہ ہیں کہ کسی شئے کا مخبر عنہ ہونا اسم کیساتھ مختص ہے چونکہ خبر کسی شے سے جملہ خبریہ میں دی جاتی ہے اور انشائیہ میں نہیں دی جاتی اسواسطے یہ معنی جملہ خبریہ کیساتھ مختص ہوئے نیز اسکا اختصاص مستلزم ہے کہ فاعلیت اسم جملہ خبریہ کیساتھ مختص ہو چونکہ کسی شے کا فاعل ہونا اور مخبر عنہ ہونا ایک ہی چیز ہے حالانکہ فاعلیت خواہ اخبارات میں ہو یا انشاءات میں اسم کے مختصات سے ہے یعنی انشاءات اور اخبارات دونوں میں فاعل اسم ہی ہوتا ہے اور فعل اور حرف نہیں ہوتا اور مصنفؒ کی عبارت کا بظاہر یہ مطلب ہے کہ اخبارات میں تو فاعل اسم ہی ہوتا ہے اور انشاءات میں فاعل ہونیکے واسطے اسم ہی کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اسم کا غیر یعنی فعل اور حرف بھی ہو سکتا ہے حالانکہ یہ باطل ہے بلکہ فاعل ہر جملہ میں خواہ خبری ہو یا انشائی اسم ہی ہوتا ہے فعل و حرف نہیں ہوا کرتا مصنفؒ نے شبہ مذکورہ کے دور کرنیکی وجہ سے اخبار عنہ کی تفسیر کر دی کہ ہماری مراد اخبار عنہ سے کسی شے کا محکوم علیہ ہونا ہے اس تفسیر سے شبہ مذکورہ اس وجہ سے دور ہو گیا کہ اسم کے خواص میں سے ایک خاصہ اسم کا محکوم علیہ (مسند الیہ) ہونا بھی ہے اور کسی شئی کا مسند الیہ ہونا اخبار میں بھی ہوتا ہے اور انشاء میں بھی تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ کسی شئی کا مسند الیہ ہونا یعنی فاعل ہونا خواہ اخبارات میں خواہ انشاءات میں اسم کیساتھ مخصوص ہے یعنی فاعل اسم ہی ہوتا ہے لہٰذا جو کلمہ کسی جملہ میں فاعل ہو وہ اسم ہی ہوگا فعل یا حرف نہ ہوگا بعض کہتے ہیں کہ لفظ بہ جو اخبار عنہ کے بعد میں مذکور ہے اس سے وہم ہوتا ہے کہ اخبار عنہ مبتدا کیساتھ مخصوص ہے فاعل وغیرہ اخبار عنہ نہیں ہوتا یہ شبہ اسوجہ سے ہوتا ہے کہ خبر کا مخبر عنہ مبتدا کے سوا اور کوئی دوسرا امر نہیں ہوتا وہم مذکور کے دفع کرنیکیلیے مصنفؒ نے تفسیر کر دی کہ یہاں پر اخبار عنہ سے مراد کلمہ کا محکوم علیہ ہونا ہے اور یہ مراد اس وجہ سے لی گئی کہ اسم فاعل اور مفعول مالم یسم فاعلہ اور مبتدا ہوتا ہے اگر محکوم علیہ ہونا مراد نہ ہو تو پھر لازم آئیگا کہ اسم فاعل وغیرہ نہ ہو کیونکہ مخبر عنہ کا اختصاص مبتدا کیساتھ ہونا اس امر کو مقتضی ہے کہ اسم کا اختصاص مبتدا کیساتھ ہو اور یہ مستلزم ہے اس بات کو کہ اسم فاعل وغیرہ نہ ہو سکے اور اسکے ساتھ مختص نہ ہو حالانکہ یہ سراسر غلط اور بالکل باطل اور لغو ہے **قولہ یسمی اسما لسموہ** اس سے پیشتر کہ عبارت کا مطلب معلوم ہو یہ بات معلوم ہو جانا چاہیے کہ اسم کی اصل میں اختلاف ہو رہا ہے بصریین کہتے ہیں کہ اسم کی اصل سمو بکسر الفاء (ناقص واوی) ہے اور اس کے معنی علو اور ارتفاع کے ہیں واؤ کو حذف کر کے اس کے بدلے میں ہمزہ وصل اول میں لگا دیا اور کوفیوں کے نزدیک اس کی اصل وسم بکسر الواؤ و سکون السین بمعنی علامت ہے واؤ کو حذف کر کے ہمزہ وصل اس کے عوض میں اول میں لے آئے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ ما دل علی معنی فی نفسہ غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ۔ کا نام اسم رکھا گیا سوال ہوتا ہے کہ اس مفہوم کا یہ نام کیوں رکھا۔ تو بصریین . .

(باقی بر صـ ۲۳)

قسيمۃٌ لہٗ لِکونہٖ وسماً على المعنىٰ وحدُّ الفِعل کَلِمَۃٌ تدلُّ علىٰ معنًى في نفسھا دلالۃً
مقترِنۃً بزمانِ ذٰلک المعنىٰ کضَرَبَ یَضرِبُ اِضرِبْ وعلامتہ اَن یصِحَّ

جواب دیتے ہیں کہ یہاں تین مفہوم ہیں ایک مادل علی معنی فی نفسہ غیر مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ۔ اور دوسرا مفہوم مادل علی معنی فی نفسہ مقترنا باحد الازمنۃ الثلثۃ۔ اور تیسرا مفہوم مادل علی معنی فی غیرہ۔ اول مفہوم کا مصداق ایسا ہے کہ تنہا اس سے کلام مرکب ہو سکتا ہے یعنی بن سکتا ہے بخلاف دوسرے اور تیسرے مفہوم کے مصداق کے کہ تنہا ان سے کلام مرکب نہیں ہو سکتا تو اس سے معلوم ہوا کہ اول مفہوم دوسرے اور تیسرے مفہوموں سے بلند اور عالی ہے اور اسم کے معنی بلند کے ہیں لہٰذا اول مفہوم کے مقابلہ میں اس لفظ کو موضوع کرنا مناسب ہے اس وجہ سے اس لفظ کو اس مفہوم کے مقابلہ میں وضع کر دیا یہی مطلب مصنفؒ کی عبارت لسمی لسموہ کا ہے کوئی حضرات کہتے ہیں کہ اس مفہوم کا نام اس وجہ سے رکھا گیا کہ اسکا مصداق اپنے مسمی کیلئے علامت ہوتا ہے اور اسم کے معنی علامت کے ہیں۔ لہٰذا اس مفہوم کے مقابلہ میں اس لفظ کو متعین کرنا مناسب ہوا مصنف کے نزدیک مذہب بصریین مختار ہے اسی وجہ سے کہا ہے لسمی اسما لسموہ یعنی اسم کا نام اسم اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ اپنی دو قسموں پر بلند ہے اور اسم کا نام اسم اس وجہ سے نہیں رکھا کہ اسم معنی پر علامت ہوتا ہے **قولہ قسیمہ** چند اصطلاحی الفاظ ہیں جن کو اس جگہ جاننا مفید ہوگا۔ مقسم قسم قسیم۔ مقسم وہ شے ہے جس کو تقسیم کیا جاوے یہ اسم ظرف ہے بمعنی جائے تقسیم اور قسم سے خاص ہو قسیم شی وہ چیز ہے جو اس شی کے مقابل ہو اور وہ مقابل مع شے مذکور کے امر عام کے تحت میں ہو جیسے اسم کہ کلمہ عام ہے جو اسکی تقسیم سے حاصل ہوا ہے لہٰذا اسم کلمہ کی قسم ہے اور کلمہ اسکا مقسم اور اسکے مقابل فعل اور حرف ہیں وہ اپنے مقابل اسم سے مل کر ایک امر عام یعنی کلمہ کے نیچے مندرج ہیں لہٰذا اسم فعل اور حرف کے اعتبار سے قسیم ہے **قولہ کلمۃ تدل** فعل کی تعریف میں کلمہ فعل کے واسطے جنس قریب ہے چونکہ فعل کے ساتھ جو اس جنس میں شریک ہیں ان تمام شرکاء اور بعض شرکاء کے جواب میں کلمہ واقع ہوتا ہے اور یہ اس امر کو مستلزم ہے کہ کلمہ فعل کے واسطے جنس قریب ہے فعل کے ساتھ کلمہ میں دو چیزیں شریک ہیں ایک اسم اور ایک حرف فی نفسہا کہنے سے فعل کو حرف سے امتیاز حاصل ہو گیا چونکہ حرف کی دلالت معنی فی نفسہا پر نہیں ہوتی بلکہ وہ معنی فی غیرہا پر دال ہوتا ہے اور **قولہ دلالۃ مقترنۃ بزمان ذلک المعنی** یعنی کلمہ کی دلالت معنی فی نفسہا پر ایسی ہو کہ وہ دلالت اس معنی کے زمانہ کے ساتھ مقترن ہو۔ اس قید کے لگانے سے فعل اسم سے بھی ممتاز ہو گیا کیونکہ اسم کی دلالت زمانہ کے ساتھ مقترن نہیں ہوتی حاصل تعریف یہ ہوا کہ فعل وہ کلمہ ہے جو معنی مستقل پر دلالت کرے اور تین زمانوں سے ایک کے ساتھ مقترن ہو اس سے مضارع پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ تمہاری تعریف پر لازم آتا ہے کہ مضارع فعلیت سے خارج ہو جائے کیونکہ اگرچہ فی نفسہا معنی پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے معنی کا اقتران ایک زمانہ کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ وہ دو معنوں (حال و استقبال) کے ساتھ مقترن ہوتا ہے حالانکہ فعل فقط ایک زمانہ کے ساتھ ہی مقترن ہوتا ہے۔ جواب جاننا چاہئے کہ مضارع میں اختلاف ہے اس میں تین مذہب ہیں ایک جماعت کہتی ہے کہ مضارع فقط استقبال کے واسطے موضوع ہے اور اس کا استعمال حال کے اندر مجازی طور پر ہوتا ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ فقط حال کے واسطے وضع کیا گیا ہے اور اس کی دلالت استقبال پر مجازاً ہے تیسری جماعت کہتی ہے کہ دونوں زمانوں پر دلالت کرنے کے واسطے موضوع ہے ان لوگوں کے ہی مذہب پر اعتراض وارد ہوتا ہے لیکن یہ اس کے دو جواب دیتے ہیں اول مضارع میں دونوں زمانے ایک ساتھ نہیں پائے جاتے بلکہ علی سبیل البدلیت تعدد وضع سے پیدا ہوئے ہیں لہٰذا فعل کی تعریف اس پر صادق ہوگی دوسرے فعل مضارع میں جب دو زمانہ پائے جاتے ہیں تو ان کے ضمن میں ایک زمانہ بھی پایا جاتا ہے لہٰذا فعل کی تعریف جامع جمیع افراد کو ہوگی اور مضارع فعل سے خارج نہ ہوگا نیز جاننا چاہیے کہ اقتران بالزمان سے ہماری مراد اقتران وضعی ہے تاکہ تعریف فعل میں افعال منسلخہ عن الزمان عسی کا د وغیرہ داخل ہو جائیں اس لئے کہ ان افعال کی اصل وضع میں اقتران بالزمان تھا اور اسماء افعال تعریف فعل سے خارج ہو جائیں جیسے رُوَید بلہ وغیرہ اس لیے کہ ان میں بحسب اصل الوضع زمانہ نہیں نیز اقتران بالزمان سے مراد اقتران فی الفہم من ذلک الکلمہ مراد ہے ان قیود کا فائدہ تعریف اسم میں گذر چکا ہے **قولہ ان یصح الخ** جاننا چاہیے کہ صحت اخبار بہ یعنی کسی شے کے مسند ہونے کی صحت دو طرح پر متصور ہوتی ہے ایک بلا صحت مخبر عنہ اور ایک مع صحت مخبر عنہ (مسند الیہ) فعل کی علامت اخبار بہ کی پہلی قسم ہے اور ثانی قسم اسم کی علامت ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی کلمہ ایسا ہو کہ وہ مسند بن سکتا ہے اور مسند الیہ نہیں بن سکتا تو وہ کلمہ فعل ہوگا اور اگر کوئی کلمہ ایسا ہو کہ وہ مسند الیہ اور مسند دونوں بن سکتا ہے تو وہ کلمہ اسم ہوگا اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ جو کلمہ بالفعل مسند الیہ ہو لیکن اس میں قابلیت مسند نہ ہو تو اس کو اسم نہ کہا جاوے گا ایسے ہی اگر کوئی کلمہ بالفعل مسند ہے لیکن اس میں قابلیت مسند الیہ ہے تو اس کو فعل نہ کہیں گے۔ بلکہ وہ اسم ہوگا۔ لہٰذا متعلم کو چاہئے کہ جس وقت عبارت میں کسی واقع شدہ کلمہ کو اسم یا فعل کہے تو امر مذکور کو ضرور ملحوظ رکھے اب مصنفؒ کی عبارت کا مطلب سمجھنا چاہئے کہ مصنفؒ کہتا ہے کہ فعل کی علامت صحت اخبار بہ ہے مع عدم صحت اخبار عنہ (باقی بر ص ۲۴)

◆

الاخبار به لا عنه ودخول قد والسين وسوف والجزم والتصريف الى الماضي والمضارع وكونه امرا ونهيا

اخبار بہ کا مطلب آگے مصنفؒ نے اسی کتاب میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے کہ اخبار بہ سے مراد محکوم بہ ہونا ہے اور اخبار عنہ کا مطلب پہلے بیان کر چکا ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ کسی شئے کے مسند ہونے کی صحت بلا مسند الیہ ہونیکی صحت کے فعل کی علامت ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی کلمہ عبارت میں مسند یعنی محکوم بہ ہو تو اس کو فوراً فعل نہیں کہیں گے بلکہ دیکھیں گے کہ وہ قابلیت محکوم علیہ (مسند الیہ) رکھتا ہے یا نہیں اگر رکھتا ہے تو وہ تو اسم ہی ہوگا اور فعل نہ ہوگا اور اگر نہیں رکھتا تو پھر اس کو فعل کہیں گے رہا یہ امر کہ امر مذکور فعل کی علامت کیوں ہے تو اس کی وجہ بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ فعل حدث اور عرض ہے اور احداث اور اعراض فقط مسند ہی ہوتے ہیں اس وجہ سے فعل مسند ہی ہوتا ہے مسند الیہ نہیں ہوتا بعض یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ اخبار بہ کا حق یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو کیونکہ اخبار بہ محکوم بہ ہوتا ہے اور فعل تنکیر پر موضوع ہوتا ہے اسی وجہ سے فعل کی علامت مسند ہونا ہوگی واللہ اعلم بالصواب

قولہ دخول قد یعنی فعل کی ایک علامت قد کا داخل ہونا ہے اس لیے کہ قد کا استعمال تحقیق فعل کیواسطے ہے اور ماضی میں تحقیق کے ساتھ تقریب کے لئے بھی مفید ہے یعنی ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے جیسے قد نصر (تحقیق مدد کی ہے اس ایک مرد نے) اور مضارع میں تقلیل کے واسطے آتا ہے اور یہ ایسے معانی ہیں کہ فعل کے سوا کسی میں متصور نہیں ہوتے **قولہ والسین والسوف** دونوں قد پر معطوف ہو کر مجرور ہیں دخول پر انکا عطف نہیں یعنی سین اور سوف کا داخل ہونا فعل کی علامت ہے چونکہ دونوں کی وضع استقبال وضعی پر دلالت کرنے کے لیے ہے اور یہ استقبال وضعی فعل میں ہی ہوتا ہے اس وجہ سے انکا دخول فعل کے ساتھ مخصوص ہو گیا یہاں پر دو سوال ہیں ایک یہ کہ مصنف نے السین کو معرف باللام کیوں ذکر کیا تو جاننا چاہیے کہ لام اس میں عہدی ہے اسکا معہود سین استقبال ہے اگر لام داخل نہ کرتا اور سین کہتا تو یہ معلوم ہوتا کہ سین خواہ وہ استقبال کا ہو یا استفعال کا یا سالتہ کا سین . . . . حالانکہ استفعال کا سین اور ایسے ہی سالتہ کا سین فعل کی علامت نہیں بلکہ فعل کی علامت فقط سین استقبال ہے اور جب سین کی یہ حالت ہے تو ضروری ہوا کہ لام عہد داخل کر کے اس سے خاص سین یعنی استقبال کا سین مراد لیا جاوے تاکہ استفعال اور سالتہ کے سین سے اعتراض نہ پڑے دوسرا سوال یہ ہے کہ سین کو سوف پر کیوں مقدم کیا جبکہ دونوں استقبال کیلئے ہونیکی وجہ سے فعل کی علامت ہیں اس کا عکس کیوں نہ کر دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ سین کی دلالت استقبال قریب پر ہوتی ہے اور سوف کی دلالت استقبال بعید پر لہٰذا جو قریب پر دلالت کرتا ہوگا اس کو ذکر میں قریب کرنا اولیٰ ہوگا اس وجہ سے سین کو سوف پر مقدم کیا **قولہ والجزم** اس کا بھی قد پر عطف ہے یعنی دخول جزم لیکن اس وقت دخول سے مراد لحوق ہے چونکہ جزم اول میں نہیں آتا بلکہ آخر میں آتا ہے حاصل یہ کہ جزم کا داخل ہونا فعل کی علامت ہے یعنی لاحق ہونا اور جوازم فعل کے ساتھ مختص ہیں لہٰذا جزم بھی فعل کیساتھ مخصوص ہونا چاہیئے ورنہ تو تخلف اثر عن المؤثر لازم آئیگا اور یہ درست نہیں رہا یہ امر کہ جوازم کا دخول فعل کے ساتھ کیوں مختص ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ جوازم کی وضع یا تو نفی فعل کیلئے ہے جیسے لَمْ اور لمّا یا طلب فعل کے واسطے جیسے لام امر یا نہی فعل کے لئے جیسے لا نہی یا کسی شئ کو فعل پر معلق کرنے کے لئے . . . . جیسے ادوات شرط اور یہ ایسے معنی ہیں کہ ان میں سے ایک بھی غیر فعل میں متحقق نہیں ہو سکتا **قولہ التصریف** بعض شروح میں التصرف ہے اسکا عطف ان تینوں یا دخول پر ہو رہا ہے اس وجہ سے مرفوع ہے الف لام اس میں عوض مضاف الیہ کا ہے یعنی تصریف الشئ یا تصرف الشئ یعنی علامت فعل شئ کا متصرف ہونا یعنی کسی شئ کا صاحب گردان ہونا ہے ماضی اور مضارع کی طرف کیونکہ ماضی اور مضارع کی طرف منقسم ہونا زمانہ ہی کے اعتبار سے ہے اور زمانہ فقط فعل ہی میں ہوتا ہے اس وجہ سے ان کی طرف منقسم ہونا بھی فعل ہی کا خاصہ ہے اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ماضی پر داخل ہونا درست نہیں کیونکہ ماضی کے علاوہ کوئی کلمہ ایسا نہیں جو ماضی کی طرف متصرف ہو مگر مصدر اور یہ اسم ہوتا ہے فعل نہیں ہوتا بلکہ مصنفؒ کو یوں کہنا چاہیئے تھا التصرف من الماضی الی المضارع یعنی کسی شئ کا ماضی سے مضارع کی طرف متصرف ہونا فعل کا خاصہ ہے۔ اب اشکال مذکور لازم نہیں آتا بعضؒ نے جواب دیا کہ الماضی کے اول میں مضاف مقدر ہے یعنی صیغۃ الماضی حاصل مطلب ہوا کہ شئ کا صیغہ ماضی اور مضارع کی طرف متصرف ہونا فعل کی علامت ہے اب اشکال مذکور ساقط ہے بعض کہتے ہیں تعریف سے مراد فعل اصطلاحی کی تعریف ہے یعنی فعل اصطلاحی کا متصرف ہونا فعل کی علامت ہے **قولہ کونہ امراً الخ** اس کے عطف میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ الماضی پر عطف ہو اس وقت یہ مجرور ہوگا کہ امر یا نہی ہونیکی طرف فعل کا متصرف ہونا فعل کی علامت ہے لیکن اس صورت میں سوال ہوتا ہے کہ مصنف نے الامر والنہی کیوں نہیں کہا لفظ کونہ کو کیوں بڑھا دیا جواب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے اس لفظ کو زیادہ کر کے مصنف نے سب مذاہب کی رعایت کی ہے کیونکہ اگر التصرف الی المضارع والماضی والامر والنہی کہتا تو سب مذہبوں کی رعایت نہ ہوتی بلکہ یہ معلوم ہوتا کہ فعل کا تصرف امر اور نہی کی طرف بلا واسطہ ہوگا حالانکہ بعض کے نزدیک ایسا نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں فعل کی قسم واقع ہیں جیسے ماضی اور مضارع ہیں بعض کہتے ہیں کہ فعل کی قسم نہیں ہیں بلکہ مضارع سے مشتق ہیں اور فعل کے اقسام کل دو ہیں ایک ماضی اور دوسرا مضارع اور بعض تین قسم بتلاتے ہیں ماضی مضارع امر جب مصنف نے کہا کونہ امراً ونہیاً تو مصنف کے اس طرح کہنے میں سب کے اقوال کی رعایت ہو گی دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا عطف التصرف پر ہے اس وقت مرفوع ہوگا حاصل مطلب یہ ہے کہ فعل کی علامت ایک یہ ہے کہ وہ ماضی یا مضارع یا امر یا نہی ہوتا ہے اگر کوئی کلمہ ایسا ہو کہ وہ مضارع یا ماضی یا امر یا نہی ہے تو اس کو ہم فعل کہیں گے۔

وَاتِّصَالُ الضَّمَائِرِ الْبَارِزَةِ الْمَرْفُوْعَةِ نَحْوُ ضَرَبْتُ وَتَاءِ التَّانِيْثِ السَّاكِنَةِ نَحْوُ ضَرَبَتْ وَنُوْنَيِ التَّاكِيْدِ فَإِنَّ كُلَّ هٰذِهٖ خَوَاصُّ الْفِعْلِ وَمَعْنَى الْاِخْبَارِيَّةِ اِنْ يَكُوْنَ مَحْكُوْمًا بِهٖ وَيُسَمّٰى فِعْلًا بِاسْمِ اَصْلِهٖ وَهُوَ الْمَصْدَرُ لِاَنَّ الْمَصْدَرَ هُوَ فِعْلُ الْفَاعِلِ حَقِيْقَةً ۔

قولہ واتصال الضمائر۔ یعنی فعل کی علامت بارز مرفوع ضمیروں کا لگنا ہے۔ یعنی اگر جن کلمات کے ساتھ ضمائر مرفوع بارز لگی ہوئی ہوں تو اس کو فعل سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ فاعل کی ضمیریں ہیں لہذا یہ ان ہی چیزوں کے ساتھ لاحق ہوں گی جنکے ساتھ فاعل ہوگا اور فاعل فقط دو چیزوں کیلئے ہوتا ہے ایک فعل اور ایک اسکی فروع لیکن فروع فعل کو فعل کے درجہ سے گرانے کے لیے ان سے ضمائر بارزہ کو روک دیا گیا کیونکہ اگر بارز ضمیر جس طرح فعل سے لگتی ہے اسی طرح اس کی فروع میں بھی لگنے لگے تو دونوں درجہ میں برابر ہو جائیں گے اور فرع کا اصل کیساتھ مساوی ہونا لازم آئیگا اور یہ درست نہیں اور جب ضمائر بارزہ کو فروع فعل کیساتھ لگنے سے روک دیا تو فعل کے ساتھ ان کا اتصال مخصوص ہو گیا۔ اب سوال ہوتا ہے کہ ضمیر بارزہ کے اندر تعمیم کو مدنظر رکھتے اور ضمیر مستتر کو فعل کیساتھ ہی مختص کرتے تو بھی کوئی حرج نہ تھا کیونکہ اس وقت بھی فروع فعل فعل سے درجہ میں کم ہوتیں جواب یہ ہے کہ ضمیر بارز اصل ہے اور فعل بھی فاعل کے اقتضاء میں اصل ہے لہذا اصل کو اصل کے ساتھ خاص کر دیا دوسرا جواب ضمیر مستتر اخف اور اخصر ہے ضمیر بارز سے لہذا تعمیم کے لائق ضمیر مستتر ہے اور ضمیر بارز نہیں ہے اس وجہ سے ضمیر بارز فعل کے لیے مخصوص کر دی گئی اور ضمیر مستتر عام ہو گئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل بارز جس کلمہ میں ہو اس کو فعل سمجھنا چاہیے اور اگر ضمیر منفصل کسی کلمہ میں ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ کلمہ فعل ہی ہو بلکہ اسم بھی ہو سکتا ہے **قولہ وتاء التانیث** اس کا عطف الضمائر پر ہے اور مجرور ہے یعنی فعل کی ایک علامت تائے تانیث ساکنہ کا اتصال بھی ہے یعنی جس کلمہ کیساتھ تائے تانیث ساکنہ لگی ہوئی ہو وہ بھی فعل ہوگا کیونکہ تانیث کی ساکن تا فاعل کی تانیث پر دلالت کرتی ہے اور اگرچہ فاعل صفات میں بھی ہوتا ہے لیکن چونکہ صفات میں تائے تانیث متحرکہ لاحق ہوتی ہے لہذا صفات تائے تانیث ساکنہ سے مستغنی ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ تا فعل کے سوا کسی اور کلمہ میں نہیں پائی جاویگی **قولہ ونونی التاکید۔** اس کا بھی عطف الضمائر پر ہے لہذا یہ بھی اتصال کا مضاف الیہ ہونیکی بناء پر مجرور ہے مطلب یہ ہوا کہ تاکید کے دونوں نون کا اتصال بھی فعل کی علامت ہے یعنی نون ثقیلہ اور نون خفیفہ اور یہ دونوں تاکید کے لیے آتے ہیں ان دونوں کا اختصاص فعل کے ساتھ اس وجہ سے ہے کہ دونوں طلب کی تاکید کے واسطے آتے ہیں اور طلب فقط فعل میں ہی ہوتی ہے اس وجہ سے یہ دونوں فعل کے ساتھ مختص ہو گئے بعض نے ان کی وجہ اختصاص اس طرح بیان کی کہ ان دونوں کی وضع تاکید اور مضارع اور امر کیلئے ہوئی ہے جبکہ مضارع میں طلب کے معنی ہوں لہذا اگر یہ فعل کے ساتھ مختص نہ ہوں تو خلاف وضع لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے **قولہ فان کل الخ** اس جملے کے ایراد کا مقصد وہی ہے جو علامت اسم میں بیان کیا ہے اس وجہ سے اسکی طرف رجوع کرنا چاہیئے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے ایک اعتراض کو اٹھانا ہو جو اس مقام پر پڑتا ہے وہ یہ کہ علامۃ الشئی حقیقت میں وہ چیز ہوتی ہے جو شئے سے کسی وقت بھی جدا اور منفک نہ ہو اور یہ سب اشیاء مذکورہ ایسی نہیں ہیں بلکہ بعض ان میں سے ایسی ہیں کہ فعل کے بعض افراد کے ساتھ کبھی بھی لاحق نہیں ہوتیں جیسے مثلاً نون تاکید لہذا انکا علامت ہونا کیسے درست اور صحیح ہو سکتا ہے تو مصنفؒ جواب دیتا ہے کہ یہاں پر علامت بمعنی خاصہ ہے اور خاصہ دو قسم ہے ایک شاملہ اور دوسرا غیر شاملہ اکثر یہ خواص غیر شاملہ ہیں لہذا اب اعتراض مذکور وارد نہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب **قولہ ومعنی الاخباریہ** صحت اخباریہ کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ خبر دینا یہ معنی ایسے ہیں جو امر نہی وغیرہ پر صادق نہیں آتے چونکہ ان کے ساتھ خبر دینا صحیح نہیں ہوتا حالانکہ یہ خاصہ شاملہ ہے جس کا تمام افراد پر صادق آنا ضروری ہے اس وجہ سے مصنف اخباریہ کے معنی میں تاویل کرتا ہے کہتا ہے کہ اخباریہ کے معنی یہاں محکوم بہ کے ہیں یعنی مسند کے خواہ وہ جملہ فعلیہ میں ہو یا انشائیہ میں لہذا اخباریہ باین معنی تمام افعال امر و نہی وغیرہ پر صادق آتا ہے **قولہ ویسمی فعلا الخ** مصنف کی عبارت سمجھنے سے پہلے دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے پہلی بات یہ ہے کہ لفظ فعل دو طرح پر بولا جاتا ہے ایک بکسر الفاء اس کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے حاصل بالمصدر بمعنی شان اور کار اور اسی معنی میں زیادہ مشہور ہے دوسرے مصدر بمعنی کردن (کرنا) اس معنی میں زیادہ مشہور نہیں ہے اور دوسرا اس کا اطلاق بفتح الفاء آتا ہے اور یہ فقط معنی مصدری میں ہی استعمال کیا جاتا ہے یعنی کرنا دوسری بات یہ ہے کہ کوفیوں اور بصریوں میں اختلاف ہے کہ فعل اصل ہے یا مصدر بصری کہتے ہیں کہ مصدر اصل ہے اور فعل فرع اور کوفی حضرات اس کا عکس مانتے ہیں ہر ایک ثبوت مدعا پر دلائل قائم کرتا ہے چونکہ طوالت کا خوف ہے لہذا یہاں اس کو ترک کیا جاتا ہے وان شئت علمہ فارجع الی مراح الارواح او علم الصیغہ ونحوہما۔ مصنفؒ کے نزدیک مذہب بصریین مختار ہے جب یہ سمجھ گئے تو اب جانو کہ کلمہ تدل علی معنی فی نفسہا مقترن باحد الازمنۃ الثلثۃ ایک مفہوم ہے جس کے افراد بہت ہیں جیسے ضرب منع وغیرہ اس مفہوم کے مقابلہ میں نحویوں نے فعل کو وضع کیا یعنی اس مفہوم کا علم فعل کو بنا دیا اب سوال یہ ہے کہ یہ علم مرتجل ہے یا منقول مصنفؒ کہتا ہے کہ یہ علم منقول ہے اور منقول میں ضروری ہے کہ پہلے موضوع لہ اور اس دوسرے موضوع لہ میں مناسبت ہو مصنفؒ کہتا ہے کہ فعل اصل میں مصدر ہے بمعنی کرنا اور مصدر ہی حقیقت میں فاعل کا فعل ہوتا ہے لہذا ہر ایک مصدر کو نام فعل حقیقۃ ہوا اور اس مفہوم کا مصداق کل (مثلاً ضرب) مصدر ضرب فعل کا جزء ہے اور جزء کل میں تعلق ہے اس وجہ سے اس کل کا نام بھی فعل رکھ دیا لہذا یہ ان دونوں میں مناسبت باہم الجزء کے قبیل سے ہوا اور یہاں پر وہ اعتراض جو کیا جاتا ہے کہ فعل بالکسر بمعنی شان و کار حاصل مصدر ہے البتہ بفتح الفاء مصدر ہے لہذا اس مفہوم کو فعل بفتح الفاء کہنا چاہیے بکسر الفاء نہیں چونکہ ہم تمہید میں بتلا چکے ہیں (باقی بر ص ۲۶)

وَحَدُّ الْحَرْفِ كَلِمَةٌ لَا تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ نَفْسِهَا بَلْ تَدُلُّ عَلٰى مَعْنًى فِيْ غَيْرِهَا نَحْوُ مِنْ فَاِنَّ مَعْنَاهَا الْاِبْتِدَاءُ وَهِيَ لَا تَدُلُّ عَلَيْهِ اِلَّا بَعْدَ ذِكْرِ مَا مِنْهُ الْاِبْتِدَاءُ كَالْبَصْرَةِ وَالْكُوْفَةِ مَثَلًا تَقُوْلُ سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ اِلَى الْكُوْفَةِ وَعَلَامَتُهُ اَنْ لَا يَصِحَّ الْاِخْبَارُ عَنْهُ وَلَا بِهٖ وَاَنْ لَا يَقْبَلَ عَلَامَاتِ الْاَسْمَاءِ وَلَا عَلَامَاتِ الْاَفْعَالِ وَلِلْحَرْفِ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ فَوَائِدُ كَالرَّبْطِ بَيْنَ الْاِسْمَيْنِ

کہ بکسر القاف بھی مصدر کے معنی میں مستعمل ہے مصنفؒ نے باسم اعلا اسبات کی طرف اشارہ کر دیا کہ میرے نزدیک بصریوں کا مذہب مختار اور پسندیدہ ہے مزید تحقیق کا اگر شوق ہو تو اس فن کے مطولات میں تلاش کرنا چاہیئے واللہ اعلم **قولہ کلمۃ لا تدل الخ** مصنفؒ حرف کی تعریف کرتا ہے یعنی حرف ایسا کلمہ ہے کہ وہ ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتا جو اس کی ذات میں ہیں بلکہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے غیر میں ہے اس تعبیر پر ایک اشکال کیا جاتا ہے کہ جب حرف ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہے دلالت نہیں کرتا تو ایسے معنی پر کیسے دلالت کر سکتا ہے جو اس کے غیر میں ہوں کیونکہ جو شے خود اپنی حفاظت نہ کر سکے وہ دوسرے کیلئے کیسے محافظ ہو سکتی ہے یعنی جب حرف اپنے معنی پر جو اس کی ذات میں ہے دلالت نہیں کرتا تو اپنے غیر کے معنی پر بھی دلالت نہیں کر سکتا لیکن یہ اشکال سطحی نظر سے واقع ہوتا ہے کیونکہ یہاں اصل میں فی اعتبار کے معنی میں ہے جیسے عرب کے ان دو قول (الدار فی نفسہا حکمہا کذا والدار فی غیرہا حکمہا کذا) میں اور جب فی اعتبار کے معنی میں ہو گیا تو عبارت کا مطلب یہ ہو گیا حرف وہ کلمہ ہے جو معنی پر اپنی ذات کے اعتبار سے دلالت نہ کرے بلکہ حرف وہ کلمہ ہے جو معنی پر اپنے غیر کے اعتبار سے دلالت کرے . . . .

یعنی اس کلمہ کے معنی کا سمجھنا بلا انضمام کلمۂ آخر کے نہ ہو اس تعریف میں کلمہ حرف کی جنس قریب ہے چونکہ جمیع شرکا اور بعض شرکا کے ملا کر سوال کرنے پر کلمہ جواب میں آتا ہے حرف کے ساتھ کلمہ میں اسم و فعل شریک ہیں دونوں سے حرف کو فی غیرہا کی قید سے امتیاز حاصل ہو گیا چونکہ ان دونوں کی دلالت معنی پر بالاستقلال ہوتی ہے معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کے انضمام کے محتاج نہیں ہیں بخلاف حرف کے کہ یہ ذ: پر دلالت کرنے میں انضمام کلمۂ آخر کا محتاج ہے اس تعریف پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ تعریف مانع نہیں دخول غیر سے کیونکہ بہت سے کلمات جیسے فوق تحت ابن وغیرہ جن کو اصطلاح میں اسم کہا جاتا ہے لیکن وہ معنی پر دلالت کرنے میں دوسرے کلمہ کے انضمام کے محتاج ہیں لہٰذا یا تو ان کو اسماء نہ کہا جاوے اور کہا جاتا ہے تو حرف کی تعریف ان پر صادق آتی ہے جواب ہماری مراد دلالت سے دلالت وضعیہ ہے یعنی باعتبار اصل وضع کے فی نفسہا معنی پر دلالت نہ کرے بلکہ فی غیرہا معنی پر باعتبار اصل وضع کے دلالت کرے اور یہ کلمات جن کو اضافت لازم ہو گئی جیسے تحت فوق یعنی اسماء لازم الاضافہ جیسے ابن وغ .

اور اسماء اشارات جو مشار الیہ کی طرف محتاج ہوتے ہیں اور اسماء موصولہ جو صلات کے متقاضی ہیں اور معرف باللام عہد خارجی جو معہود فی الخارج کا مفتقر ہے سب کو یہ احتیاج استعمال میں عارض ہوئی ہے وضع اصل کے اعتبار سے سب مستقل بالمفہوم ہیں۔ لہٰذا اعتراض مذکورہ بالا واقع نہیں ہوتا **قولہ نحو من فان معناھا الابتداء الخ** جاننا چاہیئے کہ ابتداء دو قسم کی ہے ابتدائے مطلق ابتدائے مقید اول کلی ہے اور ثانی جزئی اول مستقل بالمفہوم ہے اور ثانی کا سمجھنا غیر کے انضمام پر موقوف ہے من کے معنی یہی ثانی ابتداء ہیں نہ اول اسی وجہ سے مصنف نے الابتداء کو الف لام عہد خارجی سے معرفہ بنا کر ذکر کیا۔ لہٰذا عبارت کا تعبیر یہ ہوا کہ جیسے من کہ اسکے معنی ابتدائے جزئی ہیں جبتک اس معنی کیساتھ وہ دوسرے معنے جس سے ابتداء ہے نہ مل جاویں تو یہ معنی سمجھ میں نہ آویں گے۔ فافہم **قولہ ان لا یصح** یعنی حرف کی علامت یہ ہے کہ اسکا مبتدا یا فاعل یا مفعول مالم یسم فاعلہ ہونا صحیح نہ ہو اور خبر ہونا بھی درست نہ ہو چونکہ غیر مستقل بالمفہوم ہے اور مخبر عنہ اور مخبر بہ دونوں مستقل بالمفہوم ہونے چاہئیں جیسے اسم اور فعل لہٰذا حرف نہ اسم ہوتا ہے نہ فعل **قولہ ان لا یقبل الخ** یعنی حرف کی دوسری علامت یہ ہے کہ جو اسماء کی علامتیں ہیں جیسے لام تعریف حروف جر تنوین وغیرہ کا دخول اور جو علامات فعل ہیں جیسے دخول جوازم و قد و سین و سوف وغیرہ ان میں سے حرف کسی کو قبول نہیں کرتا چونکہ حرف میں ان علامات اور امارات کا اقتضا نہیں ہے لہٰذا مقتضی کا دخول بھی اس پر ممتنع ہو گیا۔ اس مقام پر ایک سوال ہوتا ہے کہ مصنفؒ کا قول ان لا یقبل ان لا یصح کو شامل ہے لہٰذا پھر کیا وجہ ہے کہ مصنفؒ نے علیحدہ علیحدہ بیان کیا تو جواب یہ ہے کہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے اگرچہ مشہور اسکا عکس ہے اور ایسا اس وجہ سے کیا تاکہ نفس سامع ہر مذہب کی طرف جا سکے **قولہ للحرف الخ** اس جملہ کی مختلف ترکیبیں بیان کی گئیں ہیں بعض اس کی یہ ترکیب کرتے ہیں کہ للحرف مبتدا ہے جیسا کہ صاحب کشاف نے ومن الناس من یقول آمنا باللہ میں من الناس کو مبتدا کہا ہے اور فی کلام العرب حال یا صفت ہے اول پر تقدیر عبارت کائنا فی کلام العرب ہے اور ثانی پر الکائن فی کلام العرب ہے اور فوائد خبر ہے فوائد جمع فائدہ کی بمعنی مستفادۃ یا بمعنی مفیدۃ یا بمعنی ثابت چونکہ بولتے ہیں فادلہ المال یفید اے ثبت لہ المال مطلب اس صورت میں یہ ہوا کہ حرف کے واسطے کلام عرب میں امور ثابتہ ہیں یا امور مستفادات یا مفیدات ہیں دوسری ترکیب اس کی یہ کی جاتی ہے للحرف خبر مقدم اور فی کلام العرب صفت یا حال اور فوائد مبتدا موخر ترجمہ ہو گا فائدے حرف کے واسطے ثابت ہیں وقت ہونے اس کے کلام عرب میں یہ جملہ اصل میں سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہوتا ہے کہ اوپر کی تقریرات سے یہ معلوم ہوا کہ حرف مقصود اصلی و استقلال بالمفہومیتہ کے واسطے موضوع نہیں حالانکہ الفاظ کی وضع معانی اور مقاصد کے لئے ہوتی ہے اور جو چیز مفید مقصود نہ ہو اس میں مشغولیت بیکار محض ہے بلکہ اس سے احتراز ضروری ہے اور جب یہ ثابت ہوا کہ حرف غیر مفید ہے تو لہٰذا اس میں اشتغال کیسے درست ہو سکتا ہے مصنفؒ نے اس جملہ کو لا کر یہ اعتراض رفع کر دیا اس حرف کے (باقی بر صـ۳۷)

❖

نحو زیدٌ فی الدار او الفعلین نحو اُریدُ ان تضربَ او اسمٍ وفعلٍ کضربتُ بالخشبۃِ او الجملتین نحو ان جاءنی زیدٌ اکرمتُہٗ وغیرِ ذٰلک مِنَ الفوائدِ التی تعرفُہا فی القسمِ الثالثِ ان شاء اللّٰہ تعالٰی ویسمّٰی حرفًا لوقوعِہٖ فی الکلامِ حرفًا ای طرفًا اذ لیس مقصودًا بالذاتِ مثل المسند والمسند الیہِ فصل الکلامُ لفظٌ تضمّن کلمتین

واسطے جو کلام عرب میں ہے فوائد کثیرہ اور عوائد عزیزہ ہیں مصنفؒ کا فوائد کو بصیغہ جمع لانا اور تمثیل کا کاف داخل کرنا اس طرف مشیر ہے کہ حروف کے فوائد بہت ہیں یہاں پر ان میں سے بعض مذکور ہوتے ہیں اور بعض متروک مہجور **قولہ زید فی الدار**۔ زید کا تعلق دار کے ساتھ کلمہ فی کے سبب سے ہے جو ظرفیت کے لئے ہے کیونکہ اگر بغیر کلمہ فی کے زید الدار کہا جاوے تو زید کا استقرار دار میں مفہوم نہ ہوگا۔ **قولہ ان جاءنی زید اکرمتہ**۔ لفظ ان دو جملوں کو ربط دے رہا ہے بعض نسخوں میں فاکرمتہ فاء جزائیہ کے ساتھ دیکھا گیا ہے لیکن یہ خطا ہے کیونکہ فاء جزائیہ ماضی پر ... داخل نہیں ہوتی مگر جبکہ قد ماضی پر داخل ہو رہا ہو خواہ لفظاً خواہ تقدیراً اور یہاں پر لفظاً تو ہے ہی نہیں لیکن تقدیراً بھی ناممکن ہے مثال مذکورہ میں ماضی استقبال کے معنی میں ہے اور قد ماضی کے لئے ہوتا ہے **قولہ من الفوائد الخ** یعنی اور بہت فائدے ہیں جو بحث حرف میں آئیں گے جیسے تنبیہ جو حروف تنبیہ کا مفاد ہے کلام سابق کا اثبات جو حروف ایجاب کا مفاد ہے مخاطب کا برانگیختہ کرنا جو حروف تحضیض کا مفاد ہے وغیرہ وغیرہ جن کی مفصل بحث انشاء اللہ آئندہ آئیگی **قولہ یسمی حرفا الخ** کلام کا مطلب سمجھنے سے پہلے اس کی ترکیب پر غور کرلینا چاہیئے لوقوعہ فی الکلام یسمی کے متعلق ہے اور وقوع دو طرح پر استعمال کیا جاتا ہے فعل تام بمعنی پڑنا گرنا اور فعل ناقص بمعنی ہونا اول صورت میں طرفا حال ہوگا اور ثانی میں خبر پہلی صورت کا ترجمہ یہ ہوگا بوجہ پڑنے اسکے کہ درانحالیکہ وہ طرف ہے اور صورت ثانیہ پر یہ معنی ہونگے کہ بوجہ ہونے اس کے طرف اور طرفا منصوب ہے چونکہ حرفا کا مفسر ہے اور مفسر اعراب میں مفسر کے تابع ہوتا ہے اور جملہ لیس مقصوداً بالذات لوقوعہ طرفا کی تفسیر ہے اور مثل المسند والمسند الیہ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای نظیرہ ای نظیرہ المقصود بالذات مثل المسند الخ حاصل مطلب مصنفؒ کی عبارت کا یہ ہے کہ مفہوم کہ تدل علی معنی فی غیرہا کا نام نحویوں نے حرف رکھا ہے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ نام رکھنا مرتجل ہے یا منقول اگر مرتجل ہے تو تو پھر حرف کے اول موضوع لہ اور اس موضوع لہ میں مناسبت ہونا ضروری نہیں اور اگر منقول ہے تو پھر دونوں میں وجود مناسبت ضروری اور لازمی ہے حرف کا پہلا موضوع لہ طرف بمعنی جانب ہے چنانچہ بولتے ہیں جلست حرف الوادی ای طرف الوادی تو مصنف کہتا ہے کہ اس مفہوم کا یہ علم باعتبار نقل کے ہے اور اس موضوع لہ اور اول موضوع لہ میں مناسبت یہ ہے کہ کلام عرب میں اس مفہوم کے مصادیق طرف میں واقع ہوتے ہیں لہذا اول موضوع لہ اور ثانی موضوع لہ میں ایک قسم کی مناسبت ہوگئی اس وجہ سے اس مفہوم کا نام حرف رکھ دیا یسمی اور لوقوعہ کی ضمیریں حرف کی طرف راجع ہیں مفہوم کے اعتبار سے **قولہ اذ لیس**۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہوتا ہے کہ تمہارے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حرف طرف کلام میں واقع ہوتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ وسط کلام میں بھی واقع ہوتا ہے جیسے زید فی الدار میں فی جو کہ حرف ہے وسط میں ہے اسی طرح ارید ان اضرب میں ان وسط کلام میں واقع ہے اور جب یہ وسط کلام میں واقع ہوتا ہے تو پھر اس کا نام حرف رکھنا غلط ہے اس بنا پر کہ وہ طرف میں واقع ہوتا ہے مصنف جواب دیتا ہے کہ تم لوقوعہ طرفا کا مطلب نہیں سمجھے لہذا یہ اعتراض کرتے ہو حرف کے طرف میں واقع ہونے سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ حرف اسم اور فعل کی جانب مقابل ہے اس طرح پر کہ حرف مقصود بالذات نہیں ہوتا یعنی مستقل بالمفہوم جیسا کہ اسم وفعل مقصود بالذات اور مستقل بالمفہوم ہوتے ہیں جیسے مسند و مسند الیہ مستقل بالمفہوم ہیں لہذا اس اعتبار سے حرف اسم اور فعل کے مقابل ہو گیا اس وجہ سے ہم نے اس کا نام حرف رکھدیا۔ رہا یہ اعتراض کہ اسم اور فعل کا نام حرف کیوں نہ رکھا یہ بھی تو حرف کی طرف مقابل ہیں تو جواب یہ ہے کہ وجہ تسمیہ کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ اس میں طرد و عکس جاری کیا جاوے بلکہ وجہ تسمیہ کے لیے علت مجوزہ کافی ہے جب اس کا نام یہ رکھ دیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں بھی یہ بات ہو اسکا وہ نام رکھ دیا جاوے واللہ اعلم بالصواب **قولہ الکلام** جب مصنفؒ نے نحو کے ایک موضوع کی تعریف اور تقسیم اور بیان اقسام کی تبیین کردی تو چاہیے کہ نحو کے دوسرے موضوع کی بھی تبیین ہو جاوے چونکہ جب تک موضوع کو مبتدی نہ سمجھ لے اس وقت تک اس کے احوال کو نہیں سمجھ سکتا اس وجہ سے مصنفؒ نے کہا الکلام ...... اور پھر یہ ایک مستقل موضوع ہے اس وجہ سے اسکو ایک مستقل فصل میں بیان کرتا ہے تاکہ اسکا مستقل موضوع ہونا معلوم ہو جاوے جاننا چاہیے کہ لفظ کلام کے دو موضوع لہ ہیں ایک لغوی ا ایک اصطلاحی مصنفؒ نے اس کا جو موضوع لہ بیان کیا ہے وہ اصطلاحی ہے لغت میں اسکی وضع تکلم (بولنے) کیلئے ہوتی ہے خواہ وہ ایک حرف ہو یا زیادہ مہمل ہو یا موضوع کہا جاتا ہے کہ یہ وضع کے اعتبار سے مصدر نہیں چونکہ یہ وزن مصادر پر نہیں البتہ کہیں کہیں اس کا استعمال معنی مصدری میں ہوتا ہے چنانچہ بولتے ہیں کلمتہ کلاما جب آپکو یہ معلوم ہو گیا تو یہ بھی جاننا چاہیے کہ اس کے موضوع لہ اصطلاحی میں اور موضوع لہ لغوی میں مصداق کے اعتبار سے عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، لغوی اعم ہے اور اصطلاحی اخص **قولہ لفظ الخ** لفظ کی تعریف پہلے گذر چکی ہے یہ کلام کیواسطے جنس قریب ہے اس جنس میں کلام کیساتھ کلمہ اور مہمل اور مرکبات ناقصہ شامل ہیں کیونکہ اگر کلام کے ساتھ ان میں سے کسی کو ملا کر سوال کریں یا سب کو ملا کر سوال کریں تو ہر دو صورت میں جواب لفظ رہتا ہے لہذا یہ کلام کیلئے جنس قریب ہے اور تعریف کے باقی لفظوں کا مفہوم فصل قریب ہے جو کلام کی ماہیت میں داخل ہو کر

(باقی بر صفحہ ۲۸)

بالاسناد والاسناد نسبة احدى الكلمتين الى الاخرى بحيث تفيد المخاطب
فائدة تامة يصح السكوت عليها نحو زيد قائم وقام زيد ويسمى جملة فعلم ان الكلام

کلام کو ان سب چیزوں سے ممتاز کرتا ہے وہ جو اسکے ساتھ لفظ میں (جو کلام کی جنس قریب ہے) شریک ہیں تضمن کلمتین کی قید سے مہملات جیسے جسق اور کلمات مفردہ جیسے زید بکر و عمرو وغیرہ خارج ہوگئے اور بالاسناد کی قید سے مرکبات غیر کلامیہ جیسے غلام زید وغیرہ خارج ہو گئے صرف مرکبات کلامیہ اس میں داخل رہے خواہ خبریہ ہوں جیسے زید قائم خواہ انشائیہ جیسے اِضرب اگر کوئی کہے کہ کلام کی تعریف میں متضمِن اور متضمَن دونوں ایک ہی ہیں یعنی اسم فاعل اور مفعول اس لیئے کہ کلام وہ ہے کہ جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ متضمن ہو اور کلمتین عین کلام ہیں جیسا کہ مدلول کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلمتین کے سوا اور کوئی شے نہیں مثلاً زید قائم کلام ہے کہ دو کلموں کو . . . . . متضمن ہے اور جن دو کلموں کو متضمن ہے وہ بھی یہی دو یعنی زید اور قائم ہیں پس اس وقت متضمِن اور متضمَن دونوں ایک ہو گئے حالانکہ وہ دونوں جدا جدا ہونے چاہیں تو جواب یہ ہے کہ دونوں فرق ہے متضمن دو کلمے ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ ہیں اور متضمن بدوں ہیئت اجتماعیہ کے انفراداً دو کلمے ہیں یا یہ کہا جائے کہ متضمن تو مع اسناد کے دو کلمے ہیں اور متضمن بدون اسناد کے دو کلمے ہیں لہذا متضمن اور متضمن دونوں متحد نہ ہوئے جاننا چاہیے کہ لفظ تضمن کلمتین میں کلمتین عام ہیں کہ حقیقیاً یا حکمی یہ تعمیم اس وجہ سے کی گئی تاکہ دیز مہمل اور زید ابوہ قائم کو تعریف شامل ہو جاوے کیونکہ مثلاً دیز حقیقۃً کلمہ نہیں ایسے ہی زید ابوہ قائم میں ابوہ قائم حقیقت میں کلمہ نہیں اس تعمیم سے یہ بھی کلام کی تعریف میں داخل ہو گئے کیونکہ اگرچہ حقیقۃً کلمے نہیں لیکن حکماً کلمے ہیں کیونکہ دیز ہذا اللفظ کی تاویل میں ہے اور ابوہ قائم قائم الاب کی اگر کوئی کہے کہ اس وقت بھی دو کلمے نہیں بلکہ تین ہیں تو جواب یہ ہے کہ صفت اور مضاف الیہ قیود ہوتے ہیں اور قیود کلام سے خارج ہیں اگرچہ نسبت میں داخل ہیں اور یہ تعریف مثل اضرب کو بھی شامل ہو گئی۔ کیونکہ کلمتین میں ایک تعمیم اور ہے وہ یہ کہ کلمتین لفظی ہوں یا تقدیری اس میں ایک کلمہ لفظی ہے اور ایک تقدیری ایسے ہی اِن جاءو زید۔ اگر مثال کو بھی تعریف شامل ہے کیونکہ اہل عربیہ کے نزدیک کلام جزا ہے اور شرط جزاء کی قید ہوتی ہے اور قید کلام سے خارج ہوتی ہے اگر کوئی کہے کہ مصنف نے لفظ ترکیب کیوں نہ کہا یعنی لفظ تضمن کی جگہ ترکیب کیوں نہ لایا باوجود اس کے کہ کلام کی تعریف میں ترکیب مشہور بھی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ ترکیب بغیر صلہ من کے نہیں آتا مصنف اگر ترکیب کہتا تو انحصار مطلوب کے مخالف ہوتا لہذا لفظ تضمن کو لفظ ترکیب پر ترجیح دی نیز اس کے متعدد جواب بھی دیئے گئے ہیں جو شروح میں مذکور ہیں فالطلب ہناک ان شئت نیز اس مقام پر بھی سوالات و جوابات ہیں عدم گنجائش کی وجہ سے ترک کرتے ہیں **قولہ بالاسناد** بار سببیہ ہے موصوف مقدر کی صفت بنکر مفعول مطلق ہے تقدیر عبارت ہوگی تضمنا حاصلا بسبب الاسناد یا تضمن کا ظرف لغو ہے مصنف نے بالاسناد کی جگہ بالاخبار اس وجہ سے نہیں کہا کہ اخبار کا اطلاق اس نسبت پر ہوتا ہے جو کہ جملہ خبریہ میں ہوتی ہے اور وہ نسبت جو جملہ انشائیہ میں ہوتی ہے اس پر اسکا اطلاق نہیں ہوا کرتا لہذا اگر مصنف بالاسناد کی جگہ بالاخبار کہتا تو جملہ انشائیہ پر کلام کی تعریف صادق نہ آتی چونکہ اس میں جو ایک کی نسبت دوسرے کی طرف ہے وہ نسبت اخباری نہیں حالانکہ کلام انشائیہ سب کے نزدیک کلام ہے واللہ اعلم بالصواب **قولہ والاسناد الخ** چونکہ اسناد کی معرفت پر کلام کی معرفت موقوف ہے چونکہ اسناد تعریف کلام میں ماخوذ ہے اس وجہ سے مصنف کلام کی تعریف کے بعد اسناد کی تعریف بیان کرتا ہے کہ اسناد دو کلموں کا تعلق اس طرح پر ہوتا ہے کہ مخاطب کو وہ تعلق ایسے فائدہ تامہ کا افادہ کرے کہ متکلم کا سکوت اس فائدہ پر درست ہو جاوے یعنی اگر متکلم اس نسبت پر سکوت کرے تو مخاطب کیواسطے کوئی ایسی حالت باقی نہ رہے کہ نفس مقصود اصلی کے سمجھنے کے واسطے اس کو متکلم کی طرف مشتاق ہونا پڑے جیسے قام زید میں قیام کی نسبت زید کی طرف جب اس کو متکلم نے بولا تو مخاطب کو پورا فائدہ حاصل ہو گیا اس شان کے ساتھ کہ متکلم کا سکوت اس پر درست ہے چونکہ مخاطب کو متکلم کی طرف مقصود اصلی کے فہم کے واسطے مشتاق ہونا نہیں پڑتا ہے اس بیان سے ثابت ہوا کہ ضرب زید عمراً میں کلام فقط ضرب زید ہے اور عمراً فضلہ ہے چونکہ مقصود اصلی مسند الیہ اور مسند کے بولنے سے حاصل ہو گیا ہے عمراً کی احتیاج طبعی طور پر ہے ایسی ہی اِضرب کلام تام ہے کیونکہ مقصود اصلی یعنی نفس مطلب کے سمجھنے پر دال ہے مفعول بہ ظرف وغیرہ کے ذکر پر نفس مطلب کا فہم موقوف نہیں بلکہ ان کا ذکر حصول مطلب کے واسطے ہوتا ہے اسی واسطے کہتے ہیں کہ فاعل فعل اور مبتدا خبر کے علاوہ سب فضلہ ہیں چونکہ ان پر مقصود اصلی کا سمجھنا موقوف نہیں ہوتا۔ **قولہ فعلم بذالک** اس میں فار شرط محذوف کے جواب میں واقع ہے تقدیر عبارت ہے اذا کان الاسناد ماخوذاً فی الکلام فعلم بذالک یعنی جب کہ اسناد تعریف کلام میں ماخوذ اور معتبر ہے تو اس اخذ سے یہ معلوم ہو گیا کہ کلام کا حصول دو اسموں یا ایک اسم اور ایک فعل سے ہی ہو سکتا ہے۔

قولہ یصح الخ

مصنف کا یہ قول اسناد کی تعریف نہیں ہے بلکہ فائدہ تامہ کی تفسیر ہے گویا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہوتا ہے کہ الفائدة التامة ما ہی یعنی فائدہ تامہ کیا ہے مصنف جواب دیتا ہے کہ صحت سکوت مخاطب بعض کہتے ہیں صحت سکوت متکلم مقصد دونوں سے ایک نکلے گا۔ یعنی فائدہ تامہ کی شان سے یہ ہے کہ اس نسبت پر متکلم یا مخاطب کا سکوت صحیح اور درست ہو یعنی نفس مقصود اصلی معلوم ہو گیا ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مسند الیہ اور مسند کو متکلم نے ذکر کر دیا ہو تو جب متکلم کا سکوت صحیح ہوگا تو لامحالہ مخاطب کا سکوت بھی درست ہوگا ایسے ہی اس کا عکس یعنی جب نفس مقصود اصلی متکلم کو حاصل ہو گیا ہو تو اس کو سوال کے مقصود اصلی کے فہم کی ضرورت نہ ہو گی اور جب متکلم سے مخاطب نے سوال نہیں کیا اور وہ خاموش ہو گیا تو سکوت صحیح ہوا لہذا سکوت ہر دو متلازم ہیں جب ایک کے سکوت کا وجود ہوگا تو دوسرے کے سکوت کا وجود بھی ہوگا واللہ اعلم بالصواب مصنف نے کلام کی تقسیم میں ما دلّا سے جو کہ حصر کے واسطے (باقی بعد صفحہ ۲۹)

لا يحصل الا من اسمين نحو زيد قائم ويسمى جملة اسمية او من فعل واسم نحو قام زيد ويسمى جملة فعلية اذ لا يوجد المسند والمسند اليه معاً في غيرهما ولا بد للكلام منهما فان قيل قد نوقض بالنداء نحو يا زيد قلنا حرف النداء قائم مقام ادعو او اطلب وهو الفعل فلا نقض عليه واذا فرغنا من المقدمة

آتے ہیں حصر پر تصریح کی جاتی ہے اور تقسیم کلمہ میں حصر پر تصریح نہیں کی اسکی وجہ یہ ہے کہ کلام کے حصول کی باعتبار عقل کے چھ صورتیں نکلتی ہیں چونکہ کلام لفظ متضمن کلمتین بالاسناد ہے اور کلمہ تین قسم پر ہے اسم فعل حرف تو ان تینوں قسموں سے جب دو کلموں کو ملائیں تو چھ صورتیں ہو جائیں گی یعنی اسم اسم فعل فعل، حرف حرف، اسم حرف، اسم فعل، فعل حرف ان میں فقط دو صورتیں صحیح ہیں اور چار باطل ہیں تو اگر حصر پر تصریح نہ کرتا۔ تو یہ معلوم ہوتا کہ یہ تمام صورتیں صحیح اور درست ہیں بخلاف کلمہ کے کہ اس کا انقسام باعتبار وجہ عقلی کے فقط تین صورتوں کی طرف ہوتا ہے اور وہ تینوں صحیح ہیں۔ لہذا اس کی تقسیم میں حصر پر تصریح کی ضرورت نہ تھی رہا یہ امر کہ کلام کی تمام صورتوں میں فقط یہ دو صورتیں ہی کیوں درست ہیں اور باقی کیوں باطل ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ کلام کا تحقق بلا اسناد کے نہیں ہوتا اور اسناد اس امر کی مقتضی ہے کہ جن دو کلموں میں اسناد کا تحقق ہو ان میں سے ہر ایک مستقل بالمفہوم ہو چونکہ ان میں سے ہر ایک مسند الیہ اور مسند کیواسطے مستقل بالمفہوم ہونا ضروری ہے اس وجہ سے ان تمام صورتوں میں سے حصول کلام کی فقط دو صورتیں (اسم اسم، اسم فعل) ہی درست اور معتبر ہیں چونکہ اسم مسند الیہ بھی بن سکتا ہے اور مسند بھی اور فعل فقط مسند ہی ہوتا ہے۔ لہذا پہلی صورت میں ایک اسم مسند الیہ ہو جاویگا اور ایک مسند اور دوسری صورت میں اسم مسند الیہ ہو جاویگا اور فعل مسند اور جس صورت میں کہ فعل فعل ہوں وہ اس وجہ سے کلام نہیں ہے کہ فعل تو فقط مسند ہی ہو سکتا ہے لہذا کلام کا ایک جز متحقق نہ ہوگا یعنی مسند الیہ اور جب حرف حرف ہوں تو اس وقت کلام اس وجہ سے نہ ہوگا کہ حرف نہ مسند الیہ بن سکتا ہے اور نہ مسند اور فعل و حرف کی صورت میں بھی فقط ایک جز رہے گا یعنی مسند اور دوسرا جز یعنی مسند الیہ مفقود ہوگا اور اسم و حرف کی صورت میں بھی کلام کا ایک جز متحقق ہوگا اور ایک معدوم اس لئے کہ اسم کو چاہے مسند الیہ بنا دیں چاہے مسند۔ صورت اول میں مسند چاہیے اور صورت ثانیہ میں مسند الیہ کی ضرورت ہے لہذا یہ چاروں صورتیں باطل ہیں **قولہ من اسمین** اس ترکیب کو مصنف نے فعل و اسم کی ترکیب پر مقدم کیا اس وجہ سے کہ اس کے دونوں جز مستحق تقدیم ہیں چونکہ دونوں اسم ہوتے ہیں **قولہ یسمی جملۃ اسمیۃ الخ** یعنی اس کلام کا نام جو دو اسموں کی ترکیب سے حاصل ہوتا ہے جملہ اسمیہ رکھا جاتا ہے چونکہ اس میں پہلا جز بھی اسم ہوتا ہے اور جملہ اسمیہ اس کو کہتے ہیں جس کا پہلا جز اسم ہو تعظیم و اختصار **قولہ من فعل و اسم** فعل کو مصنف نے اسم پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ مصنف جملہ فعلیہ کے درپے ہے اور اس میں فعل مقدم ہوتا ہے **قولہ جملۃ فعلیۃ الخ** یعنی جو کلام کہ فعل و اسم سے حاصل ہوتا ہے اس کا نام جملہ فعلیہ رکھا جاتا ہے اس وجہ سے کہ اس میں پہلا جز فعل ہوتا ہے بطور فائدہ کے یہ بھی جاننا چاہیے کہ کلام و جملہ میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں مترادف ہیں یا نہیں . . . .

ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ دونوں مترادف ہیں اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ دونوں مترادف نہیں بلکہ دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے کلام اخص مطلق ہے اور جملہ اعم مطلق ان لوگوں کے نزدیک کلام کی تعریف میں جو اسناد واقع ہے اس سے مراد مقصود لذاتہ اسناد ہے چنانچہ کلام کی تعریف میں اسناد کو اس سے مقید کر دیتے ہیں اور جملہ کی تعریف میں مقصود لذاتہ کے ساتھ اس کو مقید نہیں کرتے بلکہ اس کو مطلق چھوڑتے ہیں **قولہ اذ لا یوجد الخ** یہ دعوے سابقہ یعنی کلام کا حصول دو اسموں یا ایک فعل اور ایک اسم سے ہی ہوتا ہے اس پر شکل ثانی سے استدلال ہے مصنف کہتا ہے کہ کوئی کلام ان دونوں ترکیبوں کے سوا حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مسند الیہ اور مسند کی کوئی شان دونوں کے غیر میں نہیں پائی جاتی اور ہر کلام کیواسطے دونوں کا ہونا ضروری ہے اسی وجہ سے کوئی کلام ان دونوں ترکیبوں کے غیر سے حاصل نہیں ہوتا اگر یہ نتیجہ صادق نہیں مانتے تو قیاس کی ترکیب کو معکوس کر لو اس طور پر کہ ہر کلام کے واسطے مسند الیہ اور مسند کا ہونا ضروری ہے اور مسند الیہ و مسند میں سے کوئی ان دونوں ترکیبوں کے غیر میں نہیں پایا جاتا تو اسکا نتیجہ بعینہ وہی ہے جو شکل ثانی سے برآمد ہوا تھا اور یہ نتیجہ شکل اول کا ہے جو بدیہی الانتاج ہوتی ہے تو لا محالہ نتیجہ حق ہوگا اور مطلوب ثابت ہو جاویگا توضیح اسکی سابق میں گزر چکی ہے لہذا چنداں اعادہ کی ضرورت اور حاجت نہیں جاننا چاہیے کہ قول مصنف معاً بنا بر ظرفیت کے منصوب ہے اور اس میں تنوین مضاف الیہ محذوف کے بدلے میں ہے اور یہ کائنا کے متعلق ہو کر لا یوجد کے مفعول مالم یسم فاعلہ سے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ لا یوجد المسند والمسند الیہ کائنا کل واحد منہما مع صاحبہ الا فی ہذین الترکیبین یعنی مسند الیہ اور مسند نہیں پائے جاتے درانحالیکہ پائے جاویں ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کے ساتھ مگر ان دو ترکیبوں میں جو اوپر گذری ہیں اور مصنف کے قول لا بد میں لا نفی جنس کا ہے اور بد اسکا اسم ہے اور للکلام ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے اور منہما مبتدا محذوف کی خبر ہے ای المبد منہما اور یہ بھی ممکن ہے کہ بد سے حال ہو جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ لا بد کے مدلول کے متعلق ہو جائے اور حق بات یہ ہے کہ بد مصدر ہے اسکے صلہ میں یہ واقع ہے بد فراق اور چارہ اور گریز کے معنی میں ہے بدّ یبدّ بدّاً فعل من نصر بالتبدید التفریق **قولہ قد نوقض الخ** نقض کی جب اجسام کی طرف نسبت ہوتی ہے تو ابطال تالیف کے معنی میں ہوتا ہے اور جب غیر اجسام کیطرف نسبت ہوتی ہے تو اسکا اس شے سے جو مطلوب ہوتی ہے نکالنا مقصود ہوتا ہے یہاں پر دو ترکیبوں میں کلام کا حصر مقصود ہے تو نقض کی نسبت یا زید کیطرف کی گئی ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ حصر باطل ہے کیونکہ یا زید اس سے نکلا جاتا ہے کیونکہ کلام یعنی یا زید کی تالیف حرف اور اسم سے ہو رہی ہے حالانکہ کلام کا حصول فقط دو ترکیبوں میں محصور ہے (اسم و اسم، اسم فعل) جواب یہ ہے کہ کلام کے حصر پر نقض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یا زید کی ترکیب حرف و اسم سے نہیں ہے بلکہ اس میں لفظ یا ادعو یا اطلب کے قائم مقام اور نائب مناب ہے اور یہ دونوں فعل ہیں جن کا فاعل ضمیر ہے لہذا ثابت ہو گیا کہ کلام یعنی یا زید فعل و اسم سے مرکب ہے نہ حرف و اسم سے فافہم ولا تکن من الغافلین **قولہ اذا فرغنا الخ** اذا زمانہ مستقبل کیواسطے آتا ہے خواہ ماضی پر داخل ہو یا غیر ماضی پر اور یہاں اسکا مدخول فعل ماضی ہے لہذا یہ استقبال کے معنے میں ہے چونکہ اس مقام پر مستقبل کے معنی درست نہیں لہذا قاعدہ [illegible] ہو یا یہاں پر مصنف کا اذا لانا غلط ہے جواب اکثر اذا مستقبل کے واسطے آتا ہے کبھی کبھی ماضی کے لیئے بھی آجاتا ہے یہاں ماضی کے واسطے ہے لہذا اعتراض ساقط اور باطل ہے۔ ✣

فلنشرع فی الاقسام الثلثة واللّٰه الموفّق والمعین القسم الاول فی الاسم و قد مرّ تعریفه وهو ینقسم الی المعرب والمبنی فلنذکر احکامه فی بابین وخاتمة

قوله فلنشرع الخ اگر کوئی کہے کہ جزا وجود شرط کیلئے لازم ہوتی ہے یعنی جب کسی وقت میں مشروط پایا جاوے تو فوراً اسی وقت جزا کا وجود اور تحقق ضروری اور لابدی ہے۔ مثلاً اذا کانت الشمس طالعة فالنہار موجود اس میں وجود نہار طلوع شمس کیواسطے لازم ہے کہ جس وقت طلوع شمس ہوگا اسی وقت وجود نہار پایا جاویگا لہذا اس بناء پر چاہیے کہ مقدمہ سے جس وقت فراغت واقع ہوئی ہو اسی وقت شروع بھی موجود ہوگیا ہو۔ حالانکہ شروع فراغت کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ ان دونوں یعنی شروع اور فراغت میں ممکن ہے کہ مہلت اور تراخی واقع ہوئی ہو بایں طور کہ مصنفؒ فراغت کے بعد آرام میں مشغول ہوگئے ہوں جیسا کہ عام مصنفین کا دستور ہے کہ ایک بیان سے فراغت پانے کے بعد دوسرا بیان جب شروع کرتے ہیں کہ کسی قدر درمیان میں آرام حاصل کرتے ہیں جواب یہ ہے کہ شروع فی الحقیقت فراغت کی جزاء نہیں ہے بلکہ اصل میں اس کی جزا ارادہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ واذا فرغنا من المقدمة اردنا الشروع یعنی جب کہ ہم مقدمہ کے بیان سے فارغ ہوئے تو ہم نے اقسام ثلثہ میں شروع کا ارادہ کیا اب اشکال مذکور لازم نہیں آتا کیونکہ ارادہ شے آخر شے اوّل سے فراغت کو لازم ہے مصنفؒ نے عبارت مذکورہ میں ارادہ شے کو فعل شے سے مجازاً بیان کیا ہے جیسے قرآن شریف میں ہے اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا الخ یہاں پر قیام الی الصلوة سے ارادہ قیام الی الصلوة مجازاً مراد ہے۔ **قوله فی الاقسام الخ** تینوں قسموں میں مصنفؒ کی مراد ایک دم شروع کردینا نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ اب ہم تینوں قسموں کے بیان کو علٰحدہ علٰحدہ یکے بعد دیگرے شروع کرنا چاہتے ہیں فافہم واحفظ **قوله الموفق الخ** باب تفعیل سے اسم فاعل ہے توفیق کے معنی ہیں حصول مطلوب کے واسطے اس کے اسباب کا جمع کردینا عرف میں مطلوب کو خیر کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی مطلوب خیر اور لغت کے اعتبار سے عام ہے خیر اور شر دونوں کو شامل ہے المعین باب افعال کا اسم فاعل ہے اعانت کے معنی ہیں مدد کرنا یہ جملہ مصنفؒ اس واسطے لایا کہ کسی چیز کو شروع کرنا ایک بڑا مہتم بالشان کام ہے اور ایسے امر میں خداوند تعالیٰ سے استعانت اور توفیق چاہنا ضروری ہے اور موفق اور معین کو معرف باللام افادہ حصر کے واسطے ذکر کیا ہے کہ اس مسندالیہ کے اندر محصور ہوجاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس امر کے تمام کے اسباب مہیا کرنے والا ہے جس کو میں نے شروع کیا ہے اور وہی اس کی اصلاح پر ہماری مدد اور اعانت کرنیوالا ہے اس کے سوا کوئی اور موفق اور معین نہیں **قوله فی الاسم الخ** مصنفؒ نے اسم کی ابحاث کو فعل و حرف کی ابحاث پر مقدم کیا کیونکہ اسم فعل و حرف کے اعتبار سے اصل ہے کیونکہ اسم فعل و حرف سے اعلی اور ارفع ہے کہ فقط تنہا اس سے کلام بن سکتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اسم کی بحث جمیع مقصدوں پر شامل ہے فعل و حرف کی بحث ان پر شامل نہیں **قوله قدمر الخ** یعنی اسم کی تعریف اور حد پہلے گذر چکی ہے یہ جملہ معترضہ مصنفؒ فی الاسم کہنے کے بعد اس وجہ سے لایا ہے کہ مصنفؒ اسم کی تقسیم کرنا چاہتا ہے چنانچہ آگے کہتا ہے وینقسم اور جب کسی شے کی تقسیم کی جاتی ہے تو اس سے پہلے اسکی تعریف کردینا ضروری ہے ورنہ تقسیم مجہول لازم آتی ہے جو ناجائز ہے تو اگر مصنفؒ قدمر نہ کہتا تو کوئی یہ سوال کرتا کہ تقسیم شے تعریف شے کے بعد ہوا کرتی ہے مصنف نے اس دستور اور اسلوب کے خلاف کیوں قدم اٹھایا تو مصنفؒ قدمر تعریفہ سے اسکا جواب دیتا ہے کہ تقسیم اسم کی تعریف کے بعد ہی ہے کیونکہ تعریف پہلے گذر چکی ہے لہذا یہ تقسیم محل اعتراض اور مظنہ اشکال نہیں ہے **قوله الی المعرب** یعنی اسم کی دو قسمیں ہیں معرب، مبنی اور تقسیم ان دونوں میں منحصر ہے اس واسطے کہ اسم دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ اپنے غیر کیساتھ مرکب ہے یا نہیں اگر مرکب نہیں ہے تو مبنی۔ ہے اور اگر مرکب ہے تو پھر دو صورتیں ہیں وہ ترکیب عامل کے ساتھ ہوگی یا نہ ہوگی اگر نہیں ہے تو وہ بھی مبنی اور اگر ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں مبنی اصل کیساتھ مشابہ ہے یا نہیں اگر نہیں تو معرب ہے ورنہ مبنی۔ غرض مبنی کی تین صورتیں ہیں اور معرب کی فقط ایک ہی صورت ہے یعنی اسم اپنے عامل کے ساتھ مرکب ہو اور مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو معرب اسم ظرف کا صیغہ ہے اعراب بمعنی اظہار ہے پس معرب کو معرب اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اظہار معانی کا محل ہے یا صیغہ اسم مفعول ہے اعراب بمعنی ازالہ فساد ہے پس اس وقت اس کی وجہ تسمیہ یہ ہوگی کہ متواردہ (پے در پے آنے والے) کے اظہار سے ازالہ فساد ہو جاتا ہے اور بعض معنی کا بعض کے ساتھ التباس نہیں ہوتا مبنی بناء بمعنی قرار اور عدم تغیر سے ماخوذ ہے مبنی کو مبنی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں اختلاف عوامل کی وجہ سے کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا ایک ہی حال پر رہتا ہے **قوله احکامه الخ** ای احکام الاسم یعنی اسم کے احکام معرب اور مبنی ہونیکے اعتبار سے اور بعض نسخوں میں احکامہما ہے یعنی معرب اور مبنی کے احکام یعنی اوّل نسخہ پر ضمیر اسم کی طرف راجع ہے اور ثانی پر معرب اور مبنی کی طرف احکام حکم کی جمع ہے بمعنی محکوم بہ اور نسبت حکمیہ اور اعتقاد بہ نسبت تامہ خبریہ آتا ہے لیکن یہاں پر ان معانی مذکورہ سے کوئی معنی مراد نہیں ہے بلکہ یہاں حکم سے مراد شے کا وہ اثر ہے جو اس پر مرتب ہوتا ہے **قوله بابین الخ** دو باب میں پہلا اسم معرب کے بیان میں ہے اور دوسرا اسم مبنی کے ذکر میں اور خاتمہ اسم کے ان احکام میں ہے جو معرب اور مبنی میں مشترک ہیں خاتمہ کے معنی لغت میں ختم کرنیوالی شے کے ہے اور اصطلاح میں اس بحث کو کہتے ہیں جس میں وہ احکام بیان کئے جائیں جو زائد علی المقصود ہوں اور احکام مقصودہ کے موقوف علیہ ہوں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم **قوله ان شاء اللّٰه الخ** اکثر نسخوں میں یہ جملہ نہیں ہے اور جن میں ہے تو یہ جملہ فلنذکرہ کی قید ہے۔ مصنفؒ نے فلنذکرہ کو انشاء اللہ کے ساتھ اس سبب سے مقید کیا کہ ذکر شے اور ترک شے انسان کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہو۔ نیز اس میں خیر البشر سرور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اتباع ہے اور نیز حکم خداوندی اور امر ایزدی پر بھی عمل ہے کما لا یخفی۔

البابُ الاوّل فی الاسم المعرب وفیہ مُقدّمۃٌ وثلٰثۃُ مقاصِدَ وخاتِمۃٌ امّا المقدّمۃ فیھا فصُولٌ فصلٌ فی تعریف الاسم المعرب وھُو کلُّ اسمٍ رُکّبَ مع غیرہٖ ولا یشبہُ

قولہ فی الاسم المعرب۔ اگر کوئی کہے کہ مصنفؒ نے ذکر معرب کو ذکر مبنی پر کیونکر مقدم کیا تو اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں معرب کے افراد بہ نسبت مبنی کے زیادہ ہیں اور معرب کے مسائل بھی مبنی کے مسائل سے کہیں بڑھ کر ہیں اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصنفؒ نے بیان معرب کو بیان مبنی پر مقدم کیا دوسرا جواب معرب میں اسم منصرف بھی مبحوث عنہ ہے اور اصل اسماء میں انصراف ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ معرب اعراب لفظی اور اعراب تقدیری دونوں کا محل ہوتا ہے اور مبنی فقط اعراب محلی ہی کا محل ہوتا ہے اور اعراب محلی سے اعراب لفظی و تقدیری اصل ہے اور جو محل الاصل ہو وہ بھی اصل ہے اور اصل طبعاً غیر اصل پر مقدم ہے مصنفؒ نے اس کی طبیعت کا اعتبار کر کے وضعاً بھی مقدم کر دیا چوتھا سبب تقدیم کا یہ ہے کہ وضع الفاظ سے غرض اظہار مافی الضمیر ہے۔ اور یہ غرض بغیر اعراب کے پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اعراب سے لفظ کا فاعل اور مفعول ہونا معلوم ہوتا ہے اور اعراب اسم معرب کے ساتھ ہی مختص ہے لہذا یہ غرض اسم معرب سے جس طرح پوری ہوتی ہے اسم مبنی سے نہیں ہوتی اور یہ ہی معرب کی تقدیم کا داعی اور مبنی کی تاخیر کا باعث ہے **قولہ کل اسم الخ۔** یعنی اسم معرب ہر وہ اسم ہے اگر کوئی کہے کہ مصنف نے تعریف میں لفظ کل کیوں ذکر کیا باوجودیکہ مناطقہ کی اصطلاح میں تعریف کے اندر اس لفظ کو برا سمجھا جاتا ہے کیونکہ کل احاطہ افراد کے واسطے آتا ہے اور تعریف شئے کی ماہیت اور حقیقت کی ہوتی ہے جواب یہ ہے کہ مصنف نے مناطقہ کی اس اصطلاح کی متوجہ اور ملتفت نہ ہوتے ہوئے لفظ کل داخل کیا اس وجہ سے کہ مقصود اور مطلوب پر واقفیت اور آگاہی ہو جاوے کیونکہ مقصود تعریف سے افراد کا جاننا ہوتا ہے جاننا چاہیے کہ کل اسم اسم معرب کی جنس قریب ہے کیونکہ اسم معرب کے ساتھ جو اس جنس میں شریک ہیں سب کو اور بعض کو ملا کے سوال کرنے پر جواب اسم آتا ہے اور باقی تعریف کے الفاظ فصل ہیں چونکہ وہ اسم معرب کو اسم مبنی سے جو کہ اسم معرب کے ساتھ جنس قریب میں شریک ہے اسم معرب کی ذات میں داخل ہو کر تمیز دیتے ہیں **قولہ رکب الخ** یعنی اپنے غیر کے ساتھ ملایا گیا ہو رکب فعل ماضی مجہول ہے مشتق ہے ترکیب (ملانا) سے اس قید سے اسم معرب کی تعریف سے وہ اسماء نکل گئے جو بالفعل مرکب مع الغیر نہیں ہیں جیسے اسماء اصوات اور اسماء اعداد اور اسماء معدودہ بعض نے کہا ہے کہ ترکیب سے مراد ترکیب اسنادی ہے کیونکہ وہ اعراب کے واسطے علت ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اگر ترکیب سے مراد ترکیب اسنادی ہو تو یہ تعریف فقط مسند الیہ اور مسند پر صادق آویگی کیونکہ یہی دونوں ترکیب اسنادی کیساتھ مرکب ہیں اور مضاف الیہ اور اسماء موصولات اور مفاعیل خمسہ وغیرہ تعریف اسم معرب سے خارج رہیں گے حالانکہ یہ بھی معرب ہیں لہذا یہاں ترکیب کے معنی لغوی ہی ہو سکتے ہیں مع غیرہ سے مراد تحقیق عامل ہے غیر سے مراد مطلق غیر نہیں ورنہ غلام زید میں غلام مضاف پر تعریف صادق ہوگی کیونکہ یہ بھی ایک اسم ہے جو غیر یعنی مضاف الیہ سے ملایا گیا ہے حالانکہ مصنف کے نزدیک مبنی ہے اور زید اس ترکیب میں معرب ہے بعض نے غیر سے مراد عامل لیا ہے اور معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ اسم معرب ہر وہ اسم ہے جو عامل کے ساتھ ملایا گیا ہو لیکن یہ درست نہیں کیونکہ مبتدا اور خبر تعریف سے نکل جاتے ہیں کیونکہ ان میں ہر ایک کے اندر عامل معنوی ہے اور لفظ و معنی کے درمیان ترکیب متصور نہیں ہو سکتی کیونکہ ترکیب ایسی دو چیزوں میں ہو سکتی ہے جو دونوں موجود ہوں اس وجہ سے ہم تحقیق عامل یعنی ثبوت عامل مراد لیتے ہیں لہذا اعتراضات سابقہ سے تعریف مصون اور محفوظ رہے گی **قولہ لایشبہ الخ** اس قید سے اسم معرب کی تعریف سے وہ اسماء خارج ہو گئے جو تحقیق عامل کیساتھ مرکب ہوں اور مبنی اصل کیساتھ مشابہت بھی رکھتے ہوں جیسے لفظ ہؤلاء جو قام ہؤلاء میں واقع ہے کہ یہ تحقیق عامل یعنی قام کیساتھ مرکب ہے مگر چونکہ مبنی اصل یعنی حروف کے مشابہ ہے لہذا مبنی ہے معرب نہیں حاصل تعریف یہ ہے کہ معرب وہ اسم ہے جو تحقیق عامل کیساتھ ملایا گیا ہو اور مبنی اصل کے مشابہ نہ ہو بعض لوگوں کی اس تعریف پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ تعریف ایسے بہت سے افراد پر صادق آتی ہے جو معرب نہیں چنانچہ یہ تعریف اس اسم پر صادق آتی ہے جو مبنی اصل کو متضمن ہو جیسے لفظ این این ضربت میں یا مبنی اصل کے حکم میں ہو جیسے نزال یا مبنی اصل کی طرف مضاف ہو جیسے لفظ یوم این کنت یومئذ میں کیونکہ ان میں سے ہر ایک تحقیق عامل کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور مبنی اصل کیساتھ مشابہ بھی نہیں کیونکہ مشابہت اشتراک فی الکیف کا نام ہے اور یہ مبنی اصل کے ساتھ کیف میں شریک نہیں اس وجہ سے یہ اسماء مذکورۃ الصدر اسمائے معرب ہیں حالانکہ کوئی شخص ان کو اسم معرب نہیں مانتا بلکہ سب لوگ مبنی کہتے ہیں جواب یہاں لایشبہ سے مراد لایناسب ہے اور مناسبت مشابہت سے عام ہے چونکہ مشابہت مناسبت کی قسم اور فرد ہے اور جب یہاں پر مشابہت سے مراد مناسبت ہوگی اور یہ مناسبت تضمن اور وقوع موقع مبنی الاصل اور اضافت سب کو شامل ہے اور مستقل مانیں کیونکہ اسمائے مذکورہ کو مبنی اصل کے ساتھ مناسبت ہے اور معرب کی تعریف میں عدم مناسبت شرط ہے لیکن اس وقت دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ لایشبہ کے معنے لایناسب کے کہاں سے کر دئے اس پر کوئی قرینہ بھی نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لایشبہ کے معنی لایناسب جو کئے گئے ہیں اس پر قرینہ مصنف کی وہ عبارت ہے جو مبنی کی تعریف (الاسم المبنی ما ناسب المبنی الاصل) میں واقع ہے کیونکہ اسم معرب اسم مبنی کا قسیم ہے جب مبنی کے اندر مناسبت کا اعتبار اور لحاظ ہے تو اسم معرب میں اس کی نقیض یعنی عدم مناسبت کا اعتبار رہے گا دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب اسم معرب کی تعریف میں عدم مناسبت کی رعایت ہے اور مناسبت مشابہت سے عام ہے کہ مناسبت مشارکت فی شئی کا نام ہے اور مشابہت مشارکت فی الکیف کا نام ہے اور کسی عام کی نفی اس کے سب افراد سے نفی ہوتی ہے اگرچہ عام کی تحقیق کیلئے ایک فرد کافی کافی ہوتا ہے اس وجہ سے جب اسم معرب کی تعریف میں مناسبت کی نفی کی تو لازم آیا کہ ہر اسم معرب جب ہوگا کہ مبنی اصل کے ساتھ کسی چیز میں شریک نہ ہو اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی اسم معرب ہی نہ ہو کیونکہ کوئی اسم ایسا نہیں کہ جو مبنی اصل کے مناسب نہ ہو کیونکہ ہر اسم مبنی اصل کے ساتھ کلمہ اور لفظ ہونے میں شریک ہے اور جب کوئی اسم معرب نہ ہوا تو لازم آیا کہ جتنے اسماء ہیں سب مبنی کے اندر منحصر ہو جاویں۔ جواب یہاں پر مطلق مناسبت کی نفی مقصود نہیں کہ اعتراض مذکور وارد ہو بلکہ اس مناسبت کی نفی مراد ہے جو منع اعراب میں

(باقی برصفحہ ۳۲)

مبنیّ الاصلِ اعنی الحرفَ والامرَ الحاضرَ والماضِیَ نحو زیدٌ فی قامَ زیدٌ لا زیدٌ وحدَہ لعدمِ الترکیب

موثر ہوتی ہے اس کے اقسام یہ ہیں کہ مبنی الاصل کے معنی کو متضمن ہو جیسے این کہ ہمزہ استفہام کے معنی کو متضمن ہے دوسرے یہ کہ اپنے معنی کے تام ہونے میں غیر کا محتاج ہو جیسے اسمائے موصولہ اسمائے اشارات کہ اپنے تام ہونے میں صلات اور مشارات الیہا کے محتاج ہیں مبنی اصل کے موقع میں واقع ہو جیسے نَزَالِ بمعنی اِنْزِلْ امر کے مشابہ ہو جو مبنی اصل کے موقع میں واقع ہو اس اسم کی جگہ میں ہو جس کا مبنی اصل کے ساتھ مشابہت ہے جیسے منادی مفرد معرفہ مبنی اصل کی طرف مضاف ہو۔ جیسے یومئذ میں یوم اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ تمام اسماء مبنی نہ ہونگے۔ کیونکہ ہر اسم مبنی اصل کے ساتھ وہ مناسبت نہیں رکھتا جو منع اعراب میں موثر ہو نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تعریف غیر منصرف کو بھی شامل حال ہے کیونکہ وہ اگرچہ فعل ماضی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے لیکن ایسی مناسبت نہیں جو منع اعراب میں موثر ہو کیونکہ مناسبت موثرہ وہ ہوگی جس کو دوسری شے معارض نہ ہو غیر منصرف کی مناسبت ماضی کے ساتھ مانع وجود سببین میں معارض کے ساتھ ہے کیونکہ غیر منصرف جیسے دو سبب کی وجہ سے ماضی کے مناسب ہے ایسے ہی مضارع کے بھی مناسب ہے مبنی کے ساتھ مشابہت بنائے غیر منصرف تخلف کی مقتضی ہے اور مضارع کے ساتھ مناسبت انصراف کو چاہتی ہے اور ترکیب کے بعد اصل اسماء میں اعراب ہے اس وجہ سے اسمائے غیر منصرف میں اعراب کی رعایت کی گئی ہے نہ بناء کی اس بنا پر تمام اسمائے غیر منصرفہ معرب ہیں ایسے ہی اسم فاعل اور اسم مفعول جبکہ ماضی کے معنی میں ہو تو ان پر معرب کی تعریف صادق آئے گی کیونکہ اگرچہ وہ ماضی کے مناسب ہوں گے لیکن ان کی یہ مناسبت مع الماضی معارضہ کے ساتھ ہے لہذا مناسبت غیر موثرہ پائی گئی ہے لہذا یہ بھی معرب رہیں گی اسی طرح نحو اور مثل بھی معرب ہیں کیونکہ یہ کاف جو تشبیہ کیلئے ہے اس سے مناسبت موثرہ نہیں رکھتے کیونکہ اس مناسبت کا معارض انکا مفرد کی طرف مضاف ہونا ہے کیونکہ ان کی اضافت مفرد کی طرف لازم ہے اور اضافت خواص اسم سے ہے خاصہ شے جہت شے کو قوی کرتا ہے اس وجہ سے یہ دونوں اپنے اصل اعراب اور انصراف کی طرف لوٹ آئے۔ ایسے ہی نون تثنیہ نون جمع کو حرف کے ساتھ مناسبت ہے چونکہ حرف عطف کے معنی کو متضمن ہے چونکہ جاءنی زیدان جاءنی زید و زید اور جاءنی زیدون جاءنی زید و زید و زید کے معنی میں ہے مگر یہ مناسبت موثر نہیں ہے کیونکہ تضمن مذکور اعتباری ہے واقعی نہیں اگر واقعی ہوتا ہے تو ان کے ساتھ معطوف و معطوف علیہ کا معاملہ کیا جاتا ہے لہذا یہ معرب نہیں ہے **قولہ مبنی الاصل الخ** یہاں دو باتوں میں اختلاف ہے ایک اضافت میں جو کہ مبنی کی اصل کی طرف ہے بعض کہتے ہیں کہ بیانیہ ہے یعنی المبنی الذی ہو الاصل یعنی اسم بعد ترکیب اس مبنی کے مشابہ نہ ہو کہ یہ اصل ہے بعض کہتے ہیں کہ اسم مفعول کی اضافت نائب فاعل کی طرف ہے یعنی مبنی اصلہ مطلب یہ ہوا کہ معرب وہ اسم ہے جو اس چیز کے مشابہ نہ ہو۔ جس کی اصل برقرار رکھی گئی ہے اس پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ مبنی اصل میں تین چیزیں بتلائی گئی ہیں فعل ماضی، امر حاضر معروف، جملہ حروف جیسا کہ مصنف نے اعنی سے تفسیر کی ہے تو اگر یہ اضافت اسم مفعول مضاف کی نائب فاعل کی طرف ہے تو لازم آتا ہے کہ تینوں مبنیات (امر حاضر معروف، فعل ماضی، جملہ حروف) سے ایک بھی اصلی مبنی نہ ہو بلکہ ان کی اصل مبنی ہو۔ حالانکہ حروف کے واسطے اصول نہیں ہیں اور فعل ماضی کی اصل یعنی مصدر اور امر حاضر معروف کی اصل یعنی مضارع معربات سے ہیں لہذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ (اضافت مفعول کی نائب فاعل کی طرف) قول صحیح نہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ اضافت الی الظرف ہے یعنی مبنی فی الاصل یعنی اصل میں جو مبنی ہے اس کے مشابہ ہو اس پر لازم آتا ہے کہ امور ثلثہ مذکورہ فی الحال مبنی نہ ہوں بلکہ مبنی فی الاصل ہوں حالانکہ یہ بھی غلط ہے اور اضافت بیانیہ کی صورت میں اعتراضات مذکورہ بالا واقع نہیں ہوتے چونکہ اضافت بیانیہ میں مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت نہیں ہوتی اور اضافت لامیہ تو کسی طرح ممکن نہیں کیونکہ اس میں مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت شرط ہے دوسرا اختلاف اصل کے معنی میں ہے بعض کہتے ہیں کہ اصل کے معنی یہاں وضع کے ہیں اس معنی پر مبنی کی اضافت اصل کی طرف ظرفیہ ماننا درست ہے اور اعتراض مذکور لازم نہیں آویگا۔ یعنی جو اپنی وضع میں مبنی ہے یعنی اس غرض کے واسطے وضع کیا گیا ہے کہ مبنی ہی استعمال کیا جاوے اور بعض کہتے ہیں کہ اصل کے معنی قانون اور قاعدہ کے ہیں اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ امور ثلثہ کی بنا کسی قاعدہ اور ضابطہ پر نہیں ہے کیونکہ ان کی بناء کے واسطے کوئی قانون نہیں ہے اور اگر یہ بات مان بھی لی جاوے تو لازم آویگا کہ تمام مبنیات قاعدہ اور قانون کے ماتحت مبنی ہوں ان امور ثلثہ کی بنا کی کیا تخصیص ہے بعض نے اس کا جواب دیا ہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ ان کی بناء قاعدہ پر نہیں غلط ہے بلکہ ان کی بناء ایک قاعدہ پر مبنی ہے جو یہ ہے کہ ہر وہ شے جس میں موجب اعراب نہ پایا جاوے وہ مبنی ہوتی ہے تو امور ثلثہ کی بناء اسی قاعدہ پر ہے اور یہ اگرچہ عام ہے مگر ان تینوں پر ہی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور مبنیات پر نہیں ہوتا اگرچہ موجب اعراب ان میں بھی موجود نہیں ہے لیکن وجہ تسمیہ کے لئے اطراد شرط نہیں ہے اس بناء پر اضافت لامیہ بھی ہو سکتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔ **قولہ اعنی الحرف الخ** مبنی اصل میں اختلاف ہے کہ بعض جملہ کو بھی مبنی اصل کہتے ہیں کیونکہ جملہ اس اعتبار سے کہ جملہ ہے مفرد کے موقع میں واقع نہیں اور جو مفرد کے موقع میں واقع نہ ہو وہ اعراب سے کوئی محل نہیں رکھتا۔ اور بعض جملہ کو فروع مبنی سے قرار دیتے ہیں کیونکہ مبنی الاصل وہ ہے جس کے لئے کسی قسم کا اعراب نہ ہو نہ لفظی نہ تقدیری نہ محلی اور جملہ محلاً معرب ہے۔ لہذا مبنیات الاصل سے نہیں ہو سکتا نیز جاننا چاہیے (باقی بر صـ۳۳)

ولا ھؤلاءِ فی قام ھؤلاءِ لوجود الشبہ ویسمّٰی متمکّناً فصل حکمہٗ اَن یختلف آخرہٗ

کہ مصنفؒ نے امر کو حاضر کے ساتھ اس وجہ سے مقید کیا کہ امر غائب بالاتفاق معرب ہے اور امر حاضر میں اختلاف ہے کہ مبنی ہے یا معرب اصح یہ ہے کہ امر حاضر مبنی ہے اور یہی مصنفؒ کے نزدیک مختار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب **قولہ نحو زید الخ** یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ یعنی ہو نحو زید ہو ضمیر اسم معرب کی طرف راجع ہے اور فی قام زید جار مجرور زید کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے ہو الاسم المعرب نحو زید الکائن فی قام زید یا حال ہے اس وقت تقدیر عبارت یوں ہوگی ہو الاسم المعرب نحو زید کائنا فی قام زید۔ اور لا زید وحدہ نحو زید پر معطوف ہے اور وحدہ بتاویل نکرہ حال ہے یعنی منفرداً یا متوحداً کے تاویل میں ہو کر یا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور فعل حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے **یتوحد وحدہ ای ینفرد انفرادہ** اور قول مصنف لعدم الترکیب فعل محذوف کی تعلیل ہے الخ. لا یکون زید وحدہ اسما معربا لعدم الترکیب حاصل مطلب یہ ہوا کہ وہ اسم معرب زید کی مثل ہے جو کہ جملہ قام زید میں واقع ہے اور جو مثل زید کے ترکیب یعنی جملہ میں واقع نہ ہو وہ مبنی ہے کیونکہ تحقیق عامل کیساتھ مقترن نہیں حالانکہ اسم معرب کے لئے تحقیق عامل کے ساتھ اقتران ضروری ہے کیونکہ حصول معرب مشروط ہے بشرط وجود ترکیب اور یہی وجہ ہے کہ ترکیب تعریف اسم میں ماخوذ ہے۔ لہٰذا جب شرط یعنی ترکیب معدوم ہے تو مشروط یعنی اسم معرب بھی مفقود ہوگا اذا فات الشرط فات المشروط اور یہ مصنفؒ کا مذہب ہے کیونکہ اس کے نزدیک معرب وہ ہے جس کے واسطے قابلیت اعراب بالفعل حاصل ہو اور قابلیت اعراب بلا ترکیب کے نہیں پائی جاتی اسی وجہ سے مصنفؒ نے تعریف میں ترکیب کو ملحوظ رکھا ہے لیکن یہ صاحب کشاف کے نزدیک تنہا زید بغیر ترکیب کے بھی معرب ہے کیونکہ اس کے نزدیک معربیت اسم کے لیے صلاحیت اعراب بعد ترکیب کافی ہے لہٰذا اسکے نزدیک زید قبل ترکیب اور بعد ترکیب دونوں حالتوں میں معرب ہے چنانچہ صاحب کشاف نے اسم معرب کی تعریف میں ترکیب کو ماخوذ نہیں رکھا اور تعریف یہ کی ہے کہ معرب وہ اسم ہے جو مبنی اصل کے مشابہ نہ ہوا **قولہ ولا ہؤلاء الخ** اسکا عطف لا زید پر ہے اور فی قام ہؤلاء میں وہی دو مذکورہ احتمال ہیں مطلب یہ ہے کہ ہؤلاء جو کہ قام ہؤلاء میں واقع ہے معرب نہیں مبنی ہے باوجودیکہ تحقیق عامل کیساتھ مقترن ہے۔ کیونکہ یہ مبنی اصل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور عدم مشابہت حصول معرب کے واسطے شرط ہے اسی وجہ سے عدم مشابہت تعریف اسم معرب میں ماخوذ ہے اور انتفاء شرط مستلزم ہے انتفاء مشروط کو اس سے معلوم ہوا کہ معرب کے واسطے دو چیزوں کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ ایک جن میں سے وجودی ہے یعنی وقوع فی الترکیب اور ایک عدمی ہے یعنی مبنی اصل کے مشابہ نہ ہونا۔ رہا یہ امر کہ ہؤلاء مبنی اصل کے مشابہ کسطرح ہے تو جاننا چاہیے کہ ہؤلاء حرف کے مشابہ ہے جیسا کہ حرف دلالت کے اندر دوسری شیٔ کے انضمام کا محتاج اور مستند ہے اسی طرح ہؤلاء بھی مشار الیہ کا آرزو مند اور مفتقر ہے اس مقام پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ بنائے مذکور پر لازم آتا ہے کہ تمام اسمائے اشارات تعریف اسم سے خارج ہو کر حد حرف میں داخل ہو جاویں کیونکہ اسمائے اشارات بھی اپنے مدلول اور معنی پر دلالت کرنے میں حروف کی مانند غیر مستقل ہیں جواب اسم حروف کی تعریف میں استقلال اور عدم استقلال سے مراد وضعی ہے اور اسمائے اشارات وضعی طور پر مستقل ہیں اور احتیاج مشار الیہ باعتبار استعمال کے ہے جو مشار الیہ کے تعین کیواسطے ہے **قولہ ویسمّٰی متمکّناً الخ** یعنی اسم معرب کو اسم متمکن بھی کہتے ہیں متمکن تمکن (باب تفعل) کا اسم فاعل ہے اسکے لغوی معنی ہیں جائے دہندہ چونکہ اسم معرب اعراب کو جگہ دیتا ہے سید شریفؒ حاشیہ متوسط میں فرماتے ہیں کہ اسم متمکن معرب ہے اور امکن اسم معرب منصرف کو کہتے ہیں یعنی لفظ متمکن عام ہے اور امکن خاص اور اسمائے غیر متمکنہ مبنیات سے ہیں مصنفؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمیت میں کل اسمائے معربہ متمکن ہیں یہ تسمیہ اسم معرب کے بعض اقسام کے اعتبار سے ہے چونکہ حرکات ثلثہ بعض معربات پر آجاتی ہیں، اور بعض پر نہیں آتیں فافہم **قولہ حکمہ الخ** جاننا چاہیے کہ حکم یہاں پر اثر مرتب علے الشیٔ کے معنی میں ہے سوال حکم کی اضافت معرب کیطرف کرنا کس طرح درست ہے کیونکہ اسم معرب کے آخر میں جو اختلاف حرکات ہوتا ہے وہ معرب کا اثر نہیں ہے بلکہ عامل کا اثر ہے، جو اسم معرب پر آتا ہے۔ جواب یہ اضافت بمعنی فی ہے جیسے صلوٰۃ اللیل یعنی الحکم فی المعرب اور اس میں شک نہیں کہ اختلاف معرب کے اندر ایک حکم ہے یا بمعنی لام ہے ای الحکم للمعرب بنا بر صورت اوّل مطلب یہ ہوگا کہ عامل کا اثر معرب کے اندر ہے اور بنا بر صورت ثانیہ عامل کا اثر اسم معرب کے واسطے لیکن دونوں صورتوں میں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جسکی تقریر یہ ہے کہ حکم کے معنی اثر مرتب کے ہیں اور یہاں یہ معنی نہیں ہو سکتے کیونکہ یہاں پر اثر معرب پر مرتب ہو رہا ہے جواب اضافت ادنیٰ ملابست ہے چونکہ عامل اور معمول میں کافی تعلق ہے اس وجہ سے گویا کہ عامل کا حکم معمول کا ہی ہے، **قولہ آخرہ الخ** یعنی معرب کا حکم اور اثر بحیثیت معرب ہونیکے یہ ہے کہ معرب کا آخر حرف بدل جاوے خواہ ذاتاً خواہ صفاتاً۔ اختلاف ذاتی سے مراد یہ ہے کہ حرف دوسرے حرف سے بدل جاوے خواہ حقیقۃً بدلے خواہ حکماً حقیقۃً کا مطلب یہ ہے کہ واقعۃً ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاوے جیسے جاءنی ابوک رایت اباک مررت بابیک کہ اس میں اب کا واؤ ایک مرتبہ الف ہو گیا اور دوسری بار یٰ سے بدلا گیا اور حکماً کا مطلب یہ ہے کہ ایک حرف دوسرے حرف سے اصل میں اور واقع میں نہ بدلے بلکہ اس کو بدلنے جانے کا حکم دیدیا ہو جیسے جاءنی مسلمون رایت مسلمین مررت بمسلمین کہ اس میں حالت نصبی اور جری دونوں میں یٰ ما قبل مفتوح ہے لیکن یائے حالت جری غیر یائے حالت نصبی ہے۔ اور یہ غیریت فرضاً اور اعتباراً ہے نہ واقعۃً اور اختلاف صفتی سے یہ مراد ہے کہ ایک حرکت دوسری حرکت سے بدلجائے حقیقۃً یا حکماً حقیقتاً کا مطلب یہ ہے کہ واقع میں ایک حرکت سے دوسری حرکت بدلی ہو جیسے جاءنی زیدٌ رایت زیداً مررت بزیدٍ میں زید کی حرکت واقعۃً بدلی گئی ہے حکماً کا مقصد یہ ہے کہ فرضی طور پر حرکت بدل دی جاوے جیسا کہ جاءنی مسلماتٌ رایت مسلماتٍ مررت بمسلماتٍ حالت نصبی اور جری میں فی الواقع ایک ہی حرکت ہے لیکن بطور فرض و اعتبار کے یہ مان لیا گیا ہے کہ دونوں حالتوں کی حرکتیں آپس میں مختلف اور متغیر ہیں ہم نے حیثیت کی قید اسوجہ سے لگائی کہ معرب کا یہ حکم معربیت کے اعتبار سے ہی ہے نہ فاعلیت اور مفعولیت وغیرہ کے اعتبار سے اگر اس قید کا اضافہ نہ کیا جاوے تو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ معرب کے اور احکام بھی ہیں مصنفؒ نے فقط حکم ہی کیوں بیان فرمایا واللہ اعلم بالصواب۔

* * * * * * * * *

باختلافِ العوامِلِ اختلافاً لفظِیّاً نحو جاءنی زیدٌ ورأیتُ زیداً ومررت بزیدٍ او تقدیریّاً نحو جاءنی موسیٰ ورأیتُ موسیٰ ومررت بموسیٰ الاعرابُ ما بہ

قولہ باختلاف العوامل الخ بائے سببیہ جو کہ اختلاف پر داخل ہے مختلف کے متعلق ہے ای بسبب اختلاف العوامل یعنی معرب کے آخر میں اختلاف عوامل کے اختلاف کیوجہ سے پیدا ہوتا ہے اس قید سے وہ اسم کے آخر کا اختلاف خارج ہوگیا جو عوامل کے اختلاف کی بنا پر نہ ہو بلکہ اور کسی دوسری وجہ سے پیدا ہوا ہو جیسے مثلاً مَن استفہامیہ میں اس مثال کے اندر اختلاف ہے مَن ابُك ومَنِ الرجل و مثال اول میں نون ساکن ہے اور مثال ثانی میں نون متحرک ہے بحرکت کسرہ لیکن یہ اختلاف عوامل کے اختلاف کیوجہ سے نہیں ہوا ہے اس لیے کوئی اشکال نہیں ہے اختلاف معرب کا مطلب یہ ہے کہ عوامل کے اختلاف کے حصول پر معرب کے آخر پر اختلاف ہے اور دوسرے اختلاف سے مراد وجود اختلاف ہے مصنفؒ نے صنعت مشاکلت کی بنا پر دونوں کو ایک ہی صورت پر رکھا اس مطلب پر ایک اعتراض ساقط ہو جاتا ہے جسکی تقریر یہ ہے ضرب زید میں زید معرب ہے باوجودیکہ یہاں اختلاف نہیں ہے کیونکہ عوامل داخل نہیں ہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ اختلاف سے مراد جو معرب کے آخر پر مرتب ہوتا ہے یہ نہیں کہ بالفعل ہی مرتب ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس پر ترتب کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بعض نے جواب دیا ہے کہ یہ حکم معرب کے تمام افراد کا نہیں بلکہ بعض کا ہے اور بعض کا حکم حدوث اعراب ہے یہاں یہ حکم ثانی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں پر سکون سے حرکت کی طرف انتقال ہوا ہے کیونکہ قبل از ترکیب یہ مبنی تھا سکون پر اور اس انتقال کا نام حدوث ہے نہ اختلاف اختلاف اس انتقال کو کہا جاتا ہے کہ جو ایک حرکت سے دوسری حرکت کی طرف یا ایک حرف سے دوسرے حرف کی طرف ہوتا ہے۔ نیز اس پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ مثلاً ان زیداً قائم اور ضربت زیداً اور زید ضارب زیداً میں زید معرب ہے اور اختلاف عوامل بھی پایا جاتا ہے لیکن اسم معرب یعنی زید کے آخر میں اختلاف نہیں لہذا معلوم ہوا کہ اسم معرب کا یہ حکم نہیں جواب وہ عوامل کہ جنکی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے عمل میں مختلف ہونے چاہئیں اور امثال مذکورہ میں عوامل مختلف فی العمل نہیں ہیں۔ بلکہ سب کا عمل یکساں ہے عوامل عامل کی جمع ہے کیونکہ جب فاعل صفت ہوتا ہے تو اسکی جمع فاعلوں کے وزن پر آتی ہے جیسے ناصر کی ناصرون اور جب اسم ہوتا ہے تو اسکی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے جیسے کاہل کی کواہل اور عامل بھی اسم ہے۔ اگرچہ اصل کے اعتبار سے صفت تھا۔ لیکن غلبہ کی بنا پر اسم ہوگیا اور لام اس میں جنس کا ہے لہذا جمعیت کے معنے فوت ہوگئے ہماری اس تقریر سے وہ اعتراض بھی رفع ہوگیا۔ جو اس مقام پر وارد ہوتا ہے کہ عوامل صیغہ جمع ہے اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر آتا ہے۔ لہذا اختلاف معرب کے واسطے کم سے کم تین عاملوں کی ضرورت ہوگی آن واحد میں **قولہ اختلافاً لفظیاً الخ** اختلافاً بنا بر مفعول مطلق ہونیکے منصوب ہے اور لفظیاً اسکی صفت ہے مصنفؒ آخر معرب کے اختلاف کی تقسیم کرتا ہے کہ معرب کے آخر کا اختلاف عام ہے کہ لفظی ہو یا تقدیری اختلاف لفظی سے مراد یہ ہے کہ اختلاف کا زبان سے تلفظ کیا جاتا ہو جیسے جاءنی زید رأیت زیدا مررت بزید میں اعراب حرکتی کے اختلاف کا تلفظ کیا جاتا ہے اور جیسے جاءنی ابوک رأیت اباک مررت بابیک کہ اس میں اختلاف حرفی کا تلفظ کیا جاتا ہے اور اختلاف تقدیری سے مراد یہ ہے کہ اختلاف کا تلفظ نہ کیا جاوے جیسے اختلاف حرکتی میں جاءنی موسیٰ رأیت موسیٰ مررت بموسیٰ اور اختلاف حرفی میں جیسے جاءنی مسلمی رأیت مسلمی مررت بمسلمی میں اختلاف کا تلفظ نہیں کیا جاتا۔ حاصل یہ کہ اختلاف کی کل آٹھ صورتیں نکلیں جنکا استخراج مبتدی خود ماقبل کے بیان سے کرسکتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ جاننا چاہیے کہ مصنف نے معرب کی تعریف میں جمہور کی تعریف سے عدول کیا ہے یعنی معرب کی وہ تعریف نہیں کی جو جمہور نے کی ہے بلکہ ابن حاجبؒ کی اقتدا کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہور کی تعریف پر دور لازم آتا ہے کیونکہ اخیر کے اختلاف کی معرفت معرب کی معرفت پر موقوف ہے لہذا اگر معرب کی تعریف اختلاف سے کی جاوے تو لا محالہ دور لازم آئیگا جو باطل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عدول کی وجہ یہ ہے کہ معرب کی تعریف سے مقصود یہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے معرب کے حکم کیطرف وسیلہ پکڑا جائے اور تعریف جمہور وسیلہ نہیں ہوسکتی ورنہ تقدیم الشی علی نفسہ لازم آتی ہے جو ناجائز ہے کیونکہ مثلاً زید جو کہ قام زید میں واقع ہے تعریف جمہور کی بنا پر معرب ہے یعنی اسکا اخیر مختلف ہوتا ہے اور ہر وہ معرب یعنی ہر وہ اسم جسکا آخر اختلاف عوامل کی وجہ سے مختلف ہو) اسکا اخیر مختلف ہوتا ہے باختلاف عوامل تو نتیجہ نکلا کہ زید کا آخر اختلاف عوامل سے مختلف ہوتا ہے۔ اس قیاس میں نتیجہ عین صغریٰ ہے لہذا اس نتیجہ کا علم پہلے ہوگا اور یہ تقدیم الشی علی نفسہ ہے جو باطل اور ناجائز ہے اسی وجہ سے مصنفؒ کو تعریف جمہور سے عدول کرنا پڑا۔ **قولہ الاعراب الخ** اعراب کی تعریف مصنفؒ اسوجہ سے کرتا ہے کہ اعراب عوامل کی تعریف میں ماخوذ ہے لہذا جب تک اعراب کا علم نہ ہوگا عوامل کا علم بھی نہیں ہوسکتا اور عامل کی تعریف اسوجہ سے ضروری ہے کہ وہ حکم معرب میں ماخوذ ہے۔ لہذا حکم معرب کی معرفت عامل کی معرفت پر موقوف ہے پس ضروری ہوا کہ عامل کی تعریف کرے اور تعریف عامل تعریف اعراب کو مقتضی ہے لہذا مصنف فرماتے ہیں کہ الاعراب جاننا چاہیے کہ نحات تعریف اعراب میں مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ اعراب اس چیز سے عبارت ہے جس کے سبب سے اختلاف حاصل ہوتا ہے یعنی حرکات اور حروف کا نام اعراب ہے ابن حاجب نے یہ ہی اختیار کیا ہے اور اس پر استدلال کیا ہے کہ نحات اس بات پر متفق ہیں کہ رفع نصب جر کا نام اعراب ہے اور رفع ونصب وجر کی وجہ سے اختلاف حاصل ہوتا ہے یہ خود اختلاف نہیں ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ کہ اختلاف ہی اعراب ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اعراب بنا کی ضد ہے اور بنا حرکات پر واقع نہیں ہوتی۔ لہذا اعراب بھی حرکات نہیں ہوسکتا مصنفؒ کے نزدیک علامہ ابن حاجبؒ کا مذہب مختار ہے لہذا جو تعریف انہوں نے کی ہے وہی مصنفؒ کرتا ہے **قولہ ما بہ۔** ای شئ اور بہ کا مرجع ما ہے اور با سببیت کے لیے ہے ما بہ میں جو ما ہے اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس مائے موصولہ سے مراد علی الخصوص حروف و حرکات ہیں دوسرے یہ کہ شئ عام مراد ہو۔ اگر حرکات اور حروف مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ ان حرکات و حروف کو اعراب کہتے ہیں کہ جن کے سبب سے معرب کا اخیر مختلف ہوتا ہے اس وقت اس تعریف پر عامل اور اسناد اور معنے

(باقی بر صفحہ ۳۵)

يختلفُ اٰخِرُ المُعرَب كالضّمة والفتحة والكسرة والواو والالفِ والياء

مقتضی للاعراب سے تو اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ تینوں نہ حروف ہیں نہ حرکات اور اعراب کے لئے شرط ہے کہ از قبیل حروف و حرکات ہو مگر ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس صورت میں ما دو حال سے خالی نہیں یا تو حروف و حرکات مطلقاً مراد ہوں گے یا ایک ایک اول نا جائز ہے۔ کیونکہ لازم آئیگا کہ لفظ عام سے افراد مختلف الماہیۃ مراد ہوں جو جائز نہیں ہے اور ثانی بھی نادرست ہے کیونکہ بر تقدیر ارادۂ حرکت حروف خارج ہوتے ہیں اور بتقدیر ارادہ حرف حرکت نکلتی ہے جواب دیا جاتا ہے کہ ما سے مراد وہ شئی ہے جو اعراب کی صلاحیت رکھتی ہو لہذا اعتراض مذکور ساقط ہو جاتا ہے بعض نے جب کہ ما سے مراد حرف و حرکت مطلقاً لیتے ہیں یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ بعض عوامل حروف ہیں جیسے حروف مشبہ بالفعل ان پر بھی تعریف صادق آتی ہے جواب دیا گیا ہے کہ حروف سے مراد تعریف اعراب میں حروف مبانی ہیں نہ حروف معانی اور یہ حروف معانی ہیں لہذا ان پر تعریف صادق نہ آئے گی دوسری صورت یہ ہے کہ ما کے موصولہ کو عام لیا جائے تو اس وقت مطلب یہ ہوگا۔ کہ اعراب وہ شئی ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔ اس پر عامل اور اسناد اور معنی مقتضی للاعراب سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ یہ بھی ایسی چیزیں ہیں کہ جنکی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا ہے لہذا یہ بھی اعراب ہونے چاہئیں حالانکہ کوئی بھی ان کو اعراب نہیں کہتا اسکا جواب یہ ہے کہ با سببیت کیلئے ہے۔ مصنف نے یہاں پر سبب مطلق بولا ہے جس مطلق قاعدہ کی رو سے فرد کامل ہوگا اور سبب کامل سبب قریب ہے اسوجہ سے اس سے مراد سبب قریب ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ جو شئی آخر معرب کے اختلاف کا سبب قریب ہے وہ اعراب ہے اور عامل و اسناد و معنی مقتضی اگرچہ اختلاف کا سبب ہیں۔ لیکن سبب قریب نہیں اسوجہ سے اعراب کی تعریف ان پر صادق نہ ہوگی اس مقام پر ایک اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ تم نے اعراب کی تعریف کی ہے۔ کہ وہ حرکت یا حرف ہے جسکی وجہ سے معرب کا آخر مختلف ہوتا ہے۔ تعریف اعراب میں اختلاف ماخوذ ہے اور اختلاف آخر معرب بلا دو حرف یا دو حرکت کے نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک دوسرا حرف یا حرکت نہ آئیگا اختلاف نہ ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ اختلاف دوسری حرکت یا دوسرے حرف سے پیدا ہوتا ہے اور جس سے اختلاف ہو وہی اعراب ہے تو لہذا وہ دوسرا حرف و حرکت اعراب ہوگا نہ پہلا حالانکہ وہ بھی بالاتفاق اعراب ہے مثلاً جاء زید میں زید کے آخر ضمہ ہے اور رأیت زیدا میں جب اس پر عامل کا دخول ہوا تو ضمہ فتحہ سے بدلا اور اختلاف ہو گیا۔ لہذا اس صورت میں فتحہ اعراب ہوا نہ ضمہ اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ جواب اول اس سبب سے مراد جو کہ تعریف میں مذکور ہے تام نہیں ہے بلکہ تاثیر مراد ہے۔ خواہ تام ہو یا غیر تام حرکت اولی اختلاف کے اندر اگرچہ موثر تام نہیں ہے۔ مگر موثر غیر تام ضرور ہے یعنی اسکا بھی اختلاف میں اثر ہے کیونکہ حرکت اولے کے فقدان کے وقت میں حرکت ثانی موجب اختلاف نہ ہوگی اس سے ثابت ہوا کہ دونوں حرکتوں کا مجموعہ موثر تام اور تنہا تنہا ہر حرکت موثر غیر تام ہے اسی طرح پہلا حرف بھی موثر غیر تام ہے اور دوسرا بھی لیکن دونوں مل کر موثر تام ہیں لہذا پہلی حرکت اور پہلے حرف پر بھی تعریف صادق آگئی۔ جیسا کہ دوسرے حرف و حرکت پر صادق ہے یعنی تعریف جامع جمیع افراد اور مانع دخول غیر ہے۔ جواب ثانی جس طرح حرکت ثانیہ اور حرف اختلاف کی علت تامہ ہیں اسی طرح حرکت اولی اور حرف اول بھی علت تامہ اختلاف ہیں کیونکہ پہلا حرف اور حرکت سکون کے بعد ہے لہذا اس حرکت اور حرف سے بھی اختلاف ہو گیا اور تعریف اعراب اس پر صادق ہے لہذا یہ اعراب ہے صدق تعریف اس طور پر ہے کہ وہ اسم کے جس پر حرف اولی یا حرکت اولی ہے اس پر تعریف اور حکم معرب کا صادق ہے یعنی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اسم مثلاً جاء زید میں زید معرب ہے یعنی مرکب غیر مناسب مبنی الاصل اور اسکا آخر اختلاف عوامل کیوجہ سے مختلف ہے کیونکہ سکون سے حرکت کی طرف بدل گیا لہذا یہ حرکت جو اس پر آئی باعث اختلاف ہوئی پس لامحالہ یہ حرکت اعراب ہوگی۔

میں کہتا ہوں کہ ان تکلفات سے حرکت اولے اور حرف اول کو اعراب میں داخل کرنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ یہ کہنا ہی کافی ہے کہ حدوث حرکت و حرف بھی اعراب ہے چونکہ معرب کا ایک حکم حدوث اعراب بھی ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے واللہ تعالے اعلم۔ **قولہ آخرہ** ای المعرب یعنی آخرہ کی ضمیر معرب کی طرف راجع ہے۔ اس قید سے غلامی کی میم کی حرکت خارج ہو گئی اعراب ہونے سے کیونکہ غلام کی میم پر جو حرکت ہے وہ اعراب نہیں ہے کیونکہ اس حرکت سے معرب کا آخر مختلف نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ مضاف ہے اسم مبنی کیطرف اور مضاف پر اعراب نہیں آیا کرتا اور دوسرے اس وجہ سے کہ یہ حرکت اقتضاء عوامل کیوجہ سے نہیں ہے بلکہ یا کے اقتضاء کیوجہ سے آئی ہے۔ حالانکہ اختلاف آخر معرب من حیث العوامل کیساتھ مقید ہے رہا یہ امر کہ آخر معرب کو ہی اختلاف کیواسطے کیوں معین کیا وسط اول کو ترک کرنے کی کیا وجہ ہے، تو یہ اس وجہ سے کہ اعراب صفت کلمہ ہے اور کلمہ خود ذات اور صفت ذات سے متاخر ہوتی ہے لہذا آخر معرب اختلاف کیواسطے متعین ہو گیا۔ اعراب کی تعریف پر دو وجہ سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ اول یہ کہ معرب اور اعراب معرفت اور جہالت میں مساوی ہیں لہذا اعراب کی معرب سے تعریف کرنا درست نہیں کیونکہ جو چیز معرفت اور جہالت میں معرف کے مساوی ہو اس سے تعریف کرنا غیر صحیح ہے جواب دونوں معرفت اور جہالت میں مساوی نہیں ہیں کیونکہ معرب عامل و معنی مقتضی وغیرہ کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے البتہ بطریق کمال اعراب سے ہی اس کی معرفت ہوتی ہے اور اعراب کی معرفت بلا معرب ہرگز نہیں ہو سکتی لہذا ان دونوں مساوی نہ ہوئے۔ وجہ دوم اعراب کی تعریف دوری ہے۔ کیونکہ معرفت اعراب معرفت معرب پر موقوف ہے اور معرفت معرب معرفت مقتضی پر اور یہ معرفت عامل پر اور معرفت عامل معرفت اعراب پر اور موقوف کا موقوف موقوف ہوتا ہے لہذا اعراب کی معرفت خود اعراب پر موقوف ہوئی اور یہ بعینہ دور ہے، جواب جہت توقف یہاں بدلی ہوئی ہے کیونکہ معرفت اعراب کا توقف معرفت معرب پر ذاتی ہے اور معرب کا توقف معرفت اعراب پر وصفی ہے اور ایک چیز کا دو حیثیت سے موقوف و موقوف علیہ ہونا جائز ہے۔ لہذا دور لازم نہیں آتا۔ **قولہ کالضمۃ**۔ یہ اعراب بالحرکت اور بالحرف کی پہلی تمثیل ہے۔

(باقی بر صفحہ ۳۶ پر)

واعرابُ الاسم علیٰ ثلثۃِ انواعٍ رفعٍ ونصبٍ وجرٍ والعامل ما بہٖ

جاننا چاہیئے کہ ضمہ و فتحہ و کسرہ یہ تینوں جبکہ تا کے ساتھ مستعمل ہوتے ہیں۔ تو انکا اطلاق ہر قسم کی حرکتوں پر آتا ہے خواہ حرکات بنائیہ ہوں یا حرکات اعرابیہ اول حروف یا وسط کی یا آخر کی اور جس وقت کوئی قرینہ نہ ہو تو ان سے حرکات غیر اعرابیہ ہی مراد ہوتی ہیں اور جب یہ تینوں تا سے مجرد ہوں تو یہ بنائیہ کے ہی القاب ہوتی ہیں اور رفع و نصب و جر کا اطلاق فقط حرکات و حروف اعرابیہ پر ہی ہوتا ہے **قولہ اعراب الاسم** اسم سے مراد اسم معرب ہی ہے کیونکہ مبحوث عنہ یہی ہے **قولہ علیٰ ثلثۃ انواع** یعنی اسم معرب کے اعراب تین قسم پر ہیں۔ کیونکہ اعراب معانی معتورہ کیلئے علامت ہے (یعنی وہ معانی جو یکے بعد دیگرے اسم معرب پر آتے ہیں) اور معانی معتورہ کل تین ہیں فاعلیت مفعولیت اضافت لہذا جو چیز ان معانی پر دال ہو وہ بھی تین عدد ہی ہونی چاہیے۔ کیونکہ زیادہ میں دو اعراب کے درمیان ترادف لازم آئیگا اور کم میں شرکت اور شرکت و ترادف۔ دونوں اصل کے خلاف ہیں اسی وجہ سے ضروری ہوا کہ جو شئے ان معانی مذکورہ پر دلالت کرے اس کے بھی تین نوع ہوں۔ اگر کوئی کہے کہ کیا وجہ ہے کہ مصنف نے ثلثۃ انواع کہا اور ثلثۃ اقسام یا اس کے مرادف کوئی دوسرا لفظ نہیں لایا تو جواب یہ ہے کہ اس لفظ کے اختیار کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ رفع نصب جر میں سے ہر ایک کے تحت میں افراد متعددہ ہیں چنانچہ رفع کے تحت میں الف واو ضمہ علیٰ ہذا القیاس پس اگر مصنف انواع کی جگہ کوئی اور لفظ لاتے تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ کیونکہ نوع اس کلی کو کہتے ہیں۔ جو افراد متفقۃ الحقائق پر محمول ہو دوسری وجہ یہ ہے کہ رفع اور نصب و جر میں سے ہر ایک معانی کے انواع میں سے ایک ایک نوع پر دلالت کرتا ہے لہذا جبکہ انکے مدلولات انواع ہیں تو دوال بھی انواع ہی ہونے چاہیں اور مبنی کی حرکات چونکہ ایسی نہیں اس لیے ان کو انواع نہ کہیں گے بلکہ ان کا نام القاب ہے کیونکہ ضمہ و فتحہ و کسرہ میں سے ہر ایک ایک امر پر دلالت کرتا ہے یعنی بناء پر اس وجہ سے انکا نام القاب ہے **قولہ رفع** یا تو یہ بدلیت کی بناء پر مجرور ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا اعنی فعل محذوف کی تقدیر پر منصوب ہے اور نصب و جر کا رفع پر عطف ہے لہذا ان میں بھی احتمالات مذکورہ ہیں رفع کے معنی لغت میں بلند کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اسم معرب کے آخر کے ضمہ اور جو اس کے قائم مقام ہو اس کو کہا جاتا ہے رفع کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں ایک وجہ یہ کہ اسکے تلفظ کیوقت لب تھوڑی اوپر کو اٹھ جاتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ رفع اپنے اخوین (نصب و جر) پر بلند درجہ اور عالی مرتبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اسکا علم ہے جو کلام میں عمدہ ہے یعنی اسم کے فاعل ہونے کی علامت ہے اور نصب کے معنی لغت میں قائم کرنا ہے اور اصطلاح میں اسم معرب کے آخر کے فتحہ اور جو اس کے قائم مقام ہو اسکو کہتے ہیں وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ اسکے تلفظ کیوقت دونوں لب اپنی حالت پر قائم رہتے ہیں یا یہ کہ یہ فضلہ کو کلام کے اندر قائم کرتا ہے جر کے معنی لغت میں کھینچنا ہے اصطلاح میں اسم معرب کے آخر کے کسرہ اور جو اسکے قائم مقام ہو اس کو کہتے ہیں وجہ تسمیہ اسکی یہ ہے کہ اسکے تلفظ کیوقت لب زیریں نیچے کی طرف کھنچتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا عامل فعل یا معنی فعل کو اسم کی طرف کھینچتا ہے **قولہ والعامل الخ** جب مصنف بیان اعراب سے فارغ ہو گیا تو بیان عامل کو شروع کر دیا کیونکہ معرب کے علم کی معرفت عامل کی معرفت پر موقوف ہے چونکہ معرب کے حکم کے مفہوم میں عامل ماخوذ ہے اس وجہ سے مصنف نے عامل کے بیان کو شروع کر دیا۔ اعراب کے بیان سے عامل کے بیان کو اسوجہ سے مؤخر کر دیا کہ عامل کی تعریف اعراب کے حصول پر موقوف ہے جاننا چاہیے کہ نحات نے عامل کی تعریف میں اختلاف کیا ہے بعض تو اس طرف گئے ہیں جسکو مصنفؒ نے اختیار کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عامل وہ ہے جس سے معنی مقتضی للاعراب حاصل ہوتے ہیں ابن حاجبؒ نے کافیہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس پر اعتراض پڑتا ہے کہ عامل کی یہ تعریف جامع نہیں ہے چونکہ عامل فعل پر یہ تعریف صادق نہیں آتی اور مانع بھی نہیں کیونکہ اسناد پر یہ تعریف صادق آتی ہے۔ کیونکہ اسناد سے بھی معنی مقتضی للاعراب متقدم ہوتے ہیں اول کا جواب یہ ہے کہ یہ عامل اسم کی تعریف ہے لہذا اگر عامل فعل پر یہ تعریف صادق نہ آئے تو کوئی حرج نہیں دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس میں با سببیت کے لیے ہے۔ لہذا اسناد اس میں داخل نہ ہوگی۔ کیونکہ اسناد معنی مقتضی کیلئے سبب نہیں بلکہ شرط ہے اور اگر سبب ہے بھی تو سبب قریب ہے اور عامل سبب بعید یہاں پر سبب بعید مجازاً مراد ہے۔ چونکہ یہ مجاز مشہور ہے لہذا اعتراض بھی واقع نہیں ہوتا کہ مجاز کا استعمال تعریفات میں درست نہیں کیونکہ جس مجاز کا استعمال تعریفات میں ناجائز ہے وہ مجاز غیر مشہور ہے اور بعض عامل کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ عامل وہ شے ہے جو کلمہ کے آخر کو وجہ مخصوص پر ہونے کو واجب کرے اس تعریف میں یہ گفتگو کی جاتی ہے۔ کہ آیا وجہ مخصوص مطلق مراد ہے یا مقید اگر مطلق مراد ہے تو غلامی کی یا بھی غلام کی میم کو وجہ مخصوص پر ہونے کو چاہتی ہے۔ لہذا یائے متکلم کو بھی عامل قرار دینا چاہیے حالانکہ یائے متکلم عامل نہیں اور اگر وجہ مخصوص من الاعراب مراد ہے تو اس کے قول پر دور لازم آتا ہے۔ جو اعراب کی تعریف میں عامل کو لیتا ہے اور اگر وجہ مخصوص من المقتضی مراد ہے۔ تو اس کے کلمہ کا آخر منع کرتا ہے کیوں کہ مقتضی ایسی صفت ہے جو کلمہ کے ساتھ قائم ہوتی ہے نہ فقط آخر کے ساتھ نیز فعل کے عامل پر بھی اس وقت تعریف صادق نہ ہوگی کیونکہ فعل میں مقتضی نہیں پایا جاتا لہذا یہ مطلق عامل کی تعریف نہ ہوگی بلکہ عامل اسم کی بھی ہوگی۔ جواب۔ مخصوص سے وہ مخصوص وجہ مراد ہے جس کا معنی مقتضی یا شبہ تام بالاسم تقاضا کرتا ہے اگرچہ اس کا مصداق اعراب ہے لیکن یہ مفہوم کے اعتبار سے عام ہے اس وجہ سے دور لازم نہیں آتا اور عامل فعل بھی تعریف عامل سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ عامل فعل پر یہ امر صادق آتا ہے۔ کہ وہ ایسی شئے ہے جو کلمہ کے آخر کو (باقی بر صفحہ ۳۷ پر)

رفعٌ او نصبٌ او جرٌّ ومحلُّ الاعراب مِنَ الاسم هو الحرف الاخير مثالُ الكلِّ نحو قامَ زيدٌ فقامَ عاملٌ وزيدٌ معربٌ والضمةُ اعرابٌ والدّالُ محلُّ الاعراب واعلم انّه لا يُعربُ فی کلام العرب الا الاسمُ المتمکنُ والفعلُ المضارعُ وسيجیءُ حکمُهٗ فی القسم الثانی ان شاء اللّٰہ تعالیٰ فصل فی اَصْنَاف اِعراب الاسمِ وهی تسعةُ اَصْنافٍ الاوّلُ اَن یکون الرفع بالضمّةِ والنصب بالفتحة والجرُّ بالکسرة ویُختصُّ

اس مخصوص حالت پر ہونیکو واجب کرتی ہے جس کا شبہ تام بالاسم تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا عامل مضارع پر یہ تعریف صادق آگئی۔ چونکہ فعل مضارع کو اسم کیساتھ مشابہت تام ہے لفظاً ومعناً واستعمالاً اور ماضی اگرچہ اسم کے مشابہ ہے لیکن مشابہت تامہ نہیں رکھتی بلکہ ناقصہ ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ بحث فعل میں آئیگا (اعتراض) شبہ امر واحد ہے لہٰذا عامل مختلفہ (رفع ونصب وجر) اس پر کس طرح مرتب ہو سکتے ہیں (جواب) شبہ اگرچہ امر واحد ہے لیکن اس کے واسطے تین اعتبار ہیں ایک قوی یعنی فعل کا اسم کی جگہ بلا تاویل واقع ہونا جیسے زید ضارب میں ضارب کی بجائے یضرب واقع ہو سکتا ہے اور اوسط یعنی فعل مضارع کا اسم کی جگہ تاویل سے واقع ہونا جیسے ان تصوموا خیر لکم میں ان تصوموا صیامکم کے موقع میں ہے بتاویل مصدر ان مصدریہ کی وجہ سے ادنیٰ یعنی فعل کا اسم کی جگہ کسی طرح بھی واقع نہ ہونا۔ لہٰذا قوی کے اعتبار سے رفع کا مقتضی ہوا اور اوسط کے اعتبار سے طالب نصب ہوا اور ادنیٰ کے اعتبار سے جر کا طالب ہوا کیونکہ رفع اقوی الحرکات ہے اور نصب اوسط الحرکات ہے

۴ اور جر ادنی الحرکات ہے واللہ اعلم بالصواب **قولہ ہو الحرف الاخیر** اسم کا محل اعراب حرف اخیر ہے اور اول اور اوسط نہیں ہے کیونکہ اعراب بمنزلہ صفت معرب ہے پس جیسے موصوف کے بعد صفت ہوتی ہے ایسے ہی معرب کے بعد اعراب آتا ہے دوسرے حرف اخیر اسوجہ سے محل اعراب ہے کہ اعراب سے مقصود دفع اشتباہ اور دفع فصل ہے اور وہ اول اور اوسط میں غیر متصور ہے لہٰذا حرف اخیر ہی ہو سکتا ہے مصنفؒ کا قول من الاسم محل کی صفت ہے یعنے المحل الکائن من الاسم یا حال ہے یعنی المحل کائنا من الاسم اے حال کونہ من الاسم اور اسم کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ فعل کیلئے محل اعراب بھی حرف اخیر ہی ہے۔ لفظ ہو کا خبر میں لانا جو کہ مفید حصر ہے۔ اس وجہ سے ہوا ہے کہ اس سے بعض کے توہم کو دور کرنا ہے جو اس مقام پر کرتے ہیں کہ تثنیہ اور جمع سالم میں محل اعراب حرف اخیر نہیں ہے بلکہ اخیر سے پہلا حرف ہے اور انکا یہ خیال باطل ہے۔ کیونکہ نون تنوین کے عوض میں ہے۔ جو کہ جداگانہ ایک کلمہ ہے حقیقت میں حرف اخیر ان میں نون سے پہلا حرف ہے اور نون حرف اخیر نہیں ہے لفظ اخیر مذکر و مؤنث دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے لہٰذا مصنفؒ نے اخیرۃ نہیں کہا۔ **قولہ مثال الکل** مصنفؒ نے چاہا کہ اعراب اور معرب اور عامل اور محل اعراب سب کی مثال بیان کر دے تاکہ ان سب کی توضیح اور تشریح ہو جائے لہٰذا مصنفؒ ایک مثال بیان کرتا ہے جو ان سب کو جامع ہے۔ **قولہ فقام**۔ اس میں فا تفسیر کیلئے ہے اصل میں فا تعقیب کیلئے موضوع ہے اسکا دخول مفسر پر جائز ہے چونکہ ذکر مفسر مفسر کے بعد ہوتا ہے قولہ فقام بتاویل لفظ ہو کر مبتدا ہے اور قولہ عامل خبر ہے اور ضمہ اعراب ہے اور دال حرف اعراب کا محل ہے مصنفؒ کیلئے مناسب بلکہ انسب تھا کہ محل الاعراب کہتا۔ **قولہ اعلم** یہ کلمہ کلام کے اندر تشویق سامع کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ سامع کا میلان بخوبی کلام کی جانب ہو جاوے اور حتی الامکان اس کو سمجھیں اور ذہن میں بٹھائیں اور تشویق اس وجہ سے کرتے ہیں کہ جو چیز تشویق کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ اوقع فی الذہن ہوتی ہے جاننا چاہیے کہ اگرچہ یہ تشویق لفظ اعرف و افہم و اقرء سے بھی حاصل ہوتی ہے مگر اس جگہ مقصود درائیت ہے نہ قرائت لہٰذا اقرء نہ کہا اور افہم کا تعلق کلام سابق سے ہوتا ہے اور یہ بھی اس مقام کے مناسب نہیں اور اگرچہ اعرف درایۃً ما بعد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے لیکن اسکا استعمال جزئیات میں ہوتا ہے اور بیان پر متعلق امر کلی ہے لہٰذا اس مقام کے مناسب اعلم ہے کیونکہ یہ کلیات کے اندر مستعمل ہے **قولہ الاسم المتمکن الخ** چونکہ اسم اعراب میں اصل ہے لہٰذا اس کو فعل پر مقدم کیا متمکن کی قید سے معلوم ہوا کہ جو اسم کے متمکن نہ ہو وہ معرب نہیں ہوتا اسی طرح فعل بھی مقید بقید مضارع ہے یعنی کلام عرب میں معرب فقط دو چیزیں ہی ہو سکتی ہیں ایک اسم متمکن اور ایک فعل مضارع اسکے علاوہ اور کوئی شئے معرب نہیں اعراب مضارع میں ایک قید کی اور ضرورت ہے یعنی جبکہ مضارع متصل بہ نون جمع مؤنث نہ ہو لیکن مصنفؒ نے اس وجہ سے اسکو ذکر نہیں کیا کہ بحث فعل میں اسکا بیان بالتفصیل آتا ہے **قولہ فی اصناف اعراب الاسم**۔ یعنی یہ فصل اسم کے اعراب کے قسموں کے بیان میں ہے صنف اور قسم اور نوع متحد بالذات اور متغائر بالاعتبار ہیں صنف امر خارج کے اعتبار سے بولا جاتا ہے اور نوع باعتبار ذات کے اور قسم اعم ہے جیسے ہندی صنف اور انسان نوع اور حیوان قسم **قولہ الاول الخ** یعنی اصناف تسعہ میں سے صنف اول اس صنف کی اولیت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اور تمام اصناف سے اشرف اور اعلیٰ ہے چونکہ یہ اصل ہے بالوجہین ایک بالحرکات ہونیکی وجہ سے چونکہ اعراب کی اصل یہی ہے کہ وہ بالحرکات ہو اور اعراب بالحروف خلاف اصل ہے، دوسرے بالحرکات الثلث ہونیکی سبب سے چونکہ اصل اعراب یہ ہے کہ بالحرکات الثلثہ ہو اور اعراب بالحرکتین اصل کے خلاف ہے اسی وجہ سے مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کو جمع مؤنث سالم پر مقدم کیا ہے کیونکہ اولین کا اعراب بالحرکات الثلثہ ہے اور ثانی معرب بالحرکتین ہے جو خلاف اصل ہے۔ مفرد منصرف کو جمع مکسر منصرف پر اسوجہ سے مقدم کیا کہ مفرد جمع پر طبعاً مقدم ہے لہٰذا مصنفؒ نے وضع میں بھی اسکو مقدم رکھا تاکہ وضع طبع کے موافق ہو جاوے۔ **قولہ ویختص الخ** مضارع ہے اختصاص سے معروف اور مجہول دونوں کا احتمال ہے کیونکہ اختصاص لازم و متعدی دونوں طریقہ سے مستعمل ہے۔ (باقی بر صفحہ ۳۸ پر)

بالمفرد المنصرف الصحیح وھو عند النحاۃ ما لا یکون فی اٰخرہ حرف علۃٍ کزیدٍ وبالجاری مجری الصحیح وھو ما یکون فی اٰخرہ واوٌ او یاءٌ ما قبلھما ساکنٌ کدلوٍ وظبیٍ وبالجمع المکسر

یعنی اعراب کی یہ قسم تین محلوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ ایک محل مفرد منصرف صحیح دوسرا محل قائم مقام صحیح تیسرا محل جمع مکسر منصرف جیسے زیدٌ دلوٌ وظبیٌ ورجالٌ ان تینوں کا اعراب حالت رفع میں ضمہ کیساتھ اور حالت نصب میں فتحہ کیساتھ اور حالت جر میں کسرہ کے ساتھ ہے۔ **قولہ بالمفرد** الخ مفرد کا کئی چیزوں پر اطلاق آتا ہے۔ کبھی تو اس سے مراد مقابل جملہ ہوتا ہے و یقال ہذا مفرد ای لیس بجملۃ بحث تمییز میں مفرد سے یہی مراد ہے اور کبھی اس سے مراد مضاف اور مشابہ بالمضاف کا مقابل ہوتا ہے۔ یقال ہذا مفرد ای لیس بمضاف ولا مشابہ مضاف باب منادی میں مفرد کے یہی معنی ہیں اور کبھی اس سے مراد مثنیٰ یا مجموع کا مقابل ہوتا ہے۔ یقال ہذا مفرد ای لیس بمثنی ولا مجموع یہاں یہی معنی مقصود ہیں یہاں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کلا اور اسمائے ستہ اسمائے مفردہ ہیں چونکہ تثنیہ اور جمع نہیں حالانکہ انکا اعراب حرکات ثلثہ کے ساتھ نہیں ہے جواب دیا جاتا ہے کہ مفرد سے مراد یہ ہے کہ من کل الوجوہ مفرد ہو یعنی نہ مثنی اور مجموع ہو اور نہ ان کے ساتھ ملحق ہو کلا اور اسمائے ستہ اگرچہ تثنیہ اور جمع نہیں ہیں لیکن ملحق بمثنی ہیں چونکہ یہ اس کے مشابہ ہیں کہ جیسے مثنی دو پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی دو پر دال ہیں مع وجود حرف اخیر قابل للاعراب اور اسمائے اضافیہ جیسے ابن اب اگرچہ یہ بھی تثنیہ کے مشابہ ہیں۔ لیکن ان کے اخیر میں ایسا حرف نہیں پایا جاتا جو قابل اعراب بالحرف ہو۔ لہذا بیان مذکورہ پر اسمائے اضافیات سے اعتراض واقع نہ ہوگا۔ کہ یہ بھی توامین پر دلالت کرتے ہیں لہذا ملحق بمثنی ہونے چاہئیں **قولہ المنصرف** الخ مفرد کو منصرف کے ساتھ اسوجہ سے مقید کیا تاکہ غیر منصرف سے احتراز ہو جاوے کیونکہ اسکا اعراب اور ہے جیسا کہ ابھی آتا ہے۔ **قولہ الصحیح** الخ صحیح کی قید اس وجہ سے لگائی تاکہ غیر صحیح سے احتراز ہو جاوے **قولہ ہو عند النحاۃ** الخ ہو ضمیر صحیح کی طرف راجع ہے نحات ناح کی جمع ہے جیسے قضات قاضی کی ہے ناح اس شخص کو کہا جاتا ہے جو علم نحو کے مسائل میں کلام کرے یعنی نحویوں کے نزدیک صحیح وہ ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو۔ بخلاف صرفیوں کے کہ ان کے نزدیک صحیح وہ کلمہ ہے جس کے حروف اصلیہ کی جگہ کوئی حرف علت اور ہمزہ نہ ہو اور دو حرف ایک جنس کے بھی نہ ہوں۔ سالم کی تعریف میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سالم اور صحیح دونوں مترادف ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ سالم وہ ہے جس کے حروف اصلیہ کی جگہ فقط حرف علت نہ ہو خواہ ہمزہ اور تضعیف ہو یا نہ ہو۔ اس معنی کے اعتبار سے صحیح اور سالم میں عموم وخصوص مطلق ہے ہر صحیح سالم ہے اور ہر سالم صحیح نہیں بلکہ بعض سالم صحیح ہیں اور بعض صحیح نہیں **قولہ حرف علۃ** الخ حرف علت تین ہیں واؤ۔ الف۔ ی جن کا مجموعہ وای ہوتا ہے کما قال الشاعر؎ حرف علت نام کردم واؤ الف وائے را ہر کرا دردے رسد ناچار گوید وائے ہائے حرف علت کو حرف علت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان میں تغیر بہت واقع ہوتا رہتا ہے گویا یہ علیل اور رنجور کی مانند ہیں جس کا مزاج بدلتا رہتا ہے۔ نیز ان کا نام حرف مدہ ہے چونکہ ان کی پیدائش حرکت کے مد سے ہوتی ہے کیونکہ واؤ ضمہ کی درازی سے پیدا ہوتا ہے . . . . اور یٓ کسرہ کی درازی سے محدث ہوتا ہے اور الف فتحہ کے مد سے اسی وجہ سے واؤ کو اخت ضمہ اور یاء کو اخت کسرہ اور الف کو اخت فتحہ کہا جاتا ہے نیز انکا نام حروف لین بھی رکھا جاتا ہے چونکہ یہ حروف ادائیگی میں خفیف ہیں چونکہ یہ حروف بمنزلہ سانس کے ہیں اسی وجہ سے حرکت ثقیل کو برداشت نہیں کر سکتے جاننا چاہیئے کہ حروف علت اصل ہوں یا زائد اگر ان کے ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو تو ان کا نام مدہ ہے اور اگر یہ ساکن ہو تو ان کو لین کہتے ہیں لہذا الف چونکہ اس کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے اور خود ہمیشہ ساکن مدہ بھی ہے اور لین بھی اور واؤ و یا کبھی مدہ اور لین دونوں ہوتے ہیں کبھی فقط لین ہی اور جس وقت یہ دونوں متحرک ہوں تو نہ مدہ ہیں نہ لین بلکہ اس وقت بمنزلہ حروف صحیح کے ہوتے ہیں جیسے وُدٌّ یُسْرٌ وغیرہ۔ **قولہ والجاری مجری الصحیح** الخ اس کا عطف الصحیح پر ہے الجاری بمعنی القائم مجرٰی اسم ظرف بمعنی مقام یعنی مفرد منصرف قائم مقام صحیح کا وہی اعراب مذکور ہے مفرد منصرف قائم مقام صحیح ہر وہ اسم مفرد منصرف ہے جس کے آخر میں حرف علت ہو اور اس کا ماقبل ساکن ہو جیسے دلو وظبی یہ قسم صحیح کیساتھ اس وجہ سے ملحق ہے کہ حرف علت پر سکون کے بعد حرکت ثقیل نہیں ہوتی چونکہ سکون کی خفت حرکت کی ثقل کے معارض ہو جاتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ حرف علت کے بعد ایسا ہے جیسا کہ ابتداءً حرف علت متحرک کا تلفظ کیا ہے۔ چونکہ سکون کی وجہ سے زبان کو استراحت نصیب ہو جاتی ہے اور ابتداءً حرف علت متحرک کا تلفظ ثقیل نہیں۔ کیونکہ ابتداء میں متکلم قوی ہے اور جب وہ حرف علت متحرک جو سکون کے بعد ہو اس حرف علت کی مانند ہے جو ابتدا میں واقع ہو اور وہ ثقیل نہیں ہوتا لہذا یہ بھی ثقیل نہ ہوگا خواہ حرکات ثلثہ میں سے اس پر کوئی سی حرکت کیوں نہ آ جاوے **قولہ الجمع المکسر** الخ یعنے اعراب کی یہ قسم جمع مکسر کے ساتھ مختص ہے جمع کو موصوف بصفت مکسر اس وجہ سے کیا گیا تاکہ جمع سالم سے احتراز ہو جاوے چاہے وہ الف تا کے ساتھ ہو یا واؤ اور نون کے اور خواہ یا اور نون کے بہرحال ہو اس کا اعراب دوسرا ہے۔

اللھم اغفر لکاتبہ ولمن سعی فیہ

المنصرف كرجالٍ تقول جاءني زيدٌ ودلوٌ وظبيٌ ورجالٌ ورأيت زيدًا ودلوًا وظبيًا ورجالًا ومررت بزيدٍ ودلوٍ وظبيٍ ورجالٍ الثاني ان يكونَ الرفعُ بالضمّةِ والنّصبُ والجرُّ بالكسرةِ ويُختصُّ بجمعِ المؤنثِ السّالمِ تقول هنّ مُسلماتٌ ورأيتُ مُسلماتٍ ومررتُ بمسلماتٍ الثالثُ انّ يكونَ الرفعُ بالضمةِ والنصبُ والجرُّ بالفتحةِ ويُختصُّ

قولہ المنصرف الخ جمع کی صفت ثانیہ ہے اس قید سے احتراز ہوگیا جمع مکسر غیر منصرف سے کیونکہ اسکا اعراب دیگر ہے جاننا چاہیئے کہ جمع مفرد کی فرع ہے لہٰذا اس کے لائق اعراب فرعی ہے لیکن اسکو اعراب حرکتی دیا گیا ضرورت کی وجہ سے چونکہ اسکے اخیر میں ایسا حرف نہیں ہے جو اعراب حرفی کے قابل ہو اور مفرد منصرف کو اعراب بالحرکت دیا گیا کیونکہ مفرد اصل ہے بمقابلہ مثنی اور مجموع کے اور منصرف غیر منصرف کے اعتبار سے اصل ہے اور اعراب بالحرکت بھی اصل ہے۔ لہٰذا اصل کو اصل دیا گیا اعراب بالحرکت کی اصلیت کی وجہ یہ ہے کہ اعراب حرکتی اعراب حرفی سے مستنبط ہے۔ کیونکہ ضمہ سے مستنبط ہے اور یا دو کسرہ سے اور الف دو فتحہ سے۔ اور استنباط کے معنی یہ ہیں کہ الف کی ادا کی مقدار دو فتحہ کے برابر ہے اور واؤ کی ادا کی مقدار دو ضمہ کے برابر۔ اسی طرح یا کی ادا کی مقدار دو کسرہ کے برابر ہے واللہ اعلم بالصواب **قولہ جمع المونث** یعنی اعراب کی یہ قسم جمع مونث سالم کے ساتھ مخصوص ہے جمع مونث سالم کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ اور نصبی و جری میں کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس یہاں نصب جر کے تابع ہے۔ جیسے ہن مسلماتٌ رأیت مسلماتٍ مررت بمسلمات اگر کوئی کہے کہ جمع مونث سالم جمع مذکر سالم کی فرع ہے۔ لہٰذا اس کو اعراب فرعی دینا چاہیئے تھا۔ اعراب بالحرکت کیوں دیا۔ جواب یہ ہے کہ اگرچہ جمع مونث سالم کا اعراب بالحرکت ہے لیکن وہ اصل اعراب نہیں بلکہ اس کے اندر اعراب بالفرع ہونیکا راز اور سر مضمر اور پوشیدہ ہے کیونکہ اعراب بالحرکت کے اندر اصل یہ ہے کہ تینوں حالتوں میں تینوں حرکتوں کے ساتھ آئے اور یہاں ایسا نہیں بلکہ اسکا اعراب دو حرکت کے ساتھ ہی آتا ہے۔ لہٰذا یہ اعراب فرع ہے۔ اس اعراب کی جو ہر ہر حالت میں ہر ہر حرکت کے ساتھ آتا تھا پھر اگر کوئی اس پر یہ گفتگو کرے کہ جمع مونث سالم کو جب اعراب بالفرع دینا منظور تھا تو اعراب بالحرف کیوں نہیں دیا جو کہ فرعیت کے اندر اتم اور اکمل ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اعراب بالحرف اس جگہ آتا ہے جہاں آخر معرب کا اعراب بالحروف آنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس کے آخر میں حرف علت ہو۔ پس جمع مونث سالم کے آخر میں چونکہ حرف علت نہیں لہٰذا اس میں اعراب بالحروف کی صلاحیت نہیں ہے۔ اب رہا یہ امر کہ نصب کو جر کے تابع کیوں کیا۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ جمع جمع مذکر سالم کی فرع ہے اور اس میں نصب جر کے تابع ہے جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے آویگا۔ لہٰذا اس میں بھی اس امر کا لحاظ کیا گیا۔ تاکہ اصل اور فرع میں مطابقت اور موافقت باقی رہے۔ **قولہ السالم** الخ سیبویہؒ کے نزدیک یہ جمع کی صفت ہے کیونکہ اس کے نزدیک مضاف کی تعریف مضاف الیہ سے کمتر نہیں ہوتی لہٰذا اس معرف باللام کے مضاف کی صفت ہونا درست ہے اور مبردؒ کے نزدیک بدل ہے کیونکہ اسکے نزدیک مضاف کی تعریف مضاف الیہ سے کمتر ہوتی ہے لہٰذا صفت نہیں ہو سکتا اور بدل مبدل منہ سے اعرف ہوتا ہے سالم کی قید سے مکسر سے احتراز ہوگیا۔ کیونکہ وہ مفرد کے حکم میں ہے۔ کما سبق کوفیوں نے جمع مونث سالم کا اعراب نصبی فتحہ کے ساتھ جائز رکھا ہے اور ہشام فقط معتل میں جواز کا قائل ہے یہاں پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ بہت سے ایسے اسماء ہیں جو مونث کی جمع سالم ہیں جیسے قلون اور ثبون اور ارضون کہ ان کے مفرد قلۃ اور ثبۃ اور ارض ہیں جو مونث ہیں حالانکہ ان جموع کا یہ اعراب نہیں اسی طرح بہت سے اسماء مونث کی جمع سالم نہیں ہیں لیکن ان کا اعراب بعینہٖ وہی ہے جو جمع مونث سالم کا ہوا کرتا ہے جیسے سجلات سفرجلات مرفوعات منصوبات مجرورات کیونکہ انکے مفرد سجل اور سفرجل مرفوع منصوب مجرور ہیں پس یہ کیسے صحیح اور درست ہو سکتا ہے کہ یہ صنف اعراب جمع مونث سالم کے ساتھ مختص ہے اسکے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں (اول) جمع مونث سالم سے مراد ہر وہ جمع ہے جو الف تا کیساتھ بنائی گئی ہو۔ خواہ اسکا مفرد مذکر ہو یا مونث بنا بریں قلون ارضون وغیرہ۔ جمع مونث سالم سے خارج ہوگئے کیونکہ وہ الف تا کیساتھ نہیں اگرچہ مفرد مونث ہے اور سجلات سفرجلات وغیرہ داخل ہوگئے اگرچہ ان کا مفرد مذکر ہے بعض نے جواب دیا ہے کہ مضاف مقدر ہے کہ اصل عبارت یہ ہے صیغہ جمع المونث السالم قلون ارضون وغیرہ چونکہ صیغہ جمع مونث سالم پر نہیں لہٰذا انکا یہ اعراب نہیں اور سفرجلات وغیرہ چونکہ صیغہ جمع پر ہیں لہٰذا انکو یہ اعراب دیا گیا فافہم (بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ عبارت میں معطوف مقدر ہے) (اصل عبارت یہ ہے) (بجمع المونث السالم وما علی صیغتہ) یعنے اعراب کی یہ قسم جمع مونث سالم اور جو بھی اس کے صیغہ پر ہو اسکے ساتھ مخصوص ہے اس وقت یہ سجلات سفرجلات وغیرہ سب کو شامل ہے (لیکن قلون وغیرہ جمع مونث سالم سے خارج نہ ہوں گے) اس وجہ سے اول اور ثانی تاویل عمدہ ہے اگرچہ حذف معطوف مع العاطف نادر نہیں ہے بلکہ بکثرت واقع شائع ذائع ہے مصنف کو چاہیئے تھا کہ اولات کو جو ذات کی جمع من غیر لفظہ ہے جمع مونث سالم کیساتھ ہی ذکر کرتا جاننا چاہیئے کہ اگر صیغہ جمع مونث سالم کسی شخص کا نام رکھ دیا جاوے تو اسمیں علمائے نحو کا اختلاف ہے بعض انصراف کے قائل ہیں اور بعض عدم انصراف کے جو جماعت منصرف کہتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ تا یائے تثنیہ و جمع کے مشابہ ہے نصب و جر کی حالت میں اور اس کی تنوین نون کے مشابہ ہے اور یہ مشابہت مذکورہ تعریف کے بعد زائل نہیں ہوتی جیسے عرفات کہ عرفہ کی جمع ہے اور منصرف ہے

(باقی بر صفحہ ۴۰ پر)

بغیر المنصرف کعُمَرَ تقول جاءَنی عُمَرُ ورأیتُ عُمَرَ ومررتُ بعُمَرَ الرابعُ ان یکون الرفعُ بالواوِ والنصبُ بالالفِ والجرُّ بالیاءِ ویُختصُّ بالاسماءِ الستة مکبَّرةً موحَّدةً مضافةً الی غیر یاءِ المتکلم وھی اخوکَ وابوکَ وھنوکَ

تعریف عرفات کی دلیل اعراب کا قول ہذہ عرفات مبارکۃ فیہا ہے دوسرے یہ کہ جیسے اعلام الف ولام سے معرفہ نہیں بنائے جاتے اسی طرح اس پر بھی الف لام داخل نہیں ہوتا اور جو لوگ غیر منصرف کہتے ہیں ان میں بھی دو مذہب ہیں۔ بعض تو فقط تنوین ہی حذف کرتے ہیں اور بعض تنوین کے ساتھ کسرہ کو بھی گراتے ہیں حالت نصبی میں اور جری میں فتحہ کے ساتھ اعراب دیتے ہیں **قولہ بغیر المنصرف** الخ یعنی صنف ثالث کا اعراب غیر منصرف کیساتھ مخصوص ہے لہذا غیر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور حالت نصب و جر میں فتحہ کیساتھ جیسے جاءنی احمد، رایت احمد مررت باحمد ممکن ہے کہ کسی کو یہاں یہ شبہ ہو کہ غیر منصرف منصرف کی فرع ہے لہذا اس کو اعراب بالفرع دینا چاہیے تھا اعراب بالحرکت کیوں دیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعراب جو تین حالتوں میں دو حرکتوں کے ساتھ ہوتا ہے فرع ہے اس اعراب کی جو تین حالتوں میں تین ہی حرکتوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ غیر منصرف کا اعراب اصل نہیں ہے بلکہ فرع ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعراب کی دو قسمیں ہیں اعراب بالحرف اور اعراب بالحرکت۔ تو غیر منصرف کو اعراب بالحرکت کیوں دیا اور اعراب بالحرف نہ دینے کی کیا وجہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ غیر منصرف کے آخر میں حرف علت نہیں ہوتا لہذا وہ اعراب بالحرف کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اگر کوئی کہے کہ باب غیر منصرف میں جر نصب کے تابع کیوں ہے۔ اسکا جواب ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آویگا۔ کہ غیر منصرف فعل کے مشابہ ہے اور فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا۔ لہذا اس میں (یعنی غیر منصرف میں) بھی اس بات کا لحاظ کیا گیا۔ **قولہ ویختص بالاسماء الستۃ** الخ یعنی اسمائے ستہ کا اعراب حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی میں الف کے ساتھ اور حالت جری میں ی کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن اعراب ان کا اس وقت ہے جبکہ چار شرطیں پائی جاویں جن میں سے تین وجودی ہیں اور ایک عدمی وہ شرائط اربعہ مندرجہ ذیل ہیں (۱) یہ اسماء مکبر ہوں یعنی غیر مصغر (۲) موحد ہوں یعنی تثنیہ اور جمع نہ ہوں (۳) مضاف ہوں (۴) انکی اضافت یائے متکلم کی طرف نہ ہو۔ لہذا ان سب کی سات حالتیں ہوئیں حال۱ مکبر۔ حال۲ مصغر۔ حال۳ افراد۔ حال۴ تثنیہ و جمع۔ حالت۵ قطع اضافت۔ حالت۶ اضافت الی غیر یاء المتکلم۔ حالت۷ اضافت الی یاء المتکلم تو جس وقت یہ چاروں شرطیں موجود ہوں گی تو انکا یہ اعراب ہوگا ورنہ نہیں جیسے جاءنی ابوک۔ رایت اباک۔ مررت بابیک اور اگر مصغر ہوں خواہ مضاف الی غیر یاء المتکلم ہوں یا مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب بالحرکت ہوتا ہے۔ جیسے جاءنی ابیک۔ وابیٌ۔ رایت ابیک وابیًا مررت بابیک وابیٍ۔ اور اگر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو اعراب تقدیری ہوتا ہے جیسے جاءنی ابیّ رایت ابیّ۔ مررت بابیّ۔ اور اگر یہ اسماء تثنیہ اور جمع ہوں تو انکا اعراب وہی ہوتا ہے جو تثنیہ اور جمع کا ہوتا ہے جیسے جاءنی ابوان وآباءٌ رایت ابوین وآباءً مررت بابوین وآباءٍ۔ اور اگر یہ اسماء مضاف نہ ہوں تو انکا اعراب بالحرکت ہوتا ہے مانند مفرد جیسے جاءنی ابٌ رایت ابًا مررت باب اور جب یائے متکلم کیطرف مضاف ہوں تو اعراب تقدیری ہوتا ہے۔ جیسے جاءنی ابی۔ رایت ابی۔ مررت بابی۔ رہا یہ امر کہ انکا اعراب حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی میں الف کے ساتھ اور حالت جری میں ی کے ساتھ کیوں آتا ہے۔ حالانکہ اسمائے ستہ مفردات سے ہیں اور مفرد اصل ہوتا ہے۔ اور اعراب میں اصل اعراب بالحرکات ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مفرد و تثنیہ و جمع کے اندر اتحاد ذاتی ہے۔ اس لیے کہ تثنیہ اور جمع مفرد سے ہی بنائے جاتے ہیں پس اگر ہر مفرد کو اعراب بالحرکت اور تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحرف دیں تو اس صورت میں مفرد اور تثنیہ اور جمع کے مابین از روئے اعراب کے منافرت تامہ اور وحشت کاملہ پیدا ہو جاوے گی۔ پس لامحالہ بعض مفردات کو بھی اعراب بالحرف دیا گیا تاکہ منافرت فی الجملہ جاتی رہے۔ اور مابین تثنیہ اور جمع اور مفردات کے الفت قدیمہ باقی رہے مدنظر ہر چند کہ اعراب بالحرکت اصل ہے مگر اعراب بالحروف اس سے اقوی ہے اس لیے کہ وہ حرف علت سے ہوتا ہے اور ایک حرف علت گویا دو حرکتوں کے قائم مقام ہے پس اگر ہر اصل کو اعراب بالحرکت جو کہ ضعیف ہے اور ہر فرع کو اعراب بالحرف جو کہ قوی ہے دیا جاتا تو مزیت فرع کی اصل پر لازم آئیگی اور یہ خلاف اصول ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ بعض اصل کو بھی اعراب بحرف دیں تاکہ فی الجملہ قباحت مرفوع اور مدفوع ہو جاوے اور اگر کوئی کہے کہ جب بعض مفردات کو اعراب بحرف دینا منظور تھا تو مفردات میں سے اسمائے ستہ کو کیوں مخصوص کیا۔ جواب یہ ہے کہ تثنیہ اور جمع میں اعراب بحرف آتا ہے اور ہر ایک کی حالت اعرابیہ تین ہیں پس ہر حالت کے مقابلہ میں ایک مفرد ہونا چاہیے تاکہ تثنیہ اور جمع کے ساتھ مفرد کی مناسبت باقی رہے۔ پھر اگر کوئی کہے کہ ان ہی چھ اسموں کی خصوصیت کیا تھی دوسرے چھ اسموں کو یہی اعراب دیدیتے تو جواب یہ ہے کہ اور اسماء کے ان اسمائے ستہ کی مناسبت تثنیہ اور جمع سے زیادہ ہے۔ چنانچہ تثنیہ اور جمع کے مفہوم میں جس طرح تعدد اور تکثر ہے اسی طرح ان اسمائے ستہ کے مفاہیم میں بھی تعدد ہے مثلاً اب من لہ الابن کو کہتے ہیں اور یہ اس کا مفہوم ہے جس میں تعدد ہے وعلی ہذا القیاس فی البواقی پھر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان اسمائے ستہ کے علاوہ بھی بعض اسماء ایسے ہیں جن کے مفہوم میں تعدد ہے مثلاً ابن من لہ الاب کو کہا جاتا ہے پس ان کے ترک کرنے کی وجہ کیا ہے جواب یہ دیا جائے گا کہ یہاں تعدد فی المفہوم ہی کافی نہیں۔

(باقی بر صـ ۴۱ پر)

وحموكِ وفوكَ وذو مالٍ تقول جاءنی اخوكَ ورايتُ اخاكَ ومررتُ باخيكَ وكذا البواقی الخامسُ اَنْ يكونَ الرّفعُ بالالفِ والنصبُ والجرُّ بالياءِ المفتوحِ ما قبلها ويُختصُّ بالمثنّٰى وكِلا مضافًا الى مضمرٍ

بلکہ اس بات کے دیکھنے کی بھی ضرورت اور حاجت ہے کہ آخر حرف اعراب بالحرف کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔ پس جب یہ معلوم ہو جائے کہ اسم کا آخر حرف علت نہ ہونے کی وجہ سے اعراب بالحرف کی صلاحیت اور قابلیت نہیں رکھتا تو اس کو متروک اور مہجور کر دیا جائیگا۔ اگر یہ اپنے مفہوم میں متعدد ہو اب اگر کوئی کہے کہ ید اور دم دونوں ایسے ہیں کہ ان کے مفہوم میں بھی تعدد ہے اور آخر میں حرف علت بھی ہے جسکی وجہ سے وہ اعراب بالحرف کیلئے صالح اور قابل ہیں لہذا ان کو ترک کرنا کیا وجہ ہے جواب یہ ہے کہ ید اور دم اگرچہ حرف علت پر مشتمل ہیں لیکن وہ حرف علت محذوف ہو کر نسیا منسیا کے درجہ میں ہیں کیونکہ اہل عرب سے اسکا اعادہ نہیں سنا گیا۔ لہذا اسکا اعتبار نہ کیا جاویگا بلکہ دونوں کا حکم مثل ان اسماء کے ہوگا کہ جن کے آخر میں حرف علت نہیں۔ **قولہ حموک الخ** بکسر الکاف کیونکہ مونث کو خطاب ہے کیونکہ حم زوج کے بھائی یعنی دیور کو کہتے ہیں۔ لہذا اس کی اضافت عورت کی طرف ہی ہو سکتی ہے نہ مرد کی طرف جاننا چاہیے کہ ان اسماء ستہ میں سے اول کے چار منقوصات واوی ہیں کیونکہ ان کے تثنیہ ابوان، اخوان، حموان، ہنوان آتے ہیں۔ فوک اصل میں فوہ تھا۔ بروزن فعْلٌ بفتح الفاء وسکون العین یعنی اجوف واوی اسکا لام کلمہ ہاء ہے جس کو نسیا منسیا حذف کر دیا گیا ہے جب یہ بلا اضافت مستعمل ہوتا ہے تو واؤ کو میم سے بدل دیتے ہیں کیونکہ اگر اسکو میم سے مبدل نہ کیا جاوے تو عین کلمہ پر اعراب دائر ہوگا۔ اور واؤ متحرک اور ما قبل اسکا مفتوح ہوگا۔ لہذا واؤ کو الف سے بدلیں گے اور التقائے ساکنین کی وجہ سے الف گر جاویگا لہذا لازم آئیگا کہ اسم ایک ہی کلمہ پر مبنی ہو یعنی ایک ہی حرف پر یہ ناجائز ہے۔ البتہ جب اس کی اضافت کی جاتی ہے تو خطرہ مذکور زائل ہو جاتا ہے اس وجہ سے پھر میم اپنی اصل یعنی واؤ کی طرف رجوع کر لیتی ہے۔ البتہ جب یائے متکلم کی اضافت ہوتی ہے تو یہ عود اور رجوع جائز ہوتا ہے واجب نہیں ہوتا ہذا فِیْ وہذا فَمِیْ دونوں درست ہیں ذو۔ اصل میں لفیف مقرون ہے اصل میں ذوو تھا۔ مصنفؒ نے اسکی اضافت اسم جنس کی طرف کی ہے بخلاف اوروں کے کیونکہ اسکی اضافت غیر اسم جنس کی طرف جائز نہیں ہے اور جو نظائر اس کے خلاف پیش کئے ہیں وہ شاذ ہیں جیسے قول شاعر میں انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ اس مقام پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اسمائے ستہ کا اعراب ان تینوں حرفوں کے ساتھ جائز ہے یا واجب اگر جائز ہے تو باطل ہے کیونکہ ذو کا اعراب بالحرف واجب ہے اور اگر واجب ہے تو بھی نادرست اور غیر صحیح ہے کیونکہ ذو کے علاوہ باقی پانچ کا اعراب ان حروف کے ساتھ جائز ہے نہ واجب ہے۔ کیونکہ ان پر اعراب بالحرکت بھی آتا ہے جیسے ہذا ابک رایت ابک مررت بابک جواب یہ ہے۔ کہ یہ قضیہ ممکنہ بالامکان العام ہے۔ یعنی عدم اعراب الکائن حروف کے ساتھ غیر لازم ہے رہا یہ کہ انکا اعراب ان حروف کیساتھ کیا ہے پس دونوں کا احتمال رکھتا ہے کہ لازم ہو جیسا کہ ذو میں یا غیر لازم ہو جیسا کہ غیر ذو میں واللہ اعلم بالصواب۔ **قولہ ویختص بالمثنی** ۔ یعنی اعراب کی پانچویں قسم مثنیٰ اور کلا جبکہ ضمیر کی طرف مضاف اور اثنان اور اثنتان کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انکا اعراب رفعی حالت میں الف کیساتھ ہوتا ہے اور حالت نصبی اور جری میں یٰ کے ساتھ ہے جس کے ما قبل پر فتحہ ہوتا ہے جاننا چاہیے کہ جس طرح کلا معرب بایں اعراب ہے اسیطرح کلتا کا اعراب بھی یہ ہی آتا ہے چونکہ کلتا کلا کا تابع ہے لہذا مصنف نے اس کے ذکر کو ضروری نہ سمجھا۔ اس پر یہ اعتراض پڑتا ہے۔ کہ اثنتان بھی تو اثنان کی فرع ہے جیسے کلتا کلا کی۔ لہذا اس کو علیحدہ مستقل ذکر کرنے کی کیا ضرورت اور حاجت تھی (جواب) اصل یہ ہے کہ فرع کو ذکر کیا جاوے۔ لیکن جبکہ اصل کیساتھ اکتفا فرعیت سے جائز ہوتا ہے تو فرعیت جواز ترک کے واسطے ایک وجہ ہوگی۔ اسوجہ سے مصنفؒ نے کلتا میں جواز ترک پر عمل کیا۔ اور اس میں ذکر پر دوسرے اثنتان کو اس لیے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ مونث کا حکم وہی ہے جو مذکر کا ہے رہا یہ امر کہ مصنفؒ نے مثنیٰ ذکر کرنے کے بعد ان دونوں کو کیوں ذکر کیا جب کہ یہ دونوں بھی صورۃً اور معنیً تثنیہ ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حقیقت میں مثنیٰ نہیں ہیں بلکہ مفرد ہیں اسلئے کہ مثنیٰ حقیقی وہ ہے جس کے مفرد کے آخر میں الف و نون لاحق کیا گیا ہو جیسے رجلان اور ان دونوں کا کوئی مفرد نہیں لہذا یہ مثنیٰ حقیقی نہیں ہو سکتے پس اگر مصنفؒ ان کو علیحدہ ذکر نہ کرتا تو یہ توہم ہو سکتا تھا۔ کہ یہ دونوں حقیقۃً تثنیہ ہیں کوفی کہتے ہیں کہ کلا اور کلتا بطور مثنیٰ میں داخل ہیں ان کے اندر الف تثنیہ کیلئے ہے اور نون وجوبی طور پر محذوف ہے کیونکہ یہ ہمیشہ مضاف ہی ہوتے ہیں اور واحد ان کا کل ہے جو احاطہ افراد کے واسطے آتا ہے لیکن کوفیوں کا یہ قول غلط ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات صحیح اور قول درست ہوتا تو جب یہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوتے تو الف باقی نہ رہتا حالانکہ انکا الف بدستور سابق باقی رہتا ہے۔ لہذا الف کی بقا ان کے مفرد ہونے پر پوری طرح سے دلالت کرتی ہے۔ حاصل یہ کہ کلا اور کلتا میں دو اعتبار ہیں۔ باعتبار معنی کے تو تثنیہ ہوگا اور باعتبار لفظ اور حقیقت کے مفردات میں ہی داخل رہیں گے پس جب ان کی اضافت ضمیر کی طرف ہوگی جو کہ اسم ظاہر کا فرع ہے تو اس وقت جانب فرع۔ یعنی معنی کی رعایت ہوگی اور اعراب بالفرع یعنی اعراب بالحرف دیا جائے گا جیسے جاءنی کلاہما رایت کلیہما مررت بکلیہما اور جب یہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں گے۔ تو چونکہ اسم ظاہر بہ نسبت مضمر کے اصل ہے لہذا اس صورت میں کلا کے لفظ کا لحاظ کیا جاوے گا اور معرب باعراب حرکت تقدیری ہوں گے جیسے جاءنی کلا الرجلین و رایت کلا الرجلین مررت بکلا الرجلین ۱۲ ◆

◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆

وَاِثْنَانِ وَاثْنَتَانِ تقول جاءَنی الرَّجلَانِ کلاهما واِثنانِ واِثنتانِ ورأیتُ الرَّجُلَیْنِ کلیهما واثنَیْنِ و اثنتَیْنِ ومررتُ بالرَّجُلَیْنِ کلیهما و اثنین واثنتین السّادسُ ان یکون الرفعُ بالواو والمضمومِ ماقبلَهَا والنصبُ والجرُّ بالیاءِ المکسورِ ماقبلَهَا ویُختَصُّ بجمع المذکر السّالمِ نحو مُسلمُونَ واُولو وعِشرُونَ مَعَ اَخواتِها تقولُ جاءنی مُسلمُونَ وعِشرُونَ واُولو مالٍ ورأیتُ مُسلمِینَ وعِشرِینَ واولی مالٍ ومررتُ بمُسلِمِینَ وعِشرِینَ و اولی مـالٍ ۔

قولہ اثنان واثنتان۔ یہ دونوں مرفوع ہیں بنا بر اعراب حکائی یا تینوں مبتدائے محذوف کی خبر ہیں تقدیر عبارت یہ ہے ویختص بالمثنی وما الحق بہ وہو کلا واثنان واثنتان اور یہی تاویل الو وعشرون مع اخواتہا میں واقع ہے۔ **قولہ بجمع المذکر السالم** الخ سالم کی قید سے جمع مکسر سے احتراز ہوگیا۔ کیونکہ اس کا اعراب یہ نہیں ہے مضاف کی تقدیر یہاں بھی ضروری ہے یعنی اصل میں عبارت صیغہ جمع المذکر السالم تھی تقدیر مضاف اس وجہ سے ضروری ہے کہ سنین وشبین وقلین اسکے حکم میں داخل ہو جاویں اور رجلات اور سفرجلات وغیرہ اس سے خارج کر دیے جائیں کیونکہ جمع مذکر سالم کے معنی ہیں مفرد مذکر کی جمع سالم اور یہ معنی سنین پر غیر صادق اور رجلات وسفرجلات وغیرہ پر صادق ہیں کیونکہ سنین سنۃ مفرد مونث کی جمع ہے اور رجلات سفرجلات رجل اور سفرجل کی جمع ہیں جو مفرد مذکر ہیں لہٰذا جب اس کے اندر تاویل مذکور یعنی تقدیر مضاف سے کام لیں گے تو سنین وغیرہ داخل اور رجلات وغیرہ خارج ہو جائیں گے یا معطوف مقدر فرض کیا جائے۔ تاکہ جمع کی قسم اول اسکے اندر داخل ہو جائے اور قسم ثانی خارج تقدیر عبارت ہوگی بجمع المذکر السالم وما الحق بہ صیغۃ یا یہ کہا جاوے جمع مذکر سالم سے وہ جمع مراد ہے جو واو اور نون یائی اور نون سے بنائی گئی ہو عموم مجاز کے طور پر خواہ مفرد مونث ہو خواہ مذکر لہٰذا عبارت جامع جمیع افراد اور مانع دخول غیر ہو جاوے گی۔ **قولہ الو** یہ ذو کا من غیر لفظہ جمع ہے اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہ ایسا اسم ہے کہ اس کے آخر میں واؤ ہے اور ماقبل پر ضمہ اور کلام عرب میں کوئی اسم متمکن ایسا نہیں اور اگر کوئی ہوتا بھی ہے تو واؤ کو یاسے اور ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدل لیتے ہیں لہٰذا یہ قاعدہ الو میں جاری کرنا چاہیے (جواب) اسکے اندر واؤ محل تغیر میں ہے اس وجہ سے اسکا اعتبار نہ کرتے ہوئے تعلیل اور قاعدہ اس میں جاری نہ کیا گیا بعض کہتے ہیں کہ یہ واؤ یعنی الو کا واؤ ضمہ کے قائم مقام ہے تو گویا کہ یہ واؤ ضمہ ہے واؤ نہیں واللہ اعلم بالصواب **قولہ وعشرون مع اخواتہا** الخ یعنی مع اخوات کلمہ عشرون اخوات یہاں پر بمعنی امثال ہے جیسے قول خداوندی جل مجدہ میں کلما دخلت امۃ لعنت اختہا۔ اس آیت کریمہ میں اخت بمعنی مثل ہے خلاصہ کلام یہ کہ جمع مذکر سالم اور اس کے ملحقات کا اعراب حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی وجری میں یا قبل مکسور کے ساتھ ہوتا ہے ملحقات جمع مذکر سالم الو اور عشرون تا تسعون ہیں۔ ان میں سے الو تو معنی میں جمع کے ہیں اور من غیر لفظہ ذو کی جمع ہے صورت اور حقیقت کے اعتبار سے جمع نہیں اور عشرون وغیرہ بصورت جمع تو ہیں لیکن معنی جمع نہیں اور نہ حقیقۃ معنا جمع اسلیے نہیں کہ اسکیلیے ضروری ہے کہ وہ افراد غیر معین پر دلالت کرے اور عشرون وغیرہ بلا زیادت ونقصان افراد معین پر دلالت کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ عشرون اور اسکے نظائر معنی جمع نہیں ہو سکتے اور جمع حقیقی اسلیے نہیں ہو سکتے کہ جمع حقیقی وہ ہے جس کے مفرد میں واؤ نون لاحق کرکے بنایا جائے اور یہاں ایسا نہیں اگر کوئی کہے کہ یہ حقیقی جمع ہیں کیوں کہ جائز ہے کہ عشرون عشر کی جمع ہو اور ثلاثون ثلاثۃ کی وعلی ہذا القیاس جواب یہ ہے کہ یہ جمع حقیقی ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اسلیے کہ جمع کے اقل افراد تین ہیں پس اگر مثلا عشرون عشر کی جمع ہو اور تین عشر ثلاثون ہوتے ہیں۔ تو عشرون کا اطلاق ثلاثون پر کیا جایگا اور یہ بات بدیہی البطلان ہے اور یہ ہی حال عشرون کے دیگر نظائر کا ہے۔ پس لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عشرون اور اسکے نظائر جمع حقیقی نہیں اب اگر کوئی کہے کہ تثنیہ اور جمع اور انکے ملحقات میں نصب کو جر کے تابع کیوں کیا گیا۔ تو کہا جائیگا کہ اعراب کل چھ ہیں تین بالحرکت اور تین بالحرف اور مستحقین اعراب کل نو ہیں کیونکہ تین تو مفرد کی حالت ہیں اور تین تثنیہ کی اور تین جمع کی اور ہر حالت کیلیے ایک اعراب کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ان چھ اعرابوں کو نو مستحقوں پر تقسیم کرنا چاہیے پس سب سے پہلے مفرد کو اعراب بالحرکت دیا اسلیے کہ وہ اصل ہے اور اصل کے لیے شایان اور زیبا اصل ہی ہو سکتا ہے باقی چھ حالتیں اور تین اعراب بچے پس ضرورت ہوئی کہ ایسی تقسیم کیجائے کہ یہ تین اعراب تثنیہ اور جمع دونوں کی حالتوں پر مساوی تقسیم ہو جائیں پس اول تثنیہ اور جمع کی حالت رفعی پر نظر کی گئی ہے اسلیے کہ وہ تمام حالت میں عمدہ ہے پس الف کو تثنیہ کی حالت رفعی کیلیے اور واؤ کو جمع کی حالت رفعی کیلیے خاص کر دیا کیونکہ تثنیہ میں الف اور جمع میں واؤ فاعل کی علامت ہے اب ایک اعراب اور چار حالتیں باقی رہیں۔ پس ہم نے ایک اعراب کو چاروں پر اس طرح تقسیم کیا کہ تثنیہ اور جمع کی حالت جری میں ی لائے اور نصب کو جر کے تابع کیا اور مابین تثنیہ اور جمع کے اسطرح پر فرق کیا کہ تثنیہ میں ماقبل یا کو مفتوح اور جمع میں ماقبل یا کو مکسور کیا۔ برعکس اسواسطے نہیں کیا کہ جمع قلیل ہے اور قلیل بمنزلہ خفیف کے ہوتا ہے۔ اور اسکے مناسب ثقیل ہے پس جمع میں ماقبل یا کو کسرہ دیا جو کہ ثقیل ہے اور تثنیہ چونکہ بہ نسبت جمع کے کثیر ہے اور کثرت موجب ثقل ہے لہٰذا ان میں ماقبل یا کو فتحہ دیا جو کہ اخف الحرکات ہے۔ اس کے بعد نون جمع کو مفتوح اور نون تثنیہ کو مکسور کیا تاکہ ثقیل کا ایک دم سے خفیف ہونا اور خفیف کا ایک دم سے ثقیل ہونا لازم نہ آ جائے ۱۲

وَاعلم اَنَّ نون التثنية مكسورةٌ ابدًا ونون جمع السَّلامةِ مفتوحةٌ ابدًا وكلاهُمَا تَسقطان عند الاضافة تقول جاءني غلاما زيدٍ ومُسلمو مصرٍ السابعُ ان يكون الرفع بتقدير الضمةِ والنصبُ بتقدير الفتحةِ والجرّ بتقدير الكسرةِ ويُختصّ بالمقصور وهو ما في آخره اَلِفٌ مقصورةٌ كعصا وبالمضاف الى ياء المتكلم غير جمع المذكر السّالم كغلامي تقول هٰذا عصًا وغلامِي ورأيتُ عصًا وغلامِي مررتُ بعصًا وغلامِي الثامنُ اَن يكون الرفعُ بتقدير الضمّةِ والجرُّ بتقدير الكسرةِ والنصبُ بالفتحة لفظًا ويُختصّ

قولہ واعلم الخ ابدًا دونوں مقاموں میں بنا برظرفیت کے منصوب ہے اور **قولہ السلامۃ** نون کی صفت ہے۔ اس وجہ سے منصوب ہے اس قید سے جمع بکسر کے نون سے احتراز ہوگیا جیسے شیاطین کہ وہ مرفوع ومنصوب ہوا کرتا ہے اور اضافت کیوقت ساقط نہیں ہوتا حاصل مطلب یہ ہوا کہ تثنیہ کا نون ہمیشہ یعنی تینوں حالتوں میں مکسور ہوتا ہے اور جمع سالم کا نون ہمیشہ یعنی ہر سہ حالت میں مفتوح رہتا ہے نون تثنیہ کے مکسور اور نون جمع کے مفتوح ہونیکی وجہ یہ ہے کہ نون اصل میں مبنی ہے۔ چونکہ حرف ہے اور بنا میں اصل سکون ہے جیسا کہ عنقریب آویگا اور جب ساکن التقاء ساکنین کی وجہ سے متحرک ہوا کرتا ہے تو اس کو حرکت کسرہ دیتے ہیں اس لیے کہ کسرہ معرب کے لئے بعد حرکات سے ہے چونکہ ہر دو معرب کہ غیر منصرف اور فعل مضارع ہے ان میں نہیں آتا اسوجہ سے اسکو حرکت بنائی مان لیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ساکن حرکت بنائی سے متحرک ہوگا مگر چونکہ تثنیہ جمع سے خفیف ہے اسوجہ سے اسکو اصل دیا گیا۔ یعنی کسرہ اور جمع کے نون کو فتحہ دیا گیا کیونکہ اگر کسرہ دیں تو نون تثنیہ سے التباس لازم آتا ہے۔ اور اگر ضمہ دیں تو یہ ثقیل ہے اسوجہ سے جمع کے نون کو فتحہ دیدیا۔ **قولہ کلاہما الخ** یعنی تثنیہ وجمع کے دونوں نون اضافت کیوقت گر جاتے ہیں چونکہ یہ دونوں نون تنوین کے عوض میں ہیں اور تنوین اضافت کی حالت میں ساقط ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ بھی گر جانے چاہئیں باوجودیکہ یہ دونوں نون جبکہ تثنیہ وجمع پر الف لام داخل ہوتا ہے ساقط نہیں ہوتے تو آپ نون تثنیہ وجمع حرکت اور تنوین دونوں کے عوض میں ہیں صرف تنوین کے عوض میں نہیں اور جہاں ساقط ہوتے ہیں وہاں اس امر کا لحاظ کیا گیا ہے کہ نون عوض تنوین میں ہے اور جہاں ساقط نہیں ہوتے وہاں حرکت کے عوض میں مانے گئے ہیں جاننا چاہیے کہ نون تثنیہ اور جمع میں چار مذہب ہیں جس کی تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر آئے گی واللہ اعلم بالصواب **قولہ السابع الخ** یہ گذشتہ چھ قسمیں لفظی اعراب کی ہیں۔ ان میں سے تین لفظی حرکتی ہیں جن میں سے اول حقیقی اور آخری دو حکمی ہیں اور تین لفظی حرفی جن میں سے اول حقیقی ہے اور آخری حکمی ہیں چونکہ وہ یا جسکا ماقبل مفتوح ہو۔ تثنیہ میں حالت نصب کے اندر اعراب نصبی کے حکم میں ہے اور وہ یا جسکا ماقبل مکسور ہو حالت نصب میں جمع کے اندر اعراب نصبی کے حکم میں ہے۔ جسطرح لفظی اعراب میں اصلیت اور فرعیت کے اعتبار سے ترتیب ہے لہذا جب مصنف اعراب لفظی سے فارغ ہوگیا تو اب اعراب تقدیری کو بیان کرتا ہے اعراب تقدیری حرکتی کو اعراب تقدیری حرفی سے مقدم بیان کیا کیونکہ وہ اصل ہے اسلئے اس میں سے بھی وہ جو تینوں حالتوں میں تقدیری ہے اصل ہے لہذا سب سے پہلے اسکو بیان کیا جاننا چاہیے کہ تقدیر اعراب کے مواضع جو اس کتاب میں مذکور ہیں چار ہیں۔ ان میں سے دو مواضع ایسے ہیں جنکے اندر اعراب کا تلفظ متعذر اور دشوار ہے ایک اسم مقصور اور ایک وہ اسم جو یائے متکلم کیطرف مضاف ہو۔ اور دو مواضع ایسے ہیں جنکے اندر اعراب کا تلفظ ثقیل ہے ایک اسم منقوص دوسرے وہ جمع مذکر سالم جو یائے متکلم کیطرف مضاف ہو۔ اعراب لفظی کے متعذر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اعراب کا تلفظ ممتنع ہو یا یہ ہو کہ اسم معرب کا آخری حرف جو محل اعراب ہے حرکت اعرابی کو قبول نہ کر سکے جیسے عصا اور غلامی اور اعراب لفظی کے ثقیل ہونے کا مطلب ہے کہ اعراب کا تلفظ ممتنع تو نہ ہو لیکن زبان پر بھاری ہو یعنی اسم معرب میں جو آخر کا حرف قبولیت اعراب کی صلاحیت رکھتا ہو لیکن تلفظ اعراب زبان پر ثقیل اور دشوار معلوم ہو جیسا کہ قاضی کا اعراب حالت رفعی وجری میں کہ اسکی یا قابل حرکت ہے لیکن اس پر ضمہ اور کسرہ کا تلفظ دشوار ہے زبان پر **قولہ ویختص بالمقصور** ای بالاسم المقصور۔ المقصور میں الف ولام موصوف کے بدلے میں ہے یعنی اعراب کی ساتویں صنف اسم مقصور کیساتھ مختص ہے مصنف نے اسم مقصور کی تعریف کی ہے کہ اسم مقصور وہ اسم ہے جو معرب ہو جسکے آخر میں الف مقصورہ ہو خواہ وہ تلفظ میں موجود ہو جیسے العصا یا عصای یا تنوین کیساتھ التقائے ساکنین کی وجہ سے وہ محذوف ہو جیسے عصًا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ جس اسم کے آخر میں الف ممدودہ ہوگا وہاں پر یہ اعراب نہ ہوگا کیونکہ وہاں اعراب کا تلفظ متعذر نہیں کیونکہ وہ قابل حرکت ہے بلکہ اس پر حرکت کا تلفظ زبان پر دشوار بھی نہیں اسوجہ سے اس پر سرے سے اعراب تقدیری نہیں ہوتا بلکہ اعراب لفظی ہوتا ہے اسم مقصور میں اعراب تقدیری ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اسم مقصور کے آخر میں الف ہوتا ہے جو حرکت کا متحمل نہیں ہوتا ہے کیونکہ جب اس پر حرکت آجاتی ہے تو یہ الف نہیں بلکہ ہمزہ ہو جاتا ہے چنانچہ کتب صرف میں ہے کہ الف ہمیشہ بے منضبط زبان سے ادا ہوتا ہے اور ہمیشہ ساکن رہتا ہے لیکن جو متحرک ہو یا ساکن ہو کیا منضبط ہو تو وہ ہمزہ ہے لہذا اس پر حرکت آنا متعذر ہوگا اور اسوجہ سے اعراب لفظی اس پر متعذر ہے اور جب اعراب لفظی متعذر ہوا تو لامحالہ تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگیا اعتراض عصًا میں الف کا وجود مسلم نہیں ہے چونکہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے اس کا سقوط واجب ہے لہذا اعراب میں کلام بیجا ہوگا جبکہ وہ اس وقت الف ہے جواب دخول لام اور اضافت کی حالت میں تو الف کا وجود ظاہر ہے لیکن حالت نکارت میں الف مقدر ہے اس لئے اعراب ما قبل الف پر جاری نہیں ہوتا بخلاف ید ودم وغیرہ کے کہ ان میں آخر حرف نسیًا منسیًا حذف ہو جاتا ہے اسلئے ان پر اعراب جاری ہوتا ہے **قولہ وبالمضاف الی الخ** اسکا عطف بالمقصور پر ہے یعنی بالاسم المضاف اور مضاف اور اعراب کی قسم مذکور بھی ایسے اسم کے ساتھ مخصوص ہے جو یائے متکلم کیطرف مضاف ہو خواہ اسم مفرد ہو یا جمع مکسر (باقی بر صفحہ ۴۴ پر)

بالمنقوص وهو ما في آخره ياءٌ ما قبلها مكسورٌ كالقاضِي تقول جاءني القاضِي ورأيتُ القاضِيَ ومررتُ بالقاضِي التاسع ان يكونَ الرفع بتقديرِ الواو والنصبُ والجرُّ بالياء لفظًا ويختصُّ بجمع المذكر السالم مضافًا الى ياء المتكلم تقول جاءني مسلِمِيَّ تقديرُهُ مُسلِمُوِيَ اجتمعتِ الواوُ والياءُ والاولى منهما ساكنةٌ فقلبتِ الواوُ ياءً وادغمتِ الياءُ في الياءِ وأُبدلتِ الضمةُ بالكسرةِ لمناسبةِ الياءِ فصار مُسلِمِيَّ ورأيتُ مسلِمِيَّ ومررتُ بمُسلِمِيَّ

یا جمع مونث سالم لیکن جمع مذکر سالم نہ ہو۔ کیونکہ وہ جمع مذکر سالم جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو، اس کا اعراب اور ہے۔ جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگا۔ وہ اسم جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہے اس کے اندر اعراب لفظی اس وجہ سے متعذر ہے کہ ماقبل یا عامل کے آنے سے پہلے کسرہ کا مستحق ہو گیا ہے۔ کیونکہ کسرہ یا کے موافق ہوتا ہے ماقبل یا عامل کے آنے سے پہلے کسرہ کا مستحق اس وجہ سے ہوا کہ اضافت عوامل کے دخول سے پہلے ہے۔ کیونکہ مفرد مرکب سے مقدم ہے۔ لہذا جب عامل کے ساتھ ترکیب کی وجہ سے اعراب آیا تو اس کے محل میں منافی کو پایا لہذا ان کی تقدیر واجب ہو گئی کیونکہ اگر اعراب بالحرکت لفظاً دیتے ہیں تو حالت رفع ونصب میں ایک حرف کو دو مختلف حرکتوں اور حالت جری میں دو متماثل کا وجود لازم آتا ہے اور ابن مالک وغیرہ کہتے ہیں کہ اسم غیر جمع مذکر سالم مضاف الی یاء المتکلم حالت جری میں لفظاً معرب ہے کیونکہ اسکے کسرہ کو جر قرار دینا ممکن ہے جیسا کہ الف تثنیہ اور واؤ جمع کو حالت رفعی میں فاعلیت پر دلالت کرنیوالا قرار دیا جاتا ہے۔ جواب اگر اسم کے کسرہ کو جو کہ یار کی وجہ سے آیا ہے حالت جری میں اعراب لفظی قرار دیا جائیگا۔ تو موثر تام لفظی (یاء اور عامل) کا توارد ایک اثر پر لازم آئیگا جو درست نہیں بخلاف الف تثنیہ اور واؤ جمع کے کہ ان کو اعراب اور علامت تثنیہ اور علامت جمع دونوں قرار دیں تو اگرچہ دو موثر تام ان پر بھی وارد ہوں گے لیکن وہ دونوں موثر لفظی نہ ہوں گے بلکہ ایک لفظی (عامل) اور دوسرا معنوی (تثنیہ وجمع) ہوگا اور اس میں کچھ حرج نہیں چونکہ ہیئت بدل جائے گی جرجانی اور اس کے متبعین کہتے ہیں کہ یہ اسم تینوں حالتوں میں مبنی ہوتا ہے۔ چونکہ مبنی کیساتھ اسکا امتزاج بہت ہے مبنی کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں کہ غلامی کیطرح نہ معرب ہے، نہ مبنی چونکہ غلامی کی میم حرف وسط ہے اور اعراب دینا آخر حرف کی صفات ہیں **قولہ بالمنقوص الخ** یہ موصوف محذوف کی صفت ہے، ای بالاسم المنقوص یعنی اسم منقوص کا اعراب حالت رفع اور جر میں ضمہ اور کسرہ کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے اور حالت نصب میں فتح لفظی کیساتھ اسکا اعراب ہوتا ہے اب سوال ہوتا ہے کہ اسم منقوص کسے کہتے ہیں تو مصنف جواب دیتا ہے **ہو ما فی آخرہ یاءٌ ما قبلها** الخ یعنی اسم منقوص وہ اسم ہے جس کے آخر میں یا، ماقبل مکسور ہو جیسے قاضی۔ اسم منقوص حالت رفعی میں اور جری میں اعراب تقدیری بوجہ استثقال کے ہوتا ہے ان دو حالتوں میں چونکہ یا پر ضمہ اور کسرہ کے تلفظ کو اہل عرب زبان پر ثقیل سمجھتے ہیں اس وجہ سے ان دو حالتوں میں اسکا اعراب تقدیری ہو گیا۔ بخلاف حالت نصب کے کہ اسکا اعراب فتحہ لفظی کیساتھ ہوتا ہے چونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے لہذا یا پر ثقیل نہیں **قولہ التاسع الخ** جب مصنف اعراب تقدیری حرکتی سے فارغ ہو گیا تو اعراب تقدیری حرفی کو بیان کرتا ہے۔ یہ اعراب فقط استثقال کیوجہ سے تقدیری ہوتا ہے تعذر کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ **قولہ یختص بجمع المذکر السالم** یعنی جمع مذکر سالم جبکہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو تو اسکا اعراب حالت رفع میں تقدیر واؤ کیساتھ ہوتا ہے اور نصب وجر میں تلفظ یار کیساتھ اسکے اندر حالت رفع میں اعراب لفظی اس وجہ سے ثقیل ہے کہ حالت رفع میں جمع مذکر سالم کے اندر اعراب واؤ ہوتا ہے اور واؤ کا تلفظ اس اضافت کے وقت میں ثقیل ہے کیونکہ واؤ اخت ضمہ ہے۔ اور یار اخت کسرہ اگر واؤ کا تلفظ کریں تو خروج ضمہ سے کسرہ کی طرف لازم آئیگا جو ثقیل ہے لہذا واؤ یار ہو کر یار میں مدغم ہو گیا بخلاف حالت نصبی اور جری کے کہ ان کی علامت یار ہے۔ اور اگر یا کو یا میں ادغام کریں تو اس میں کوئی ثقل اور بھاری پن نہیں ہے۔ کیونکہ خروج ضمہ سے کسرہ کیطرف لازم نہیں آتا۔ بلکہ کسرہ سے کسرہ کی طرف خروج ہے لہذا یائے علامت اپنی حالت پر رہتے ہوئے یائے متکلم میں مدغم ہوئی ہے اور ادغام شئے کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرتا بلکہ ابدال کرتا ہے اس وجہ سے ان دونوں حالتوں میں اعراب لفظی ہی رہیگا اور حالت رفعی میں تقدیری کیونکہ واؤ ثقالت کے سبب یار سے مبدل ہو گیا ہے اور جب ابدال نے واؤ کو اسکی حقیقت سے خارج کر دیا تو اب اعراب تقدیری ہو گیا **قولہ تقدیرہ مسلموی الخ** یعنی مسلمی اصل میں مسلمون تھا جب یائے متکلم کی طرف اضافت کی تو نون گر گیا۔ چونکہ اضافت کیوقت نون اعرابی گر جاتا ہے تو مسلموی ہو گیا واؤ اور یار ایک کلمہ میں جمع ہو گئے لہذا واؤ کو یا کر کے یا میں ادغام کر دیا اور ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا مسلمی ہو گیا۔ بطور فائدہ کے جاننا چاہیئے کہ کبھی جمع مذکر سالم کا اعراب ہر سہ حالت میں تقدیری ہوتا ہے جبکہ معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے جاءنی مسلمو القوم رأیت مسلمی القوم مررت بمسلمی القوم ایسے ہی اسماء ستہ جبکہ معرف باللام کیطرف مضاف ہوتے ہیں تو انکا اعراب ہر حالت میں تقدیری ہوتا ہے جیسے جاءنی ابو القوم رأیت ابا القوم مررت بابی القوم کبھی مثنیٰ کا اعراب حالت رفعی میں جبکہ معرف باللام کیطرف مضاف ہوتا ہے تو اعراب تقدیری ہوتا ہے جیسے جاءنی غلاما الرجل علامہ تفتازانی نے ان کو شواذ میں بیان کیا ہے۔ لیکن مصنف نے انکی طرف التفات نہیں کیا کیونکہ یہ امر عارضی ہے۔ مضاف الیہ کے اعتبار سے جو کہ مستقل کلمہ ہے اس وجہ سے اسکا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ یار متکلم چونکہ جزو کلمہ ہو گیا غیر مستقل ہونے کی بنا پر اسوجہ سے اسکا اعتبار کر کے اسکی وجہ سے اعراب میں جو اثر پڑتا ہے اسکو مصنف نے بیان کیا ۱۲

⁂

فصل الاسمُ المعربُ علیٰ نوعین مُنصرِفٌ وھو ما لیس فیہ سببان او واحدٌ یقومُ مَقامَھُما مِن الاسباب التسعۃ کزید ویسمّیٰ الاسمَ المتمکِّن وحُکمُہٗ ان یّدخلَہُ الحرکاتُ الثلثُ مَعَ التّنوین تقولُ جاءَنِی زیدٌ ورأیتُ زیدًا ومررتُ بزیدٍ وغیرُ مُنصرِفٍ وھُوَ ما فیہِ سببانِ او واحدٌ مِّنہا یقومُ مقامَھما

قولہ فصل۔ چونکہ منصرف اور غیر منصرف اعراب کی تقسیم میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے مصنفؒ نے چاہا کہ ان کی تعریف کردی جائے تاکہ طالب ان کی جزئیات کی معرفت میں بصیرت پیدا ہو جائے اس وجہ سے مصنفؒ نے یہ فصل منصرف اور غیر منصرف کی معرفت کیواسطے منعقد کی ہے۔ **قولہ علی نوعین**۔ یعنی اسم معرب دو قسم پر ہے۔ ایک منصرف اور ایک غیر منصرف۔ بقول مصنفؒ منصرف میں باعتبار اعراب کے تین احتمال ہیں۔ مجرور بدلیت کی بنا پر اور یہ اولیٰ ہے چونکہ اس صورت میں حذف کیطرح احتیاج واقع نہیں ہوتی ہے۔ مرفوع مبتدا محذوف کی خبر ہونیکی بنا پر اے احدہما منصرف منصوب فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی بنا پر اے اعنی منصرفاً **قولہ وہو الخ** یہ منصرف کی تعریف ہے اس سے مراد اسم معرب ہے کیونکہ وہ مقسم ہے اور مقسم تعریفات اقسام میں معتبر ہوتا ہے اسوجہ سے اسباب منع صرف میں اسم معرب معتبر ہے یعنی اسم منصرف وہ اسم معرب ہے۔ جس میں دو سبب یا ایک ایسا سبب جو دو کے قائمقام ہوتا ہے اس میں نہ پایا جاوے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اسم ایسا ہو کہ اس میں ایک سبب پایا جاتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں ہے کہ دو سبب کے قائم مقام ہو سکتا ہو تو وہ اسم منصرف ہوگا اگر کوئی کہے کہ مصنفؒ نے بیان منصرف کو بیان غیر منصرف پر کیوں مقدم کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ منصرف اصل ہے غیر منصرف سے اور اسکے افراد بھی زیادہ ہیں اس وجہ سے اسکو مقدم کیا ہے کیونکہ تعریف سے مقصود کبھی تصویر یعنی غیر حاصل صورت کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کی ذاتیات کے اعتبار سے اور کبھی تمیز یعنی کسی چیز کو اس کے ماسواء سے جدا کرنا ہوتا ہے اور یہاں منصرف کی تعریف سے امر ثانی مقصود ہے اسوجہ سے یہ اعتراض نہ ہوگا کہ عدمی سے تعریف درست نہیں چونکہ جو غیر موجود ہو وہ شے کے وجود کا سبب نہیں ہوتا **قولہ ویسمی الاسم المتمکن** یعنی اسم منصرف کو اسم متمکن بھی کہتے ہیں اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے **قولہ وحکمہ الخ** یعنی اسم منصرف کا وہ اثر جو اسم منصرف پر بحیثیت منصرف ہونے کے مرتب ہوتا ہے یہ ہے کہ اس پر تینوں حرکتیں مع تنوین کے داخل ہوتی ہیں کیوں کہ اس کو فعل کیساتھ مشابہت نہیں ہے۔ **قولہ غیر منصرف** منصرف پر معطوف ہے اس میں بھی ہر سہ مذکورہ احتمال ہیں۔ یعنی یہ مجرور ہے یا مرفوع یا منصوب اور انہیں مذکورہ وجوہات کی بنا پر **قولہ وہو ما الخ** یہ غیر منصرف کی تعریف ہے اس میں اسے مراد اسم معرب ہے چونکہ وہ مقسم ہے اور مقسم تعریفات اقسام میں معتبر ہوتا ہے یعنی غیر منصرف وہ اسم معرب ہے کہ جس میں نو اسباب منع صرف میں سے دو سبب پائے جائیں یا ایک سبب قائم مقام دو سبب کے پایا جاوے مصنفؒ کی عبارت میں قولہ منہا دونوں مقام میں صفت ہے اے سببان کائنان منہا اور واحد کائن منہا کو دوبارہ اس وجہ سے لائے ہیں کہ یہاں پر اس کے ساتھ عطف ہو رہا ہے جو کہ تردید اور تنویع کے واسطے آتا ہے اور اس میں قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ مقید موصوف پر جبکہ اس کی جنس کا عطف کیا جاوے تو وہ صفت معطوف کیساتھ بھی ذکر کریں کیونکہ اگر وہ قید اور صفت ذکر نہ کی جاوے گی تو یہ معلوم نہ ہوگا کہ معطوف معطوف علیہ کی جنس سے ہے۔ بلکہ احتمال غیر جنس ہونیکا رکھیگا۔ جیسے مثلاً فی الدار رجلان عالمان اور رجل عالم کہ اگر معطوف رجل کے ساتھ عالم کو ذکر نہ کریں تو معلوم نہ ہوگا کہ رجل عالم ہے بلکہ عالم اور جاہل دونوں کا احتمال رکھیگا ایسے ہی یہاں پر اگر منہا مکرر نہ ہوتا تو معلوم نہ ہوتا کہ یہ ایک سبب نو اسباب سے ہے یا نہیں بلکہ نو اسباب سے نہ ہونا مرجح ہوگا اس لئے کہ او اگرچہ اس جگہ تنویع کیواسطے ہے لیکن اس سے متبادر تردید ہے کہ اگر کوئی اسم معرب ہو تو اس میں دیکھیں گے کہ دو سبب نو اسباب منع صرف میں سے اس میں پائے جاتے ہیں یا نہیں اگر دو سبب پائے جائیں تو اسم معرب غیر منصرف ہے اور اگر دو سبب نہیں پائے جاتے بلکہ ایک سبب پایا جاتا ہے تو اس کو دیکھیں گے یہ ایک سبب نو اسباب میں ایسا ہے کہ دو کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ یا نہیں اگر وہ ایسا سبب ہے کہ دو کے قائم مقام ہو جاتا ہے تو تب بھی اسم غیر منصرف ورنہ منصرف رہا یہ امر کہ ایسے اسم معرب کو جس میں دو سبب نہیں پائے جاتے اور نہ ایسا ایک سبب جو دو کا اثر رکھتا ہو تو اس کو منصرف کیوں کہتے ہیں اور وہ اسم جس میں دو سبب یا ایک سبب مذکور ہے۔ تو اس کو غیر منصرف کیوں کہتے ہیں تو جاننا چاہیئے کہ منصرف اور غیر منصرف صرف سے ماخوذ ہے۔ صرف کے معنی لغت میں دو ہیں گردیدن یعنی متغیر ہونا اور بمعنی زیادہ ہونا ہے اول معنی کے اعتبار سے منصرف کو منصرف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ منصرف کے مفہوم کے مصادق چونکہ بوجہ اتم متغیر ہوتے ہیں۔ چونکہ تینوں حالت میں یہ بدلتا ہے اسوجہ سے اس کو منصرف کہا جاتا ہے بخلاف غیر منصرف کے اس میں تغیر صرف دو حالت میں ہوتا ہے لہذا تغیر اس میں کامل نہیں ہوا اس وجہ سے اسکو غیر منصرف کہتے ہیں۔ دوسرے معنی کے اعتبار سے اس وجہ سے منصرف کو منصرف کہتے ہیں اس کے مفہوم کے مصادق امر زائد یعنی کسرہ اور تنوین پر شامل ہوتے ہیں بخلاف غیر منصرف کے مفہوم کے مصادق کے کہ کسرہ اور تنوین پر شامل نہیں ہوتے اس وجہ سے اس مفہوم کو غیر منصرف کہتے ہیں جاننا چاہیئے کہ دو سبب یا ایک سبب سے مراد یہاں پر عام ہے خواہ سبب حقیقی ہوں یا حکمی لہذا سراویل سے تعریف پر اعتراض نہ ہوگا کہ سراویل غیر منصرف ہے باوجودیکہ اس میں نہ دو سبب ہیں اور نہ ایک۔ حالانکہ غیر منصرف اس وقت تک کوئی اسم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس میں دو سبب یا ایک سبب جو دو کے قائمقام ہو سکے نہ ہو۔ یہ اعتراض اس وجہ سے نہ ہوگا کہ اگرچہ اس میں سبب حقیقۃً نہیں پایا جاتا ہے مگر حکماً اس میں ضرور سبب پایا جاتا ہے نیز سبب سے مراد (بقیہ حاشیہ برص ۴۶)

وَالْاَسْبَابُ التِّسْعَةُ هِيَ الْعَدْلُ وَالْوَصْفُ وَالتَّانِيثُ وَالْمَعْرِفَةُ وَالْعُجْمَةُ وَالْجَمْعُ وَالتَّرْكِيبُ
وَالْاَلِفُ وَالنُّونُ الزَّائِدَتَانِ وَوَزْنُ الْفِعْلِ وَحُكْمُهُ اَنْ لَا يَدْخُلَهُ الْكَسْرَةُ وَالتَّنْوِيْنُ وَيَكُونُ فِي
مَوْضِعِ الْجَرِّ مَفْتُوحًا اَبَدًا نَقُولُ جَاءَنِي اَحْمَدُ وَرَأَيْتُ اَحْمَدَ وَمَرَرْتُ بِاَحْمَدَ

نیز سبب سے مراد مطلق سبب نہیں ہے بلکہ ایسا سبب مراد ہے۔ جو منع صرف میں اثر کرنیکے اندر موثر ہے مع پائے جانے اثر کی شرطوں کے جبکہ سبب سے ایسا سبب مذکور مراد ہوگا تو حبلیٰ اور مصابیح سے اعتراض نہ ہوگا بایں وجہ کہ وہ دونوں علم ہوں کہ یہ غیر منصرف کی پہلی قسم سے شمار کیے جائیں چونکہ ان میں دو سبب پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ انکو غیر منصرف کی قسم اول سے شمار نہیں کیا جاتا ہے بلکہ قسم ثانی سے شمار کیا جاتا ہے اعتراض اس وجہ سے وارد نہ ہوگا کہ ان میں علمیت غیر موثر سبب نیز سبب سے مراد ان میں تانیث لفظی اور جمع ہے علمیت غیر موثر اس وجہ سے ہے کہ علمیت سے قبل بھی مذکور بنا پر غیر منصرف تھے لہذا ان میں سبب موثر علمیت نہیں ہے اور جب یہ سبب موثر نہیں بلکہ سبب موثر حبلیٰ میں تانیث الفی ہے اور مصابیح میں جمع اس وجہ سے غیر منصرف کی ثانی قسم میں ان کو داخل کیا ایسے ہی نوح اور لوط سے بھی اعتراض وارد نہ ہوگا۔ ان میں دو سبب پائے جاتے ہیں۔ باوجود اس امر کے پھر بھی یہ غیر منصرف نہیں۔ لہذا غیر منصرف کی تعریف مانع نہیں دو سبب ان میں عجمہ اور علمیت ہے۔ کیونکہ دو سبب اگرچہ پائے جاتے ہیں لیکن ان میں عجمہ کے اثر کی شرط نہیں پائی جاتی ہے اس وجہ سے یہاں پر سبب موثر نہیں ہے کیونکہ دو سبب اگرچہ پائے جاتے ہیں لیکن ان میں . . . . عجمہ کے اثر کی شرط کے ساتھ نہیں پایا جاتا اس وجہ سے یہ منصرف ہیں غیر منصرف نہیں جاننا چاہیے کہ قیام سبب واحد مقام دو سبب سے مراد یہ ہے کہ ایک سبب ایسا اثر کرے جیسا دو سبب اثر کرتے اور جب یہ مراد ہے تو جو اس مقام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ قیام یہاں متصور نہیں کیونکہ قیام اجسام میں ہوتا ہے اور علل اعراض سے ہیں اجسام سے نہیں لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ ایک سبب دوسرے کے مقام میں قائم ہو۔ اعتراض اس وجہ سے وارد نہ ہوگا کہ قیام سے مراد تاثیر ہے اور علل تاثیر کے ساتھ موصوف ہوسکتی ہے **قولہ والاسباب التسعۃ** چونکہ منصرف اور غیر منصرف کی تعریف میں نو اسباب بطور اجمال کے مذکور ہوئے ہیں اور اجمال تعریف میں مخل بالمقصود تھا اس وجہ سے مصنفؒ یہاں ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں جاننا چاہیے کہ اسباب منع صرف کی تعداد میں اختلاف ہو رہا ہے بعض کہتے ہیں کہ منع صرف کے اسباب کل دو ہیں ایک حکایت اور ایک ترکیب حکایت سے مراد نقل ہے جیسے وزن فعل ہے کہ وہ فعل سے منقول ہے اور ترکیب کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے شرح جامی کے حواشی میں اس کی تفصیل مذکور ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اسباب غیر منصرف گیارہ ہیں، نو وہ ہیں جو کتاب میں مذکور ہیں اور دسواں سبب وصفیت اصلیہ کا اعتبار زوال علمیت کے وقت میں جیسے احمر دوسرا الف تانیث خواہ مقصورہ ہو خواہ ممدودہ لیکن ان میں سے پہلا صفت میں داخل ہے اور ثانی تانیث میں اور بعض تیرہ کے قائل ہیں نو کتاب میں مذکور ہیں اور دو وہ جو گیارہ کے قائل کہتے ہیں اور دو یہ ہیں ایک لزوم تانیث اور دوسرے تکرار جمع لیکن لزوم تانیث تانیث میں داخل ہے اور تکرار جمع جمع میں۔ چونکہ نو کا قول اقرب الی التحقیق ہے اس وجہ سے مصنف نے کہا کہ والاسباب الخ مصنف کے قول الاسباب میں لام عہد کا ہے یعنی مذکور اسباب تسعہ **قولہ ہی العدل الخ** ہی ان میں ضمیر فصل ہے۔ یعنی وہ نو اسباب جن کا ذکر پہلے گذرا ہے وہ سبب یہ ہیں۔ یہ ترجمہ اس وجہ سے کیا ہے کہ یہاں عطف حکم پر مقدم ہے کیونکہ اگر عطف کو حکم پر مقدم نہ مانیں بلکہ حکم کو عطف پر یہاں مقدم مانیں تو یہ قول درست نہ ہوگا کیونکہ معنی ہونگے کہ وہ مذکور سابق نو اسباب عدل ہیں اس معنی پر لازم آتا ہے کہ عدل نو اسباب ہوں ایسے ہی کلام کے معنی آتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے اس وجہ سے عطف حکم پر مقدم ہے **قولہ حکمہ** یعنی غیر منصرف کا حکم اور اثر جو غیر منصرف پر دو سبب یا ایک سبب کی وجہ سے مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین داخل نہیں ہوتے اور جر کی جگہ میں ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے جاننا چاہیے کہ مصنف کی عبارت میں حکمہ مبتدا ہے اور ان لایدخل الخ خبر ہے اور ان لایدخل میں ان مصدریہ نہیں ہے بلکہ مخففہ من المثقلہ ہے ضمیر شان اُن کا اسم ہے اور مابعد اسکی خبر ہے کیوں کہ اگر اس کو مصدریہ قرار دیں تو یدخل مصدر بن جاوے گا اور مصدر ذات کی خبر نہیں ہوتا اس وجہ سے یہ خبر نہ ہو سکے گا۔ رہا یہ امر کہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین کیوں نہیں آتے اس لئے کہ غیر منصرف فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور فعل پر کسرہ و تنوین نہیں آتے لہذا غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آئیں گے اب اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جو اسم فعل کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں ان کے احوال مختلف ہیں۔ بعض تو عامل اور مبنی ہوتے ہیں اور بعض صرف عامل پس کیا وجہ ہے کہ غیر منصرف باوجودیکہ فعل کے مشابہ ہے مگر نہ تو عامل ہے اور نہ مبنی۔ جواب یہ ہے کہ اسم کی فعل کے ساتھ مشابہت رکھنے کی تین صورتیں ہیں ادنےٰ اور اعلےٰ۔ ادنےٰ متوسط۔ جب اسم کی مشابہت فعل کے ساتھ تامہ ہو تو اس وقت اس اسم کو عامل بھی کرتے ہیں اور مبنی بھی جیسے اسمائے افعال ہیہات رویدا وغیرہ کہ اقتران بالزمان اور معنی مصدری میں فعل کے مشارک ہیں۔ لہذا اس مشابہت تامہ کی وجہ سے وہ عامل بھی ہیں اور مبنی بھی اور جب اسم کی مشابہت فعل کے ساتھ متوسط ہو یعنی وہ فعل کے ساتھ صرف معنی مصدری میں شریک ہو تو اس صورت میں عامل ہوتا ہے جیسے اسم فاعل اسم مفعول مصدر وغیرہ

(باقی برصفحہ ۴۸ پر)

اما العدل فهو تغيّر اللفظ من صيغته الأصلية الى صيغةٍ اُخرى

اور جب اسم فعل کیساتھ ادنیٰ مشابہت رکھتا ہو۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ نہ تو اقتران بالزمان میں فعل کے شریک ہے۔ اور نہ معنی مصدری میں تو ایسے اسم کو نہ عامل کرتے ہیں اور نہ مبنی۔ بلکہ خصائص فعل میں اس کو فعل کا شریک کردیتے ہیں جیسے غیر منصرف کہ اس کی مشابہت فعل کیساتھ مذکورہ بالا دونوں باتوں میں سے کسی بات میں نہیں بلکہ دو فرع ہونے میں وہ فعل کے مشابہ ہے یعنی جس طرح فعل میں دو فرعیں پائی جاتی ہیں کہ ایک تو وہ مصدر سے مشتق ہے اور مشتق مشتق منہ کی فرع ہوتا ہے۔ دوسرے وہ فاعل کا محتاج ہے اور محتاج محتاج الیہ کی فرع ہوتا ہے۔ اسی طرح غیر منصرف میں بھی دو فرعیں پائی جاتی ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ اس میں اسباب منع صرف میں سے دو سبب پائے جاتے ہیں اور ہر سبب دوسرے کیلئے فرع ہے مثلاً عدل معدول عنہ کی فرع ہے اور وصف موصوف کی اور تانیث تذکیر کی فرع ہے اسلئے کہ مذکر پر تائے تانیث کو داخل کرکے مونث بناتے ہیں اور تعریف تنکیر کی فرع ہے اس لیئے کہ نکرہ پر الف لام زیادہ کرکے معرفہ بناتے ہیں اور کلام عرب میں عجمہ کا اسم عربی کی فرع ہے اس لیے کہ اصل ہر زبان کی یہ ہے کہ اس زبان کیساتھ دوسری زبان کا لفظ مختلط نہ ہو اور جمع واحد کی فرع ہے اور ترکیب فرع ہے افراد کی اور الف نون مزیدتین فرع ہے مزید علیہ کی اور وزن فعل وزن اسم کی فرع ہے۔ اس لیے کہ ہر نوع چاہتی ہے کہ اس میں وہ وزن نہ پایا جائے جو کہ دوسری نوع کیساتھ مختص ہے پس جب کہ غیر منصرف میں دو سبب پائے جاتے ہیں اور ہر سبب دوسری شئے کی فرع ہے لہٰذا اس میں دو فرعیتیں موجود ہیں اور اس اعتبار سے اس کی فعل کیساتھ مشابہت ہے اور جس طرح فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے غیر منصرف پر بھی یہ دونوں داخل نہ ہونگے مصنف نے کسرہ کو تنوین پر مقدم لایا۔ عدم دخول کے بیان میں تاکہ اس امر پر تنبیہ ہو جاوے کہ کسرہ کا عدم دخول بھی قصدی ہے جس طرح تنوین کا عدم دخول قصدی ہے اس سے ان نحاۃ پر رد ہو جائے گا۔ جو کہتے ہیں کہ کسرہ کا داخل نہ ہونا تبعی ہے۔ **قولہ اما العدل** چونکہ عدل تمام اسباب غیر منصرف میں بلا شرط کے موثر ہے اس وجہ سے اس کے بیان کو سب کے بیان پر مقدم کیا پھر جانو کہ عدل کی تعریف مذکور پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے حاصل اعتراض کا یہ ہے کہ عدل متعدی ہے اور اخراج کا مرادف ہے پس جس طرح پر اخراج متکلم کی صفت ہے عدل بھی اسکی صفت ہوگا حالانکہ جتنے منع صرف کے اسباب ہیں وہ سب اسم کی صفت ہیں جواب یہ ہے کہ یہاں عدل مصدر مبنی للمفعول ہے ای کون الاسم معدولاً۔ اور یہ اسم کی صفت ہے متکلم کی نہیں پس اب کوئی اشکال نہیں رہا اور تشریح اسکی یہ ہے کہ متعدی دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو مبنی للفاعل ہوگا یا مبنی للمفعول اسلیئے کہ مصدر معنی حدثی ہے اور وہ بدون انتساب الی الفاعل یا الی المفعول کے متصور نہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ حدث ایک امر اضافی انتزاعی ہے جو فاعل کیساتھ اس اعتبار سے قائم ہے کہ اس سے حادث ہوا ہے اور مفعول کیساتھ اس حیثیت سے قائم ہے کہ فاعل سے صادر ہو کر اس پر واقع ہوا ہے مثلاً ضرب جب مبنی للفاعل ہوگا۔ تو اس کے معنی کون الشئی ضاربا کے ہوں گے اور جب مبنی للمفعول ہوگا۔ تو اس کے معنی کون الشئی مضروبا کے ہوں گے علیٰ ہذا القیاس جب عدل مصدر مبنی للمفعول ہوگا تو اس کے معنی کون الاسم معدولاً کے ہوں گے اور وہ اسم کی صفت ہوگا۔ نہ کہ متکلم کی۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس تعریف میں عدل معرف بالفتح اور تغیر اللفظ معرف بالکسر ہے اور چونکہ معرف بالکسر کا معرف بالفتح پر حمل ضروری ہے۔ لہٰذا یہاں پر بھی اس معرف کا معرف پر حمل ضروری ہوگا حالانکہ اس جگہ تغیر اللفظ معرف کا عدل معرف پر حمل نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عدل متعدی اور تغیر لازم ہے۔ لازم کا متعدی پر حمل نہیں ہو سکتا۔ جواب یہ ہے کہ معنی میں کون الاسم مغیراً کے ہے پس حمل صحیح ہو جائیگا اور اگر کوئی کہے کہ تغیر لازم ہے اور مغیر متعدی ہے لازم کی تفسیر متعدی کے ساتھ صحیح نہیں یہ تفسیر الشئی بالمبائن ہے جو کہ جائز نہیں ہاں اگر مصنف بجائے تغیر کے اللفظ کہتا اور یہ تفسیر کی جاتی کہ کون الاسم مغیراً تو مضائقہ نہ تھا اس وقت تفسیر الشئی بالمثل ہوتی ہے اور یہ جائز تھا جواب یہ ہے کہ تغیر کی دو صورتیں ہیں اس لیے کہ تغیر اصل میں کون الشئی متغیراً ہے اور ظاہر ہے کہ کبھی تو خود بخود شئی اپنے اختیار سے متغیر ہوتی ہے اور کبھی دوسری شے کے تغیر سے اسلئے کہ تغیر بدون متغیر کے متحقق نہیں ہوتا۔ پس جب تغیر کی دو صورتیں ہیں تو اب تغیر بالمعنی الاول تغیر کے مبائن ہے نہ کہ بالمعنی الثانی بلکہ وہ تغیر کو لازم ہے پس تغیر کی تفسیر کون الشئی مغیراً باعتبار معنی ثانی کے درست ہے اور اگر کوئی کہے کہ مصنف نے عدل کی تعریف میں تغیر اللفظ عن صیغۃ الاصلیۃ کہا ہے صیغہ صورت کو کہتے ہیں اور لفظ مادہ اور صورت دونوں کا نام ہے پس اس کلام سے لازم آتا ہے کہ کلمہ یعنی لفظ اپنے ایک جز یعنی صورت سے متغیر ہو۔ اور یہ باطل ہے جواب یہ ہے کہ لفظ سے مراد فقط مادہ ہے مادہ اور صورت دونوں کا مجموعہ نہیں کہ کل کا تغیر اس کے جز سے لازم آئے بہر حال عدل وہ ہے۔ کہ اسم اپنے اصلی وزن سے بغیر کسی قانون و قاعدہ صرفی تحقیقاً یا تقدیراً بدلا گیا ہو یعنی نکالا گیا ہو بشرطیکہ مادہ اور معنی اصلی باقی رہیں اب قیود کی وجہ سے بہت سے اعتراضات رفع ہوگئے اور عدل کی تعریف جامع اور مانع ہوگئی تشریح مقام کی یہ ہے۔ کہ مصنف نے جب تغیر کو صیغہ کے ساتھ مقید کیا تو معلوم ہوا کہ تغیر صرف صیغہ میں ہوگا۔ اور مادہ بدستور باقی رہے گا اب وہ اسماء تعریف عدل سے خارج ہو جائیں گے۔ جن میں مادہ بھی بدل جاتا ہے اور جب صیغہ کو ضمیر کی طرف مضاف کیا تو اس سے مشتقات نکل گئے۔ اس لئے کہ وہ اپنی صورت اور ہیئت سے نہیں نکالے گئے بلکہ مصدر کی ہیئت سے نکلے ہیں اور چونکہ یہاں صیغہ کو اس کی صفت اصلیہ کے ساتھ متصف کیا ہے۔ لہٰذا اس سے

باقی بر صفحہ ۴۸ پر۔

✦ ✦ ✦

تحقیقًا او تقدیرًا ولا یجتمِعُ مع وزن الفِعل اَصْلًا و یجتمِعُ مَعَ العَلَمِیّۃِ کعُمَرَ وزُفَرَ ومع الوَصفِ کثُلاثَ ومَثْلَثَ واُخَرَ

مغیرات شاذہ جیسے اقوس وانیب خارج ہوگئے اس لئے کہ یہ خلاف قیاس قوس اور ناب کی جمع ہیں اور قیاس یہ چاہتا تھا۔ کہ ان کی جمع اقواس اور انیاب آتی ہے اس لیے کہ جو اسم اجوف واوی یا یائی فعل کے وزن پر ہو اس کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہے جیسے قول اور عین کی جمع اقوال اور اعیان آتی ہے پس اس قاعدہ کے مطابق قوس اور ناب کی جمع اقوس اور انیاب آنی چاہیئے تھی اقوس اور انیب بر وزن افعل خلاف قیاس آئی۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اقوس اور انیب اقواس اور انیاب سے معدول ہیں۔ یعنی اول دونوں کی جمع اقواس اور انیاب آئی۔ پھر بعد میں اقوس اور انیب ہوگئی تو کہا جائے گا۔ کہ اگر ایسا ہوتا تو ان کو مغیرات شاذہ نہ کہتے۔ پھر یہ جاننا بھی ضروری ہے۔ کہ جب کوئی اسم اپنی صورت اصلیہ سے متغیر ہو تو یہ ضروری ہے کہ وہ ضمن میں دوسری صورت کے پایا جاوے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ یہ دوسری صورت پہلی صورت کے عین ہوگی یا غیر۔ اگر عین ہو تو تغیر متحقق نہ ہوگا۔ اس وجہ سے مصنفؒ نے کہا ہے الی صیغۃ اخری پس لامحالہ کہنا پڑیگا کہ یہ صورت پہلی صورت کے مغائر ہونی چاہیئے۔ پھر چونکہ مغائرت کے یہ معنی ہیں۔ کہ صورت اولی جس طرح پر کسی قانون اور قاعدہ کے ماتحت ہے۔ اسی طرح صورت ثانیہ قانون اور قاعدہ کے ماتحت نہ ہو پس اس وقت مغیرات قیاسیہ مثلاً میزان اور قال وغیرہ تعریف عدل سے خارج ہوگئے اس لیے صورت اولی جیسا کہ قاعدہ مرفی کے تحت میں ہے۔ ایسے ہی صورت ثانیہ بھی قاعدہ کے تحت میں ہے **قولہ تحقیقًا او تقدیرًا** اس میں باعتبار ترکیب کے چند احتمال ہیں یا تو یہ نسبت تغیر سے جو لفظ کی طرف ہے تمیز ہوگا یعنی اس نسبت اضافیہ کے ابہام کو دور کرے گا یہ معنی ہونگے کہ تغیر اللفظ تحقیقی اور تقدیری یا یہ کان محذوف کی خبر ہے ای تحقیقًا کان التغیر او تقدیرًا یا یہ مفعول مطلق ہے۔ فعل محذوف کا ای تحقق العدل تحقیقًا او قدر العدل تقدیرًا یا یہ تغیر اللفظ کی صفت ہو کر مفعول مطلق ہے اور یہ دونوں اسم مفعول کے معنی میں ای تغیرًا محققًا او مقدرًا یا مضاف محذوف کے اعتبار سے مفعول مطلق ہیں ای تغیرًا تحقیقیًا و تقدیریًا مصنف کا مقصد اس عبارت سے یہ بیان کرنا ہے۔ کہ عدل کی دو قسمیں ہیں تحقیقی اور تقدیری عدل تحقیقی وہ ہے کہ جس میں لفظ کا تغیر ایسے معدول عنہ سے اعتبار کریں کہ جو خارج میں موجود اور محقق ہے پھر معدول عنہ کے خارج میں موجود اور محقق ہونیکے یہ معنی ہیں کہ معدول کے غیر منصرف پڑھے جانے کے سوا کوئی اور دلیل معدول عنہ کے وجود پر دلالت کرے اور عدل تقدیری وہ ہے کہ جس میں لفظ کا تغیر ایسے معدول عنہ سے اعتبار کریں کہ جو مفروض اور مقدر ہو اور معدول عنہ کے مفروض اور مقدر ہونیکے یہ معنی ہیں کہ معدول کے غیر منصرف پڑھے جانے کے سوا معدول عنہ کے وجود پر کوئی دلیل خارجی دلالت نہ کرے اب اس تقریر کے بعد یہ امر بخوبی ذہن نشین ہوگیا ہوگا کہ عدل تو ہمیشہ فرضی اور تقدیری ہوا کرتا ہے مگر باعتبار معدول عنہ کے کبھی وہ تحقیقی ہوتا ہے اور کبھی تقدیری اگر معدول عنہ محقق اور موجود ہو تو عدل تحقیقی ہے ورنہ تقدیری **قولہ ولا یجتمع مع وزن الفعل** اور عدل وزن فعل کیساتھ جمع نہیں ہوتا یعنی ایسا کوئی اسم نہ ہوگا کہ وہ معدول بھی ہوا اور فعل کے وزن پر بھی ہو کیونکہ عدل کے جو اوزان ہیں ان میں سے کوئی وزن ایسا نہیں کہ فعل بھی اس وزن پر آتا ہو۔ دونوں کے وزن جدا جدا ہیں چنانچہ عدل کے اوزان بالاستقراء چھ میں منحصر ہیں فُعَال "ثُلاث" مَفْعَل "مَثْلَث" فُعَل "عُمَرُ" و "اُخَر" فَعْلِ "اَمْسِ" فَعْلُ "سَحَرُ" فَعَالِ "قَطَامِ" فعل ان اوزان میں سے کسی وزن پر نہیں آتا البتہ عدل علمیت اور وصف کے ساتھ جمع ہوتا ہے **قولہ کعمر الخ** اس میں عدل تقدیری ہے اس لیے کہ کلام عرب میں وہ غیر منصرف مستعمل ہوتا ہے اور سوائے غیر منصرف پڑھے جانیکے اس میں دوسرا کوئی سبب موجود نہیں ہے۔ پس دوسرا سبب عدل مان لیا گیا ہے۔ مگر چونکہ عدل کا اعتبار وجود اصل یعنی معدول عنہ پر موقوف ہے اور یہاں غیر منصرف مستعمل ہونیکے سوا اور کوئی دلیل اس کے وجود پر نہیں لہذا عمر کو عامر سے معدول فرض کیا گیا ہے اور یہی تقریر زفر میں کی جاوے گی کہ یہ زافر سے معدول فرض کیا گیا ہے **قولہ ثلث ومثلث** یہ عدل تحقیقی کی مثال ہے اہل عرب ان دونوں لفظوں کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور چونکہ غیر منصرف کیلئے دو سبب کا ہونا ضروری ہے اور یہاں صرف ایک سبب یعنی وصف اصلی پایا جاتا ہے لہذا دوسرا سبب اس میں عدل تحقیقی ہے اور وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے معنی میں تکرار ہے اور تکرار معنی تکرار لفظ پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ثلث ومثلث جن کے معنی تین تین کے ہیں اصل میں ثلاثۃ و ثلاثۃ تھے۔ اور اس سے معدول ہو کر ثلث ومثلث بن گئے **قولہ اخر**۔ یہ عدل تحقیقی کی دوسری مثال ہے اُخَر۔ اخری کی جمع ہے اور اخری اسم تفضیل کی مؤنث ہے۔ اس لیے کہ آخر کے معنی اشد تأخرًا کے ہیں۔ یعنی بہت پیچھے ہٹنے والا یہ اسکو معنی غیر کیطرف نقل کیا گیا اور قاعدہ ہے کہ اسم تفضیل مونث کا استعمال الف ولام اور اضافت اور کلمہ من سے ہوتا ہے چونکہ یہاں ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ وہ مستعمل نہیں لہذا معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں نہ تو مضاف الیہ مذکور ہے۔ اور نہ مقدر ہے پس مستعمل بالاضافت سے اس کو معدل نہیں کر سکتے باقی رہا یہ امر کہ یہاں مضاف الیہ کیوں مقدر نہیں سو اسکا جواب یہ ہے کہ تقدیر مضاف الیہ کے لیے تین امروں میں سے ایک امر ضروری ہے یا تو عوض میں مضاف الیہ کے مضاف پر تنوین آگئی ہو جیسے یومئذ اور یا وہ مبنی ہو جیسے قبل اور بعد اور یا تکرار اضافت ہو جیسے تیم تیم عدی پس جب کہ اس جگہ نہ تو مضاف پر عوض میں مضاف الیہ کے

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

(باقی صفحہ ۵۱ پر)

وجمعَ اَمَّا الوصفُ فلا یجتمِعُ مَعَ العلمیۃِ اصلاً وشرطُہٗ ان یکون وصفاً فی اصل الوضع فاَسْوَدُ وارقمُ غیرُ منصرفٍ وَاِن صارا اسمین للحیۃِ لاَصالتِہما فی الوصفیۃِ واَربعٌ فی مررتُ بنسوۃٍ اربعٍ منصرفٌ مَعَ اَنّہٗ صفۃٌ ووزنُ الفعل

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۴۸) تنوین ہے اور نہ وہ مبنی ہے۔ اور نہ تکرار اضافت ہے لہذا معلوم ہوا کہ اس جگہ مضاف الیہ مقدر نہیں اور نہ وہ مذکور ہے اور جب مضاف الیہ کا پتہ نہیں تو ثابت ہوگیا کہ یہ مستعمل بالاضافۃ سے معدول نہیں بلکہ مستعمل باللام یعنی الآخر یا مستعمل بمن یعنی آخر من سے معدول ہے (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ وجمع** یہ جمع ہے جمعاء کی جو مؤنث ہے اجمع کا اور قاعدہ ہے کہ اگر فعلاء افعل صفت کا مؤنث ہو تو اس کی جمع بروزن فعل آتی ہے۔ جیسا کہ حمراء کی جمع حمر آتی ہے اور اگر فعلاء اسم ذات ہو تو اس کی جمع فعالی یا فعلاوات کے وزن پر آتی ہے جیسے صحاری اور صحراوات پس اس قاعدہ کے مطابق جمعاء کی جمع بھی یا تو جُمع ہوگی یا جماعی یا جمعاوات ہوگی۔ اور چونکہ یہاں ان اوزان میں سے کوئی وزن نہیں لہذا معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ **قولہ اما الوصف** اولاً یہ جانو کہ مصنف نے ذکر وصف کو ذکر عدل کا ردیف بنایا چونکہ وصف بعض اسماء معدولہ میں مؤثر ہے۔ جیسے ثلث اور مثلث اور چونکہ وصف اور تانیث دونوں وصفی اور عارضی کی طرف انقسام اور تاثیر للوصفی دون العارضی میں دونوں مشترک ہیں اس وجہ سے ذکر تانیث کو وصف کا ردیف بنایا تانیث کے بعد معرفہ کو ذکر کیا ہے چونکہ تانیث میں معرفہ کی شرط ہے پھر معرفہ کے بعد عجمہ کو بیان کیا چونکہ عجمہ میں تعریف علمی شرط ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ تانیث میں علمیت تو ہر وقت شرط ہے اور عجمہ اس وقت تانیث میں شرط ہے جبکہ ساکن الاوسط ہو تو چونکہ علمیت اس وقت شرط ہے اس وجہ سے اس کو مقدم اور عجمہ کو اس سے مؤخر کرکے ذکر کیا کیونکہ یہ تانیث میں ہر وقت شرط نہیں ہے غرض یہ کہ تانیث کے بعد ان دونوں کا ذکر تانیث کی تتمیم کے واسطے ہے کیونکہ شئے اپنی شرطوں کے ساتھ پوری ہوتی اور جب تک ان کی شرطیں ذکر نہ کی جائیں تو وہ شئے ناتمام رہتی ہے اور جب شرائط تانیث کے بیان سے فارغ ہوا تو جمع کو ذکر کیا کیونکہ جمع تانیث کے مشابہ ہے کہ جیسے تانیث دو سبب کی جگہ قائم ہوتی ہے ایسے ہی جمع بھی دو سببوں کی جگہ قائم ہوتا ہے اس کے بعد مصنف نے ذکر ترکیب کو اس کا ردیف کیا کیونکہ دونوں جمع اور ترکیب مفرد کی فرع ہونے میں شریک ہیں اور چونکہ الف نون زائدتان کلام میں ہوتے ہیں وہ مرکب کی مشابہت رکھتا ہے کیونکہ اس میں زیادہ مذکورہ اور مزید علیہ کے درمیان ترکیب ہوتی ہے۔ اس وجہ سے مصنف نے ترکیب کے بعد الف نون زائدتان کو بیان کیا ہے اب اسباب منع صرف سے ایک وزن فعل رہ گیا۔ اس وجہ سے اس کو سب اسباب سے آخر میں بیان کیا۔ ثانیاً یہ جانو کہ وصف کے معنے لغت میں ستودن یعنی کسی شے کی تعریف کرنا ہے اور نحاۃ کی اصطلاح میں اس کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے۔ ایک اس تابع پر ہوتا ہے جو متبوع کے معنی پر دلالت کرے دوسرے معنی اسم کا ایسی ذات مبہم پر دلالت کرنے والا جس میں بعض صفات کا لحاظ ہو عام ازیں کہ یہ دلالت باعتبار وضع کے ہو یا باعتبار استعمال کے اس تعمیم کے اعتبار سے تعریف اربع کو شامل ہوگئی جو کہ مررت بنسوۃ اربع میں ہے اس تعریف میں اسم کا دلالت کرنیوالا ہونا جنس ہے جو تمام اسباب کو شامل ہے باقی فصل ہے جس سے تمام اسباب سے وصف ممتاز ہو جاتا ہے چونکہ معرفہ ذات معین پر دلالت کرتا ہے اور باقی اسباب میں بعض صفات کا لحاظ نہیں ہوتا نیز اس اسم پر بھی اطلاق ہوتا ہے جو ایسی ذات مبہم پر دلالت کرے جس میں بعض صفات کا لحاظ ہو خواہ یہ دلالت باعتبار وضع کے ہو خواہ باعتبار استعمال کے واللہ اعلم وعلمہ اتم **قولہ فلا یجتمع مع الخ** یعنی وصف علمیت کے ساتھ بالکل جمع نہیں ہوتا ہے کیونکہ دونوں متضاد ہیں چونکہ وصف کی دلالت مبہم ذات پر ہوتی ہے اور علمیت کی دلالت معین ذات پر ہوتی ہے اور ابہام اور تعیین دونوں میں تضاد ہے ایک جگہ میں ایک جہت سے وقت واحد میں جمع نہیں ہوسکتے **قولہ وشرطہ الخ** جاننا چاہیے کہ وصف دو قسم پر ہے ایک وضعی اور ایک عارضی یعنی اسم کا ایسی ذات مبہمہ پر دلالت کرنیوالا ہونا جس میں بعض صفات کا لحاظ ہو دو قسم پر ہے یعنی ذات مبہم ہے بعض صفت پر اس وجہ سے دلالت کرے کہ واضع نے اسکے لیے وضع کیا ہے خواہ وہ وصف باقی رہے جیسے ضارب ومضروب جبکہ علم نہ ہو خواہ وہ وصف زائل ہو جاوے یہ اسوقت ہوگا جبکہ اس پر اسم غالب ہو جاوے جیسے اسود اور ارقم ثانی عارضی ہے یعنی اسم کو واضع نے ذات معینہ پر دلالت کرنے کیلئے وضع کیا ہو۔ عارضی استعمال کی وجہ سے ذات مبہم پر دلالت کرنے لگے جیسے مررت بنسوۃ اربع کہ اصل میں ذات معینہ کیواسطے موضوع ہے لیکن عارضی استعمال کی وجہ سے ذات مبہم پر دلالت کر رہا ہے اسکے بعد جاننا چاہیے کہ وصف کے سبب منع صرف بننے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اصل وضع میں ہو یعنی واضع نے اسکو بلحاظ معنی وصفیت کے وضع کیا ہو۔ وصفیت اسکو عارض نہ ہوئی ہو اور دلیل اس اشتراط کی یہ ہے کہ اصل اسماء میں انصراف ہے پس وصف اصلی میں تو یہ قوت ہے کہ وہ اصل یعنی منصرف کو غیر اصل یعنی غیر منصرف کی طرف راجع کر دے وصف عارضی میں یہ قوت نہیں لہذا وصف اصلی کا اعتبار ہوگا اور وصف عارضی معتبر نہ ہوگا اور یہ معلوم ہو چکا کہ وصف اصلی کا اعتبار ہے تو اب اگر اسمیت کا غلبہ ہو جائے تو وصف کے سبب منع صرف بننے میں کوئی ضرر نہ ہوگا اور غلبہ اسمیت کے یہ معنی ہیں کہ وہ اسم جو معنی وصفی پر دال ہے۔ اپنے بعض افراد کیساتھ اس طرح پر مختص ہو جائے کہ ان بعض افراد پر اس کی دلالت میں قرینہ کی محتاج نہ ہوں جیسے اسود کہ اصل وضع میں ہر سیاہ چیز کو کہتے ہیں اور اب کثرت سے اس کا استعمال سیاہ سانپ میں ہوتا ہے۔ **قولہ للحیۃ** اول کالے سانپ کا اسم ہو گیا اور ثانی ایسے سانپ کا اسم ہو گیا جس میں سیاہی اور سفیدی دونوں ملی ہوئی ہوں جس کو ہندی میں چیتکوڑیا سانپ کہتے ہیں۔ **قولہ لاصالتہما** یہ اسود اور ارقم دونوں کے غیر منصرف ہونے کی دلیل ہے یعنی چونکہ وصف کے لیے غلبہ اسمیت مضر نہیں لہذا اسود اور ارقم جو کہ سانپ کے نام ہیں غیر منصرف ہیں کیونکہ انکی اصل وضع میں معنی وصفیت کے پائے جاتے ہیں اگرچہ کثرت استعمال میں اسمیت کا غلبہ ہے۔ ۱۲ ؛

لِعدمِ الاصالۃِ فی الوصفیۃِ اَمّا التانیثُ بالتاء فشرطُہٗ ان یکونَ علمًا کطلحۃَ و کذٰلک المعنویُّ ثُمَّ المعنویُّ ان کان ثلاثیًا ساکنَ الاوسطِ غیرَ اعجمیٍّ یجوزُ صرفُہٗ وترکُہٗ لاَجلِ الخِفّۃِ ووجودِ السببین کہندٍ والّا یجبُ منعُہٗ کزینبَ وسقرَ وماہَ وجورَ

لعدم الاصالۃ الخ یہ اربع کے منصرف ہونیکی دلیل ہے یعنی اربع مررت بنسوۃ اربع میں منصرف ہے کیونکہ یہاں وصف عارضی ہے اصلی نہیں اسلئے کہ اربع عدد معین کیلئے وضع کیا گیا ہے اور تعیین وصف کے منافی ہے پس معلوم ہوا کہ اس میں وصفیت اصلیہ عارضیہ ہے۔ اور وجہ وصفیت کے عارض ہونیکی یہ ہے کہ اس ترکیب میں اربع صفت اور نسوۃ موصوف ہے اور چونکہ قاعدہ ہے کہ صفت وہ ہونی چاہیے کہ جو موصوف پر محمول ہو سکے اور یہاں ایسا نہیں کیونکہ اربع کے نسوۃ پر حمل کرنے میں عدد اور معدود کا ایک ہونا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے لامحالہ لفظ موصوف محذوف ہوگا ای مررت بنسوۃ موصوفۃ باربع لفظ موصوف کو حذف کرکے اربع کو اس کے قائم مقام کیا۔ اور اس اعتبار سے اس میں وصفیت کے معنی پیدا ہو گئے

قولہ التانیث الخ یعنی اسم کا مؤنث ہونا خواہ تا پر اسکی دلالت ہو یا مادہ پر جاننا چاہیے کہ تانیث دو وجہ پر ہے ایک تا کیساتھ اور ایک بغیر تا کے جو بغیر تا کے ہوتی ہے سو وہ دو قسم پر ہے ایک الف مقصورہ کے ساتھ جیسے حبلیٰ اور ایک الف ممدودہ کیساتھ جیسے حمراء جو تانیث تا کیساتھ ہوتی ہے اس کی بھی دو قسم ہیں ایک تا ملفوظی کے ساتھ اور ایک تا مقدرہ کیساتھ جو تا ملفوظہ کے ساتھ تانیث ہوتی ہے وہ پھر دو قسم پر ہے ایک تا متحرکہ کے ساتھ اور دوسری تا ساکنہ کے ساتھ ثانی خواص فعل سے ہے جو تانیث کے تا مقدرہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کو مونث معنوی کہتے ہیں **قولہ فشرطہ الخ** یعنی جو تانیث تا ملفوظہ کیساتھ حاصل ہوتی ہے اس کے سبب منع صرف بننے میں شرط یہ ہے کہ وہ اسم مونث کسی کا علم ہو خواہ مذکر کا جیسے طلحۃ مرد کا نام ہے یا کسی مونث کا جیسے فاطمہ عورت کا نام ہے اس موقع پر تانیث بالتاء کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تانیث کی چند قسمیں ہیں اور جو تانیث کے تا کے ساتھ نہ ہو وہ اس کے حکم سے خارج ہے جیسے تانیث بالف ممدودہ ومقصورہ اور تانیث معنوی تانیث بالتاء میں علمیت کو اس وجہ سے شرط کیا ہے کہ علمیت لفظ کے حق میں وضع ثانی ہے اور کلمہ اس کی وجہ سے تصرفات سے حتی الامکان محفوظ رہتا ہے لہذا علمیت کو شرط کیا تاکہ کلمہ کے متغیر ہونے اور تا تانیث کے زائل ہونیکا احتمال جاتا رہے

قولہ کذلک المعنوی یعنی جس طرح پر تانیث لفظی بالتاء میں علمیت شرط ہے اسی طرح تانیث معنوی میں یہ بھی شرط ہے مگر فرق اس قدر ہے کہ تانیث بالتاء میں تو علمیت کی شرط منع صرف میں از روئے وجوب کے موثر ہے اور معنوی میں از روئے جواز کے کیونکہ اس کیلئے وجوب تاثیر کا شرط اور ہے۔ جس کو مصنف ان الفاظ سے بیان کرتا ہے ثم المعنوی ان کان الخ یعنی اسم مونث معنوی دو حال سے خالی نہیں یا تو ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے یا نہیں اول صورت پر اسکا منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا جائز ہے مثلاً ہند کہ یہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے اور غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے غیر منصرف اس وجہ سے کہ اس میں دو سبب پائے جاتے ہیں ایک تانیث معنوی اور دوسرا سبب علمیت جو کہ اسکے اثر کرنیکی شرط جوازی ہے۔ اسی وجہ سے غیر منصرف پڑھنا جائز ہے۔ اور منصرف پڑھنا اس وجہ سے درست ہے کہ تانیث کے اثر کی وجوبی شرط نہیں پائی گئی ہے۔ چونکہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے۔ اور کلمہ جبکہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہو تو فی نفسہ خفیف ہوتا ہے اور غیر منصرف پڑھنا جو کہ اسی ثقل کے ہوتا ہے جو دو سبب کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے تو کلمہ کی فی نفسہ خفت اس صورت میں احد السببین کے ثقل کے مزاحم ہو جائیگی جس کی وجہ سے اسکا اثر کمزور ہو جاویگا۔ لہذا اس کو منصرف پڑھنا درست ہوگا

قولہ الا ای وان لم یکن المعنوی ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی یعنی اگر ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی نہ ہو جاننا چاہیے کہ یہ مقید کا رفع ہے اور مقید کا رفع جمیع قیود کے رفع سے بھی ہو سکتا ہے اور ہر قید کے رفع سے بھی۔ اس وجہ سے اس مقید کے رفع کی چند صورتیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ اسم رباعی یا خماسی وغیرہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اسم مونث ثلاثی ہو لیکن متحرک الاوسط ہو تیسرے اسم مونث ثلاثی ساکن الاوسط ہو لیکن عجمی ہو حاصل یہ کہ تانیث معنوی میں وجوب تاثیر منع صرف کی شرط یہ ہے کہ علی سبیل منع الخلو تین باتوں میں سے ایک پائی جاوے یا تو کلمہ تین حرفوں سے زائد ہو یا اگر وہ سہ حرفی ہے تو درمیانی حرف متحرک ہو یا عجمہ ہو اسلئے کہ جب تین حرفوں سے زائد ہوگا تو چوتھا حرف قائم مقام تانیث لفظی کے ہوگا۔ اور تاثیر وجوبی پائی جائیگی اور دلیل چوتھے حرف کے قائم مقام تانیث ہونیکے لیے یہ ہے کہ مثلاً عقرب کو جو کہ زائد علی الثلاثہ ہے جب مصغر کرتے ہیں تو تصغیر عقیرب آتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں چوتھا حرف قائم مقام تانیث کے ہے بخلاف قدم کے کہ اسکی تصغیر قدیمۃ آتی ہے۔ اسی طرح جب اسم متحرک الاوسط ہوگا تو اسکی یہ حرکت اوسط چوتھے حرف کے قائم مقام ہوگی اور وہ قائم مقام تا تانیث کا ہوگا اور اس اعتبار سے تانیث معنوی میں ایک خاص قسم کی قوت پیدا ہو جائیگی جس سے وہ از روئے وجوب کے منع صرف میں موثر ہوگی۔ ایسے ہی جب اسم عجمہ ہوگا تو تانیث معنوی بطور وجوب کے موثر ہوگی اسلئے کہ عموماً اہل لسان پر دوسری قوم کی زبان ثقل ہوتی ہے اور اس ثقل کی وجہ سے اس میں سبب منع صرف بننے کی قوت پیدا ہو جاوے گی۔ بہرحال تانیث معنوی کے وجوب تاثیر کی شرط تانیث بالتاء کی شرط سے زائد ہے اسلئے کہ تانیث معنوی فرع اور تانیث بالتاء اصل ہے پس یہ ضروری نہیں کہ اصل کو جس چیز سے قوت پہنچتی ہے فرع کو بھی اسی سے قوت حاصل ہو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اصل کو پہلے سے ایسی قوت حاصل ہو جو فرع کیلئے نہیں پس بنا علیہ فرع کی تاثیر کیلئے مزید قوت کی ضرورت ہے اور اس کیلئے وہ شرط کافی نہیں جو کہ اصل کے لیے ہے **قولہ کزینب الخ** یعنی یہ چار اسم زینب سقر ماہ اور جور غیر منصرف ہیں زینب ایک عورت کا نام ہے اور اس میں علمیت اور تانیث معنوی مع اپنی شرط وجوب کے پائی جاتی ہے یعنی زیادت علی الثلاثہ۔ اور سقر دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے اور اس میں علمیت اور تانیث معنوی مع اپنی شرط وجوب تاثیر کے پائی جاتی ہے یعنی تحریک الاوسط اور ماہ وجور یہ دونوں دو شہروں کے نام ہیں اور ان میں علمیت اور تانیث معنوی مع اپنی شرط وجوب تاثیر کے پائی جاتی ہے یعنی عجمہ ہونا ۱۲

وَالتَّانِيْثُ بِالْاَلِفِ الْمَقْصُوْرَةِ كَحُبْلٰى وَالْمَمْدُوْدَةِ كَحَمْرَاءَ مُمْتَنِعٌ صَرْفُهَا الْبَتَّةَ لِاَنَّ الْاَلِفَ قَائِمٌ مَقَامَ السَّبَبَيْنِ التَّانِيْثِ وَلُزُوْمِهٖ اَمَّا الْمَعْرِفَةُ فَلَا يُعْتَبَرُ فِيْ مَنْعِ الصَّرْفِ مِنْهَا اِلَّا الْعَلَمِيَّةُ وَتَجْتَمِعُ مَعَ غَيْرِ الْوَصْفِ اَمَّا الْعُجْمَةُ فَشَرْطُهَا اَنْ تَكُوْنَ عَلَمًا فِي الْعُجْمَةِ

قولہ والتانیث بالالف یعنی جو تانیث کہ الف مقصورہ اور الف ممدودہ سے حاصل ہوتی ہے وہ یقین کیساتھ غیر منصرف کا سبب ہے یعنی وہ اسم مونث ہے جس میں تانیث بالالف ممدودہ یا الف مقصورہ ہو۔ وہ اسم غیر منصرف ہوگا۔ مصنفؒ کا قول کحبلی مبتدا محذوف کی خبر ہے اے نظیرہ کحبلی اسیطرح کحمراء مصنفؒ کے قول البتۃ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی بت البتۃ بتۃ بمعنی قطع و یقین ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس جملہ کو اس اسم کے انصراف کے وہم کو دور کرنے کیواسطے ذکر کیا ہو۔ جو فقط ایک سبب کے پائے جانیکی وجہ سے ہوتا ہے اس کے بعد لان سے اس کے عدم انصراف پر دلیل بیان کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے کہ وہ اسم جس میں الف ممدودہ مقصورہ پایا جاوے اس وجہ سے غیر منصرف ہے کہ اس میں الف یعنی تانیث بالالف دو سبب کے قائم مقام ہے تانیث کے دو الف ممدودہ و مقصورہ دو سبب کے قائم مقام اسلئے ہیں کہ یہ دونوں از روئے وضع کے کلمہ کو لازم ہیں یہاں تک کہ اپنے مدخول سے کبھی جدا نہیں ہوتے ہیں پس وہ دونوں اپنے اسی لزوم کی وجہ سے بمنزلہ تانیث آخر کے ہیں اور گویا کلمہ میں تانیث مکرر ہے لہذا یہ اکیلا سبب قائم مقام دو سببوں کے ہو جائیگا بخلاف تاء تانیث کے کہ وہ من حیث الوضع کلمہ کو لازم نہیں اگر علمیت کی وجہ سے اسکا لزوم ہو بھی جائے تو یہ لزوم عارضی ہوگا جو لزوم وضعی کا مقابلہ نہیں کرسکتا پس جو حکم لزوم وضعی کا ہوگا۔ وہ اسکے لیے ثابت نہیں ہوسکتا **قولہ التانیث** یہ ہر سہ اعراب کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے مجرور بدل ہونیکی بناء پر اور منصوب فعل محذوف کا مفعول ہونیکی بناء پر اور مرفوع جب پڑھیں گے تو مبتدا محذوف کی خبر ہوگا ای ہما التانیث ولزومہ اور لزومہ میں بھی یہ تینوں احتمال ہیں **قولہ اما المعرفۃ الخ** معرفہ سے مراد تعریف ہے مقابل نکرہ مراد نہیں ہے۔ چونکہ معرفہ ذات ہے یعنی وہ اسم ہے جو ذات معین کیواسطے موضوع ہو اور یہ ذات معرفہ غیر منصرف کا سبب نہیں بلکہ غیر منصرف کا سبب کسی اسم کا ذات معینہ پر دلالت کرنیوالا ہوتا ہے۔ اگر معرفہ سے مراد تعریف نہ لیں گے تو لازم آئیگا کہ خود وہ اسم جو ذات معینہ پر دلالت کرے غیر منصرف کا سبب ہو۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب معرفہ سے تعریف مراد ہوگی تو اس پر علمیت محمول نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ اسم کیلئے ہوتی ہے جواب دیا گیا ہے کہ وصف کی اضافت جب ذات کی طرف ہو جاتی ہے تو اس پر شے کا حمل درست ہو جاتا ہے جیسے ضرب زید حاصل یہ کہ ایسے ہی یہاں پر تعریف معرفہ کیطرف مضاف ہے۔ اے تعریف المعرفۃ اور جب معرفہ سے مراد تعریف ہوگئی تو اب سوال ہوگا کہ مصنف نے معرفہ کی بجائے تعریف کیوں نہ کہا تو جواب دیا جاتا ہے کہ چونکہ اجمالی میں معرفہ کہا اسوجہ سے تفصیل میں بھی معرفہ کہا تاکہ تفصیل اسلوب میں اجمال کے خلاف نہ ہو جائے **قولہ فلا یعتبر الخ** یعنی معرفہ کی سب قسموں سے فقط علمیت کا اعتبار ہے یعنی معرفہ کے اسباب منع صرف سے ہونیکے لیے شرط یہ ہے کہ علم ہو جیسے عمر کہ اس میں ایک سبب تعریف دوسرا عدل ہے اب اگر کوئی کہے کہ معرفہ کی تو چند قسمیں ہیں مصنفؒ نے ان سب کو چھوڑ کر صرف علمیت کو کیوں اختیار کیا تو جواب یہ ہے کہ اقسام معرفہ میں سے صرف علمیت کو اختیار کرنیکی وجہ یہ ہے کہ اس کی بعض قسمیں تو مبنی ہیں جیسے مضمرات اور مبہمات پس وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتی ہیں اسلئے کہ غیر منصرف معرب ہے اور معرب مبنی کی ضد ہے۔ ایک شے اپنی ضد کا سبب نہیں ہوسکتی اور بعض قسمیں معرفہ کی غیر منصرف کو منصرف یا حکم میں منصرف کے کردیتی ہیں لہذا وہ بھی منصرف کا سبب نہیں ہوسکتی ہیں کیونکہ ایک شے اپنے موافق کا تو سبب ہوسکتی ہے مگر ضد کا سبب نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی کہے کہ صاحب مفصل نے علمیت کو اسباب سے شمار کیا ہے اور معرفہ کو اسکی شرط بنائی ہے اور مصنف نے اور شیخ نے اس تعریف سے عدل کرکے اسکے برعکس کہا ہے حالانکہ جب اقسام معرفہ میں سے صرف علمیت ہی منع صرف کا سبب ہے تو اسقدر طول دینے کی کیا ضرورت تھی علمیت کو ہی منع صرف کا سبب قرار دیدیتے جواب یہ ہے کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ ہر سبب اسباب منع صرف میں سے دوسری شے کی فرع ہے اور بہ نسبت علمیت کے معرفہ کا نکرہ کی فرع ہونا اظہر ہے۔ لہذا معرفہ کو منع صرف کا سبب اور علمیت کو اسکی شرط قرار دیا گیا اسپر اعتراض کیا جاتا ہے کہ منع صرف میں تاثیر معرفہ کیواسطے علمیت کو شرط کرنا مسلم نہیں کیونکہ تعریف ابہام مقطوع عن الاضافت منع صرف میں معتبر ہے جیسے آیۃ کہ یہ غیر منصرف ہے تانیث اور تعریف ابہامی کی وجہ سے اور بعض کے نزدیک یہ نکرہ منصوب ہے ایسے ہی منع صرف میں بعض کے نزدیک تعریف توکید معتبر ہے چنانچہ اجمع وزن فعل اور تعریف توکید کیوجہ سے غیر منصرف ہے جواب مصنف نے ان دونوں کیطرف توجہ نہیں کی ہے۔ چونکہ یہ جمہور کے نزدیک معتبر نہیں ہیں اور مصنف کا مختار بھی وہ ہے جو جمہور کے نزدیک معتبر ہے۔ **قولہ تجتمع الخ** یعنی معرفہ وصف کے سوا اور باقی سب اسباب کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اور وصف کیساتھ جمع نہیں ہوتا کیونکہ وصف ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور اعلام ذات معین پر دلالت کرتے ہیں اور ذات مبہم و معین میں تضاد ہے اسوجہ سے معرفہ اور وصف ایک اسم میں جمع نہیں ہوسکتے ہیں۔ **قولہ اما العجمۃ** عجمہ کے معنی لغت میں گونگا ہونا ہے اور اصطلاح میں اسم کا ان الفاظ سے ہونا جسکو غیر عرب نے وضع کیا ہو۔ **قولہ فشرطہا الخ** یعنی عجمہ کے سبب منع صرف ہونیکے لیے شرط یہ ہے کہ وہ لغت عجم میں کسی کا علم ہو۔ کیونکہ عجمہ وہ ہے کہ جسکو غیر عرب نے وضع کیا ہو پس ظاہر ہے کہ جو لفظ عربی نہ ہو اسکا ادا کرنا اہل عرب پر دشوار ہوتا۔ ہے اور بہت ممکن ہے کہ اہل عرب اسکے ازالہ ثقل کے لیے اس میں کوئی تصرف کریں اور چونکہ عجمہ کا سبب منع صرف ہونا محض اپنے ثقل کی وجہ سے ہے لہذا اس سے بعد تصرف جب ثقل جاتا رہیگا کا تو وہ لائق سبب بننے کے نہ ہوگا پس اس میں یہ شرط کی گئی ہے کہ لغت عجم میں کسی کا علم ہو حقیقۃ جیسے ابراہیم کو عجمیوں کے نزدیک علم ہے یا حکماً جیسے قالون کہ لغت عجم میں کسی کا علم نہیں ہر جید شے کو قالون کہتے ہیں لیکن عرب میں بسبب عمدہ قرأت کے عیسیٰ سے ایک قاری کا نام ہو گیا۔ ۱۲

وَزَائِدَةً على ثلثة احرفٍ كابراهيم او ثلاثيًا متحرّكَ الاوسطِ كشتر فلجامٌ منصرفٌ لعدم العلميةِ ونوحٌ منصرفٌ لسكونِ الاوسطِ امّا الجمعُ فشرطهُ اَنْ يكونَ على صيغةِ منتهى الجموعِ وهو اَنْ يكونَ بعد الفِ الجمعِ حرفان كمساجدَ او حرفٌ مشدّدٌ مثل دوابَّ او ثلثةُ احرفٍ اوسطها ساكنٌ غيرُ قابلٍ للهاء كمصابيح فصياقلةٌ وفرازنةٌ منصرفٌ لقبولهما الهاء وهو ايضًا قائمٌ مقام السببينِ الجمعيّةِ ولزومِها وامتناعُ ان يجمعَ مرّةً اُخرى جمعَ التكسيرِ فكانهٗ جُمِعَ مرّتين

قولہ زائدۃ۔ یہ عجمہ کے سبب منع صرف ہونیکی دوسری شرط ہے اور حقیقت میں یہ دو صورتیں ہیں جن میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے یا تو اس کلمہ کا درمیانی حرف متحرک ہو اگرچہ وہ سہ حرفی ہے یا وہ کلمہ جبکہ متحرک الاوسط نہ ہو تو تین حرف سے زائد ہو اور یہ شرط عجمہ میں لگائی ہے۔ کہ عجمہ ایک اعتباری شئے ہے لفظ میں اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا پس اگر درمیانی حرف متحرک نہ ہو تو کلمہ تین حرفوں سے زائد ہونا چاہیے تاکہ ثقالت پیدا ہو کر اسکا سبب منع صرف بننا صحیح ہو۔ **قولہ کابراہیم** یعنی ابراہیم غیر منصرف ہے۔ اس لیے کہ اس میں علمیت اور عجمہ اپنی شرط زیادت علی الثلاثہ کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ **قولہ کشتر**۔ شتر دیار عجم کے ایک قلعہ کا نام ہے شتر میں چونکہ علمیت اور عجمہ مع اپنی شرط متحرک الاوسط کے پایا جاتا ہے لہذا یہ غیر منصرف ہے **قولہ فلجام الخ** فا اس میں تفریع کیلئے ہے یہ شرط اول کے عدم پر تفریع ہے۔ یعنی لجام جو کہ عجم میں لگام تھا اگر علم بھی ہو جاوے تب بھی یہ منصرف ہے۔ کیونکہ کلام عرب میں نقل کے بعد اسم جنس کے معنی میں مستعمل ہوا ہے لہذا لغۃ عجمیۃ نہ حقیقتاً علم ہے نہ حکماً علمیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ منصرف ہے بخلاف قالون کے کہ وہ لغت عجم میں علم ہے جیسا کہ گذرا **قولہ نوح منصرف** یہ شرط ثانی کے عدم پر تفریع ہے۔ یعنی نوح چونکہ ثلاثی ساکن الاوسط ہے اس وجہ سے یہ منصرف ہے۔ تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ جس طرح ہند میں تانیث متحرک اوسط کے ساتھ مشروط تھی اور در صورت عدم متحرک اوسط کے علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے اس کا غیر منصرف پڑھنا جائز تھا اسی طرح نوح میں باوجود شرط تحرک اوسط نہ ہونیکے علمیت اور عجمہ کی وجہ سے اس کا غیر منصرف پڑھنا جائز ہونا چاہیے پس جمہور کی جانب سے مصنف اسکا جواب دیتے ہیں کہ بہ نسبت عجمہ کے تانیث قوی ہے اسلئے کہ تانیث کا اثر کبھی لفظوں میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہند کی تصغیر ہنیدہ آتی ہے بخلاف عجمہ کے لفظوں میں اسکا اثر بالکل ظاہر نہیں ہوتا۔ لہذا تانیث اور عجمہ میں فرق ہے اور ہند پر نوح کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے لہذا نوح منصرف ہوگا اور ہند میں دونوں امر جائز ہیں منصرف پڑھنا بھی اور غیر منصرف بھی **قولہ الجمع** جمع کے معنی لغت میں اکٹھا کرنا ہے اور اصطلاح میں وہ اسم ہے جو احاد پر دلالت کرے اور احاد پر دلالت اسکے مفرد کے حروف کیساتھ کسی قسم کے تغیر کیساتھ لیکن یہ معنی یہاں پر مراد نہیں ہے۔ بلکہ مراد اسم کا مذکورہ شان کیساتھ ہونا ہے کیونکہ اسباب اوصاف سے ہے ذات نہیں ہے۔ اور یہ جمع سبب بھی ان اسباب میں سے ہے جو دو سبب کے قائم مقام ہوتے ہیں **قولہ فشرطہ الخ** یعنی جمع دو سبب کے قائم مقام اسوقت ہوگی جبکہ وزن منتہی الجموع اس میں پایا جاوے وزن منتہی الجموع کا یہ ہے کہ اسکا پہلا حرف مفتوح اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد دو حرف ہوں یا تین حرف کہ درمیانی حرف اسکا ساکن ہو جیسے مساجد اور مصابیح ہے مساجد مسجد کی جمع ہے اور ثانی مصباح کی جمع ہے پھر جمع میں صیغہ منتہی الجموع کو اس لئے شرط کیا گیا ہے کہ اسمیں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا اسلئے کہ دوبارہ اس کی جمع تکسیر نہیں آسکتی پس اسوجہ سے کہ اسمیں ایک قسم کا استحکام ہو کر دو سبب کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے مصنف کا قول منتہی اسم مفعول علی الظرف اسکی اضافت جموع کی طرف اضافت معنوی بمعنی لام ہے یعنی جمعوں کیواسطے منتہی یا مصدر میمی اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی جموع کی انتہا جموع جمع کی جمع ہے یہاں پر اس سے مراد مافوق الواحد ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ جو جمع اسباب غیر منصرف سے ہے اسکے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آخری جمع ہو جاوے حقیقتاً یا حکماً کہ اسکی دوبارہ جمع تکسیر نہ آسکے **قولہ قابل للہاء** یعنی یہ جمع قائم مقام دو سبب کے اسوقت ہوگی جبکہ صیغہ منتہی الجموع کیساتھ ساتھ یہ شرط بھی پائی جاوے کہ اس کے آخر میں تاء تانیث نہ ہو جو بحالت وقفی میں ہاء ہو جاتی ہے کیونکہ اگر اسکے آخر میں اس قسم کی ہاء ہوگی تو اسکا التباس مفرد کے ساتھ ہو جائیگا اور اس سے اسکی جمعیت میں فتور پیدا ہو جائیگا اور وہ منع صرف میں مؤثر نہ ہوگی **قولہ فصیاقلۃ الخ** یعنی صیاقلۃ اور فرازنۃ منصرف ہے اس لیے کہ انکے آخر میں تاء تانیث ہے جو کہ بحالت وقفی میں ہاء ہو جاتی ہے اور اس سے طواعیۃ مفرد کے ہم وزن ہو کر ان کی جمعیت میں فتور پیدا ہو جاتا ہے اور وہ منع صرف میں مؤثر نہیں ہوتی۔ **قولہ وہو ایضاً قائم الخ** یعنی جمع بھی دو سبب کے قائم مقام ہے جس طرح تانیث بالالف الممدودہ والمقصورہ دو سبب کے قائم مقام ہے جن میں سے ایک سبب جمعیت ہے اور دوسرا لزوم جمعیت۔ لزوم جمعیت کا مطلب خود مصنف وامتناع سے بیان کرتا ہے یعنی کہتا ہے کہ وہ اسم جمع ہے جو غیر منصرف جمعیت کی بنا پر ہے۔ ایسا ہو کہ اسکی مرۃ اخری جمع تکسیر بنانا ممتنع ہو۔ اور جب جمع تکسیر بنانا ممتنع ہو جاویگا تو اس میں (باقی بر صفحہ ۵۳)

(باقی بر صفحہ ۵۳)

◆ ◆ ◆

اَمَّا التَّرکیبُ فشرطُهٗ ان یکونَ علمًا بلا اضافةٍ ولا اسنادٍ کبَعلبکَ فعبدُ اللهِ منصرفٌ و معدیکرب غیرُ منصرفٍ وشابَ قرناها مبنی

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۵۲) موجودہ جمعیت لازم ہو جاویگی اس طور پر کہ اب اسکو مفرد فرض کرکے دوبارہ جمع تکسیر نہ بناویں گے۔ البتہ جمع صحیح بنانا درست ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمعیت مطلقہ ایک سبب ہے، اور اسکا ایسی جمع کے وزن پر ہونا کہ اس کی دوبارہ جمع بنانا ممتنع ہو یہ گویا دوسرا سبب ہے اور یہ بعض نحاۃ کا مذہب ہے مصنفؒ اور شیخ ابن حاجب کا مختار بھی یہی ہے چنانچہ مصنف کا قول فکانہ الخ اسی مقصد کیطرف مشیر ہے۔ جب اسکی دوبارہ جمع تکسیر ممتنع ہوگئی تو گو وہ اسم ایسا ہوگیا کہ دوبارہ جمع بنایا گیا ہے یعنی اس جمع میں تکرار ہوتا ہے کبھی تو حقیقتاً جیسے اکالب کہ اکلب کی جمع ہے اور وہ کلب کی جمع ہے ایسے ہی آساور کہ اسورۃ کی جمع ہے اور وہ سوار کی جمع ہے اور کبھی حکماً جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جمع کی صورت میں اس جمع کے لئے جس میں حقیقتاً تکرار پایا جاتا ہے جیسے مساجد بروزن اکالب زمخشریؒ کے نزدیک جمع دو سبب کے قائمقام اس وجہ سے ہے کہ جب اسکی نظیر مفردات میں نہ رہی تو اس میں ایک ایسی قوت حاصل ہوگئی جس کی وجہ سے یہ جمع ثانی کے بمنزلہ بن گئی۔ بعض اور وجوہ بھی بیان کرتے ہیں واللہ اعلم (حاشیہ صفحہ) **قولہ التركيب**۔ لغت میں بمعنی جوڑنا ایک شئی کو دوسری شئی سے ملانا اور اصطلاح میں ترکیب دو یا دو سے زیادہ کلموں کا بدون کسی حرف کے جز ہوتے ایک ہونا ہے پس جب ترکیب کی تعریف میں یہ قید لگادی گئی کہ کوئی حرف اسکا جز نہ ہو تو اب النجم اور البصری سے احتراز ہو گیا کیونکہ ان دونوں جگہ میں حرف جز ہے اول میں لام اور ثانی میں یا ہے پس اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ دونوں علمیت اور ترکیب کی وجہ سے غیر منصرف ہونے چاہئیں ان کو منصرف کیوں پڑھا جاتا ہے جاننا چاہیے کہ اس تعریف کا مصداق چھ نوع میں بنتی ہیں ایک مرکب اسنادی جیسے زید قائم و ضرب زید۔ دوسری مرکب اضافی جیسے غلام زید تیسری مرکب توصیفی جیسے رجل فاضل۔ چوتھی مرکب صوتی جیسے سیبویہ و نفطویہ پانچویں مرکب تعدادی جیسے خمسۃ عشر چھٹی مرکب امتزاجی جیسے بعلبک **قولہ فشرطہ الخ** یعنی ترکیب کے منع صرف ہونے میں شرط یہ ہے کہ وہ کسی کا علم ہو کیونکہ ترکیب اسوقت حاصل ہوتی ہے جبکہ اجزاء ترکیب میں سے ایک دوسرے کیساتھ ارتباط و احتیاج ہو اور اصل ہر جز میں یہ ہے کہ مستقلاً بدون ارتباط اور احتیاج کے پایا جائے اس لیے کہ واضع نے ہر لفظ کو علی الانفراد وضع کیا ہے پس اصل ہر جز میں یہ ہے کہ مستقلاً بدون احتیاج کے پایا جاوے تو اجزاء کا باہم یہ ارتباط و احتیاج یقیناً کسی عارض کی وجہ سے ہوگا اور ترکیب عارضی ہوگی اور چونکہ ہر شئے عارضی زوال پذیر ہوتی ہے اس لیے محتمل ہے۔ بعد زوال عارض کے ترکیب زائل ہو جائے۔ لہذا علمیت کو شرط کیا تاکہ ترکیب احتمال زوال سے محفوظ ہو کر منع صرف میں مؤثر ہو **قولہ بلا اضافۃ ولا اسناد** یعنی ترکیب کے منع صرف میں مؤثر ہونیکے لیے دوسری شرط ضروری ہے کہ نہ تو ترکیب اضافی ہو اور نہ اسنادی ترکیب اضافی اسلئے نہ ہونی چاہیے کہ اضافت مضاف کو منصرف یا حکم میں منصرف کے کر دیتی ہے اور ترکیب اسنادی اسلئے نہ ہونی چاہیے کہ ترکیب اسنادی جب کسی کا علم ہوگا تو وہ مبنی ہوگا اور اس سے مقصود قصہ غریبہ ہوگا اور جب مبنی ہوا تو منصرف کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ غیر منصرف احکام معرب سے ہے اس مقام پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ جس طرح اضافت اور اسناد غیر منصرف کا سبب نہیں اسیطرح ترکیب وصفی اور تعدادی اور صوتی بھی غیر منصرف کا سبب نہیں ہے۔ اسوجہ سے جسطرح مرکب اضافی اور اسنادی کے اخراج کے واسطے مصنف نے شرط لگائی ہے اسیطرح ان کو بھی ایک شرط لگا کر خارج کرنا چاہیے۔ جواب چونکہ وصفی مرکب اضافی میں داخل ہے اسوجہ سے اسکے نکالنے کیلئے شرط کی ضرورت نہیں مرکب وصفی مرکب اضافی میں اس وجہ سے داخل ہے کہ مرکب اضافی میں مضاف الیہ مضاف کی قید ہوتا ہے ایسے ہی مرکب توصیفی میں صفت موصوف کی قید ہوتی ہے یعنی دونوں مرکب میں ایک کے اخراج سے دوسرا بھی خارج ہوگیا ایسے ہی مرکب صوتی اور تعدادی مرکب اسنادی میں داخل ہیں کیونکہ ترکیب اسنادی کے بناء کا سبب فقط علمیت وصفیہ ہے۔ اور یہ دونوں وصفاً علمیت سے پہلے ہی مبنی ہوتے ہیں۔ لہذا منع صرف کے سبب نہیں ہو سکتے لہذا ثانیاً ان کے نکالنے کی کچھ ضرورت نہیں نیز باب مبنیات میں جو ان کے متعلق مذکور ہے اس پر اکتفاء کی وجہ سے یہاں ان کے اخراج پر تصریح نہیں کی بخلاف ان اعلام کے جن میں اسناد ہو چونکہ ان کی بناء کو بالکل باب مبنیات میں بیان نہیں کیا۔ اس وجہ سے ان کے اخراج کیلئے یہاں شرط لگانے کی ضرورت واقع ہوئی ہے **قولہ کبعلبک** یہ ترکیب کی مثال ہے اسمیں دو اسم ملا کر ایک بنائے گئے ہیں نہ اس میں حرف جز ہے اور یہ اضافت اور اسناد کے ساتھ بھی نہیں یہ شام کے شہر کا نام ہے اس میں بعل ایک بت کا اور بک اس کے بانی کا نام ہے پس ان دونوں کلموں کو ایک کرکے شہر کا نام رکھ دیا گیا لہذا یہ ترکیب اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ **قولہ فعبد اللہ** فاء تفریع کے لیے ہے شرط ثانی کی قسم اول پر تفریع کی جارہی ہے یعنی عبد اللہ منصرف ہے۔ اگرچہ علم ہے کیونکہ اس کی ترکیب اضافت کے ساتھ ہے **قولہ معدیکرب** یعنی معدی کرب غیر منصرف ہے چونکہ اس میں ترکیب بلا اضافت و اسناد مع العلمیۃ ہے یہ ایک مرد کا نام ہے معدی اور کرب دو اسموں کو ایک کیا ہے اس میں تین لغت ہیں فتح باء غیر منصرف رفع باء غیر ممنون کسرہ باء منصرف منون **قولہ شاب قرناہا**۔ ایک عورت کا نام ہے جس کے دونوں گیسو سفید ہوگئے تھے شاب بمعنی سفید ہونا اور قرناہا تثنیہ قرن بمعنی گیسو شاب قرناہا مبنی ہے کیونکہ یہ مرکب اسنادی ہے اور اس میں جمہور نحاۃ کا مذہب یہی ہے۔ بحث مرکبات میں رضی کے کلام سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مرکب اسنادی نہ معرب ہے اور نہ مبنی۔

◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆

اما الالف والنون الزائدتان ان کانتا فی اسم فشرطہ ان یکون علما کعمران و عثمان فسعدان اسم نبت منصرف لعدم العلمیۃ وان کانتا فی صفۃ فشرطہ ان لا یکون مؤنثہ علی فعلانۃ کسکران فندمان منصرف لوجود ندمانۃ

قولہ اما الالف والنون الزائدتان۔ جاننا چاہیئے کہ نحاۃ کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا الف نون زائد منع صرف میں بالذات بلا امر آخر کی مشابہت کے اثر کرتے ہیں یا الف تانیث کی مشابہت کی بنار پر اثر کرتے ہیں۔ بصری کہتے ہیں کہ ان دونوں کا اثر منع صرف میں الف تانیث کی مشابہت کی بنار پر ہے مشابہت اسوجہ سے ہے کہ جسطرح تانیث کے الف زائد آتے ہیں۔ اسیطرح یہ دونوں زائد ہوتے ہیں پس جسطرح الف سے تانیث حروف اصلیہ کے استیفار کے بعد آتے ہیں اسیطرح یہ اور جسطرح تار کا دخول الف سے تانیث کے بعد درست نہیں ہے اسی طرح ان کے بعد اس مشابہت کی وجہ سے ان کا نام الف نون مضارعین بھی رکھا گیا ہے اور زائدتان اس وجہ سے رکھا ہے کہ دونوں حروف زوائد ہویت السمانا سے ہیں اس وجہ سے رکھا ہے کہ دونوں کلمہ کے آخر میں آئے ہیں اصلی نہیں کوفی کہتے ہیں کہ ان دونوں کا اثر منع صرف میں بالذات ہے یعنی اسوجہ سے نہیں ہے کہ یہ الف تانیث کے مشابہ ہیں بلکہ چونکہ مزید مزید علیہ کی فرع ہوتی ہے اسوجہ سے وہ اسم جس میں یہ زائد ہوں اسکی فرع ہونگے جس پر انکو زائد کیا ہے جو الف تانیث کی مشابہت کی بنار پر انکو موثر قرار دیتے ہیں ان میں پھر اختلاف ہوا کہ آیا الف و نون زائدتان دو سبب کے قائم مقام ہوتے ہیں یا نہیں جسطرح تانیث کے الف میں سے ہر ایک دو سبب کے قائم مقام ہوئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہوتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں۔ **قولہ ان کانتا فی اسم** جاننا چاہیئے کہ اسم کا اطلاق نحاۃ کی اصطلاح میں کئی طرح پر ہوتا ہے کبھی اسکا اطلاق فعل و حرف کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی لقب اور کنیت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی مہمل کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی صفت کے مقابلہ میں یہاں پر صفت کے مقابلہ میں ہے حاصل یہ کہ الف و نون زائدتان دو حال سے خالی نہیں یا وہ دونوں اسم میں ہونگے یا صفت میں اگر اسم میں ہوں تو الف و نون کے منع صرف میں تاثیر کرنیکی شرط یہ ہے کہ علمیت ہو اسلئے کہ الف و نون مزیدتان آخر کلمہ میں زائد ہوتے ہیں اور تغیر کا محل ہے پس علمیت کو شرط کیا تاکہ حتی الامکان کلمہ تغیر سے محفوظ ہو جائے اور الف تانیث سے انکو مشابہت بھی ہو جاوے کیونکہ جب یہ علم بن جاویگا تو تار تانیث کا دخول ان پر ممتنع ہو جاویگا جسطرح کہ الف تانیث پر دخول ممتنع ہے۔ **قولہ فشرطہ الخ** ضمیر یا تو اسم کی طرف لوٹتی ہے یعنی شرط الاسم الذی فیہ الالف والنون یا الف و نون کی طرف لوٹتی ہے یعنی شرط الالف والنون فی منع الصرف نیز ایک مضاف مقدر ہے اے شرط تاثیر الالف والنون اسم یعنی الف و نون کی منع صرف میں تاثیر کی شرط یہ ہے اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ الالف و نون دو چیزیں ہیں اسکی طرف ضمیر واحد کی کیسے راجع ہو سکتی ہے جواب چونکہ دونوں مل کر ایک سبب ہیں اسوجہ سے ضمیر واحد کی انکے ایک سبب ہونیکی وجہ سے لائے ہیں حاصل یہ ہے کہ مفرد ضمیر کا دو چیزوں یا بہت سی چیزوں کیطرف لوٹنا جائز ہوتا ہے۔ جبکہ وہ چیزیں کسی امر میں متحد ہوں چونکہ یہ دونوں بھی سببیت میں متحد ہیں۔ اس وجہ سے انکی طرف مفرد کی ضمیر کا لوٹنا درست ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کے قول واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ میں ضمیر مفعول مفرد اللہ اور رسول کیطرف راجع ہے۔ کیونکہ رضاء اللہ تعالیٰ حقیقت میں رضاء رسول ہے اسی طرح اس کا عکس **قولہ کعمران** یہ اس الف نون زائدتان کی مثال ہے جو اسم میں پائے جاتے ہیں اور دوسرا سبب اس میں علمیت ہے اور ایسے ہی عثمان مصنف دو مثالیں اس وجہ سے لایا ہے تاکہ تاکہ معلوم ہو جاوے کہ وہ اسم جس میں الف و نون زائد ہوتے ہیں مختلف وزنوں پر آتے ہیں عمران مکسور الفاء ہے اور عثمان مضموم الفاء مصنف کو ایک تیسری مثال بھی بیان کرنی چاہیئے تھی جو مفتوح الفاء ہوتی جیسے سلمان۔ **قولہ فسعدان الخ** اس میں فاء فصیحیہ ہے اسکی شرط محذوف ہے یعنی جبکہ ایسے الف و نون کی شرط جو اسم میں زائد ہوتے ہیں یہ ہے کہ وہ علم ہو تو سعدان جو کہ گھاس کا اسم ہے علم نہ ہونیکی وجہ سے منصرف ہے چونکہ یہ اسم جنس ہے قول مصنف سعدان مبتدار ہے اور اسکا قول اسم نبت مبتدار سے بدل ہونیکی بنار پر مرفوع ہے۔ اور منصرف خبر ہے یا اسم نبت پہلی خبر ہے۔ اور منصرف دوسری خبر ہے۔ یا اسم نبت مبتدار محذوف کی خبر ہے اور جملہ معترضہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اسم نبت مبتدار سے حال ہونیکی بنار پر منصوب ہو اور مبتدار کا حال ہونا ابن مالک کے نزدیک جائز ہے یا ضمیر منصرف سے حال ہے۔ لیکن کان کی خبر یا اعنی کی تقدیر کی وجہ سے منصوب کہنا درست نہیں ہے۔ کما لا یخفی۔ **قولہ فی صفۃ** یعنی الف و نون زائدتان اگر صفت میں ہوں تو ان کے منع صرف میں موثر ہونے کی شرط یہ ہے کہ مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ آئے یعنی تار تانیث کا دخول اسکی مؤنث پر ممتنع ہو۔ اس لیے کہ یہ دونوں آخر کلمہ میں لاحق ہوتے ہیں اور عدم دخول تار تانیث میں ہر دو الف مقصورہ و ممدودہ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ پس اگر تار تانیث اس کے مونث میں آجائیگی تو اس کی مشابہت الف ممدودہ و الف مقصورہ کے ساتھ ضعیف ہو جاوے گی لہذا انتفار فعلانۃ کو شرط کیا تاکہ مشابہت ضعیف نہ ہو۔ **قولہ کسکران الخ** یعنی کسکران غیر منصرف ہے اسلئے کہ اسکا مؤنث سکرانۃ نہیں آتا بلکہ سکری آتا ہے سکران بفتح الفار ہے مصنف صفت میں ایک مثال لایا جسکا فار کلمہ مفتوح ہے کیونکہ وہ اسم صفت جس میں الف و نون زائدہ ہوں اور اسکے فار کلمہ کو ضمہ ہو تو اسکی مؤنث تار کیساتھ آتی ہے جیسے عریان کہ اسکی مؤنث عریانۃ آتی ہے اور کسرہ فار کلمہ ایسے اسم صفت کے اندر نہیں پایا جاتا ہے **قولہ فندمان** یعنی ندمان منصرف ہے کیونکہ اس کی مونث تاء کے ساتھ آتی ہے اور یہ اس وقت جب کہ اس کے معنی شراب کے ہم نشین ہو۔ اور جبکہ اس کے معنی نادم و شرمندہ کے ہوتے ہیں تو چونکہ اس کی مؤنث تار کے ساتھ نہیں آتی ہے اس وجہ سے غیر منصرف ہوتا ہے۔ ۱۲۔

اما وَزنُ الفِعل فشرطُهٗ ان يختصَّ بالفعل ولا يُوجَدُ فِی الاسمِ الا منقولًا عن الفِعل كشمَّرَ و ضُرِبَ وان لم يُختَصّ بهٖ فيجبُ اَن يكُونَ فی اولِهٖ اِحدٰی حُرُوفِ المضارعة ولا يدخلهُ الهاء كاحمدَ و يشكرُ و تغلِبَ و نرجِس فيعملٌ منصرفٌ لقبولها الهاء كقولِهم ناقةٌ يعملةٌ۔

قولہ اما وزن الفعل: یعنی اسم کا ایسے وزن پر ہونا کہ جس کو اوزان فعل سے شمار کیا جاتا ہو جانا جاتا ہے۔ کہ اوزان تین قسم پر ہیں۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جو اسم کیساتھ مخصوص ہیں اور بعض ایسے ہیں جو فعل کیساتھ مخصوص ہیں۔ رہا یہ امر کہ ان اوزان کا کیوں اعتبار ہوا اور اوزان اسم کا اسباب غیر منصرف میں کیوں اعتبار نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ یہ سبب بھی جیسے دوسرے فرعا ہیں کسی اصل کی فرع ہو جائے لہذا اگر وزن اسم کو سبب غیر منصرف قرار دیا جاتا تھا اور اسباب سے اسکی مخالفت لازم آتی ہے کیونکہ اسم فعل کے اعتبار سے اصل ہے پس ایسے ہی اسکا وزن بھی فعل کے وزن کے اعتبار سے اصل ہے **قولہ فشرطہ:** یعنی وزن فعل کے سبب منع صرف بننے کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل کیساتھ مختص ہو۔ یعنی اسم ایسے وزن پر پایا جائے کہ جو اوزان فعل سے شمار کیا جاتا ہے اور فعل کیساتھ مختص ہے اور وجہ شرط لگانے کی یہ ہے کہ اسوقت یہ وزن اسم میں خلاف عادت پائے جانے کے سبب ثقیل ہوگا۔ پس فعل کیساتھ مختص ہونا چاہیے تاکہ اسکی ثقالت مختص بالفعل ہونیکی وجہ سے اس درجہ میں پہنچ جائے۔ کہ منع صرف میں موثر ہو سکے **قولہ ولا یوجد الخ** یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ اختصاص کے تو یہ معنی ہیں کہ سوائے مختص بہ کے کسی اور میں نہ پایا جائے پس جب وہ وزن فعل کیساتھ مختص ہے تو اسم میں نہ پایا جانا چاہیے۔ پھر یہ شرط کہ اسم میں پایا جائے اور فعل کیساتھ مختص ہو کر کیونکر درست ہوگی۔ جواب یہ ہے کہ اختصاص سے مراد اختصاص بحسب اصل الوضع ہے یعنی از روئے وضع کے فعل کیساتھ مختص ہو اور اسم میں فعل سے منقول ہو کر پایا جائے اعتراض بقم و خضم ان میں ہر ایک وزن فعل پر ہے۔ اور اسم میں بلا نقل کے پائے جاتے ہیں۔ جواب اسم سے مراد اسم عربی ہیں اور یہ عربی نہیں ہے بلکہ عجمی ہے۔ اسوجہ سے اعتراض نہیں پڑتا ہے **قولہ کشمر و ضرب** شمر ماضی کا صیغہ ہے۔ فعل کے وزن کے ساتھ مختص اور اسکا مصدر تشمیر ہے (دامن سمیٹنا) یہ فعل ہے اس کو اسم کیطرف نقل کیا گیا ہے۔ اور اب اس کے معنی تیز رفتار گھوڑے کے ہو گئے ہیں اور وہ وزن فعل اور علمیت کیوجہ سے غیر منصرف ہے۔ ضرب ماضی مجہول کا صیغہ ہے جس وقت اس سے کسی کا نام رکھیں گے تو وزن فعل اور علمیت کیوجہ سے غیر منصرف ہوگا اب اگر کوئی کہے کہ مثال دیتے وقت مصنف نے ماضی مجہول کے صیغہ کو کیوں اختیار کیا ماضی معروف سے کیوں مثال نہیں دی۔ جواب یہ ہے کہ ماضی مجہول کی مثال اسلئے لائے ہیں کہ ضرب ماضی معروف کا وزن فعل کیساتھ مختص نہیں اسم میں بھی پایا جاتا ہے جیسے شجر و حجر کیونکہ حرکت آخر کا کوئی اعتبار نہیں **قولہ وان لم یختص بہ:** یعنی وزن فعل اگر فعل کیساتھ مختص نہ ہو۔ تو اسوقت اسکے اثر کیواسطے یہ شرط ہے کہ اسکے اول میں مثل اس زیادتی کے جو فعل کے اول میں ہوتی ہے۔ یعنی مضارع کے حروف میں سے کوئی حرف اس کے اول میں ہو۔ وہ حروف اتین ہیں۔ عدم اختصاص کی صورت میں یہ شرط اس وجہ سے لگائی ہے کہ اس شرط کی بناء پر اس وزن کی فعل کے ساتھ خصوصیت پیدا ہو جائیگی اور وزن بھی فعل کیساتھ مختص ہو جاویگا کیونکہ حروف مضارع فعل کے خواص میں سے ہے لہذا حروف مضارع پائے جانیکے سبب سے وہ وزن حال اشتراک سے حال اختصاص کیطرف پلٹ جائیگا تو گویا یہ وزن بھی ایسا ہو جاویگا جو فعل کے ساتھ مختص ہے۔ **قولہ فی اولہ** ضمیر مضاف الیہ وزن الفعل کی طرف لوٹتی ہے یا موزون کیطرف اور جبکہ اولہ کی ضمیر وزن الفعل کیطرف لوٹے تو بظاہر اتحاد ظرف مظروف لازم آتا ہے کیونکہ اول احمد مثلاً بعینہ حرف مضارع ہے لیکن حقیقت میں اتحاد ظرف مظروف نہیں ہے۔ کیونکہ اول اور احدی حروف المضارعۃ میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ احد حروف المضارعۃ کبھی اول میں ہوتا ہے اور کبھی اول میں نہیں ہوتا ہے اور ایسے ہی کبھی حرف ہوتا ہے اور کبھی حرف نہیں ہوتا ہے اور اسم کا بعض کیلئے ظرف ہونا درست ہے **قولہ لا یدخلہ** ضمیر مفعول وزن الفعل یا موزون کیطرف راجع ہے۔ یعنی اس موزون پر تانیث کی تاء جو حالت وقف میں ہا ہو جاتی ہے۔ باعتبار وضع کے داخل نہ ہو۔ کیونکہ اگر تاء اس میں داخل ہو تو وہ اسم فعل کے وزن سے خارج ہو جاویگا کیونکہ تاء اسم کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہذا اسکو فعل کیساتھ مشابہت حاصل ہو گی وضع کی قید لگانے سے نحو اسود سے اعتراض نہ ہوگا۔ کہ یہ اسم ہے جسکے اول میں حروف اتین سے ایک حرف ہے اور اس میں تاء تانیث داخل ہوتی ہے چنانچہ بولتے ہیں اسودۃ لہذا یہ غیر منصرف نہ ہو کیونکہ وزن فعل کے اثر کی جو شرط ہے وہ یہاں نہیں پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں تاء کا دخول وضع کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ وضع کے اعتبار سے اسکا مونث سوداء آتا ہے بلکہ اس میں تاء کا دخول غلبہ اسمیہ کی وجہ سے ہے لہذا اعتراض نہ پڑیگا **قولہ کاحمد الخ** احمد یشکر اور تغلب تینوں تین مردوں کے علم ہیں اور نرجس بھی ایک شخص کا علم ہے مصنف چار مثالیں اسوجہ سے لایا ہے کہ حروف مضارع چار ہیں نرجس پر اعتراض کیا ہے کہ عرب اسکے آخر میں تاء زیادہ کر کے نرجسۃ بولتے ہیں لہذا اس نے تاء کو قبول کیا اس وجہ سے یہ منصرف ہوا۔ جواب جس وقت اس پر تاء داخل ہوتی ہے اسوقت یہ علم نہیں ہوتا بلکہ اسم جنس ہوتا ہے لہذا اس میں سے کچھ اشکال نہ ہوگا۔ سوال لفظ نرجس عجمی لفظ ہے اس میں نون کی زیادتی کس چیز سے معلوم ہوتی ہے جواب نحاۃ اس لفظ کو جو عجم سے نقل کیا ہو اور اسکے اول میں کوئی حرف حروف اتین سے ہو تو اس کو عربی لفظ کے مرتبہ میں رکھتے ہیں اسیوجہ سے نحاۃ نے کہا ہے کہ نرجس میں نون زائدہ ہے **قولہ فیعمل الخ** یہ انعدام شرط پر متفرع ہے اور مطلب یہ ہے کہ یعمل چونکہ تاء تانیث کو قبول کرتا ہے چنانچہ عرب قوی اونٹنی کو ناقۃ یعملۃ بولتے ہیں لہذا یہ منصرف ہے اگرچہ اسمیں وزن فعل اور وصف اصلی پایا جاتا ہے مگر جبکہ یعمل کے ساتھ کسی مرد کا نام رکھ دیا جائے تو یہ غیر منصرف ہوگا۔ کیونکہ اسوقت یہ غیر قابل التاء ہوگا اسوقت وزن فعل مع شرط تاثیر اور علمیت پائی جائے گی

(باقی بر صفحہ ۵۶ پر)

وَاعلم اَنّ كُلَّ ما شرط فيهِ العلميّةُ وهو المؤنّثُ بالتاءِ والمعنوىُّ والعُجمةُ والتركيبُ والاسمُ الذى فيهِ الالفُ والنونُ الزائدتانِ اولم يُشترط فيهِ ذٰلك واجتمعَ معَ سببٍ واحدٍ فقط وهو العلمُ المعدولُ ووزنُ الفعلِ اذا نُكّرَ صرف امّا فى القِسمِ الاوّل فلبقاءِ الاسمِ بلا سببٍ وامّا فى الثانى فلبقائهٖ على سَبَبٍ واحدٍ تقول جاءنى طلحةُ وطلحةٌ اٰخرُ وقامَ عُمرُ وعمرٌ اٰخرُ وضربَ احمدُ واحمدٌ اٰخرُ وكُلُّ ما لا ينصرفُ اذا اُضيفَ او دخلهُ اللامُ فدخلهُ الكسرةُ نحو مررتُ باحمدِكم وبالاحمدِ

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۵۵) حاصل بحث یہ کہ اوزان چار قسم پر ہیں ایک مختص باسم جیسے فلس اور قفل و مرد وغیرہ اور اوزان رباعی جاعد افعلل اور سبب خاصی انّ کے ساتھ نام رکھنا مؤثر نہ ہوگا ثانی قسم وہ اوزان جو اسم اور فعل میں مشترک ہیں بلا اس کے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح ہو جیسے ضرب و علم وغیرہ اس قسم میں بھی تسمیہ مؤثر نہیں البتہ عیسیٰ بن عمرو الثقفی کے نزدیک تیسرے وہ اوزان جو فعل کے ساتھ مختص ہیں جیسے شمر و ضرب وغیرہ چوتھے وہ اوزان جن کے اول میں زوائد اربع میں سے کوئی حرف زائد ہے جیسے احمد وغیرہ ان دونوں قسم کا حکم غیر منصرف ہوتا ہے (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ اعلم**۔ جاننا چاہیے کہ غیر منصرف کے اسباب دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ علمیت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں یا نہیں ایسا سبب جو علمیت کیساتھ جمع نہیں ہوتا وہ فقط وصف ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہوا ہے۔ اول قسم بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو جن کیساتھ علمیت جمع ہوتی ہے تو ان کے ساتھ مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے یا نہیں ایسے اسباب جن کے ساتھ علمیت بلا تاثیر کے جمع ہوتی ہے الف تانیث ممدودہ اور مقصورہ ہیں اور جمع منتہی الجموع ہیں کہ انکے ساتھ بلا اثر کے جمع ہوتی ہے رہے وہ اسباب جن کے ساتھ علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے پھر وہ دو قسم پر ہیں بعض ایسے ہیں کہ ان کے اثر کے واسطے علمیت شرط ہے اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے اثر کیواسطے علمیت شرط نہیں وہ اسباب جنکے اثر کے واسطے علمیت شرط ہے۔ وہ کل چار ہیں ایک مؤنث خواہ تاء کے ساتھ ہو خواہ معنوی دوسرا عجمہ تیسرا ترکیب چوتھا وہ اسم جس میں الف و نون زائدتان ہوں اور جن کے اثر کیواسطے علمیت شرط نہیں ہے وہ کل دو ہیں ایک اسم معدول اور دوسرا وزن فعل کہ ان کیساتھ علمیت مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے لیکن انکے اثر کیواسطے شرط نہیں ہے چنانچہ عمر عدل اور علمیت کیوجہ سے غیر منصرف ہے ایسے ہی احمد وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے اگر علمیت انکے اثر کے واسطے شرط ہوتی تو ثلث اور احمر کا بغیر علمیت کے غیر منصرف ہونا ممتنع ہوتا باوجودیکہ یہ غیر منصرف ہیں اور علمیت ان میں نہیں ہے اس سے ثابت ہوا کہ علمیت عدل اور وزن کے فعل کے ساتھ مؤثر ہو کر جمع ہوتی ہے۔ لیکن انکے اثر کے واسطے شرط نہیں **قولہ فقط** اس میں فاء یا تو تزئین کیلئے ہے یا فصیحیہ ہے جو شرط محذوف کی جزاء پر داخل ہوتی ہے اور قط اسم فعل ہے بمعنی انتہ ہے بعض اسکو حسب کے معنے میں بتاتے ہیں اور بعض یکفیک کے معنے میں اول پر تقدیر عبارت ہے اذا لم یشترط العلمیۃ فی الاسم الغیر المنصرف سبب آخر فیہا السببیۃ فقط ای افانتہ من ان تشترط لہ۔ یعنی جبکہ علمیت اسم غیر منصرف میں شرط نہ ہو اور وہ علمیت دوسرے ایک سبب کے ساتھ اس غیر منصرف میں جمع ہو جاوے سبب پر تو اس کو سبب کے اثر کیواسطے شرط ماننے سے روک دے **قولہ اذا نکر الخ** کسی علم کو نکرہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ علم سے مراد وصف مشتہر لیں جیسا کہ لکل فرعون موسیٰ کہتے ہیں اور مراد لکل مبطل محق لیتے ہیں دوسرے اس نام کی جماعت میں کا ایک فرد مراد لیں مثلاً کہیں ہذا زید ورایت زیدا آخر پس یہاں اس نام کے بہت سے آدمیوں میں سے لا علی التعیین ایک فرد مراد ہے مصنف کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسم غیر منصرف کہ جس میں علمیت مؤثر ہے جب اسکو نکرہ کیا جاوے تو وہ منصرف ہو جاویگا۔ کیونکہ علمیت کے منع صرف میں مؤثر ہونیکی دو صورتیں ہیں کبھی تو وہ سبب اور شرط بن کر مؤثر ہوتی ہے اور کبھی سبب محض بنکر پس جس جگہ سبب اور مؤثر شرط ہو کر مؤثر ہوتی ہے جیسا کہ ترکیب اور تانیث بالتاء اور تانیث معنوی اور عجمہ میں اگر وہاں علمیت کو زائل کر دیا جاوے تو اسم بلا سبب کے باقی رہ جائے گا کیونکہ اس میں ایک سبب تو علم تھا وہ جاتا رہا اور دوسرا سبب وہ تھا کہ جس میں علمیت شرط تھی پس جب شرط گئی تو مشروط بھی جاتا رہا اور جس جگہ علمیت سبب محض بن کر مؤثر ہوتی ہے۔ جیسا کہ عدل و وزن فعل میں کہ ان میں سے کسی ایک کیساتھ سبب ہو کر مؤثر ہوتی ہے شرط ہو کر مؤثر نہیں ہوتی۔ اور نہ عدل اور وزن فعل علمیت کیساتھ ایک ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اسلئے کہ عدل اور وزن فعل میں تضاد ہے۔ دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا پس جب اس صورت میں اسم غیر منصرف سے علمیت کو زائل کیا جائیگا تو صرف ایک سبب باقی رہیگا عدل یا وزن فعل اور چونکہ ایک سبب سے اسم غیر منصرف نہیں ہوتا لہذا منصرف ہو جائیگا **قولہ کل ما لا ینصرف الخ** یا تو یہ منصوب ہے پہلے کل پر اسکا عطف ہو رہا ہے اور وہ اسم ان ہونیکی بناء پر منصوب ہے لہذا یہ معطوف بھی اسکا اسم ہونیکی بناء پر منصوب ہے یا یہ ابتداء کی بناء پر مرفوع ہے۔ یعنی جس اسم غیر منصرف کی اضافت دوسرے اسم کیطرف کر دی جائے یا اس پر لام داخل ہو جائے تو اس پر کسرہ داخل ہو گا بعض کے نزدیک تنوین بھی داخل ہوگی مگر تنوین لفظوں میں ظاہر نہ ہوگی کیونکہ لام اور اضافت مانع تنوین ہے باقی رہا یہ امر کہ غیر منصرف پر بعد داخل ہونے لام اور اضافت کے ساتھ متلبس ہونیکے کسرہ اور تنوین کیوں آتا ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ غیر منصرف پر فعل کے مشابہ ہونیکی وجہ سے کسرہ اور تنوین کا آنا ممنوع ہے پس جب اس پر لام داخل ہوگا یا اس کی اضافت ہو گئی۔ تو چونکہ یہ دونوں خواص اسم سے ہیں۔ لہذا اس کی مشابہت فعل کے ساتھ ضعیف ہو جائیگی اور جانب اسمیت غالب ہو کر اس پر (باقی بر صفحہ ۵۷ پر)

المقصد الاول فی المرفوعات

(متعلقہ حاشیہ ص۵۶) کسرہ اور تنوین جو کہ احکام اسم سے ہیں۔ داخل ہو جائیں گے۔ اگر کوئی کہے کہ اسناد اور دخول جار بھی خواص اسم سے ہیں تو اسکی کیا وجہ ہے لام اور اضافت کے سبب سے تو کسرہ تو داخل ہو جاتا ہے اور جار و اسناد کے سبب سے کسرہ داخل نہیں ہوتا جواب چونکہ لام اضافت میں تاثیر لفظی اور معنوی دونوں ہیں اس وجہ سے یہ اقوی خواص اسم میں سے ہیں تاثیر لفظی تو یہ ہے کہ مدخول لام پر تنوین نہیں آتی ہے۔ ایسے مضاف پر اضافت کی بنا پر اور تاثیر معنوی یہ ہے کہ مدخول لام اور مضاف معرفہ ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری علامتیں اس درجہ پر نہیں ہیں۔ اسوجہ سے ان کے دخول سے کسرہ داخل نہیں ہوتا ہے پھر اگر کوئی یہ کہے کہ عبارت فقط طریق استعمال کو بیان کرتی ہے اور اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ غیر منصرف بعد متلبس ہونے لام اور اضافت کے غیر منصرف ہی رہتا ہے یا غیر منصرف ہو جاتا ہے جواب یہ ہے کہ چونکہ بعد اضافت اور دخول لام غیر منصرف کے منصرف ہونے میں اختلاف تھا۔ لہذا مصنفؒ نے طریق استعمال کے بیان پر اکتفار کیا پھر اگر غور کیا جاوے تو یہ اختلاف درحقیقت اس پر مبنی ہے۔ کہ غیر منصرف کس کو کہتے ہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر منصرف وہ ہے جس میں دو سبب اسباب تسعہ میں سے یا ایک قائم مقام دو سبب کے پایا جائے انکے نزدیک دخول کسرہ اور تنوین کے بعد اسم غیر منصرف رہے گا جبکہ اس میں دو سبب یا ایک سبب قائم مقام دو سبب کے پائے جائیں چونکہ اس وقت بھی بدستور دو سبب یا ایک سبب قائم مقام دو سبب کے پایا جاتا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر منصرف وہ ہے جس پر کسرہ اور تنوین داخل نہ ہو۔ ان میں سے ایک فریق تو یہ کہتا ہے کہ وہ بعد دخول کسرہ کے منصرف ہو جائیگا اس لیے کہ کسرہ حرکت اعرابیہ ہے اور اکثر جگہ بدوں تنوین کے نہیں پایا جاتا ہے پس یہاں جب کسرہ داخل ہو گیا گویا کہ تنوین بھی داخل ہو گئی مگر چونکہ لام و اضافت مانع ہیں لہذا تنوین لفظوں میں ظاہر نہ ہو گی اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ کسرہ داخل ہونے کے بعد اسم اب بھی غیر منصرف رہے گا اسلئے کہ منع صرف میں بالذات تنوین کا داخل ہونا ممتنع ہے کیونکہ وہ اسم ہلکے پر دلالت کرتی ہے۔ باقی کسرہ سو وہ ممنوع بالتبع ہے کیونکہ اکثر جگہ کسرہ بدوں تنوین کے نہیں پایا جاتا ہے پس جب کسی جگہ اسم غیر منصرف پر کسرہ ہو اور تنوین نہ ہو تو یہ وہم ضرور ہو گا کہ اس پر تنوین ہے۔ مگر جب اضافت ہو گی اور لام داخل ہو گا تو یہ وہم نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ دونوں مانع تنوین ہیں لہذا اس صورت میں جبکہ غیر منصرف پر ممنوع بالذات داخل نہیں ہوا تو کلمہ غیر منصرف ہی رہیگا۔ اور محض کسرہ کے داخل ہونے کے بعد وہ منصرف نہ ہوگا (حاشیہ صفحہ ھذا ۱) **قولہ المقصد الاول**۔ یعنی پہلا مقصد اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ مقصد دو حال سے خالی نہیں یا تو ظرف کا صیغہ ہے یا مصدر میمی کا صیغہ اور یہاں پر ان دونوں میں سے کوئی بھی درست نہیں ہوتا ہے۔ چونکہ معنے درست نہیں رہتے ہیں اس لئے کہ اگر اسم ظرف قرار دیا جائے تو معنی ہونگے اول قصد کی جگہ اور ثانی پر ترجمہ ہوگا اول قصد کرنا۔ جواب ظرف اور مصدر کو جبکہ ان کے حقیقی معنے میں لینا مشکل ہو جاوے تو اسوقت ان کو مفعول کے معنے میں لیا کرتے ہیں جیسے مشرب عذب اور مرکب فارۃ میں مشرب اور مرکب اسم ظرف بمعنے مشروب اور مرکوب ہیں اور ضرب الامیر بمعنے مضروب الامیر آتا ہے۔ ایسے ہی یہاں پر مقصد بمعنے مقصود ہے۔ ترجمہ ہوا پہلا مقصود یہاں پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ المقصد الاول الخ یہ اس اجمال کی تفصیل ہے جو پہلے بیان ہوا تھا۔ لہذا مصنفؒ کو چاہیے تھا اما تفصیلیہ یہاں پر لا کر یوں کہتا اما المقصد الاول فی المرفوعات الخ مصنف نے اما تفصیل کو اس مقام پر کیوں ترک کر دیا جواب ماسبق قول اما المقدمۃ ففی المبادی پہ اکتفار کر لیا جیسا کہ کلام اللہ میں ہے واما الذین فی قلوبہم زیغ الخ والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ تقدیر یہ ہے اما الراسخون الایۃ اس میں ماسبق پر اکتفار کیوجہ سے اما کو چھوڑ دیا ہے۔ **قولہ فی المرفوعات**۔ یعنی مرفوعات کے بیان میں سوال بحث مرفوعات کو منصوبات اور مجرورات پر کیوں مقدم کیا جواب اس وجہ سے کہ وہ غالبا مسند الیہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور مسند الیہ کلام میں عمدہ ہے پس عمدہ کی رعایت سے مرفوعات کو منصوبات اور مجرورات پر مقدم کیا۔ مصنفؒ نے جمع کا صیغہ مفرد کے صیغہ پر اس وجہ سے پسند کیا ہے کہ تعریف مرفوع جو مشہور ہے کہ مرفوع وہ اسم ہے جو علامت فاعلیہ پر شامل ہو اور تعریف رفع (ہو علم الفاعلیۃ) سے وہم ہوتا ہے کہ مرفوع فقط ایک ہوگا۔ یعنی فاعل اور اس کے علاوہ کوئی اور مرفوع نہ ہوگا حالانکہ مرفوع آٹھ ہیں۔ جیسا کہ آئندہ مصنفؒ کے قول میں آتا ہے تو مصنفؒ نے جمع کا صیغہ اختیار کر کے اس وہم کو دور کر دیا۔ کیونکہ جمع تعدد پر دلالت کرتی ہے بخلاف مفرد کے کہ وہ وحدۃ پر دال ہوتا ہے۔ پھر جاننا چاہیے کہ مرفوعات مرفوع کی جمع ہے نہ کہ مرفوعۃ کی۔ اس لیے کہ مرفوع اسم کی صفت ہے اور قاعدہ ہے کہ صفت اور موصوف کے مابین تذکیر اور تانیث میں مطابقت ہونی چاہیئے پس اگر مرفوعات کو مرفوعۃ کی جمع کہیں تو درمیان موصوف و صفت کے مطابقت ...... نہ ہوگی کیونکہ اسم مذکر ہے اور مرفوعۃ مونث ہے پس لامحالہ مرفوعات کو مرفوع کی جمع کہیں گے نہ کہ مرفوعۃ کی۔ اور اگر کوئی کہے کہ مرفوع مذکر ہے اور مذکر کی جمع واو نون یا نون کے ساتھ ہوتی ہے لہذا اس کی جمع مرفوعات الف تار کے ساتھ کیونکر صحیح ہوگی تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں نحویوں کا ایک قاعدہ ہے۔ وہ یہ کہ مذکر لایعقل کی صفت جمع کو ہمیشہ الف اور تا کے ساتھ لاتے ہیں۔ جیسے کہ مثلاً خالی کی جمع جو کہ یوم مذکر لایعقل کی صفت ہے خالیات الف تار کے ساتھ لاتے ہیں اور ایام الخالیات کہتے ہیں۔

اَلاَسْمَاءُ الْمَرْفُوعَاتُ ثَمَانِيَةُ اَقْسَامٍ اَلْفَاعِلُ وَمَفْعُولُ مَالَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهُ وَالْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ وَخَبَرُ اِنَّ وَاَخَوَاتِهَا وَاِسْمُ كَانَ وَاَخَوَاتِهَا وَاِسْمُ مَا وَلَا الْمُشَبَّهَتَيْنِ بِلَيْسَ وَخَبَرُ لَا الَّتِي لِنَفْيِ الْجِنْسِ فَصْلٌ اَلْفَاعِلُ كُلُّ اِسْمٍ قَبْلَهُ فِعْلٌ اَوْصِفَةٌ

قولہ الاسماء المرفوعۃ۔ یعنی مرفوع اسماء جاننا چاہیئے کہ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ شے کے افراد کا بیان اس شے کی معرفت کے بعد ہوتا ہے۔ چونکہ افراد کی معرفت شے کی معرفت پر موقوف ہے۔ لہٰذا اولا مصنفؒ کو چاہیئے تھا کہ مرفوع کی تعریف کرتا اسکے بعد اسکے افراد کو بیان کرتا مصنفؒ نے تعریف کو کیوں ترک کر دیا۔ جواب چونکہ مبتدئین شے کے ذکر کے بعد جزئیات کے منتظر ہوتے ہیں اور کلیات کے منتظر نہیں ہوتے چونکہ کلیات کے فہم سے ان کی عقل قاصر ہوتی ہے۔ کیونکہ کلی کے حصول سے جزئی کا ذہن میں حاصل ہونا آسان ہے۔ اس وجہ سے مصنفؒ نے مرفوع کی تعریف نہیں کی بلکہ اس کے افراد کے بیان میں مشغول ہو گیا صاحب کافیہ نے اسم مرفوع کی تعریف ما اشتمل علی علم الفاعلیۃ سے بیان کی ہے یعنی اسم مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر شامل ہو فاعل کی علامت ضمہ اور واؤ اور الف ہے جیسے جاءنی رجل واخوہ والرجلان مطلب یہ ہوا کہ اسم مذکورہ بالا علامتوں کے ساتھ موصوف ہو خواہ لفظاً خواہ تقدیراً یا محلاً یہ اسم مرفوع کی تعریف رفع محلی کو بھی شامل ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اعراب لفظی و تقدیری کو یہ تعریف شامل ہے اور اعراب محلی کو شامل نہیں یہ غلط ہے کیونکہ اسم رفع محلی کے ساتھ موصوف ہوتا ہے کیونکہ رفع محلی کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ اسم مبنی ایسے مقام میں ہے کہ اگر اس جگہ اسم معرب ہوتا تو اس پر رفع لفظاً یا تقدیراً آجاتا۔ نیز دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ المرفوعۃ مفرد سماء کی صفت ہے اور یہ جمع ہے حالانکہ موصوف اور صفت کے درمیان افراد و جمع میں مطابقت ضروری ہے لہٰذا المرفوعۃ کو جمع لانا ضروری تھا جواب المرفوعۃ ضمیر اسماء کی طرف مسند ہے اور صفت مشتقہ جب غیر جمع کیطرف مسند ہو تو اس کو واحد اور جمع لانا دونوں درست ہوتا ہے جیسے الایام الخالیات والخالیۃ اور اس صفت مشتقہ کا حکم افعال کی مانند ہو جاتا ہے۔ **قولہ ثمانیۃ اقسام الخ** جاننا چاہیئے کہ مرفوع کا ان آٹھ قسموں میں جو کہ کتاب میں بیان کی گئی ہیں۔ حصر ہے دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ مرفوع وہ ہے جو فاعلیۃ کی علامت پر شامل ہو۔ یعنی ایسی خصلت پر شامل ہو۔ جو فاعل کیطرف منسوب ہے اور وہ خصلۃ جو فاعل کیطرف منسوب ہوتی ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک شی کا مسند الیہ ہونا اور دوسرے کسی شے کا جملہ کے اندر جزء ثانی ہونا مفعول ما لم یسم فاعلہ اور مبتدا اور ارکان کے اسم میں فاعل کی پہلی خصلت موجود ہے۔ یعنی مسند الیہ ہوتے ہیں ایسے ہی ماولا کے اسم میں اور باقی مرفوعات میں فاعل کی دوسری خصلت پائی جاتی ہے اور ان کے علاوہ اور کسی میں فاعل کی دونوں خصلتوں میں سے کوئی خصلت نہیں پائی جاتی اس وجہ سے مرفوع ان آٹھ میں منحصر ہے **قولہ الفاعل**۔ اگر کوئی کہے کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ مصنفؒ نے فاعل کو تمام مرفوعات پر مقدم کیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ فاعل جمہور کے نزدیک تمام مرفوعات کی اصل ہے۔ اسلئے کہ وہ جملہ فعلیہ کا جز ہے اور جملہ فعلیہ تمام جملوں میں اصل ہے چونکہ غرض جملہ سے مخاطب کو فائدہ پہنچانا ہے اور وہ بہ نسبت جملہ اسمیہ کے جملہ فعلیہ میں زیادہ ہوتا ہے اسلئے کہ جملہ فعلیہ چند زوائد مثلاً زمان وغیرہ پر دلالت کرتا ہے پس جب فاعل کا تمام مرفوعات میں اصل ہونا ثابت ہو گیا۔ تو اس کا جملہ مرفوعات پر مقدم کرنا ہی مناسب تھا **قولہ کل اسم**۔ یعنی ہر اسم خواہ حقیقی ہو یا حکمی یہ اس وجہ سے تعمیم کی ہے تاکہ سرنی ان تقوم میں جو ان تقوم فاعل ہو رہا ہے اس پر فاعل کی تعریف صادق آجاوے کیونکہ یہ اسم حقیقی نہیں ہے بلکہ تاویلی ہے لفظ اسم بمنزلہ جنس ہے تمام اسماء کو شامل ہے **قولہ قبلہ فعل او صفۃ**۔ یعنی اس اسم سے پہلے فعل یا صفت ہو۔ مصنفؒ کا یہ قول بمنزلہ فصل ہے فاعل کیساتھ میں جو چیزیں اسم ہونے میں شریک ہیں ان سے احتراز ہو رہا ہے اس قید سے فاعل ہونے سے وہ اسماء نکل گئے جن سے پہلے فعل یا صفت نہ ہو بلکہ بعد میں ہو جیسے زید ضرب میں زید کہ زید ایک اسم ہے اس سے پہلے فعل یا صفت نہیں ہے بلکہ اس کے بعد ہے اس وجہ سے زید فاعل نہ ہوگا حاصل یہ ہے کہ اس قید سے وہ مبتدا نکل گئے جس کی خبر ایسا فعل ہو کہ جس کی نسبت حقیقت میں جیسے القیام اسی اسم کی طرف حقیقت میں ہو رہی ہے۔ جاننا چاہیئے کہ شراح نے اس پر اعتراض کیا ہے لیکن تقریر اعتراض سے قبل ایک مقدمہ کی تمہید ضروری ہے مقدمہ جس اسم کے بعد ایسا فعل ہو جسکا وجود یا عدم اسی اسم سے ہوا ہو جیسے مثلاً زید قام اس میں بصریوں اور کوفیوں کا آپس میں اختلاف ہے بصری کہتے ہیں ایسی صورت میں اسم مبتدا ہوتا ہے اور فعل خبر اور اس کا فاعل ضمیر ہوتی ہے جو فعل میں مضمر ہوتی ہے تو ان کے نزدیک زید مبتدا رہے اور قام کا فاعل اس میں ضمیر ہے جو قام میں مضمر ہے اور جملہ خبر زید ہے اور کوفی کہتے ہیں کہ یہ اسم مقدم اس مؤخر فعل کا فاعل ہوتا ہے۔ جس طرح پر کہ فعل کو پہلے لانے اور اسم کو بعد میں لانے پر ہوتا ہے جیسے قام زید تو انکے نزدیک زید قام میں زید فاعل ہے اور قام فعل ہے حاصل یہ ہے کہ انکے نزدیک زید قام میں اور قام زید میں کچھ فرق نہیں ہے مصنف کے نزدیک بصریوں کا مذہب حق ہے اب اس تمہید مقدمہ کے بعد اعتراض کو سمجھنا چاہیئے۔ اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ زید قام میں جو زید ہے اسکو فاعل کی تعریف سے خارج کرنے کیلئے قبلہ فعل اور صفت کی قید لگانیکی ضرورت نہیں کیونکہ کوفیوں کے نزدیک یہ تو فاعل ہی ہے اگر ہم یہ قید لگا دیں گے تو فاعل پر تعریف فاعل صادق نہ ہوگی جس سے لازم آئیگا کہ یہ تعریف جامع نہ رہے اور بصریوں کے مذہب پر اس قید کے لگانے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ کسی اسم کا فاعل ہونا اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ فعل اس اسم کی طرف منسوب اور مسند ہو یعنی قید اسناد سے یہ نکل جاتا ہے چونکہ صورت مذکورہ میں فعل کی نسبت اس اسم کیطرف نہیں ہوتی ہے بلکہ ضمیر اسم کی طرف نسبت ہوتی ہے لہٰذا مصنف کے کلام میں یہ قید زائد ہے۔ جو اس رسالہ کے مختصر کہنے کے خلاف ہے چونکہ اختصار چاہتا ہے کہ کلام میں قیدیں بغایۃ لگائی جائیں جواب کیونکہ مصنف بصریوں سے ہے اور ان کے مذہب پر بھی اس قید کے (باقی بر صفحہ ۵۹ پر)

أُسْنِدَ إِلَيْهِ عَلٰی مَعْنٰی أَنَّهٗ قَامَ بِهٖ لَا وَقَعَ عَلَيْهِ نَحْوُ قَامَ زَيْدٌ وَزَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوْهُ عَمْرًا وَمَا ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَكُلُّ فِعْلٍ لَا بُدَّ لَهٗ مِنْ فَاعِلٍ مَرْفُوْعٍ مُظْهَرٍ كَذَهَبَ زَيْدٌ أَوْ مُضْمَرٍ بَارِزٍ كَضَرَبْتُ زَيْدًا أَوْ مُسْتَتِرٍ كَزَيْدٌ ذَهَبَ

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۵۸) اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔ چونکہ قید المسند سے یہ خارج ہو جاتا ہے اگر مصنف اس قید کو نہ لگاتا تو کوئی یہ وہم کرے کہ کسی چیز کی ضمیر کیطرف اسناد کر کے گویا اس چیز کی طرف اسناد کرنا ہے اسلئے کہ مصداق ضمیر اور مرجع کا ایک ہوتا ہے تو اس اسم کو فاعل بنا لیتا پس مصنفؒ نے اس وہم کے ازالہ کیلئے قبلہ فعل او صفۃ کہا۔ پھر شراح اختلاف کر رہے ہیں کہ فعل سے مراد یہاں پر کیا ہے آیا فعل اصطلاحی مراد ہے یا لغوی۔ بعض کہتے ہیں کہ فعل سے مراد لغوی غیر صفتہ ہے یعنی مصدر غیر صفت تاکہ مصدر کا فاعل بھی فاعل کی تعریف میں داخل ہو جاوے اس قول پر صفت سے مراد اسم فاعل و مفعول صفت مشبہ اسم تفضیل ہونگے اور اگر فعل سے مراد اصطلاحی فعل لیا جاوے تو پھر صفت سے مراد امور مذکورہ اور اسم مصدر سب ہونگے نیز جاننا چاہیے کہ تقدیم فعل یا صفت سے مراد تقدیم وجوبی نوعی ہے۔ جوازی یا شخصی مراد نہیں ہے کہ کریم من یکرمک اور فی الدار رجل سے اعتراض کیا جاوے کہ اس میں من یکرمک اور رجل پر تعریف فاعل صادق آتی ہے۔ کیونکہ من یکرمک سے پہلے صفت ہے۔ ایسے ہی رجل فاعل ہو کہ اس میں تقدیم الخبر واجب ہے تعریف اول پر اسوجہ سے صادق نہ آئیگی کہ کریم کی تقدیم یہاں وجوبی نہیں ہے بلکہ جوازی ہے اور رجل پر اسوجہ سے صادق نہیں آتی کہ تقدیم الخبر علی المبتدا بطریق الکلیۃ نہیں ہے (حاشیہ صفحہ ھذا) **قولہ اسند الیہ**۔ یعنی وہ فعل یا صفت اس کی طرف مسند ہو پس تابعیت اس سے وہ اسم فاعل ہونے سے نکل گیا جس سے پہلے فعل یا صفت ہو لیکن وہ اس اسم کی طرف مسند نہ ہو۔ اور اگر ہو تو بالتبع ہو جیسے ضرب زید زید میں زید ثانی کہ اسکی طرف بالاصالۃ فعل مسند نہیں بلکہ بالتبع مسند ہے یعنی کہ توابع فاعل پر یہ تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ ان کیطرف فعل کی نسبت بالاصالۃ نہیں ہوتی ہے بلکہ بالتبع ہوتی ہے یہاں پر اسناد سے مراد بالاصالۃ ہے کیونکہ توابع کا ذکر مصنفؒ نے علیحدہ کیا ہے۔ نیز اس سے وہ اسم بھی فاعل ہونے سے خارج ہو گیا جسکے پہلے اور بعد فعل نہ ہو جیسے زید اخوک نیز جاننا چاہیے کہ اسناد یہاں بمعنی نسبت اور ربطہ یعنی مخفی ثبوت الشئ ہے اور یہ معنے موجود رہتے ہیں خواہ اسکے ساتھ ادراک وقوع نسبت کا تعلق ہو یا ادراک عدم وقوع نسبت کا تعلق ہو بطریق الاخبار ہو وقوع یا بطریق الانشاء تحقیقاً ہو یا تقدیراً لم یقم زید میں سبب وقوع ہے سبب اسناد نہیں اور ان قام زید قمت میں تقدیر وقوع ہے۔ تقدیر اسناد نہیں ہے لہذا تعریف فاعل ان پر صادق ہوگی۔ اور اس کی تاویل کی ضرورت نہیں رہی جو کہ اسناد سے مراد ایقاع نسبت لیکر یہاں پر کی جاتی ہے کہ ایقاع نسبت سے مراد عام ہے خواہ ایجاب کیساتھ ہو یا سلب کے ساتھ بالتحقیق ہو یا بالتقدیر **قولہ علی معنی انہ** علی المسند کے متعلق ہے۔ یعنی وہ ربط اس معنی پر ہو کہ وہ فعل یا صفت اس معنے کیساتھ قائم ہو اور اس معنے پر نہ ہو کہ وہ فعل یا صفت اس اسم پر واقع ہو اس قید سے مفعول مالم یسم فاعلہ تعریف فاعل سے خارج ہو گیا جیسے ضُرب زید میں زید ہے کہ اس فعل پر مقدم ہے جسکی نسبت اسم کیطرف ہو رہی ہو لیکن یہ نسبت بطور وقوع کے ہے نہ بطریق قیام کے۔ ایسے زید مضروب غلامہ میں غلامہ فاعل کی تعریف سے خارج ہو گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے صفت ہے جسکی نسبت اس کی طرف ہو رہی لیکن یہ نسبت بطور وقوع ہے قیام نہیں ہے جاننا چاہیئے کہ اس قید کے اضافہ کی ان کو ضرورت ہے جنکے نزدیک مفعول مالم یسم فاعلہ فاعل نہیں اور جنکے نزدیک فاعل ہے ان کو اس قید کے اضافہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس قید کا چھوڑنا ضروری ہے زمخشریؒ وغیرہ کا یہی مذہب ہے مگر چونکہ مصنفؒ پہلی جماعت سے ہے اسوجہ سے یہ قید لگاتا ہے مصنفؒ کے قول قام بہ میں قیام سے مراد یہ ہے کہ فعل صیغہ معروف پر ہو اس طرح پر کہ اس کی اسناد فاعل کیطرف درست ہو خواہ بطریق حدوث جیسے ضرب زید میں خواہ بطریق قیام ہو جیسے مات زید میں جاننا چاہیے۔ کہ اس تعریف پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ تعریف میں کل کا استعمال درست نہیں کیونکہ تعریف افراد کی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ ماہیت کی ہوتی ہے۔ اور کل کے لانے سے یہ تعریف افراد کی ہو جاویگی جو درست نہیں جواب مصنف نے یہاں لفظ کل کو اسوجہ سے زائد کیا ہے تاکہ اس تعریف کی جامعیت اور مانعیت معلوم ہو جاوے نیز اعتراض کیا جاتا ہے کہ تعریف تبیین اور تحقیق کیواسطے ہوتی ہے لہذا لفظ او جو کہ تشکیک اور تردید کیلئے آتا ہے وہ یہاں پر مناسب نہیں جواب یہاں پر او تنویع کیواسطے ہے تشکیک کیلئے نہیں ہے اسلئے فاعل کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہے **قولہ کل فعل لابد لہ** ہر فعل خواہ لازم ہو یا متعدی اسکیلئے فاعل ضروری ہے چیز جس سے فعل صادر ہوا ہو یا اسکے ساتھ فعل قائم ہو اسکا ہونا ضروری ہے۔ فاعل کو مرفوع کیساتھ زیادہ تقریر کیوجہ سے موصوف کیا ہے۔ کیونکہ فاعل مرفوع ہی ہوتا ہے یہ صفت تخصیص یا احتراز کیواسطے نہیں ہے اہم اس سے کہ وہ فاعل اسم ظاہر ہو جیسے ذہب زید کہ اسم میں زید اسم ظاہر فاعل ہے یا اسم ضمیر بارز ہو جیسے ضربت زیداً یا مستتر ہو جیسے زید ذہب کہ ذہب میں ضمیر پوشیدہ ہے جس کو ہم ھو سے تعبیر کرتے ہیں وہ فاعل ہے جو زید کیطرف راجع ہے ہر فعل کیلئے فاعل مرفوع اسوجہ سے ضروری ہے کہ فعل عرض اور وصف ہے اور اوصاف اور اعراض کیواسطے ایسی چیز کا ہونا ضروری ہے جسکے ساتھ وہ اعراض اور اوصاف قائم ہوں بعض نے جو یہ دلیل بیان کی ہے کہ ہر فعل کیواسطے فاعل کا ہونا اسوجہ سے ضروری ہے۔ کہ فعل حدث ہے اور ہر حدث کیواسطے محدث کا ہونا ضروری ہے اور محدث ہی فاعل ہے اسوجہ سے ہر فعل کیواسطے فاعل کا ہونا ضروری ہے۔ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے مات زید طال عمرو میں زید اور عمرو مات اور طال کے فاعل ہیں باوجودیکہ زید اور عمرو موت و طول کیلئے محدث نہیں ہیں بلکہ حدث ان کا زید اور عمرو سے صادر نہیں ہے پھر بھی فاعل مرفوع اسوجہ سے ہوتا ہے کہ فاعل قلیل ہے اور ضمہ ثقیل ہے اور قلیل کے مناسب ہے اسوجہ سے ثقیل قلیل کو دیدیا دوسری وجہ فاعل مرفوع ہونے کی یہ ہے کہ فاعل کلام میں عمدہ ہے اور رفع بھی حرکات میں عمدہ ہے لہذا عمدہ کو عمدہ دے دیا۔ ۱۲

◆ ◆ ◆ ◆

وَإِنْ كَانَ الْفِعْلُ مُتَعَدِّيًا كَانَ لَهُ مَفْعُولٌ بِهِ أَيْضًا نَحْوُ ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًا وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُظْهَرًا وُحِّدَ الْفِعْلُ أَبَدًا نَحْوُ ضَرَبَ زَيْدٌ وَضَرَبَ الزَّيْدَانِ وَضَرَبَ الزَّيْدُونَ وَإِنْ كَانَ مُضْمَرًا وُحِّدَ لِلْوَاحِدِ نَحْوُ زَيْدٌ ضَرَبَ وَثُنِّيَ لِلْمُثَنّٰى نَحْوُ الزَّيْدَانِ ضَرَبَا وَجُمِعَ لِلْجَمْعِ نَحْوُ الزَّيْدُونَ ضَرَبُوا وَإِنْ كَانَ الْفَاعِلُ مُؤَنَّثًا حَقِيقِيًّا وَهُوَ مَا بِإِزَائِهِ ذَكَرٌ مِنَ الْحَيَوَانِ أُنِّثَ الْفِعْلُ أَبَدًا إِنْ لَمْ تَفْصِلْ بَيْنَ الْفِعْلِ وَالْفَاعِلِ

قولہ ان کان الفعل ۔ یعنی اگر فاعل کا فعل فعل متعدی ہے جو فاعل پر تمام نہیں ہوتا ہے تو اس فعل متعدی کے لیے ایک مفعول بہ ہوگا۔ چونکہ فعل متعدی کا سمجھنا مفعول بہ پر موقوف ہے جس طرح فعل متعدی کا سمجھنا فاعل پر موقوف ہوتا ہے مصنفؒ کی مراد مفعول سے مفعول بہ ہے۔ اور بعض نسخوں میں یہ موجود بھی ہے مصنفؒ کے قول کان لہ الخ میں مفعول کان کا اسم ہے اور لہ خبر مقدم ہے کیونکہ اسم نکرہ ہے اور اس کی خبر کی تقدیم اسم پر واجب ہوتی ہے۔ بعض نسخوں میں منصوب بھی ہے اور یہ مفعول کی صفت ہوگی۔ رہا یہ امر کہ مفعول منصوب کیوں ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مفاعل کثیر ہیں اور نصب خفیف ہے کثیر کے مناسب خفیف ہے اس وجہ سے مفاعل کو نصب دیدیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مفعول کلام میں فضلہ ہے اور نصب بھی حرکات میں فضلہ ہے اس وجہ سے مفاعل کو نصب دیدیا۔ **قولہ ان کان الفاعل الخ** یعنی فعل کا فاعل اگر اسم ظاہر ہے تو ہمیشہ فعل کو واحد لایا جاویگا۔ خواہ فاعل مفرد ہو یا مثنیٰ یا جمع کیونکہ فعل کو تثنیہ جمع لانا اس غرض سے ہوتا ہے کہ اس سے فاعل کی حالت معلوم ہو جاتی ہے اور جب فاعل اسم ظاہر ہوگا۔ تو اس کے احوال تثنیہ و جمع کے اعتبار سے معلوم ہوں گے۔ اس وجہ سے اب فعل کو مثنیٰ اور مجموع لانے کی ضرورت نہ رہی اس وجہ سے واحد لانا ضروری ہوگیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کہ فاعل اسم ظاہر ہو اور فعل کو مثنیٰ اور مجموع لادیں تو فاعل کا تعدد اور اضمار قبل الذکر لازم آئیگا اور یہ دونوں اصل کے خلاف ہیں لہٰذا فعل کو ہمیشہ واحد لایا جاویگا اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ حکم منقوض ہے کیونکہ عرب بولتے ہیں اکلونی البراغیث وقاما الزیدان وقاموا الزیدون وقمن النساء ان امثلہ میں فاعل اسم ظاہر ہے ان میں فعل واحد نہیں لایا گیا بلکہ مثنیٰ اور مجموع فاعل کے موافق لایا گیا ہے۔ جواب اول عرب کا یہ قول شاذ ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے جواب دوم ان میں اسم ظاہر اسم مضمر سے بدل واقع ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے قاعدہ مذکورہ پر اعتراض وارد نہیں ہوتا **قولہ ان کان مضمرًا الخ** یعنی جس وقت فاعل اسم ظاہر نہ ہو بلکہ اسم ضمیر ہو تو فعل فاعل اسم ضمیر کے موافق ہوگا یعنی اگر فاعل اسم ضمیر واحد ہوگا تو فعل واحد لایا جاویگا جیسے زید ضرب اور اگر فاعل ضمیر مثنیٰ ہو تو فعل مثنیٰ لایا جاویگا جیسے الزیدان ضربا اور جب جمع ہو تو فاعل جمع لایا جاویگا جیسے الزیدون ضربوا تاکہ فعل فاعل کی حالت وحدت و تثنیہ و جمع پر دلالت کرے **قولہ ان کان الفاعل مؤنثًا** ۔ جاننا چاہیے کہ مونث دو قسم پر ہے ایک مونث حقیقی اور دوسری مونث غیر حقیقی۔ مونث حقیقی وہ ہے جس کے مسمی کے مقابلہ میں سے کوئی مذکر ہو مذکر سے مصنفؒ کی مراد جنس رجال نہیں ہے بلکہ انثیٰ کا مقابل ہے۔ لہٰذا یہ تعریف انسان اور فرس وغیرہ کی ماداؤں کو شامل ہوگی حیوان کی قید سے ان اسماء مونثہ سے احتراز ہوگیا۔ جن کے مسمی نباتات سے مادین ہیں۔ جیسے نخلۃ کہ نخل کی مادہ پر بولا جاتا ہے اور اس مونث حقیقی میں یہ شرط نہیں ہے کہ اس میں علامت تانیث لفظًا ہو۔ بلکہ اعم ہے۔ کہ خواہ علامت تانیث لفظًا ہو یا نہ ہو۔ اور جو مونث کہ اس شان کے ساتھ نہ ہو تو وہ غیر حقیقی ہے یعنی مونث غیر حقیقی وہ ہے جس کے مقابلہ میں جنس حیوان سے کوئی مذکر نہ ہو خواہ اس کے مقابلہ میں بالکل مذکر نہ ہو۔ جیسے عین یا ہو لیکن جنس حیوان سے نہ ہو جیسے نخلۃ کہ اس کے مقابلہ میں نخل مذکر ہے۔ لیکن یہ جنس حیوان سے نہیں ہے مصنفؒ نے مونث حقیقی کی دو مثالیں امرأۃ اور ناقۃ دی ہیں ایک اناس میں مونث کی مثال دی جس کے مقابلہ میں رجل مذکر ہے اور دوسری غیر اناس کی مونث کی مثال دی۔ جس کے مقابلہ میں جمل مذکر ہے ایسے ہی افعیٰ اور آتان اور عناق مونث ہیں۔ **قولہ انث الفعل الخ** یہ شرط کی جزاء ہے حاصل یہ ہے کہ جس وقت فاعل مونث حقیقی مظہر ہو خواہ واحد خواہ تثنیہ یا جمع ہر صورت میں فعل کو ہمیشہ مونث لانا ضروری ہوگا بشرطیکہ فاعل اور فعل کے درمیان کسی شئے کا فصل نہ ہو اور فعل کو مونث لانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر فعل فعل ماضی ہے تو اس کے ساتھ تاء تانیث ساکنہ لگادی جاویگی۔ اور اگر فعل مضارع ہو تو مونث کا صیغہ لایا جاویگا۔ مونث حقیقی ہونے کے وقت میں فعل کو مونث لانا اس وجہ سے ضروری ہوتا ہے کہ فاعل کی تانیث فعل کی تانیث میں اثر کرتی ہے۔ کیونکہ فاعل کی تانیث قوی ہے۔ بخلاف فاعل مظہر غیر حقیقی کہ تانیث فاعل میں قصور ہے کیونکہ حقیقی نہیں ہے۔ لہٰذا اس وقت سرایت کا ہونا فعل میں لازم نہیں رہا بلکہ یہ سرایت جائز ہوگی۔ نیز جاننا چاہیے کہ فعل کو مونث لانا جب ضروری ہوتا ہے جبکہ تین شرطیں پائی جائیں اول شرط یہ ہے کہ فعل متصرف ہو دوسری شرط یہ ہے کہ فاعل مونث حقیقی انسانوں سے ہو تیسری شرط یہ ہے کہ فعل اور فاعل کے درمیان کسی مضمون کا فصل نہ ہو۔ لہٰذا اگر فعل جامد ہو جیسے نعم ہند یا بہائم سے مونث حقیقی ہو جیسے اتی النعجۃ یا فعل اور فاعل کے درمیان فصل ہو جاوے جیسے جاء الیوم ہند۔ تو اس وقت فاعل کی تانیث کی سرایت فعل کی تانیث میں لازم نہ ہوگی مصنفؒ نے یہاں پر ایک شرط بیان کی ہے۔ اور باقی دو شرطیں ذکر نہیں کی۔ حالانکہ ان کا بھی ذکر ضروری ہے

* * *

نحو قامتْ هندٌ وان فصلتَ فلكَ الخيارُ فى التذكير والتانيث نحو ضَرَبَ اليومَ هندٌ و انْ شِئتَ قُلتَ ضَرَبتِ اليومَ هندٌ وكذٰلكَ فى المؤنث الغير الحقيقى نحو طَلَعَتِ الشمسُ وان شئتَ قلتَ طَلَعَ الشمسُ هٰذا اذا كان الفعل مُسنَدًا الى المظهر وان كان مُسنَدًا الى المُضمَر انِّثْ ابدًا نحو الشمس طَلَعَتْ وجمع التكسير كالمؤنث الغير الحقيقى تقول قامَ الرجال وان شئتَ قلت قامتِ الرجالُ والرجالُ قامتْ ويجوز فيه الرجالُ قاموا۔

قولہ نحو قامت ہند۔ قامت میں تاء جمہور کے نزدیک علامت تانیث ہے اور ایک نحوی لکھتا ہے کہ یہ ضمیر فاعل ہے اور اسم ظاہر جو اسکے بعد ہے یا تو بدل ہے یا مبتدا مؤخر ہے۔ اور جملہ خبر مقدم ہے۔ ابن ہشام کہتا ہے کہ یہ قول مردود ہے۔ کیونکہ بدل اس وقت ہونا درست ہوتا جبکہ بدل مبدل منہ سے استغناء کی قابلیت رکھتا ہے اور قامت ھند میں ہند ایسا نہیں ہے کہ بلا تاء کے ذکر کے اسکا ذکر درست ہو جائے۔ کیونکہ قام ہند کہنا درست نہیں بلکہ قامت ہند شائع اور کثیر ہے۔ اور دوسری تاویل اسوجہ سے درست نہیں کہ جملہ جب خبر ہوتا ہے تو اسکا تقدم مبتدا پر بہت کم ہوتا ہے اور تاخیر کثیر ہے لہٰذا قلیل پر عمل کرنا درست نہ ہوگا **قولہ وان فصلت الخ** متعلم یا متعلم کو مصنفؒ خطاب کرکے کہتا ہے کہ اگر اے مخاطب جبکہ فاعل اسم ظاہر مونث حقیقی ہو اور تم اسکے اور اسکے فعل کے درمیان فصل کردو تو تم کو فعل کے مذکر اور مونث لانے میں اختیار ہے یعنی فعل کو مذکر لانا بھی درست ہے اور مونث لانا بھی درست ہے کیونکہ فاعل کی تانیث کی سرایت فعل میں لازم نہیں رہی کیونکہ درمیان میں فصل واقع ہو گیا ہے۔ لہٰذا ضرب الیوم ہند بغیر تاء کے اور ضربت الیوم ہند تاء کے ساتھ دونوں طرح پر بولنا درست ہے اور فصل نہ ہونیکے وقت میں بھی ضرورت کے وقت فعل کی تانیث واجب نہیں رہتی ہے بلکہ جائز ہوتی ہے اسوجہ سے مذکر لانا بھی جائز ہوتا ہے جیسا کہ جریر کے مصرعہ فقد ولد الاخیطل ام سوء میں ولد بمعنی تمکین ہوا فعل مذکر ہے باوجودیکہ فاعل یعنی الاخیطل مونث حقیقی ہے اور درمیان میں فصل بھی نہیں مذکر لانا فعل کا ضرورت شعری کی بناء پر ہے مبرد اس جواز میں خلاف کرتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے کہ فعل کی تانیث کا چھوڑنا جائز نہیں جبکہ فاعل مونث حقیقی ہو چاہے فعل اور فاعل کے درمیان فصل ہو یا نہ ہو نیز جاننا چاہئے یہ تخیار جس میں مبرد کا خلاف ہے اسوقت تک ہے جبکہ مونث حقیقی زید کے مانند نہ ہو اور اگر کسی عورت کا نام ایسے لفظ کے ساتھ رکھدیا جاوے جو مذکر میں مشہور ہو تو اسوقت فعل کو مونث لانا باوجود فصل کے لئے بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ مذکر کے ساتھ التباس لازم نہ آوے جیسے قامت الیوم فی الدار زید **قولہ وکذلک الخ** یعنی جس طرح پر مونث حقیقی میں جبکہ فاعل اور فعل کے درمیان فصل ہوتا ہے فعل کی تذکیر اور تانیث میں اختیار ہے اسیطرح جبکہ فاعل مونث غیر حقیقی ہو چاہے درمیان میں فصل ہو یا نہ ہو ہر صورت میں فعل کے مذکر اور مونث لانے میں اختیار ہے البتہ فصل کیوقت میں مذکر لانا احسن ہے کیونکہ جب فصل کے وقت میں مونث حقیقی میں مذکر لانا فعل کا جائز ہے تو غیر حقیقی میں جبکہ فصل ہو تو فعل کو مذکر لانا اولیٰ ہونا چاہیے چونکہ مونث حقیقی سے مونث غیر حقیقی بدرجہ تنزل میں ہے۔ اگر اولیٰ نہ ہو تو دونوں کا برابر ہونا لازم آئیگا اور یہ درست نہیں ہے اس سے ثابت ہوا کہ طلع الیوم شمس بولنا احسن ہے طلعت الیوم شمس بولنے سے اور فصل نہ ہونیکے وقت میں طلع الشمس اور طلعت الشمس دونوں بولنا درست ہوگا۔ لیکن یہ اسوقت ہے جبکہ فعل کا فاعل اسم ظاہر مونث غیر حقیقی کیطرف مسند ہو یعنی فاعل اسم ظاہر مونث غیر حقیقی ہو اختیار اسوقت اسوجہ سے ہوتا ہے کہ جبکہ فاعل مظہر ہوگا تو امتزاج فعل کا فاعل کے ساتھ کم ہو جاویگا اور ویسا امتزاج نہیں رہیگا جیسا کہ فاعل اسم ضمیر مونث حقیقی میں یا غیر حقیقی میں ہوتا ہے اور تانیث میں بھی قصور ہے اور اسوجہ سے فاعل کی تانیث کی سرایت فعل میں نہ ہوگی تانیث میں اسوجہ سے قصور ہے کہ اسم مونث غیر حقیقی بحیثیت لفظ کے مونث ہے اور باعتبار معنی کے مونث نہیں ہے لہٰذا دونوں حیثیت کا اعتبار کرکے فعل کو مذکر اور مونث لانا دونوں جائز کر دیا تاکہ دونوں اعتبار پر عمل ہو جاوے **قولہ ان کان مسندًا الی مضمر الخ** یعنی اگر فعل اسم ضمیر کیطرف مسند ہو حاصل یہ کہ اگر فاعل اسم ضمیر ہو خواہ مونث حقیقی کیطرف راجع ہو یا مونث غیر حقیقی کیطرف ہر صورت میں فعل کو مونث لائیں گے۔ کیونکہ اسوقت فاعل کی تانیث فعل کی تانیث میں اثر کریگی کیونکہ اسوقت فاعل کا اتصال فعل کیساتھ شدید ہوگا جو سرایت کو واجب کرتا ہے اس وجہ سے فعل کو مونث لانا واجب ہو جاویگا اور مذکر لانا جائز نہ ہوگا **قولہ جمع التکسیر الخ**۔ یعنی جب فاعل جمع مکسر ہو (خواہ مذکر یعقل کی جمع ہو جیسے رجال یا مذکر لا یعقل کی جمع ہو جیسے جمال و ایام خواہ مونث کی جمع ہو جیسے نسوۃ تو اسکا حکم ایسا ہے جیسا مونث غیر حقیقی کا ہے۔ حاصل یہ کہ اگر جمع مکسر اسم ظاہر فاعل ہو تو فعل کو مذکر اور مونث دونوں لانا جائز ہے قام الرجال بلا تاء کے بھی بولنا جائز ہے اور قامت الرجال تاء کیساتھ بھی بولنا درست ہے یہی حکم جمع مونث سالم کا ہے۔ چنانچہ قولہ تعالیٰ اذا جاءک المومنات ایسے جمع مکسر میں ہے قال نسوۃ قالت الاعراب مثلاً اور اس جمع میں اسوجہ سے جائز ہے کہ یہ جمع جماعت کی تاویل میں ہو جاتی ہے من حیث اللفظ مونث ہے اور من حیث المعنی مونث نہیں تاکہ دونوں حیثیتوں پر عمل ہو جاوے اسوجہ سے اس میں دونوں امر جائز ہوگئے اور جمع مذکر سالم میں یہ تاویل نہیں ہو سکتی کیونکہ تانیث کا اعتبار اس امر کے ساتھ کہ صیغہ مذکر باقی رہے مکروہ ہے مگر بنین کو جماعت کی تاویل میں کیا جا سکتا ہے اگرچہ اسکا صیغہ جمع مذکر سالم کا صیغہ ہے مگر چونکہ اسکا واحد باقی نہیں رہا ہے اس وجہ سے جماعت کی تاویل میں کرنا درست نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (باقی بر صفحہ ۶۲ پر)

ويجب تقديم الفاعل على المفعول اذا كانا مقصورين وخفت اللبس نحو ضرب موسٰى عيسى ويجوز تقديم المفعول على الفاعل ان لم تخف اللبس نحو اكل الكمثرى يحيى وضرب عمرًا زيدٌ ويجوز حذف الفعل حيث كانت قرينةٌ نحو زيدٌ في جواب من قال من ضرب

(متعلقہ حاشیہ صد ۱) آمنت بہ بنو اسرائیل نحو بنین سے ہماری یہ مراد ہے کہ اس میں واحد کا صیغہ باقی نہ رہا ہو جیسا کہ بنین میں کہ صیغہ واحد جو کہ ابن ہے۔ باقی نہیں رہا ہے اور یہ ہی حکم اس واؤ نون والی جمع کا ہے۔ جس کا واحد مونث ہو جیسے سنین ارضین قلین ثبین اسکا حکم بھی اس جمع کا حکم ہے۔ جو الف اور تاء کیساتھ بنائی جاتی ہے۔ لہذا مصنف کے نزدیک سنون بولنا درست ہے۔ کیونکہ اس جمع کا حق یہ تھا کہ الف اور تاء کیساتھ جمع بنائی جاوے۔ لہذا واؤ نون اس میں الف اور تاء کے عوض میں ہے اور جب ایسا ہے تو جماعت کی تاویل میں ہو سکتی ہے لیکن یہ حکم جمع مکسر اور جمع مونث سالم کا اس وقت تک ہے کہ یہ ظاہر ہوں اور اگر ان کی طرف ضمیر لوٹنے والی فاعل ہو۔ تو جیسے مونث غیر حقیقی میں تاء فعل کیساتھ لگانا ضروری ہوتا ہے۔ تو اسطرح اگر جمع مکسر عقلاء کی ہے تو امروں میں سے ایک کا لانا فعل کیساتھ ضروری ہوتا ہے یا تو تاء لائی جائے مثلاً یوں کہا جاوے الرجال جاءت یا جمع کا واؤ لایا جاوے۔ یعنی الرجال جاؤا کہا جاوے الرجال جاء بولنا غلط ہوگا۔ اور جمع مکسر غیر عقلاء کی ضمیر میں تا، یا نون کا لانا ضروری ہوتا ہے۔ جیسے اللیالی والایام مضت مضین جاننا چاہیے کہ چونکہ جمع مذکر سالم کی تاویل جماعت سے نہیں کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس میں مذکر کی علامت موجود ہوتی ہے جو کہ واؤ ہے اسی وجہ سے جمع مذکر سالم کی طرف اسماء الاعداد کی اضافت بھی نہیں کی جاتی ہے۔ چنانچہ ثلثۃ مسلمین اربعۃ مسلمین اضافت کے ساتھ بولنا غلط ہے کیونکہ مسلمین کی تاویل جماعت سے نہیں کی جاسکتی ہے۔ چونکہ علامت مذکر اس میں موجود ہے واللہ اعلم بالصواب (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ یجب تقدیم الفاعل**۔ جاننا چاہیے کہ فاعل کی حالت مناسبہ یہ ہے کہ مفعول پر مقدم ہو کیونکہ اقوی الارکان ہے اور اس لیے کہ فاعل بوجہ شدۃ احتیاج کے فعل کی طرف اسکے جزء کے مانند ہے۔ اور جزء شئے کا اس شئے سے متصل ہونا مناسب ہوتا ہے اس وجہ سے فاعل کے لیے اصل یہ ہی ہے کہ وہ فعل کے متصل ہو۔ اس بیان سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ تلفظ میں فاعل کا مفعول کے بعد آنا جائز ہے جیسے پہلے آنا جائز ہے۔ لیکن یہ جواز مقدم اور موخر آنے کا اس وقت تک ہے جب تک کوئی مانع موجود نہ ہو اور اگر کوئی مانع ایسا موجود ہو کہ مفعول پر موخر کرنا جائز نہ رہے۔ تو اسوقت مفعول پر تقدیم واجب ہو جاتی ہے چنانچہ مصنف کہتا ہے کہ جب فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور ہوں یعنی ایسے اسم ہوں کہ انکے آخر میں الف مقصورہ ہوتا ہے۔ تو دونوں یعنی فاعل اور مفعول دونوں پر سے اعراب لفظی منتفی ہو جاویگا اور اعراب لفظی کے انتفاء سے تقدیم واجب نہیں اس وجہ سے مصنف ایک قید کا اضافہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے مخاطب التباس سے بھی ڈر ہو۔ حاصل بحث یہ ہے کہ جسوقت فاعل اور مفعول سے اعراب لفظی اور قرینہ جو کہ فاعلیت اور مفعولیت پر دلالت کرتا ہے۔ دونوں منتفی ہو جائیں تو اس صورت میں تقدیم فاعل مفعول پر واجب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر تقدیم واجب نہ ہو تو فاعل اور مفعول کے درمیان التباس واقع ہو جاویگا۔ اور معلوم نہ ہوگا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول۔ اس قید خفت اللبس سے معلوم ہو گیا کہ اگر فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور رہیں۔ مگر التباس کا خوف نہ ہو تو پھر تقدیم فاعل کی طلب نہیں ہوتی جیسے مثلاً ضربت موسیٰ حبلیٰ کہ اس میں فعل کے ساتھ تاء تانیث ساکنہ کا اتصال بتا رہا ہے۔ کہ فاعل حبلیٰ ہے۔ اور جیسے اکل الکمثری یحییٰ میں فاعل یحییٰ از روئے عقل کے متعین ہے۔ **قولہ ضرب موسیٰ عیسیٰ** اسی میں موسیٰ اور عیسیٰ دونوں اسم مقصورہ ہیں اور فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرنیوالا کوئی قرینہ بھی نہیں اسوجہ سے فاعل یعنی موسیٰ کی تقدیم اس مثال میں مفعول یعنی عیسیٰ پر واجب ہو گئی۔ ایسے ہی ضربت سعدیٰ سلمیٰ اور اکرم ھؤلاء اولئک ضرب من فی الدار من فی البیت ان مثالوں میں جو مقدم ہے وہ فاعل ہے اور جو موخر ہے وہ مفعول ہے۔ **قولہ یجوز تقدیم المفعول**۔ یعنی اگر التباس کا خوف نہ ہو تو پھر مفعول کی تقدیم فاعل پر جائز ہے جیسے اکل الکمثری یحییٰ یا اعراب لفظی دونوں میں موجود ہو جیسے ضربَ مسعودٌ یا ایک میں جیسے ضرب زید یحییٰ پایا جاوے تو پھر بھی تقدیم مفعول فاعل پر جائز ہے۔ **قولہ ویجوز حذف الفعل** یعنی جس وقت فعل محذوف پر کوئی قرینہ پایا جاوے تو اس وقت فاعل کے فعل کو حذف کرنا تلفظ میں جائز ہوتا ہے مثلاً کسی نے کہا من ضرب تو اس کے جواب میں کہا زید یہاں فعل محذوف ہے جس پر سوال قرینہ ہے اصل میں تھا ضرب زید قرینہ سوال کی وجہ سے فعل کو یہاں پر حذف کر دیا یہاں پر ایک سوال کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ اس کو حذف خبر کے باب سے کیوں قرار نہیں دیتے باوجودیکہ اس صورت میں جواب سوال کے موافق بھی ہو جاتا ہے کیونکہ سوال جملہ اسمیہ ہے اسکے مناسب یہ ہے کہ جواب بھی جملہ اسمیہ ہو۔ جواب اسکو باب حذف خبر سے اسوجہ سے قرار نہیں دیتے کہ اگر اسکو باب حذف خبر سے قرار دیں تو جملہ کا حذف بلا قرینہ لازم آتا ہے اور فعل کے حذف ماننے کے وقت بعض جملہ کا حذف ماننا لازم آتا ہے۔ اور تقلیل بالحذف تکثیر بالحذف سے اولیٰ ہے نیز موافقت بھی موجود ہے چونکہ سوال ضارب سے ہے لہذا من ضرب بھی اصل میں جملہ فعلیہ تھا چونکہ استفہام صدارۃ کلام کو مقتضی ہے اسوجہ سے اسم استفہام کو مقدم کر کے مبتدا بنا لیا جاتا تھا جاننا چاہیے کہ نحو زید مبتدا محذوف کی خبر ہے اے ھو نحو زیدٌ زید نحو کا مضاف الیہ ہے۔ لیکن اعراب حکائی پر مرفوع ہے فی جواب زید کی صفت یا حال ہے زید القول یا ذا اور من قال مضاف الیہ جواب کا ہے اور من ضرب جملہ اسمیہ مقولہ قال ہے یہ بھی جاننا چاہیے کہ وجود قرینہ محذوف کے واسطے شرط ہے علت ہے علت حذف کی ایجاز اور اختصار ہے۔ ۱۲ -

◆ ◆ ◆ ◆

وکذا یجوز حذف الفعل والفاعل معًا کنعم فی جواب من قال أقام زیدٌ وقد
یحذف الفاعل ویُقام المفعُولُ مقامَہٗ اذا کان الفعل مجھولًا نحو ضُرِبَ زیدٌ
وھُوالقسمُ الثانِی من المرفوعات فصل اذا تنازع الفعلانِ

قولہ کذا۔ جس طرح فاعل کے فقط فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ اسیطرح فعل اور فاعل دونوں کو معًا حذف کرنا بھی جائز ہے معًا کی قید سے معلوم ہوا کہ فقط فاعل کو حذف کرنا درست نہیں جب تک کہ فعل کو اس کے ساتھ حذف نہ کریں البتہ اگر فاعل کو اس طور پر حذف کریں کہ اس کی جگہ مفعول بہ یا اور کسی معمول کو جسکا اسکی جگہ قائم کرنا درست ہوتا ہے قائم کردیں تو پھر تنہا فاعل کو بھی حذف کرنا بلا حذف فعل کے جائز ہے۔ مگر بعض نحوی کہتے ہیں کہ تنہا فاعل کا حذف کرنا بلا حذف فعل باب تنازع میں جائز ہے جیسا کہ عنقریب آئیگا لیکن اکثر نحاۃ حذف کو بلا قائم مقام کے قطعًا جائز قرار نہیں دیتے۔ مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ کبھی فعل فاعل دونوں کو بطریق جواز حذف کر دیتے ہیں جیسے مثلًا کسی نے کہا اقام زید اور اس کے جواب میں نعم کہا جاوے۔ اصل میں نعم قام زید تھا۔ قام زید فعل مع فاعل کے حذف کردیا گیا۔ چونکہ سوال فعل فاعل محذوف پر دلالت کرتا ہے نعم جملہ فعلیہ محذوف کے قائم مقام نہیں ہے ورنہ تو اس صورت میں حذف وجوبی ہو جاویگا حالانکہ یہ حذف وجوبی نہیں بلکہ جوازی ہے۔ اس مقام پر جملہ فعلیہ کو جواب میں اس وجہ سے مقدر کیا ہے۔ تاکہ جواب سوال کے موافق ہو جاوے۔ چونکہ سوال جملہ فعلیہ سے ہے یہاں پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ تم کہتے ہو کہ تنہا فاعل کو حذف کرنا بلا قائم مقام کے جائز نہیں ہے۔ حالانکہ ہم بہت سی مثالیں ایسی بتا سکتے ہیں کہ جس میں فاعل محذوف ہے۔ حالانکہ اس کے قائم مقام کچھ بھی نہیں ہے جیسے بدا لہم من بعد ما راوا الآیات اس آیت میں بدا فعل ہے جسکا فاعل مذکور نہیں۔ جواب بدا کا فاعل محذوف نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ضمیر جو اس مصدر کی طرف لوٹتی ہے جو بدا سے سمجھا جاتا ہے۔ وہ اس کا فاعل ہے۔ ایسے ہی ہر فعل جس کا فاعل ظاہر نہ ہو وہ اپنے مصدر کیطرف مسند ہے چنانچہ مؤلفین کے قول دار اور تسلسل میں بھی فاعل ضمیر ہے جو تسلسل اور مصدر کیطرف لوٹتی ہے۔ **قولہ قد یحذف الخ** یعنی جس وقت کے فعل متعدی کو فعل مجہول بنالیا جاتا ہے تو فاعل کو حذف کر دیتے ہیں اور اس کے قائم مقام مفعول کو کر دیتے ہیں۔ مثلًا ضرب عمرو زیدًا تھا کہ اس میں ضرب فعل متعدی معروف ہے اس کو فعل مجہول بنایا تو اب فاعل کو حذف کر دیا۔ اور مفعول کو اس کی جگہ رکھ دیا۔ لہذا ضرب زید ہو گیا مصنفؒ کا قول اذا کان الخ یا تو یقام کا ظرف ہے۔ اور یحذف کا ظرف نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یحذف کا ظرف ہو تو لازم آئے گا۔ کہ فاعل کا حذف کرنا اسیوقت ہو سکے جبکہ فعل کو فعل مجہول بنایا جائے حالانکہ بعض کے نزدیک بلا مجہول بنانے کے بھی حذف جائز ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اے ہذا اذا کان اور بعض اسکو قد یحذف سے بدل قرار دیتے ہیں **قولہ وھو القسم الثانی۔** یعنی وہ مفعول جو فاعل کے حذف کے وقت میں فاعل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ تعداد میں مرفوعات کی دوسری قسم ہے۔ **قولہ فصل الخ** بعض نسخوں میں لفظ فصل نہیں اور یہی درست بھی ہے لفظ فصل یہاں کاتبین کے تصرفات سے ہے چونکہ احوال فاعل میں سے یہ بحث جداگانہ نہیں ہے۔ بلکہ لفظ اعلم کا یہاں مناسب ہے کیونکہ یہ قاعدہ جدیدہ کا بیان ہے اور مصنفؒ کی یہ عادات سے ہے کہ جب کوئی نیا قاعدہ بیان کرتا ہے تو لفظ اعلم کا لاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ بحث تنازع بھی احوال فاعل سے ہے کیونکہ فاعل دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو بطریق تنازع یا غیر تنازع لہذا وہ اعتراض کہ بحث تنازع غیر محل میں ہے درست نہیں ہے۔ **قولہ اذا تنازع۔** یہ شرط ہے جزاء فہذا انما یکون الخ ہے الفعلان تنازع کا فاعل ہے اور فی اسم تنازع کے متعلق ہے۔ اور بعد ہا دوسری صفت ہے یعنی جب کہ تنازع کریں دو فعل فعلین سے مراد دو عامل مصدر کے علاوہ ہیں۔ مصنفؒ کا قول اس صورت میں اس تنازع کو بھی شامل ہو جاوے گا۔ جو ملحقات میں ہوتا ہے جیسے زید معلم و مؤدب عمرا و بکر طبیب و حکیم ابوہ لیکن مصنفؒ سے سوال ہوتا ہے کہ جب تمہارے نزدیک فعل سے مراد عامل ہے۔ تو پھر عاملان ہی کیوں نہ کہہ دیا تو مصنفؒ کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے چونکہ فعل عمل میں اصل ہے اس کی اصالت کی وجہ سے اس کو ذکر کیا اور فرع حکم اصل کے تحت میں خود بخود داخل ہوتے ہیں اس وجہ سے ملحقات اس حکم میں داخل ہیں جاننا چاہیئے کہ تنازع جس طرح فعلوں یعنی دو عاملوں میں ہوتا ہے اسیطرح دو سے زائد یعنی تین و چار و پانچ اور ان سے زائد میں بھی تنازع ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ صلوٰۃ ماثورہ (اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت و سلمت و بارکت و رحمت و ترحمت علی ابراہیم) میں پانچ فعل علی ابراہیم میں جھگڑا کر رہے ہیں مصنفؒ کا دو فعل کہنا احتراز کیلئے نہیں ہے بلکہ اسکے ادنےٰ کا بیان ہے جس سے تنازع ہو سکتا ہے نیز فعلان سے مراد اعم ہے خواہ فعل متعدی ہوں خواہ فعل لازم ہوں اور جب متعدی ہوں تو خواہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوں یا زائد کی طرف خواہ فعل تعجب سے ہوں یا نہ ہوں فعل تعجب اور متعدی الی ثلثۃ مفاعیل میں بعض نے خلاف کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ فعل تعجب میں تصرف بہت کم ہوتا ہے اور متعدی الی ثلثۃ مفاعیل میں تنازع عرب سے سنا نہیں گیا۔ رہا یہ امر کہ عاملین کی تخصیص غیر المصدر میں سے کی ہے۔ چونکہ مصدر میں تنازع نہیں ہوتا ہے۔ چونکہ تنازع کا قطع کرنا جو بصریوں اور کوفیوں کے نزدیک ہے جاری نہیں ہوتا ہے کیونکہ مصدر میں فاعل مضمر نہیں کیا جاتا ہے اور نہ حذف جیسے اعجبنی ضرب وقتل زیدًا ۱۲۔

* * *

فی اسمٍ ظاہرٍ بعدہما ای ارادَ کلُّ واحدٍ من الفعلین ان یعمل فی ذٰلک الاسم
فہذا انما یکونُ علی اربعۃ اقسامٍ الاول ان یتنازعا

قولہ فی اسم ظاہر۔ یعنی اسم ظاہر میں کریں۔ اس قید سے جمیع مضمرات خارج ہو گئے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ لفظ ظاہر سے نحوی اسم ظاہر کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور ضمیر بارز اگرچہ ظاہر ہے مگر اس کو اسم ظاہر نہیں کہتے ہیں بلکہ مضمر ظاہر کہتے ہیں لہٰذا وہ اس قید سے خارج ہے جیسا کہ ضمیر مستتر۔ بوجہ مستتر ہونیکے لفظ ظاہر سے خارج ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ ضمائر کو باب تنازع سے خارج کرنے کی کیا وجہ ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ضمائر دو حال سے خالی نہیں یا متصل ہوگی یا منفصل اگر متصل ہوں تو تنازع ممکن نہیں اسلئے کہ وہ فعل کہ جس کے ساتھ وہ متصل ہے۔ اس میں عامل ہوگا اور دوسرے فعل کو اس میں عمل کرنے کی مجال نہ ہوگی۔ اور اگر ضمیر منفصل ہو تو اسکی دو صورتیں ہیں کبھی اس میں تنازع ہوگا اور رفع تنازع کے طریقہ پر ممکن نہ ہوگا۔ اور کبھی تنازع بھی ہوگا اور رفع بھی رفع کے طریقہ پر ہو جاویگا۔ مگر مصنفؒ کے نزدیک دونوں صورتیں باب تنازع سے خارج ہیں پہلی صورت کا باب تنازع سے خارج ہونا تو ظاہر ہے اس لیے کہ یہاں باب تنازع میں وہ تنازع مُراد ہے کہ بقاعدہ رفعِ تنازع رفع ہو سکے اور دوسری صورت اسلئے خارج ہے کہ مصنف قواعد کلیہ کو بیان کرتے ہیں۔ نہ کہ قواعد جزئیہ کو پس یہ صورت چونکہ قواعد جزئیہ سے ہے لہٰذا مصنفؒ کے نزدیک باب تنازع سے خارج ہے تفصیل مقام کی یہ ہے کہ مثلاً ما ضرب واکرم الا انا میں انا ضمیر منفصل ہے اور ضرب اور اکرم میں سے ہر ایک فعل اس کو اپنا معمول بنانا چاہتا ہے۔ پس یہاں ہر چند کہ تنازع فعلان متحقق ہے مگر بقاعدہ رفع تنازع ممکن نہیں اسلئے کہ اگر ان دو فعلوں میں سے کسی کو عامل بنایا جائیگا۔ تو دوسرے فعل کیلئے ضمیر فاعل لائیں گے یا اس کو محذوف مانیں گے دونوں صورتیں محال ہیں حذف تو اسلئے کہ کلام میں فاعل عمدہ ہے اور حذف عمدہ کا جائز نہیں اور ضمیر اسلئے محال ہے کہ ضمیر یا مع الا کے لائیں گے یا بدون الا کے مع الا کی ضمیر کا لانا درست نہیں اسلئے کہ الا حرف ہے اور حرف کا مستتر ہونا ضمیر کی طرح صحیح نہیں اور بدون الا کے ضمیر کا لانا اسوجہ سے درست نہیں کہ اس صورت میں معنی فاسد ہو جاتے ہیں اس لئے کہ مقصود ماضرب واکرم الا انا سے یہ ہے کہ سوائے متکلم کے کوئی ضارب اور اکرام کرنیوالا نہیں اور جب بدون الا کی ضمیر لائیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ دونوں فعلوں میں سے ایک فعل جسمیں بدون الا کی ضمیر لاتے ہیں منفی ہے اس کو متکلم کے فعل نہیں کیا۔ اور یہ خلاف مقصود ہے پس معنی فاسد ہو گئے باقی رہی وہ ضمیر منفصل کہ جس میں تنازع اور رفع تنازع دونوں ہو سکتے ہیں اس کی مثال ماضرب واکرمت الا ایاک ہے پس یہاں اگر بصریوں کے مذہب کے موافق فعل ثانی کو عمل دیں تو فعل اول سے اس کو محذوف مانیں گے اسلئے کہ فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے اور اگر کوفیوں کا مذہب اختیار کریں تو فعل ثانی سے اسکو محذوف مانیں گے۔ اور دلیل یہ ہی ہے کہ فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے۔ غرض یہ کہ یہ ایک ایسی مثال ہے کہ اس میں دونوں فعلوں کا تنازع ضمیر منفصل میں متحقق ہے۔ اور بقاعدہ رفع تنازع رفع ہو سکتا ہے مگر چونکہ مصنف بیان قواعد کلیہ کے درپے ہیں تو اسلئے وہ اس صورت جزئیہ کو ذکر نہیں کرتے۔ **قولہ بعدہما۔** اسم کی دوسری صفت ہے۔ یعنی تنازع دو فعلوں میں جب ہوگا۔ جبکہ اسم ظاہر دونوں فعلوں کے بعد واقع ہو۔ اس قید سے معلوم ہو گیا کہ اگر اسم ظاہر دونوں فعل سے پہلے واقع ہو یا دونوں فعلوں کے وسط میں واقع ہو تو تنازع نہ ہوگا۔ بلکہ پہلا فعل اس میں عمل کریگا کیونکہ دوسرے فعل کے تکلم سے پہلے پہلا فعل مستحق عمل ہے۔ جب وہ عمل کر چکا تو اب دوسرا فعل اسکی طرف عمل کیلئے متوجہ نہ ہوگا **قولہ ای اراد الخ** یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔ جو بادی النظر میں مصنف پر پڑتا ہے کہ تنازع کے معنے جنگ کرنے کے ہیں اور وہ ذی روح کی صفت ہے۔ لہٰذا اسکے ساتھ دو فعلوں کا اتصاف کیوں کر ہو سکتا ہے اور جواب یہ ہے کہ یہاں تنازع کے معنے یہ ہیں کہ دو فعل از راہ معنے اسم ظاہر کی طرف متوجہ ہوں اور ہر فعل یہ چاہے کہ وہ اسم ظاہر میرا معمول بنے یعنی اس اسم میں عمل کریں۔ **قولہ فہذا۔** ہذا سے اشارہ تنازع الفعلین کیطرف ہے جو اذا تنازع الفعلان سے مفہوم ہوتا ہے یہ مبتدا ہے اور اسکی خبر انما یکون علی اربعۃ اقسام ہے یہ جملہ شرط کی جزا ہے اگر اس میں فا جزائیہ ہے اور اگر تفسیر یا علت کیلئے ہے تو جزا محذوف ہے اس صورت میں تقدیر عبارت ہوگی واذا تنازع الفعلان فی اسم ظاہر بعدہما یجوز اعمال کل واحد منہما لکن الاختلاف فی الاختیار یعنی جب دو فعل ایسے اسم ظاہر میں تنازع کریں جو ان کے بعد واقع ہے تو ان میں سے ہر ایک فعل کو عمل دینا جائز ہے۔ لیکن کون سے کو عمل دینا مختار ہے اس میں اختلاف ہے **قولہ الاوّل الخ** مصنفؒ یہاں سے اقسام اربعہ کی تفصیل بیان کرتا ہے جو نقشہ ذیل میں خوب واضح ہوتی ہے۔

تنازع فعلان کی صورت میں

دونوں فعل فاعل کو چاہیں جیسے	دونوں فعل مفعول کو چاہیں	اول فاعل کو چاہے دوسرا مفعول کو	اول مفعول کو دوسرا فاعل کو چاہے جیسے
ضربنی واکرمنی زید	ضربت واکرمت زیدا	ضربنی واکرمت زیدا	ضربت واکرمنی زید

اور تنازع ان اقسام اربعہ میں اس وجہ سے منحصر ہے کہ تنازع دو حال سے خالی نہیں یا تنازع فقط (باقی بر صفحہ ۶۵ پر)

فی الفاعلیۃ فقط نحو ضربنی واکرمنی زیدٌ الثانی ان یتنازعا فی المفعولیۃ فقط نحو ضربت واکرمتُ زیدًا الثالثُ ان یتنازعا فی الفاعلیۃ والمفعولیۃ ویقتضی الاولُ الفاعلَ والثانی المفعولَ نحو ضربنی واکرمتُ زیدًا الرابعُ عکسُہ نحو ضربتُ واکرمنی زیدٌ واعلم انّ فی جمیع ھٰذہ الاقسام یجوز اعمالُ الفعلِ الاول واعمالُ الفعلِ الثانی خلافًا للفراء فی الصورۃ الاولی والثالثۃ اَن یُّعمل الثانی ودلیلہٗ لزومُ احدِ الامرین امّا حذفُ الفاعلِ او الاضمارُ قبل الذکر وکلاھما محظوران وھذا فی الجواز واما الاختیار ففیہ خلافُ البصریین

(متعلقہ حاشیہ ص۶۴) فاعلیت میں ہوگا یا فقط مفعولیت میں یا فاعلیت اور مفعولیت دونوں میں یا مفعولیت یا فاعلیت میں تنازع کے تصویر ان صور اربعہ سے خارج نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے تنازع ان چاروں میں منحصر ہوگا (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ فی الفاعلیۃ**۔ یعنی اسم ظاہر کی فاعلیت میں یا نسبت کی ہے۔ اور تا مصدری یعنی اسم ظاہر میں باعتبار ہمہ نے اس کے فاعل کی طرف منسوب ہے۔ **قولہ فقط**۔ یعنی مفعولیت میں نہ ہو اور وہ تنازع جو کہ مفعول مالم یسم فاعلہ میں ہوتا ہے۔ اس تنازع میں داخل ہے جو فاعل میں ہوتا ہے یا تو اس لئے کہ مفعول مالم یسم فاعلہ میں داخل ہے جیسا کہ بعض کا مذہب ہے اور اگر اس کو فاعل میں نہ مانا جائے جیسا کہ بعض کا مذہب ہے تو پھر فاعل میں تعمیم کر لی جائیگی کہ فاعل سے یہاں مراد عام ہے خواہ حقیقی ہو یا حکمی اور جو کہتے ہیں کہ تنازع فی المفعولیت میں داخل ہے انکا یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ مفعول کا اطلاق مفعول مالم یسم فاعلہ پر نہیں ہوتا **قولہ اعلم**۔ لفظ اعلم امر ہے علم بمعنی دانستن لیکن علماء کا اس میں اختلاف ہو گیا ہے کہ اس لفظ کو کس لئے ذکر کیا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کو کلام کے شروع میں اسوجہ سے ذکر کرتے ہیں کہ اس سے غرض غافلین کو جگانا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اسکا ذکر اسوجہ سے ہوتا ہے کہ اس سے مابعد کلام کی طرف شوق دلانا ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ اس کے بعد جو کلام آتا ہے وہ واجب الحفظ ہے بعض کہتے ہیں کہ ہر سامع اور ناظر کیلئے یہ عام خطاب ہے۔ **قولہ ان فی جمیع**۔ اَنّ کا اسم ضمیر شان ہے جو کہ یہاں پر محذوف ہے۔ اور مصنفؒ کا قول فی جمیع ہذہ الصور یجوز کے متعلق ہے اور جملہ یجوز اعمال الفعل الاول الخ اَنّ کی خبر ہے۔ حاصل یہ کہ جب دو فعل کسی اسم ظاہر میں تنازع کریں تو جمہور کے نزدیک یہ جائز ہے کہ پہلے فعل کو عمل دیں۔ یعنی اس اسم ظاہر میں عمل کریں اور دوسرے فعل کو لغو کر دیں یعنی یہ دوسرا فعل اس اسم ظاہر میں عمل نہ کرے اور یہ بھی جائز ہے۔ کہ فعل ثانی کو عمل دیں یعنی فعل ثانی اس اسم میں عمل کرے۔ اور فعل اوّل کو اس اسم میں عمل کرنے سے ملغیٰ کر لیا جائے۔ لیکن فراء اس حکم میں خلاف کرتا ہے کہتا ہے کہ جب فعل اول فاعل کو مقتضی ہو جیسا کہ پہلی اور تیسری قسم میں کہ پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ اس صورت میں فعل ثانی کو عمل دینا نا جائز ہے اسلئے کہ بر تقدیر عمل دینے فعل ثانی کو فعل اوّل میں یا ضمیر فاعل کی لائیں گے یا اس کو حذف کرینگے۔ دونوں صورتیں جائز نہیں۔ ضمیر لانے کی صورت میں اضمار قبل الذکر اور حذف کی صورت میں عمدہ کا حذف لازم آتا ہے **قولہ وکلاہما محظوران**۔ یعنی حذف فاعل اور اضمار قبل الذکر دونوں ممنوع ہیں مصنفؒ کا قول کلاہما مبتدا ہے۔ اور محظوران خبر اور محظوران کو مثنیٰ لانا کلا کے معنے کے اعتبار سے ہے کیونکہ کلا اگرچہ لفظاً مفرد ہے لیکن معنیً مثنیٰ ہے۔ اور کلاہما میں واؤ حالیہ اور جملہ حال ہے رابطہ واؤ اور ضمیر ہے جاننا چاہیے کہ متن میں جو فراء کی روایت نقل کی ہے یہ فراء سے غیر مشہور روایت ہے اور مشہور جو کہ صحیح بھی ہے وہ یہ ہے کہ یہ دونوں فعل کو عمل میں شریک قرار دیتا ہے۔ یعنی کہتا ہے کہ دونوں اس اسم ظاہر میں یک وقت عمل کرتے ہیں اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دو مؤثر کا ایک اثر پر جمع ہونا لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں نیز فراء سے مروی ہے کہ اسم ظاہر کے بعد ضمیر کو ظاہر کر دیا جائے اور یوں کہا جائے ضربنی واکرمنی زید ہو ضربنی واکرمت زیدًا **قولہ ہذا**۔ اسکے مشار الیہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اسکا مشار الیہ اعمال کل واحد من الفعلین ہو اسوقت عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر دونوں فعلوں سے ہر ایک کو عمل دینا جس وقت کہ اسم ظاہر میں تنازع ہو بصریوں اور کوفیوں کے مابین بلا خلاف جائز ہے چاروں قسموں میں مگر فراء دو صورتوں مذکورہ بالا میں خلاف کرتا ہے کہ اسکے نزدیک دوسرے فعل کو عمل دینا درست نہیں ہے بلکہ پہلے فعل کو عمل دینا واجب ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہذا کا مشار الیہ اختلاف فراء ہو یعنی ہذا کا اختلاف الفراء واقع فی الجواز جاننا چاہیے کہ ہذا کا مشار الیہ جو بھی قرار دیا جائے ہر صورت پر یہاں ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ اس جواز کی تصریح کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہر فعل کے اعمال کا جواز ماقبل سے مستفاد ہو رہا ہے۔ جواب دیا گیا ہے کہ مصنف جواز کے عدیل یعنی الاختیار کو بیان کرنا چاہتے ہیں کلمہ اما کیساتھ جو کہ تفصیل کیواسطے آتا ہے اسکا اکثر استعمال ایسی دو یا زیادہ چیزوں میں ہوتا ہے جو آپس میں عدیل (برابر) ہوں مقابل ہو اسوجہ سے مصنف نے جواز کو جو کہ اختیار کا عدیل ہے دوبارہ ذکر کر دیا تاکہ کلمہ اما کا ذکر بلا عدیل کے لازم نہ آوے۔ تو گویا کہ مصنف کی اصل عبارت اسطرح ہوئی اما اعمال کل واحد من الفعلین عند تنازعہما بلا خلاف فیہ بین البصریین والکوفیین سوی الفراء فہو ثابت فی الجواز واما الاختیار ای الاختیار فی اعمال ای منہما ففیہ خلاف البصریین الخ **قولہ البصریین الخ** البصریین یاء کے کسرہ کیساتھ ہے اگرچہ قیاس اس کو مقتضی تھا کہ یاء مفتوح ہوتی۔ البصریین سے مراد وہ نحاۃ ہیں جو بصرہ کی طرف منسوب ہیں اور کوفیین سے مراد وہ نحاۃ ہیں جو کوفہ کی طرف منسوب ہیں۔

(باقی بر صفحہ ۶۶ پر) ✦

فانهم يختارون اعمال الفعل الثاني لاعتبار القرب والجوار والكوفيون يختارون اعمال الفعل الاول مراعاة للتقديم والاستحقاق فان اعملت الثاني فانظر ان كان الفعل الاول يقتضي الفاعل اضمرته في الاول كما تقول في المتوافقين ضربني واكرمني زيد وضرباني و واكرمني الزيدان وضربوني واكرمني الزيدون وفي المتخالفين ضربني واكرمت زيدا وضرباني واكرمت الزيدين وضربوني واكرمت الزيدين وان كان الفعل الاول يقتضي المفعول ولم يكن الفعلان من افعال القلوب حذفت المفعول من الفعل الاول كما تقول في المتوافقين ضربت واكرمت زيدا وضربت واكرمت الزيدين و وضربت واكرمت الزيدين وفي المتخالفين ضربت واكرمني زيد وضربت واكرمني الزيدان وضربت واكرمني الزيدون وان كان الفعلان من افعال القلوب يجب اظهار المفعول للفعل الاول كما تقول حسبني منطلقا وحسبت زيدا منطلقا اذ لا يجوز حذف المفعول من افعال القلوب واضمار المفعول قبل الذكر هذا هو مذهب البصريين

(حاشیہ متعلقہ ص۶۵) حاصل یہ ہوا کہ فراء کا خلاف پہلی اور تیسری صورت میں جواز کے اندر ہے یعنی فراء ان دونوں صورت میں فعل ثانی کو عمل دینا جائز نہیں رکھتا ہے اور نحاۃ بصرہ وکوفہ کا اختلاف مختار میں ہے اور یہ اختلاف تمام صورتوں میں ہے بخلاف فراء کے انکا اختلاف وہ فقط دو صورتوں میں ہے۔ جیسا کہ گذرا (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ فانہم** یعنی بصریین فعل ثانی کو عمل دینا پسند کرتے ہیں مع اس امر کے کہ انکے نزدیک فعل اول کو عمل دینا جائز ہے۔ یہاں پر دو سوال ہوتے ہیں ایک مصنف پر کہ مصنف نے بصریین کے مذہب کو پہلے کیوں بیان کیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک چونکہ بصریوں کا مذہب مختار ہے اسوجہ سے مصنف نے ان کے مذہب کو اول بیان کرنا اختیار کیا ہے چونکہ یہ استعمال کے اعتبار سے اکثر ہے دوسرا سوال بصریوں سے یہ ہوتا ہے کہ اے بصریو تم فعل ثانی کو عمل دینا کیوں پسند کرتے ہیں مصنف انکی طرف سے کہتا ہے۔ چونکہ فعل ثانی اس اسم کے قریب ہے اور جوار میں ہے تو بصریوں نے قرب اور جوار کا اعتبار کرکے فعل ثانی کو عمل دیدیا ایک دلیل یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ فعل اول کو اگر عمل دیا جاوے تو عامل اور معمول کے درمیان فصل لازم آتا ہے جبکہ معمول میں غیر اصل ہے چونکہ اصل یہی ہے کہ معمول اپنے عامل کے متصل ہو لہٰذا یہ امر مقتضی ہے کہ فعل ثانی کو عمل دیا جاوے تیسری وجہ یہ ہے کہ کلام اللہ میں بھی فعل ثانی کو ہی عمل دیا گیا ہے اس سے قولہ تعالیٰ ہے ھاؤم اقرءوا کتابیہ چنانچہ اس آیت میں اقرءوا کو عمل دیا ہے کیونکہ اگر فعل اول کو کتابیہ میں عامل ہوتا تو اقرءوہ کہا جاتا کیونکہ فعل ثانی میں کوفیوں کے نزدیک ضمیر لانا مختار ہے جبکہ وہ مفعول کا تقاضا کرے نیز فصحاء کے کلام میں بھی فعل ثانی کو ہی عمل دیا گیا ہے چنانچہ شاعر کے قول قضی کل ذی دین فوفی غریمہ وعزۃ ممطول معنی غریمھا میں دونوں مصرعوں کے اندر فعل ثانی کو عمل دیا ہے کیونکہ اگر اول مصرع میں فعل ثانی کو عمل نہ دیتے بلکہ پہلے کو تو فوفاہ کہتے اور دوسرے میں اسوجہ سے دوسرے فعل کو عمل ہے کہ شاعر اگر پہلے فعل کو عمل دیتا تو ہو غریمہا اپنا ضمیر کو ظاہر کرنیکے ساتھ **قولہ والکوفیون الخ** جبکہ اسکو منصوب پڑھا جاوے تو ضمیر منصوب یہاں پر مقدر ہوگا اور جبکہ مرفوع پڑھا جاوے تو ممطول ہے حاصل یہ ہے کہ مصنف کہتا ہے کہ نحاۃ کوفہ فعل اول کو عمل دینا پسند کرتے ہیں باوجود اس امر کے کہ فعل ثانی کو بھی عمل دینا انکے نزدیک جائز ہے بخلاف فراء کے کہ اسکے نزدیک پہلی اور تیسری صورت میں واجب ہے جیسا کہ گذرا انکے نزدیک پہلے فعل کو عمل دینا اسوجہ سے مختار ہے کہ فعل اول ہی اسبق ہے تو احسن الطالبین ہے کیونکہ مطلوب کیلئے اسبق ہوگا یعنی کوفی تقدیم اور استحقاق کی وجہ سے پہلے فعل کو عمل دینا پسند کرتے ہیں دوسری وجہ بیان کرتے ہیں کہ اگر فعل ثانی کو عمل دیا جاوے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے اور فعل اول کو عمل دینے میں خرابی لازم نہیں آتی ہے اسوجہ سے پہلے فعل کو عمل دینا مختار ہوگا تیسری دلیل امرء القیس شاعر جو کہ افصح شعراء سے ہے اسکا قول کفانی ولم اطلب قلیل من المال ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ امرء القیس صورت تنازع میں فعل اول کو عمل دیتا ہے اور قلیل من المال کو من کفانی کا فاعل قرار دیتا ہے ولم اطلب کا مفعول نہیں بناتا پس معلوم ہوا کہ فعل اول کو عمل دینا اولیٰ ہے مصنف اسکا جواب بصریوں کی جانب سے دیتے ہیں کہ امرء القیس کا قول کفانی ولم اطلب قلیل من المال باب تنازع سے نہیں ہے اسلئے کہ اگر اسکو باب تنازع سے کہیں تو قلیل تو شعر کے معنی فاسد ہوجاتے ہیں کیونکہ کے لیے استدلال کوفیوں کا اس مصرعہ سے تب ہی صحیح ہے پہلے تفصیل مقام کی یہ ہے کہ پورا شعر اسطرح پر ہے ولو ان ما اسعی لادنی معیشۃ کفانی ولم اطلب قلیل من المال اس شعر کے مصرعہ اول میں حرف لو ہے اور دو جزء ہیں (باقی بر صفحہ ۶۷ پر)

وَاَمَّا اِنْ اَعْمَلْتَ الْفِعْلَ الْاَوَّلَ عَلٰی مَذْهَبِ الْكُوفِيِّيْنَ فَانْظُرْ اِنْ كَانَ الْفِعْلُ الثَّانِيْ يَقْتَضِيْ الْفَاعِلَ اَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْفِعْلِ الثَّانِيْ كَمَا تَقُوْلُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ ضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمَنِيْ زَيْدٌ وَضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمَانِي الزَّيْدَانِ وَضَرَبُوْنِيْ وَاَكْرَمُوْنِي الزَّيْدُوْنَ وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمَنِيْ زَيْدًا وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمَانِي الزَّيْدَيْنِ وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمُوْنِي الزَّيْدِيْنَ وَاِنْ كَانَ الْفِعْلُ الثَّانِيْ يَقْتَضِي الْمَفْعُوْلَ وَلَمْ يَكُنِ الْفِعْلَانِ مِنْ اَفْعَالِ الْقُلُوْبِ جَازَ فِيْهِ الْوَجْهَانِ حَذْفُ الْمَفْعُوْلِ وَالْاِضْمَارُ وَالثَّانِيْ هُوَ الْمُخْتَارُ لِيَكُوْنَ الْمَلْفُوْظُ مُطَابِقًا لِلْمُرَادِ اَمَّا الْحَذْفُ فَكَمَا تَقُوْلُ فِي الْمُتَوَافِقَيْنِ ضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ زَيْدًا اَوْضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدَيْنِ وَضَرَبْتُ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدِيْنَ وَفِي الْمُتَخَالِفَيْنِ ضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمْتُ زَيْدٌ وَضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدَانِ وَضَرَبَنِيْ وَاَكْرَمْتُ الزَّيْدُوْنَ

(متعلقہ حاشیہ ص۶۶) داخل ہوتا ہے اور اسکا خاصہ ہے کہ شرط وجزا میں سے جو مثبت ہوتا ہے اس کو منفی اور منفی کو حکم میں مثبت کے کردیتا ہے علی ہذا القیاس شرط وجزا پر جو معطوف ہوتا ہے اسکے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا ہے اس تمہید کے بعد جانو کہ انما اسعی جملہ فعلیہ شرطیہ اور کفانی اسکی جزا ہے اور دونوں مثبت ہیں ای لوثبت سعی لادنی معیشۃ کفانی قلیل من المال یعنی اگر میں ادنی معیشت کی کوشش کرتا تو قلیل مال مجھے کافی ہوتا پس اس جگہ بقاعدہ مذکورہ دونوں فعل منفی ہو جائینگے اور یہ معنی ہونگے کہ میں نہ ادنی معیشت کی کوشش کرتا ہوں اور نہ قلیل مال مجھے کافی ہے پھر چونکہ لم اطلب کا کفانی پر عطف ہے لہذا یہ بھی لو کا جواب ہوگا اور تقدیر عبارت اسطرح پر ہوگی لوثبت سعی لادنی معیشۃ لم اطلب پس ادنی معیشت کی سعی منفی اور لم اطلب مثبت ہوگا اب اگر یہ کہیں کہ لم اطلب اور کفانی قلیل من المال کو اپنا معمول بنانے میں تنازع کرتے ہیں تو بقاعدہ بالا مثبت منفی اور منفی مثبت ہو کر یہ معنی ہونگے کہ میں ادنی معیشت کی کوشش نہیں کرتا اور نہ قلیل مال مجھ کو کافی ہے اور طلب کرتا ہوں قلیل مال کو اور یہ صریح تناقض ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قول امرؤالقیس کا تنازع فعلان سے نہیں بلکہ لم اطلب کا مفعول محذوف ہے ای العز والمجد اور قرینہ یہ دوسرا شعر ہے ولکنما اسعی لمجد مؤثل اور تقدیر یک المجد المؤثل امثالی اور اسوقت معنی شعر کے ظاہر ہیں۔ کہ میں ادنی معیشت کی کوشش نہیں کرتا اور نہ قلیل مال مجھ کو کافی ہے اور طلب کرتا ہوں میں عزت بڑائی کو (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ فان اعملت** یہاں سے بصریوں کے مذہب کی تفصیل بیان کرتا ہے کیونکہ اجمال میں مصنف نے مذہب بصریین کو مقدم کیا تھا سو جہ سے تفصیل میں بھی مقدم کردیا تاکہ نشر علی الترتیب اللف ہو جاوے مصنف کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تم فعل ثانی کو عمل دو جیسا کہ بصریوں کا مختار ہے۔ تو فعل اول پر نظر کرو کہ فعل اول فاعل کا تقاضا کرتا ہے یا مفعول کا اگر فعل اول فاعل کا مقتضی ہے۔ یعنی اسوقت جبکہ فعل اول اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہتا ہو تو اس میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی ضمیر لائیں گے یعنی اگر اسم ظاہر مفرد ہو تو مفرد کی ضمیر لائیں گے جیسے ضربنی واکرمنی زیدا اور تثنیہ یا جمع ہوگا تو ضمیر تثنیہ یا جمع کی لائیں گے جیسے ضربانی واکرمنی الزیدان و ضربونی واکرمنی الزیدون ایسے تذکیر وتانیث میں موافقت ضروری ہے تذکیر میں موافقت کی مثالیں گذرچکی ہیں تانیث مثالیں یہ ہیں ضربتنی واکرمت ہند و ضربتانی واکرمت الہندان ضربنی واکرمت الہندات یہ اسلئے

اسوقت ہے جبکہ دونوں فعل اقتضاء

۴ میں موافق نہ ہوں۔ بلکہ مخالف ہوں جیسے ضربنی واکرمت زیدا ضربانی واکرمت الزیدین وضربونی واکرمت الزیدین ضربتنی واکرمت ہندا وضربتانی واکرمت ہندین وضربتنی واکرمت ہندات پھر یہ توافق اسم ظاہر اور ضمیر میں اسوجہ سے ضروری ہے۔ کہ وہ اسم ظاہر اس ضمیر کا مرجع ہے اور مرجع اور ضمیر کے درمیان توافق لازم ہے بہرحال فعل ثانی کو عمل دینے کی صورت میں فعل اول اگر فاعل کو مقتضی ہو تو اس میں موافق اسم ظاہر کے فاعل کی ضمیر لائیں گے۔ اور فاعل کو محذوف نہ مانیں گے جیسا کہ کسائی کا مذہب ہے۔ کسائی کہتا ہے جب کہ پہلا فعل فاعل کو تقاضا کرے اور دوسرے کو فعل کو عمل دیا ہو تو پہلے فعل کے فاعل کو حذف کر دینگے اور ضمیر نہ لائیں گے۔ چونکہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جمہور اور کسائی میں خلاف کا اثر اس وقت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب کہ اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو۔ چنانچہ جمہور کے نزدیک ضربانی واکرمنی الزیدان وضربونی واکرمنی الزیدون کہا جاوے گا اور کسائی کے نزدیک ضربنی واکرمنی الزیدان اور وضربنی واکرمنی الزیدون بولا جاویگا اور جب کہ اسم ظاہر مفرد ہو تو خلاف کا اثر ظاہر نہ ہوگا۔ دونوں کے نزدیک ضربنی واکرمنی زید کہا جاویگا۔ خلاصہ کلام یہ کہ صورت تنازع میں جب کہ پہلا فعل فاعل کا تقاضا کرتے تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ فاعل کو حذف کریں دوسرے یہ کہ فاعل کو ذکر کریں تیسرے یہ کہ اسم ظاہر کے موافق پہلے فعل میں ضمیر لائیں۔ ذکر تو کسی کے نزدیک درست نہیں چونکہ تکرار لازم آتا ہے اور تکرار مخل بالفصاحۃ ہے اس وجہ سے ذکر درست نہیں ہے۔ اور حذف بھی درست نہیں ہے۔ جب تک کوئی قائم مقام نہ ہو جاوے اب فقط ضمیر لانا رہ گیا تو جمہور کہتے ہیں کہ ضمیر لائیں گے اگرچہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔ مگر درست نہیں ہے۔

(باقی بر صفحہ ۶۸ پر)

* * * * * *

واما الاضمار فكما تقول في المتوافقين ضربت واكرمته زيدا وضربت واكرمتهما الزيدين وضربت واكرمتهم الزيدين وفي المتخالفين ضربني واكرمته زيد وضربني واكرمتهما الزيدان وضربني واكرمتهم الزيدون واما اذا كان الفعلان من افعال القلوب فلا بد من اظهار المفعول كما تقول حسبني وحسبتهما منطلقين الزيدان منطلقا وذلك لان حسبني وحسبتهما تنازعا في منطلقا واعملت الاول وهو حسبني واظهرت المفعول في الثاني فان حذفت منطلقين وقلت حسبني وحسبتهما الزيدان منطلقا يلزم الاقتصار على احد المفعولين في افعال القلوب وهو غير جائز وان اضمرت فلا يخلو من ان تضمر مفردا وتقول حسبني وحسبتهما اياه الزيدان منطلقا وحينئذ لا يكون المفعول الثاني مطابقا للمفعول الاول وهو هما في قولك حسبتهما ولا يجوز ذلك او ان تضمر مثنى وتقول حسبني وحسبتهما اياهما الزيدان منطلقا وحينئذ يلزم عود الضمير المثنى الى اللفظ المفرد وهو منطلقا الذي وقع فيه التنازع وهذا ايضا لا يجوز واذا لم يجز الحذف

بأن حذف المفعول الثاني ۱۲ درایہ

(متعلقہ حاشیہ ص۶۷) مگر یہ اسوقت درست ہوتا ہے۔ جبکہ عمدہ میں بشرط تفسیر ہو۔ جیسا کہ قل ہو اللہ احد اور نعم رجلا اور کسائی اضمار قبل الذکر سے بچنے کیوجہ سے حذف کو جائز رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ فاعل کا حذف کرنا جائز ہے۔ بلا اسکے کہ اسکے کوئی قائم مقام ہو جیسے قولہ تعالیٰ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ اور قولہ تعالےٰ اسمع بہم وابصر میں کہ اس میں بہم کو حذف کر دیا ہے جیسا کہ سیبویہ کہتا ہے اور جیسے ماقعد وما قام الا انا کہ اس میں سب کے نزدیک پہلے فعل کا فاعل محذوف ہے اور جیسے اضربن و اکرموا القوم کہ اس میں فاعل جو کہ واو ہے محذوف ہے اور جیسے بدا لہم اے بدا لہم رائی کہ اس میں رائی فاعل محذوف ہے جمہور نے ان شواہد کے جواب دیئے چنانچہ اول شاہد اطعام الخ کے بارے میں کہا ہے کہ اطعام مصدر ہے اور مصدر عمل میں قاصر ہوتا ہے۔ لہذا اس میں فاعل کا وجود ضروری نہیں ہے لہذا یہ سیطرح اور بدا لہم فاعل کے مقتضی نہیں اسیطرح یہ بھی فاعل کو مقتضی نہیں ہے لہذا یہ حذف فاعل کے باب سے نہ ہوا باقی شواہد کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ سب تقدیر فاعل پر محمول ہیں اور حذف فاعل نسیا پر محمول نہیں اور باب تنازع میں نسیاً منسیاً ہوتا ہے دوسرا جواب انکا یہ بھی دیا گیا ہے کہ ان میں فاعل کا حذف نادر ہے اور نادر کا اعتبار نہیں ہوتا **قولہ ان کان الخ** یعنی فعل ثانی کو عمل دینے کی صورت میں جبکہ فعل اول مفعول کو مقتضی ہو اور وہ دونوں فعل افعال قلوب سے نہ ہوں تو مفعول کو حذف کر دیں گے کیونکہ وہ کلام میں فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے اور اضمار مفعول قبل ذکر کی اس میں ضرورت نہیں رہتی ہے اسوجہ سے مفعول کی ضمیر نہیں لاتے امثلہ کتاب میں موجود ہیں فانظر فیہا۔ **قولہ فان کان الخ** یعنی اگر افعال تنازع افعال قلوب سے ہوں تو اس وقت مفعول کا ظاہر کرنا ضروری ہوگا جیسے حسبنی وحسبت زیدا منطلقا کہ یہاں حسبنی اور حسبت اولاً زیداً میں تنازع کرتے ہیں فعل اول اس کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے اور فعل ثانی اسکو مفعول پس موافق مذہب بصریوں کے فعل ثانی کو عمل دیا گیا اور فعل اول میں ضمیر فاعل کی لائے اسلئے کہ فاعل عمدہ اور اضمار قبل الذکر عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے پھر ثانیاً یہ دونوں فعل منطلقا میں تنازع کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک اس کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے پس یہاں پر بھی موافق مذہب بصریوں کے فعل ثانی کو عمل دیا گیا اور فعل اول کے مفعول کو ظاہر کیا گیا چنانچہ کہا ہے حسبنی منطلقا وحسبت زیدا منطلقا۔ اسلئے کہ اگر فعل اول کے مفعول کو حذف کریں تو دو مفعولوں میں سے ایک پر اختصار لازم آتا ہے اور افعال قلوب میں یہ جائز نہیں کہ دو مفعولوں میں سے ایک پر اختصار کیا جائے اور ضمیر لائیں تو فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔ اور وہ ناجائز ہے پس لامحالہ فعل اول کے مفعول کو ذکر کریں گے۔ اور یہ واجب ہوگا یہاں اعتراض کیا جاتا ہے کہ تم کہتے ہو کہ افعال قلوب کے مفعول کا حذف درست نہیں ہے حالانکہ قولہ تعالیٰ ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتٰہم اللہ من فضلہ ہو خیرا لہم میں جبکہ تحسبن بصیغہ غائب پڑھی جاوے تو پہلا مفعول یہاں پر محذوف ہوگا تقدیر عبارت ہوگی بخلہم ہو خیرا لہم بعض نے جواب دیا ہے کہ اس قراۃ پر ضمیر ہو مفعول اول ہے جو کہ بخل کیطرف راجع ہے اس پر سوال ہوتا ہے کہ مفعول اول منصوب ہوتا ہے ضمیر مرفوع کیسے مفعول ہو سکتی ہے جواب دیا گیا ہے کہ یہاں پر ضمیر مرفوع کو ضمیر منصوب کی جگہ میں رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ قولہ تعالیٰ انک انت العلیم الحکیم میں انت ضمیر مرفوع کو منصوب کی جگہ میں واقع کیا ہے **قولہ اما ان اعملت الخ**۔ یعنی موافق مذہب کوفیوں کے جب فعل اول کو عمل دیں (بقیہ حاشیہ ص۶۹ پر)

والاضمار کما عرفتَ وجب الاظہار فصلٌ مفعولُ مالم یُسَمَّ فاعلُہٗ وھو کل مفعولٍ حُذِفَ فاعلُہٗ واُقیمَ ھو مقامَہٗ

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ٦٨)

تو فعل ثانی میں اگر وہ فاعل کا مقتضی ہے تو فاعل کی ضمیر لائیں گے اور ضمیر لانیکی صورت میں اضمار قبل الذکر لفظاً لازم آتا ہے نہ رتبتہً اور ناجائز وہ اضمار قبل الذکر ہے جو کہ لفظاً اور رتبتہً لازم آئے اور اگر فعل ثانی اسم ظاہر کو مفعول بنانا چاہتا ہے تو مذہب مختار کے بموجب فعل ثانی میں مفعول کی ضمیر لائیں گے اور حذف بھی جائز ہوگا ضمیر لانا یا حذف کرنا اسوقت ہے جبکہ افعال، افعال قلوب سے نہ ہوں اور ضمیر لانا حذف سے اسوجہ سے مختار ہے کہ ملفوظ و مقصود کے مطابق ہو جاتا ہے۔ اسلئے کہ مقصود یہی ہے کہ اسم دونوں فعلوں کا مفعول ہے۔ تو جب ثانی فعل میں ضمیر نہ لائی جاویگی تو یہ وہم ہوگا کہ فعل ثانی کا مفعول فعل اوّل کے مفعول کے مغائر ہے۔ حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے۔ اس وجہ سے ضمیر لانا مختار ہوا امثلہ مفصلاً کتاب میں ہیں غور سے انکو دیکھو۔ **قولہ واما اذا کان الخ** یعنی جبکہ دونوں افعال قلوب سے ہوں اور کوئی ایسا مانع موجود ہو کہ ضمیر نہ لا سکیں تو اسوقت مفعول فعل ثانی کا اظہار ضروری ہوگا کیونکہ جب اضمار اور حذف ممتنع ہونگے تو بدون اظہار چارہ نہ ہوگا اسوجہ سے اظہار ضروری ہو جاویگا جیسے حسبنی و حسبتہما الزیدان منطلقاً میں دونوں فعلوں نے اولاً زیدان میں تنازع کیا فعل اوّل نے اسکو اپنا فاعل اور فعل ثانی نے اسکو اپنا مفعول بنانا چاہا تو عمل فعل اوّل کو دیا گیا اور فعل ثانی میں ضمیر مفعول کی لائے یعنی حسبتہما کہا پھر دونوں نے منطلقاً میں تنازع کیا دونوں نے اسکو اپنا مفعول بنانا چاہا پس بنا بر مذہب اہل کوفہ کے فعل اوّل کو عمل دیا گیا اور فعل ثانی کے مفعول کو ظاہر [illegible] حسبتہما منطلقین الزیدان منطلقاً کہا اسلئے کہ اگر فعل ثانی کے مفعول ثانی کو حذف کرتے ہیں تو فعل قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک مفعول پر اختصار لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں اور ضمیر لاتے ہیں۔ تو دو حال سے خالی نہیں مفرد کی ضمیر لائیں گے یا تثنیہ کی مفرد کی ضمیر لانے میں حسبت کے دونوں مفعولوں میں موافقت نہیں رہتی حالانکہ موافقت ضروری ہے اسلئے کہ حسبت کا مفعول اول حقیقت میں مبتدا اور مفعول ثانی اسکی خبر ہے اور مبتدا، اور خبر کے مابین افراد اور تثنیہ میں تطابق ضروری ہے اور تثنیہ کی لانے میں مرجع اور ضمیر کے مابین توافق نہیں رہتا کیونکہ مرجع ضمیر کا منطلقاً ہے اور وہ مفرد ہے پس جب اضمار اور حذف دونوں ناجائز ہوئے تو لامحالہ فعل ثانی کے مفعول ثانی کو ظاہر کرنا پڑا۔ اب اگر کوئی کہے کہ مثال مذکور میں تنازع ممکن نہیں اسلئے کہ شرط تنازع کی یہ ہے کہ دونوں فعل عمل کرنے کیلئے کسی امر واحد کیطرف متوجہ ہوں گے اور ہر ایک کا عمل اس میں علی سبیل البدلیت جائز ہو اور یہاں ایسا نہیں اسلئے کہ فعل کا عمل منطلقاً میں علی سبیل البدلیت جائز نہیں فعل اوّل مفعول مفرد کو مقتضی ہے اور فعل ثانی مفعول مثنیٰ کو پس دونوں امر واحد کیطرف متوجہ ہوئے اور جواب یہ ہے کہ منطلقاً سے مراد فقط منطلقاً نہیں بلکہ اس سے مراد وہ اسم ہے جو کہ وصف انطلاق کیساتھ متصف ہو عام اس سے کہ مفرد ہو یا تثنیہ

(حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ فصل** جب مصنف مرفوعات کی پہلی قسم کے بیان سے فارغ ہوگئے۔ تو اب مرفوعات کی دوسری قسم کے بیان میں شروع کر دیا مرفوعات کی دوسری قسم مفعول مالم یسم فاعلہ ہے یعنی مفعول اس فعل یا شبہ فعل کا کہ جس کا فاعل مذکور نہ ہو مفعول مالم یسم فاعلہ، قائم مقام فاعل ہونیکی حیثیت سے اگرچہ فاعل میں شمار ہے۔ مگر چونکہ اسکا نام مفعول ہو گیا ہے، لہٰذا مصنفؒ نے اسکی تعریف کو مستقل طور پر ذکر کیا اور اس کیلئے فصل مستقل لا کر اس امر کیطرف اشارہ کر دیا کہ مرفوع کی مستقل دوسری قسم ہے۔ مفعول مالم یسم فاعلہ میں ما سے مراد فعل یا شبہ فعل ہے اور مفعول کی اسکی طرف اضافت ہو رہی ہے اور لم یسم سے مراد لم یذکر ہے۔ یعنی ایسے فعل یا شبہ فعل کا مفعول جسکا فاعل ذکر نہ کیا گیا ہو جب لم یسم سے مراد مجاز بالکنایہ کے طور پر لم یذکر ہو گیا تو یہ اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ حذف شے وجود شے پر متفرع ہے اور لم یسم مقتضی ہے کہ اس کے فاعل کیلئے بالکل نام نہ ہو۔ لہٰذا جب اس کے لیے کوئی اسم نہیں تو اسکا حذف کرنا کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ حذف معدوم محال ہے۔ **قولہ کل مفعول الخ** یعنی ہر وہ مفعول ہے جس کے فاعل کو حذف کر کے اس کے مفعول کو اسکی جگہ رکھدیا ہو۔ فاعل کی اضافت مفعول کی طرف ادنیٰ اتصال یعنی اس تعلق کی بنا پر ہے کہ یہ فاعل اسی فعل یا شبہ فعل کا ہے جسکا مفعول ہے۔ یعنی دونوں ایک فعل یا شبہ فعل کے معمول ہونے میں شریک ہیں معمولیت کی شرکت کا یہ ایک تعلق ہے اس کی بنا پر اضافت کر دی ہے **قولہ اقیم ہو مقامہ**۔ اس عبارت پر اعتراض ہوتا ہے کہ ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ اسوقت لاتے ہیں جبکہ کسی شے کا ضمیر متصل پر عطف کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ مزیت تابع کی متبوع پر لازم نہ آئے لیکن یہاں باوجودیکہ اقیم کی ضمیر مستتر پر کسی کا عطف نہیں پھر اسکی تاکید ضمیر منفصل لائی گئی ہے۔ جواب یہ ہے کہ اگر ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل سے نہ کی جاتی تو دو قباحتیں پیدا ہو جاتیں ایک یہ کہ اس وقت یہ وہم ہوتا کہ مقامہ اقیم کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے دوسرے یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ضمیر اقیم کی فاعل کی طرف راجع ہے اسلئے وہ قریب ہے اور قاعدہ ہے کہ قریب کو چھوڑ کر بعید کی طرف نہیں جاتے۔ مگر چونکہ دونوں صورتوں میں کلام کے معنی غلط ہیں لہٰذا خلاف قیاس اس کی تاکید ضمیر منفصل سے کر دی گئی تاکہ اس کا مرجع بھی خلاف قیاس بعید یعنی مفعول ہو جائے اور کلام بے معنی نہ رہے۔ باقی رہا یہ امر کہ اس مفعول کو مفعول مالم یسم فاعلہ کیوں کہتے ہیں تو اس کی وجہ تعریف سے ظاہر ہے۔ بیان کرنے کی حاجت نہیں جاننا چاہیے کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کے لیے شرطیں ہیں جن کو مصنف نے ترک کر دیا، برائے افادہ میں ان کو بیان کرتا ہوں لہٰذا معلوم ہونا چاہیے کہ فاعل کو . . .

. . . . حذف کرنے اور مفعول کو اس کے قائم مقام کرنے کی ایک شرط یہ ہے کہ صیغہ معروف صیغہ مجہول کی طرف متغیر کیا گیا ہو۔ اور یہ شرط اس وقت ہے جس وقت کہ مفعول مالم یسم فاعلہ کا عامل فعل ہو۔ اور جس وقت اس کا عامل شبہ فعل ہوگا جیسے زید مضروب غلامہ اس وقت یہ شرط نہ ہوگی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس مفعول کو قائم مقام فاعل کیا جاوے

(باقی بر صفحہ ٧٠ پر)

نحو ضُرِبَ زیدٌ وحکمُہٗ فی توحید فعلِہٖ وتثنیتہٖ وجمعہٖ وتذکیرہٖ وتانیثِہٖ علٰی قیاسِ ما عرفتَ فی الفاعل فصل المبتدأ والخبر ھما اسمان

(متعلقہ حاشیہ ص۶۹) وہ مفعول باب علمت کا مفعول ثانی اور باب اعلمت کا مفعول ثالث نہ ہو۔ کیونکہ باب علمت کا مفعول ثانی مفعول اوّل کیطرف مسند ہوتا ہے اسیطرح مفعول ثالث باب اعلمت کا مفعول ثانی کیطرف مسند ہوتا ہے پس اگر ان دونوں مفعولوں کو قائم مقام فاعل کیا جاویگا۔ تو لازم آئیگا کہ ایک چیز دو اسناد تام کیساتھ مسند بھی ہو اور مسند الیہ بھی بخلاف اسکے کہ دو اسنادوں میں ایک ناقص جیسے اعجبنی ضرب زید عمرا کہ یہاں ضرب مسند الیہ ہے اور مسند بھی مگر مسند الیہ باعتبار اعجبنی کے اور مسند باعتبار زید کے ہے اسناد اوّل تام ہے اسلئے کہ وہ فعل کی ہے اور اسناد ثانی ناقص ہے نیز ضروری ہے کہ وہ مفعول مفعول لہ بھی نہ ہو اسلئے کہ نصب اس میں اسکے علت ہونے پر دال ہے پس اگر مفعول لہ کو بجائے فاعل کے کرکے رفع دینگے تو نصب اور یہ دلالت فوت ہو جائیگی نیز مفعول لہ علت اور غرض فعل پر دلالت کرتا ہے اور علت اور غرض ہر فعل کیلئے ضروری نہیں اسلئے کہ فعل کبھی اختیاری ہوتا ہے اور اس کیلئے علت و غرض ہوتی ہے اور کبھی اضطراری ہوتا ہے اور اس کے لیے علت اور غرض ضروری نہیں ہے بخلاف فاعل کے کہ وہ ہر فعل کے لیے ضروری ہے پس اگر مفعول لہ کو بجائے فاعل کے کرینگے۔ تو اس صورت میں خلیفہ بنانا غیر ضروری کا ضروری کیلئے لازم آئیگا اور یہ جائز نہیں ہے اور اسیطرح مفعول معہ بھی نائب فاعل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ مفعول معہٗ وہ مفعول ہے کہ جو واو بمعنی مع کے بعد واقع ہوتا ہے۔ پس اگر مفعول معہٗ قائم مقام فاعل کے کریں تو دو صورتیں ہیں یا تو مع واو کے کرینگے یا بدون واو کے مع واو کے نائب فاعل نہیں کر سکتے اس لیے کہ واو انفصال کو چاہتا ہے اور قائم مقام فاعل مثل فاعل کے جزو فعل کی مانند ہوتا ہے پس وہ اتصال کو چاہتا ہے اور انفصال اسکے منافی ہے علیٰ ہذا بدون واو کے بھی مفعول معہٗ قائم مقام فاعل کے نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اس وقت اسکا مفعول معہ ہونا معلوم نہیں ہوگا نیز جاننا چاہیے کہ فاعل کو حذف کرکے مفعول کو قائم مقام فاعل کرنا ایسے چند اغراض کیوجہ سے ہوتا ہے جن میں سے بعض ذیل میں درج ہیں (۱) جسوقت فاعل کا علم نہ ہو تو مفعول کو اس کی جگہ ذکر کرتے ہیں جیسے سرق المتاع (۲) فاعل جب خسیس ہو جیسے شتم الخلیفۃ (۳) فاعل جب معظم ہو جیسے قطع اللص (۴) سامع کے اختیار کیلئے جیسے قتل عدوک (۵) ابہام کی بنار پر جیسے ضرب زید (۶) اختصار کی بنار پر جیسے اقیمت الصلوٰۃ (۷) موافقت قوافی کی بنار پر جیسے وما المال والاہل الا ودائع۔ ولابد یوماً ان تُرَدَّ الودائع (۸) رعایت سجع کی وجہ سے جیسے وما لاحد عندہٗ من نعمۃ تجزیٰ (۹) علم مخاطب کی بناء پر جیسے قولہ تعالیٰ اذا بعثر ما فی القبور۔ اور بہت سی اغراض ہیں جن کی وجہ سے فاعل کو حذف کرکے مفعول کو اس کے قائم مقام کیا جاتا ہے نیز جاننا چاہیے کہ مصنف نے مفعول کو بہ کیساتھ مقید نہیں کیا اس سے اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اقامۃ مفعول مقام فاعل میں مفعول بہ میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ ان مذکورین کے علاوہ اور باقی قائم نائب فاعل بننے کی قابلیت رکھتے ہیں خواہ وہ مفعول مطلق ہو یا مفعول فیہ ظرف زمان یا مکان منصوب یا مجرور ہو **قولہ ضُرِبَ زیدٌ** اس کی اصل ضربت زیدا فاعل کو حذف کر لیا اور مفعول زید کو اسکے قائم مقام کر دیا لہٰذا مفعول مالم یسم فاعلہٗ ہوا اور ہر مفعول مالم یسم فاعلہ مرفوع ہوتا ہے۔ اسوجہ سے یہ مرفوع ہے **قولہ حکمہٗ فی توحید فعلہ۔** یعنی اس مفعول کا حکم اسکے فعل کے واحد اور تثنیہ اور جمع اور مذکر مؤنث لانے میں اسی قیاس پر ہے جو فاعل میں پہچانا ہے یعنی جس وقت مفعول مظہر ہو تو فعل کو واحد لایا جائیگا خواہ وہ مفعول واحد ہو یا مثنیٰ یا مجموع جیسے ضرب زید ضرب الزیدان وضرب الزیدون اور اگر مضمر ہو تو مثنیٰ کیلئے مثنیٰ اور مجموع کیلئے مجموع لایا جائیگا جیسے الزیدان ضربا الزیدون ضربوا اور اگر مؤنث حقیقی ہو تو فعل کو مؤنث لایا جاویگا چاہے مظہر ہو چاہے مضمر اور اگر مفعول اور فعل کے درمیان فصل نہ ہو جیسے ضربت ہندٌ وہندٌ ضربت اور اگر فصل ہو تو پھر فعل کو مؤنث اور فعل مذکر لانے میں اختیار ہوگا جیسے ضربت الیوم ہندٌ وضرب الیوم ہندٌ اور ایسے ہی اگر مؤنث غیر حقیقی ہو تو اگر مظہر ہے جیسے کور الشمس وکورت الشمس اور اگر مضمر ہے تو فعل کو مؤنث لایا جاویگا جیسے الشمس کورت۔ **قولہ فصل۔** جب مصنف مرفوعات کی قسم ثانی یعنی مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف اور اسکے احکام سے فارغ ہو گیا۔ تو اب مصنف مرفوعات کی قسم ثالث ورابع کو بیان کرتا ہے۔ مرفوعات کی قسم ثالث ورابع مبتدا اور خبر ہے مصنف نے ان دونوں کو ایک فصل میں ذکر کیا ہے باوجودیکہ مرفوعات کی مستقل دو قسمیں ہیں کیونکہ یہ دونوں متلازم ہیں۔ جیسا کہ وہ اصل ہے کیونکہ اصل ان دونوں میں یہ ہے کہ جب مذکور ہو تو دوسرا بھی ہو دوسرے اس وجہ سے جمع کیا کہ دونوں عامل میں شریک ہیں کیونکہ ان دونوں کا عامل معنوی ہے **قولہ ھما اسمان۔** یعنی مبتدا اور خبر دو اسم ہیں خواہ حقیقی یا حکمی اس تعمیم پر قولہ تعالیٰ وان تصوموا خیر لکم۔ تعریف مبتدا اور خبر میں داخل ہوا۔ کیونکہ ان تصوموا اگرچہ اسم حقیقی نہیں ہے مگر حکمی ہے کیونکہ تصومکم کی تاویل میں ہے ایسے ہی ان تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ مبتدا اور خبر کی تعریف میں داخل ہوگئے کیونکہ ان تسمع تاویل میں سماعک کی ہے ایسے ہی وہ جملہ جو خبر واقع ہو۔ کیونکہ وہ بھی اسم کی تاویل میں ہے جیسے زید ضرب زید ضارب کی تاویل میں ہے۔ یہ وہ ہے جس کی طرف نحاۃ کی ایک جماعت گئی ہے مصنف اور شیخ ابن حاجب بھی ان میں سے ہے کیونکہ شیخ نے شرح مفصل میں تصریح کی ہے کہ خبر جملہ اسم کی تاویل میں ہوتا ہے اور محققین نحاۃ اس طرف گئے ہیں کہ جملہ بلا تاویل کے خبر ہوتا ہے جبکہ ایسا ہے تو پھر خبر کی یہ تعریف اس پر صادق نہ ہوگی۔ اسوجہ سے بعض نے خبر کی تعریف سے لفظ اسم کو حذف کر دیا ہے۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

مجردان عن العوامل اللفظية احدهما مسندٌ اليه ويسمّى المبتدأ والثانى مسندٌ به ويسمّى الخبر نحو زيدٌ قائمٌ والعاملُ فيهما معنوىٌ وهو الابتداء واصل المبتدأ ان يكونَ معرفةً واصلُ الخبر ان يكون نكرةً والنكرةُ اذا وصفت جاز ان تقع مبتدأً نحو قوله تعالى ولعبدٌ مؤمنٌ خيرٌ من مشركٍ

قولہ مجردان عن العوامل ۔ یعنی وہ دونوں اسم عوامل لفظی خواہ سماعی ہوں خواہ قیاسی سب سے خالی ہوں کلمہ عن مجردان کے متعلق ہے اور اللفظیۃ عوامل کی صفت ہے اگر کوئی کہے کہ مجرد تجرید سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے معنی خالی کرنے کے ہیں اور خالی کرنا کسی چیز کا کسی چیز سے اس کو مقتضی ہے کہ جس سے خالی کیا جاوے۔ وہ چیز اس میں پہلے موجود ہو پس معلوم ہوا کہ مبتداء پہلے عامل لفظی تھا جس سے خالی کیا گیا ہے۔ حالانکہ خلاف واقع ہے اسلیئے کہ جسوقت سے وہ مبتداء ہوا ہے اس وقت سے اس پر عامل لفظی نہیں آیا اور جواب یہ ہے کہ کبھی امکان وجود اور احتمال وجود کو بجائے وجود کے کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں ضیق فم البیر کنوئیں کے منہ کو تنگ کر دیں اس جگہ ناممکن ہے۔ کہ پہلے سے کنوئیں کا منہ کشادہ ہو اور اس کو تنگ کیا جائے بلکہ یہ معنی ہیں کہ کنوئیں کے بناتے وقت اسکے منہ کے کشادہ ہونیکا احتمال ہے اسکو ابتداء سے تنگ کیا جائے پھر اگر کوئی کہے کہ عوامل جمع عامل کی ہے اور اقل افراد جمع کے تین ہیں پس معلوم ہوا کہ اگر ایک یا دو عامل لفظی مبتداء میں ہونگے تو اس کے مبتداء ہونے میں کوئی قصور نہیں تو اس صورت میں ہوگا جبکہ کم از کم تین عامل لفظی اس پر داخل ہوں اور اگر یہ کہیں کہ عوامل سے مراد مافوق الواحد ہے اور جمع کا استعمال اس معنی میں کثرت سے آتا ہے۔ تو کہا جائیگا کہ اس صورت میں اصل اعتراض رفع نہیں ہوگا۔ بلکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مبتداء پر ایک عامل لفظی کا پایا جانا ممنوع نہ ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ لام تعریف جب جمع کیساتھ مجتمع ہوتا ہے تو معنی جمعیت کے باطل ہو کر استغراق مراد ہوتا ہے۔ اور لفظ جمع تمام افراد کو شامل ہو جاتا ہے چنانچہ یہاں پر بھی جمع پر لام تعریف داخل ہونے سے یہی مراد ہیں کہ مبتداء وہ اسم ہے جو تمام عوامل لفظیہ سے خالی ہو پس معلوم ہوا کہ عوامل لفظیہ کا ایک فرد بھی مبتداء میں نہ پایا جائیگا۔ **قولہ احدہما الخ** یعنی اور دو اسموں میں سے جو تجرید کیساتھ موصوف ہیں ایک مسند الیہ ہے اس اسم مسند الیہ کو مبتداء کہتے ہیں اور ثانی اسم مسند ہے اسکو خبر کہتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصنفؒ نے مبتداء اور خبر دونوں کی تعریف ملا کر کر دی ہے۔ بہتر یہ تھا کہ ہر ایک کی تعریف علیحدہ علیحدہ کرتا جیسا کہ صاحب کافیہ نے کیا ہے مصنف کی عبارت سے ہر ایک کی جدا جدا تعریف یہ نکلی کہ المبتداء ہو الاسم المجرد عن العوامل اللفظیۃ مسنداً الیہ اور خبر کی تعریف ہوئی الخبر ہو الاسم المجرد عن العوامل اللفظیۃ المسند بہ، ہم اولاً مبتداء کی تعریف کی تشریح کرتے ہیں۔ لہذا غور سے مطالعہ کیجیے۔ مصنفؒ کہتا ہے کہ مبتداء وہ اسم ہے جو عامل لفظی قیاسی اور سماعی سے خالی ہو اور مسند الیہ ہو جیسے زید قائم میں زید مبتداء ہے جو کہ عوامل لفظی سے خالی ہے اور مسند الیہ ہے مصنفؒ کے قول المجردان سے وہ اسماء خارج ہو گئے کہ جنمیں عامل پایا جاتا ہے جیسے انّ اور کان کا اسم اور مسند الیہ کی قید سے خبر اور قسم ثانی مبتداء سے احتراز ہو گیا۔ اس لئے کہ وہ مسند ہیں مسند الیہ نہیں۔ تعریف خبر کی تشریح یہ ہے کہ خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسند ہو مبتداء کیطرف مجرد عن العوامل سے وہ اسماء نکل گئے جو مجرد نہیں جیسے انّ وغیرہ کی خبر جو کہ مرفوع ہوتی ہے۔ اور مسند قسم کی قید سے مبتداء اور خبر ثانی مبتداء کی نکل گئے۔ چونکہ وہ مبتدا کیطرف مسند نہیں ہوتے ہیں **قولہ نحو زید قائم** زید اور قائم دو اسم ہیں جو عوامل لفظی سے مجرد ہیں ان میں سے زید مسند الیہ ہے اسوجہ سے مبتداء ہے اور قائم مسند ہے اسوجہ سے خبر ہے۔ **قولہ العامل فیہما الخ**۔ یعنی مبتداء اور خبر دونوں میں عامل معنوی ہیں اور وہ عامل معنوی ابتداء ہے جاننا چاہیے کہ نحاۃ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ مبتداء اور خبر میں عامل معنوی ہیں یا نہیں بصری کہتے ہیں کہ مبتداء اور خبر دونوں میں عامل معنوی ہے اور وہ عامل معنوی ابتداء ہے۔ جاننا چاہیئے کہ نحاۃ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ مبتداء اور خبر میں عامل معنوی ہیں یا نہیں بصری کہتے ہیں کہ مبتداء اور خبر میں عامل معنوی ہیں اور وہ عامل معنوی ابتداء یعنی اسم کا عامل لفظی سے خالی ہونا تاکہ اسکی طرف کسی شئے کا اسناد ہو یا اس کا کسی شئے کیطرف اسناد ہو تو ان کے نزدیک یہ ابتداء مبتداء اور خبر میں عامل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابتداء بایں معنی مبتداء میں عامل ہے اور خبر میں مبتداء عامل ہے۔ اس قول پر خبر ما نحن فیہ سے نہیں ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ مبتداء اور خبر میں سے ہر ایک دوسرے میں عامل ہیں یعنی مبتداء خبر میں عامل ہے اور خبر مبتداء میں۔ اس قول پر دونوں عوامل لفظی سے مجرد نہ ہوں گے اور بعض عامل معنوی کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ عامل معنوی وہ ہے جو عقل سے مدرک ہو اور اسکا تلفظ نہ کیا جاوے۔ **قولہ واصل المبتداء ان یکون** ۔ جاننا چاہیے کہ مبتداء کے لیے دو اصلیں ہیں مصنفؒ ان دونوں اصل کو بیان کرتا ہے۔ اصل کے معنی لغت میں بیخ، ملیہ وغیرہ کے ہے یہاں پر مراد حالت مناسبہ کے ہے۔ لہذا مصنفؒ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ مبتداء کی اصل یعنی وہ حالت مناسبہ جس پر مبتداء کو ہونا مناسب ہے یہ ہے کہ مبتداء معرفہ ہو اس لیے کہ مبتداء کا حکم افادہ پر ہے اور وہ کثرت اوقات میں معرفہ پر حکم کرنے کے ساتھ وابستہ ہے **قولہ اصل الخبر**۔ یعنی خبر کی اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو۔ کیونکہ خبر محکوم بہ ہوتی ہے۔ اور اصل محکوم بہ تنکیر ہے **قولہ والنکرۃ الخ** چونکہ مصنفؒ نے جمہور نحاۃ کا مذہب اختیار کیا ہے کہ مبتداء کے لیے معرفہ یا نکرہ مخصصہ ہونا ضروری ہے کیونکہ نکرہ بذریعہ تخصیص کے اس معرفہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ جس کا محکوم علیہ بن دلیل سے ہونا ثابت ہوا ہے اس وجہ سے مصنفؒ نے والنکرۃ سے اس کی طرف اشارہ کر دیا خلاصہ کلام یہ ہے کہ مبتداء بھی نکرہ ہوتا ہے بشرطیکہ وجوہ تخصیص میں سے کسی امر کے ذریعہ تخصیص کی جائے تاکہ نکرہ بعد تخصیص کے معرفہ کے نزدیک ہو جاوے اور اس کا مبتداء ہونا درست ہو (باقی برصفحہ ۷۲ پر)

وكذا اذا تخصصت بوجه آخر نحو ارجل في الدار ام امرأة وما احد خير منك و شر أهر ذا ناب وفي الدار رجل وسلام عليك وان كان احد الاسمين معرفة و الآخر نكرة فاجعل المعرفة مبتدأ والنكرة خبرا البتة

(متعلقہ حاشیہ صلہ) وجوہ تخصیص میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ مبتدا ایسا نکرہ ہو جس کی صفت ذکر کی گئی ہو۔ لہٰذا جب نکرہ موصوف ہوگا تو اسکا مبتدا ہونا درست ہوگا جیسے قولہ ولعبد مؤمن خیر من مشرک میں عبد نکرہ ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے لہٰذا اس کا مبتدا ہونا صحیح نہ تھا مگر جب اسکی صفت لائے اور لعبد مومن کہا تو بذریعہ صفت کے تخصیص ہوگئی یعنی تقلیل اشتراک ہو کر اس کا مبتدا ہونا صحیح ہوگیا۔ جاننا چاہیے کہ تصغیر بمنزلہ وصف کے ہے جیسے رجیل قاعد گویا کہ رجل حقیر قاعد کہا گیا ہے۔ لہٰذا تصغیر بھی وصف کے حکم میں ہے (حاشیہ صفحہ ہذا)

قولہ وکذا اذا تخصصت بوجہ آخر یعنی جیسے نکرہ مبتدا ہو جاتا ہے جب وصف کے ذریعہ سے مخصوص ہو جاتے اسی طرح نکرہ اس وقت بھی مبتداء ہوجاتا ہے جبکہ کسی اور طریقہ سے مخصوص ہوجاوے تخصیص سے مراد یہاں پر عام ہے چاہے حقیقی ہو یا حکمی آنیوالی امثلہ میں تخصیص حکمی ہے حقیقی نہیں ہے بخلاف مثال مذکور کے کہ اس میں تخصیص حقیقی ہے **قولہ نحو ارجل فی الدار ام امراۃ**۔ اس مثال میں رجل نکرہ ہے اور اس میں علم متکلم کے اعتبار سے تخصیص ہے اسلئے کہ متکلم جانتا ہے کہ مرد و عورت میں سے کوئی نہ کوئی گھر میں موجود ہے اور سوال صرف اسکی تعیین سے ہے کہ مرد ہے یا عورت پس مثال مذکور میں احدہما فی الدار کی صفت سے تخصیص پیدا ہوگئی **قولہ وما احد خیر منک** لفظ احد اس کی جگہ نکرہ ہے تحت میں نفی کے واقع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب نکرہ تحت نفی کے واقع ہوتا ہے تو فائدہ عموم و شمول افراد کا حاصل ہوتا ہے یعنی حکم تمام افراد کو شامل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ محکوم علیہ من حیث العموم متعین اور متخصص ہے اسلئے کہ مجموع افراد میں تعدد نہیں ہوتا بلکہ وہ امر واحد ہے لہٰذا اس حیثیت سے اس میں تخصیص پیدا ہو جائے گی۔

قولہ وشر اہر ذا ناب۔ اس مثال میں شر نکرہ مبتدا ہے اور اس کی تخصیص کا وہ طریقہ ہے جو فاعل میں ہوتا ہے فاعل میں تخصیص ذکر فعل سے ہوتی ہے مثلاً جب ہم نے کہا ضرب تو اس سے یہ سمجھا گیا کہ ضرب کے بعد جو چیز مذکور ہوگی وہ فاعل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے پس جب رجل کہا گیا تو معلوم ہوا کہ رجل فاعل ہے اور اس میں فاعل ہونے کی صلاحیت ہے اب غور طلب یہ ہے کہ شر اہر ذا ناب میں شر کو فاعل کے ساتھ کیا مشابہت ہے کہ اس میں تخصیص فاعل کے طور پر آتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ شر اہر ذا ناب جگہ میں ما اہر ذا ناب الا شر کے مستعمل ہوتا ہے یعنی جو معنی کہ ما اہر ذا ناب الا شر سے حاصل ہوتے ہیں وہی معنی شر اہر ذا ناب سے سمجھے جاتے ہیں اور ما اہر ذا ناب الا شر میں شر فاعل سے بدل ہے اور بدل فاعل حکمی ہے۔ پس یہی وجہ ہے کہ شر اہر ذا ناب میں شر فاعل کے مشابہ ہے اور اگر کوئی کہے کہ شر اہر ذا ناب کے معنے ما اہر ذا ناب الا شر کے کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ما اہر ذا ناب الا شر میں ما اور الا کے ساتھ حصر ہے بخلاف شر اہر ذا ناب کے کہ اس میں حصر نہیں جواب یہ ہے کہ اس ترکیب میں بھی حصر موجود ہے اس لئے کہ شر اہر ذا ناب اصل میں اہر شر ذا ناب تھا اہر کی ضمیر مستتر سے شر بدل ہے اور بدل فاعل حکمی ہے اور درجہ اسکا فعل سے موخر ہے پس جب اسکو مقدم کیا تو حصر مستفاد ہوگیا اسلئے کہ تقدیم ما حقہ التاخیر کی فائدہ حصر کا دیتی ہے اور جب اس ترکیب نے حصر کا فائدہ دیا تو شر اہر ذا ناب کے معنے ما اہر ذا ناب الا شر کے ہوئے پھر اگر کوئی کہے کہ تخصیص اصطلاح میں قلت اشتراک کو کہتے ہیں پس یہاں کونسی چیز ہے جس کے اعتبار سے قلت اشتراک یعنی تخصیص حاصل ہے جواب یہ ہے کہ کتے کا بھونکنا کبھی معتاد ہوتا ہے اور کبھی غیر معتاد اور اگر غیر معتاد ہو تو اسکی دو صورتیں ہیں کبھی خیر ہوتی ہے اور کبھی شر پس یہاں پر اگر نباح یعنی کتے کا بھونکنا معتاد ہو تو حصر بہ نسبت خیر کے حاصل ہوگا یعنی شر لا خیر اہر ذا ناب اور اگر غیر معتاد ہو تو چونکہ اس وقت اس کا بھونکنا محض شر ہے لہٰذا حصر حاصل نہ ہوگا اور صفت مقدر ہوگی تاکہ حصر صحیح ہو پس یہ معنی ہونگے کہ شر عظیم لا حقیر اہر ذا ناب نیز کہہ سکتے ہیں کہ شر کی تنوین تعظیم کیلئے ہے ای شر عظیم پس اسوقت احتیاج ان تکلفات بعیدہ کی نہ ہوگی اور عقل سلیم ان کو دشوار جانے گی **قولہ وفی الدار رجل**۔ یہاں پر تقدیم خبر کی وجہ سے رجل میں تخصیص ہے اسلئے کہ فی الدار کہنے سے معلوم ہوا کہ جو بعد فی الدار کے واقع ہوگا وہ صفت استقرار کے ساتھ متصف ہوگا پس تقدیم خبر بمنزلہ تخصیص بالصفت کے ہے اور اس اعتبار سے اسکا مبتدا ہونا صحیح ہے **قولہ وسلام علیک**۔ یہاں سلام نکرہ ہے۔ اور اس میں اس حیثیت سے تخصیص ہے کہ اصل میں سلمت سلاما علیک تھا فعل کو حذف کر کے سلاما کو بقصد دوام و استقرار کے رفع کیطرف معدول کیا اسلئے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے۔ اور اسکے لیے سزاوار دوام ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ باعتبار اصل کے قوۃ میں سلام من قبلی علیک کے ہے۔ اور متکلم کیطرف منسوب ہونیکی وجہ سے اسمیں تخصیص ہے (فائدہ) دار و مدار خبر کا افادہ پر ہے۔ پس اگر نکرہ محضہ سے افادہ حاصل ہوگا تو حق یہ ہے کہ وہ بھی مبتدا واقع ہے۔ جیسا کہ کوکب انقض الساعۃ میں کوکب مبتدا ہے **قولہ وان کان احد الاسمین**۔ یعنی اگر دو اسموں میں سے ایک معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ تو جو معرفہ ہے اس کو مبتدا بنایا جاوے جیسے مثلاً زید قائم کہ اس میں زید معرفہ ہے اور قائم خبر کیونکہ اصل مبتدا میں معرفہ ہے۔ اس وجہ سے زید مبتدا ہونے کے لیے متعین ہوگیا۔ اور چونکہ اصل خبر میں نکرہ ہوتا ہے۔ اسوجہ سے قائم خبر ہونے کیلئے متعین ہوگیا مصنف کا قول البتۃ منصوب ہے چونکہ قولہ فاجعل المعرفۃ کا ظرف زمان ہے یا تقدیر عبارت ہوگی فی کل وقت یا فاجعل کا ظرف مکان ہے اے فی کل ترکیب یا موصوف کو حذف قرار دے کر یہ مفعول مطلق ہے۔ یعنی فاجعل المعرفۃ مبتدأ جعلا تابیدا گو واللہ اعلم ۱۲-۱۲

⁂

كما مرّ وإنْ كانا معرفتين فاجعلْ أيّهما شئتَ مبتدأً والآخرَ خبرًا نحو اللهُ تعالى إلٰهُنا ومحمّدٌ نبيُّنا وآدمُ أبونا وقد يكونُ الخبرُ جملةً اسميّةً نحو زيدٌ أبوه قائمٌ أو فعليّةً نحو زيدٌ قامَ أبوه أو شرطيّةً نحو زيدٌ إن جاءني فأكرمْه أو ظرفيّةً نحو زيدٌ خلفك وعمروٌ في الدار

قوله وان کانا۔ یعنی اگر دو اسم معرفہ ہوں یا تخصیص میں مساوی ہوں تو پھر اختیار ہے کہ ان میں سے جسکو بھی مبتدا بنانا چاہیں اسی کو مقدم کرکے مبتدا بنا دیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک مبتدا ہونیکی صلاحیت رکھتا ہے تعریف اور تخصیص کی بناء پر جب اس کو مبتدا قرار دے لیا تو دوسرے کو خبر بنا لینا چاہیئے مختصر کے اکثر نسخوں میں اسی طرح واقع ہے صواب یہ ہے کہ مصنفؒ اس طرح کہتا کہ فاجعل اوّلہما مبتداءً یعنی اوّل کو مبتدا بنایا جاوے تاکہ التباس سے محفوظ ہو جاوے اور سامع کی حیرۃ دور ہو جاوے البتہ اگر مصنف کی عبارت کو بشرط تقدیمہ سے مقید کر دیا جاوے جیسا کہ ہم نے کیا ہے تو پھر عبارت کا مطلب درست ہو جاویگا اور حاصل یہ ہوگا کہ جب دونوں اسم معرفہ ہوں تو تم کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے مقدم کرکے مبتدا بنایا جاوے اور جسکو چاہے موخر کرکے خبر بنایا جاوے یعنی اسوقت مبتدا کی تقدیم خبر پر واجب ہوتی ہے کیونکہ اگر موخر کیا جاوے تو التباس لازم آویگا اس وقت تک جب تک کہ کوئی قرینہ نہ ہو اور اگر کوئی قرینہ ہو اس امر پر کہ فلاں اسم مبتدا ہے اور فلاں خبر تو اسوقت مبتدا کی تاخیر درست ہے جیسے بنونا بنو ابنائنا اس میں بنو ابنائنا مبتدا ہونے اور بنونا خبر ہونے کیلئے متعین ہے۔ کیونکہ اگر اسکا عکس کیا جاوے تو معنی الٹ جائیں گے کیونکہ پوتوں کو بمنزلہ بیٹوں کے قرار دیتا ہے نہ بیٹوں کو بمنزلہ پوتوں کے لہذا اگر بنونا کو مبتدا اور بنو ابنائنا کو خبر قرار دیں تو لازم آئے گا کہ بیٹوں کو بمنزلہ پوتوں کے قرار دیا جاوے جو مقصود کے خلاف ہے جاننا چاہیے کہ جب دونوں اسم معرفہ ہوں تو جسکو چاہیں مبتدا قرار دینا مقدم کرکے یہ اسوقت درست ہے جبکہ ایک ان میں سے مفسَّر اور دوسرا مفسِّر نہ ہو اگر ایک ان میں سے بصیغہ مفعول ہے اور دوسرا مفسِّر بصیغہ اسم فاعل ہو تو مفسر کو یقیناً مبتدا بنایا جائیگا اور مفسر کو خبر اسلیئے کہ مفسر اگرچہ معرفہ ہے جو ابتداء کا مستحق ہے لیکن وہ بمنزلہ مرکب ہے اور محط فائدہ ہے اسوجہ سے وہ خبر ہونے کیلئے الیق۔ کیونکہ خبر محط فائدہ ہوتا ہے اور کبھی مرکب بھی ہوتی ہے ایسے ہی اگر دونوں معرفہ ہونیکی صورت میں ایک اسم جامد ہو۔ دوسرا صفت جیسے زید المنطلق تو اس وقت زید جو کہ اسم جامد ہے مبتدا ہونے کے لیئے الیق ہے اگرچہ صفت بھی معرفہ ہے اور مستحق تقدیم ہے کیونکہ جامد بمنزلہ مفرد کے ہوتا ہے اور صفت بمنزلہ مرکب کے کیونکہ وہ ذات اور صفت پر دال ہے اور اسم جامد بمنزلہ مفرد کے اسوجہ سے ہے کہ وہ محض ذات پر دال ہے ایسے ہی اگر کوئی ان میں سے اعرف المعارف نہ ہو جیسے زید انت اگر ایسا ہوگا تو جو اعرف المعارف ہوگا وہ مبتدا ہونے کیلئے متعین ہو جاویگا حاصل یہ کہ اگر کوئی قرینہ ان دونوں میں کسی ایک کے مبتدا ہونیکو مقتضی ہو تو اسی کو مبتدا بنایا جاویگا اگرچہ دوسرا اسم بھی معرفہ ہونیکی وجہ سے مبتدا ہونے کے قابل ہے **قوله قد یکون الخبر جملۃ**۔ یعنی کبھی خبر جملہ ہوتی ہے لفظ کبھی کے کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر کی اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو اسلئے کہ مفرد ہی کے لئے یہ مناسب ہے کہ دوسرے اسم کے ساتھ وابستہ ہو تاکہ دونوں کے درمیان نسبت حاصل ہو جاوے بخلاف جملہ کے کہ وہ خود مکمل اور تام ہوتا ہے اس کو دوسرے کی حاجت نہیں مگر ہاں ہر خبر کبھی جملہ بھی ہوتی ہے خواہ وہ اسمیہ ہو یا فعلیہ یا شرطیہ یا ظرفیہ امثلہ ان سب کی کتاب ہی میں ہیں۔ غور سے دیکھنا چاہیئے مصنفؒ نے خواہ انشائیہ ہو نہیں کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک بھی جملہ انشائیہ خبر نہیں ہوتا ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔ بعض جملہ انشائیہ کو بھی خبر بنانا درست قرار دیتے ہیں البتہ جمہور کہتے ہیں کہ تاویل کے بغیر درست نہیں ہے رہا یہ امر کہ جملہ کا خبر بنانا کیسے درست ہے تو جاننا چاہیئے کہ جملہ کا خبر ہونا اس وجہ سے درست ہے کہ خبر سے مراد مبتدا پر اس کے ساتھ حکم کرنا ہے اور وہ حکم جیسا مفردات سے درست ہے جملات سے بھی درست ہے لہذا اس کے خبر ہونے کیلئے کوئی مانع نہیں ہے۔ لیکن جب کہ خبر جملہ ہوتی ہے تو وہ عائد کا محتاج ہوتا ہے۔ اور مفرد عائد کا محتاج نہیں ہے اسوجہ سے جملہ باب خبر میں غیر اصل ہے اور مفرد اصل ہے اسی وجہ سے مصنف کلمہ قد جو تقلیل کے واسطے آتا ہے لایا ہے۔ **قوله او شرطیۃ نحو زید ان جاءنی فاکرمتہ**۔ شرطیہ کی خبریت میں نحویوں کا اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے جن میں سے خود مصنف بھی ہے کہ شرط اور جزاء ہر دو معاً خبر ہے اس لیے کہ ایک جملہ کے بمنزلہ ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ خبر یا شرط ہے یا جزا علی الانفراد اور ایک جماعت اس پر ہے کہ خبر صرف جزاء ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ جملہ شرطیہ خبر واقع نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ انشاءات کے گروہ سے ہے واللہ اعلم۔ **قوله ظرفیہ**: خواہ ظرف زمان ہو یا مکان یا جاری مجری ظرف جیسے جار مجرور یہ اقتضاء عامل میں جاری مجری ظرف ہی جاننا چاہیئے کہ ظرف زمان کا خبر واقع ہونا اس ذات سے درست نہیں ہے جو متجدد نہ ہو لہذا زید یوم الجمعۃ کہنا درست نہیں ہے البتہ اس ذات سے خبر ہونا درست ہے جو متجدد ہوتی ہے جیسے الہلال یوم الجمعۃ نیز جاننا چاہیئے کہ جو حروف جر کہ مبتدا سے خبر ہوتے ہیں وہ فقط یہ ہیں۔ من، الی، فی، لام، با، کاف، علیٰ، عن، مذ و منذ اور ان کے ماسوا اور حروف جر خبر نہیں ہوتے ہیں پھر نحاۃ میں اختلاف ہوا ہے کہ جس وقت ظرف خبر ہو تو فی الحقیقت خبر کیا شے ہوتی ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ فعل مقدر ہوتا ہے اور ظرف جو اس کے قائم مقام ہے وہ خبر نہیں ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ خبر ظرف ہے جو قائم مقام فعل ہے۔ اور فعل مقدر نہیں ہے۔ اور بعض کہتے ہیں خبر فعل اور ظرف دونوں ہیں۔ ۱۲

✤ ✤ ✤

وَالظَّرْفُ مُتَعَلِّقٌ بِجُمْلَةٍ عِنْدَ الْاَكْثَرِ وَهِيَ اسْتَقَرَّ مَثَلًا تَقُوْلُ زَيْدٌ فِي الدَّارِ تَقْدِيْرُهٗ زَيْدٌ اسْتَقَرَّ فِي الدَّارِ وَلَا بُدَّ فِي الْجُمْلَةِ مِنْ ضَمِيْرٍ يَعُوْدُ اِلَى الْمُبْتَدَأِ كَالْهَاءِ فِيْمَا مَرَّ وَيَجُوْزُ حَذْفُهٗ عِنْدَ وُجُوْدِ قَرِيْنَةٍ نَحْوُ السَّمْنُ مَنَوَانِ بِدِرْهَمٍ وَالْبُرُّ الْكُرُّ بِسِتِّيْنَ دِرْهَمًا

قولہ والظرف: جاننا چاہیئے کہ نحویوں میں اختلاف ہو رہا ہے کہ جملے جو خبر واقع ہوتے ہیں وہ کئی قسم پر ہیں بعض کہتے ہیں کہ چار قسم ہیں جو متن میں مذکور ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تین قسم پر ہیں ظرفیہ کو مفرد میں داخل کر دیا ہے اور بعض نے فعلیہ میں داخل کیا ہے۔ اور بعض دو قسم کرتے ہیں اور شرطیہ کو فعلیہ میں اور ظرفیہ کو مفرد یا فعلیہ میں داخل کرتے ہیں جب آپکو یہ معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ خبر ظرف خواہ ظرف زمان ہو یا مکان یا انکے قائم مقام اکثر نحاۃ کے نزدیک جملہ کے ساتھ متعلق ہے۔ یعنی اکثر نحوی اسکو جملہ کیساتھ مقدر کرتے ہیں اس لیے کہ ظرف کیلئے کوئی عامل ہونا چاہیے جس کے وہ متعلق ہو پس چونکہ فعل عمل میں اصل ہے اسلئے اسکو مقدر کرینگے اور جب فعل مقدر ہوا تو ظرف فعل کے متعلق ہوگا اور خبر جملہ ہوگی ان لوگوں کے مذہب کے موافق زید فی الدار کی تقدیر زید استقر فی الدار ہوگی اور بعض نحوی ظرف سے پہلے مفرد کو مقدر کرتے ہیں اس لئے کہ وہ خبر ہے اور اصل خبر میں افراد ہے پس اس وقت ظرف اسم فاعل یا مفعول کے متعلق ہوگا اور زید فی الدار کی تقدیر زید مستقر فی الدار ہوگی افادہ یہ بھی جاننا چاہیے کہ ظرف اور جار مجرور یعنی جار مجرور کا تعلق کسی عامل کیساتھ ہونا ضروری ہے جبکہ عامل مذکور ہوتا ہے تو اسکے متعلق ہو جاتے ہیں اس وقت اسکو ظرف لغو کہا جاتا ہے اور جب عامل مذکور نہیں ہوتا تو مقدر کرتے ہیں اس وقت اسکو ظرف مستقر کہا جاتا ہے جس عامل کو مقدر کرتے ہیں افعال عامہ یعنی کون ثبوت حصول وجود اور جو ان کے ہم معنی اور انکے مرادف ہوتے ہیں۔ مقدر کرتے ہیں البتہ اگر خصوصیت پر کوئی قرینہ ہو تو اس وقت افعال خاصہ سے بھی مقدر کرنا درست ہوتا ہے **قولہ وہی الخ** اس مقام پر نسخوں میں اختلاف ہے بعض نسخوں میں ہی ضمیر مونث ہے اور بعض میں ہو ضمیر مذکر، ضمیر کا مذکر لانا فعل کے اعتبار سے ہے کیونکہ یہ جملہ فعل ہوتا ہے یا ضمیر کا مذکر لانا متعلق ظرف کے اعتبار سے ہے اور جبکہ ضمیر مونث ہوتی ہے تو جملہ کی طرف اسکا لوٹنا صاف ظاہر ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر ضمیر مذکر ہو تو جملہ کیطرف بلا تاویل کے راجع کر دی جاوے اور یہ اعتراض نہیں پڑتا ہے کہ ضمیر مذکر جملہ مونث کیطرف کس طرح راجع ہو سکتی ہے کیونکہ راجع اور مرجع میں مطابقت ضروری ہے اور یہاں پر مطابقت نہیں ہے جواب دیا جاتا ہے کہ مونث بالقاء دو قسم پر ہے ایک یہ کہ اس کیلئے مذکر نہ ہو جیسے شبعۃ کہ اسکا مذکر مستقل نہیں ہے۔ کیونکہ شبہ نہیں کہا جاتا ہے اور ثانی وہ ہے کہ جسکے لیے مذکر ہے۔ جیسے قائمۃ کہ اسکا مذکر مستعمل ہے چنانچہ بولا جاتا ہے قائم مذکر کیلئے ضمیر اور مرجع میں مطابقت قسم ثانی مونث میں واجب ہے اور پہلی قسم میں واجب نہیں ہے اور جملہ پہلی قسم میں سے ہے اسوجہ سے یہاں پر مطابقت لازم نہیں ہے اسوجہ سے کچھ اعتراض نہیں پڑتا۔ **قولہ ولا بد فی الجملۃ** یعنی جب خبر جملہ ہو گی تو اس میں ایک عائد ہے جو مبتدا کی طرف راجع ہو تا کہ مبتدا اور خبر کے درمیان ارتباط پیدا ہو۔ ورنہ جملہ مستقل بنفسہ ہے اور خبر کا ارتباط مبتدا کیساتھ ضروری ہے پس اگر عائد نہ ہوگا تو خبر کا مبتدا کیساتھ ارتباط نہ ہوگا۔ پھر وہ عائد کبھی ضمیر ہوتا ہے جیسا کہ مثالیں مذکورہ میں گذرا اور کبھی لام ہوتا ہے جیسا کہ نعم الرجل اور کبھی اسم ظاہر کا موضع میں مضمر کے ساتھ ہونا جیسا کہ الحاقۃ ما الحاقۃ میں اور کبھی خبر کا تفسیر مبتدا ہونا جیسا کہ قل ہو اللہ احد میں ہے اس بیان سے معلوم ہوا کہ عائد عام ہے کبھی ضمیر ہوتا ہے اور کبھی اس کا غیر مگر چونکہ ضمیر دوسرے روابط سے زیادہ آتی ہے اور ضمیر کا حذف جائز بھی ہے نہ دوسرے روابط کا اسوجہ سے مصنف نے ضمیر کے ذکر پر کفایت کی اور باقی روابط کو بیان نہیں کیا **قولہ کالہاء** الخ ہا سے مراد یہاں پر وہ ضمیر ہے جو جمل سابقہ میں ہیں **قولہ یجوز حذفہ۔** یعنی جب کہ عائد ضمیر ہو تو اسکو بوقت قیام قرینہ کے کبھی حذف کر دیتے ہیں جیسا کہ ان دو مثالوں میں ہے جو کتاب میں مذکور ہیں ان میں منہ کو حذف کر دیا ہے کیونکہ بائع اسی کا نرخ بیان کرتا ہے جسکی بیع کرتا ہے جاننا چاہیئے کہ مصنف کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حذف کثیر شائع ہے جب ہی قرینہ پایا جاوے حالانکہ امر ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حذف ضمیر مجرور کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ یہ جملہ اسمیہ میں ہو اور اس کے غیر میں یہ تفصیل ہے کہ مرفوع کا حذف بالکل جائز نہیں ہے منصوب اور مجرور میں سماعی ہے **قولہ السمن منوان الخ** مصنف نے دو مثالیں دی ہیں پہلی مثال کی یہ ترکیب ہے کہ السمن مبتدا ہے اور منوان مبتدا ثانی اور بدرہم خبر مبتدا ثانی اور جملہ محل رفع میں اس طور پر کہ مبتدا اول کی خبر ہے اور ضمیر محذوف ہے تقدیر یہ ہے کہ السمن منوان منہ بدرہم منہ اس میں محل رفع میں ہے اس طور پر کہ منوان کی صفت ہے اسکی وجہ سے منوان کا مبتدا ہونا درست ہو رہا ہے منہ کو حذف کرنا اسوجہ سے جائز ہے کہ جب السمن ذکر کیا اس کے بعد منوان بدرہم کو ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ یہ منوان اسی سمن سے ہے اسوجہ سے منہ کے ذکر کی ضرورت نہ رہی ایسے ہی دوسری مثال البر الکر بستین درہما کی ترکیب ہے یعنی البر مبتدا ہے اور الکر مبتدا ثانی اور بستین مبتدا اول کی خبر ہے اور جملہ محل رفع میں ہے اس بناء پر کہ مبتدا اول کی خبر ہے اور ضمیر عائد منہ محذوف ہے اسکا حذف کرنا اسوجہ سے واقع ہوا ہے کہ جب البر ذکر کیا پھر الکر بستین اسکے بعد تو اس سے معلوم ہوا کہ الکر بستین اسی بر سے ہے لہذا اسکے ذکر کی ضرورت نہ رہی اور منہ اس مثال میں محل نصب میں ہے کیونکہ حال ہے۔ فائدہ جو جملے کہ محل اعراب میں واقع ہوتے ہیں وہ سات قسم میں منحصر ہیں خبر حال مفعول۔ مضاف الیہ شرط و جزاء جازم اور تابع مفرد اور وہ خبر جس کے لیے محل اعراب ہو ایسے ہی جملے جو محل اعراب میں واقع نہیں ہوتے وہ بھی سات قسم میں منحصر ہیں مستانفہ اسکا نام ابتدائیہ بھی رکھا جاتا ہے معترضہ تفسیریہ جواب قسم شرط غیر جازم کا جزاء لولا لوما و کیف کا جواب یا شرط جازم کا جواب لیکن فا یا اذا داخل ہو رہا ہے اور وہ جملہ جو اسم یا حرف کا صلہ ہو۔ اور اس کا تابع جس کے لئے محل اعراب نہ ہو۔

وَقَدْ يَتَقَدَّمُ الْخَبَرُ عَلَى الْمُبْتَدَأِ نَحْوُ فِي الدَّارِ زَيْدٌ يَجُوْزُ لِلْمُبْتَدَأِ الْوَاحِدِ اَخْبَارٌ كَثِيْرَةٌ
نَحْوُ زَيْدٌ عَالِمٌ فَاضِلٌ عَاقِلٌ وَاعْلَمْ اَنَّ لَهُمْ قِسْمًا اٰخَرَ مِنَ الْمُبْتَدَأِ لَيْسَ مُسْنَدًا اِلَيْهِ وَ
هُوَ صِفَةٌ وَقَعَتْ بَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ نَحْوُ مَا قَائِمٌ زَيْدٌ اَوْ بَعْدَ حَرْفِ الْاِسْتِفْهَامِ نَحْوُ اَقَائِمٌ
زَيْدٌ بِشَرْطِ اَنْ تَرْفَعَ تِلْكَ الصِّفَةُ اِسْمًا ظَاهِرًا نَحْوُ مَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ وَاَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ

قولہ قد یتقدم یعنی کبھی خبر مبتدا پر مقدم ہوتی ہے اس لفظ قد جو تقلیل کیواسطے آتا ہے اس سے اشارہ کر دیا کہ خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ مبتدا سے متاخر ہو۔ کیونکہ قلت تقدیم اصالتاً تاخر کو مستلزم ہے گویا کہ مصنف نے کہا والاصل فی الخبر ان یتاخر وقد یتقدم علی المبتدأ یعنی اصل خبر میں یہ ہے کہ مبتدا کے بعد آئے اور کبھی مبتدا پر مقدم بھی ہوتی ہے اس سے بطور کنایہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ خبر سے مقدم ہو بشرطیکہ تقدیم سے کوئی مانع منع نہ کرے اس لئے کہ مبتداء ذات ہے اور خبر اس کے احوال میں سے ایک حال ہے اور ذات اپنے حال پر مقدم ہوتی ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ مبتدا کبھی غیر ذات ہوتا ہے جیسے العلم حسن جواب یہ کہ یہاں پر ذات سے مراد یہ ہے کہ اسکی نسبت خبر دی جائے اور کچھ کہا جائے نہ وہ کہ خود بخود قائم ہو پھر اگر کوئی کہے کہ دلیل تقدیم ذات کی صفات پر فاعل میں بھی جاری ہوتی ہے پس مناسب یہ ہے کہ فاعل اپنے فعل پر مقدم ہو جواب یہ ہے کہ اس جگہ عدم تقدیم ایک مانع کی وجہ سے ہے وہ یہ کہ فعل عامل ہے اور مرتبہ فعل عامل کا یہ ہے کہ اپنے معمول پر مقدم ہو پھر تقدیم مبتدا کی دلیل میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مبتدا محکوم علیہ ہے اور اصل یہ ہے کہ محکوم علیہ مقدم ہو۔ اسلئے کہ ثبوت الشئ للشئ فرع ہے ثبوت مثبت لہ کی۔ پس مثبت لہ پیشتر ہونا چاہیئے۔ **قولہ نحو فی الدار زید**۔ اس میں زید مبتدا ہے اور فی الدار خبر مقدم ہے۔ **قولہ یجوز للمبتدا** الخ یعنی مبتدا واحد کیلئے کثیر خبروں کا ہونا جائز ہے یعنی منع نہیں یہاں پر جواز سے مراد امکان عام مقید بجانب عدم ہے یعنی کثیر خبروں کا ہونا ایک مبتدا کیلئے غیر ضروری نہیں ہے۔ اس وقت مصنف کا یہ کلام اسکو بھی شامل ہو جاویگا جہاں پر اخبار کثیر کا ایک مبتدا کیلئے ہونا واجب ہوتا ہے تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ ایک مبتدا کیلئے ایک سے زائد خبروں کا ہونا دو قسم پر ہے ایک جائز اور ایک واجب جائز تو وہاں ہوتا ہے جبکہ بغیر دوسری خبر کے معنی پورے ہو جاتے ہوں جیسے زید عالم فاضل ناصر اور واجب وہاں پر ہوتا ہے ......

...... جہاں اسکے بغیر معنے پورے نہیں ہوتے ہیں جیسے الرمان حلو حامض والابلق اسود ابیض ایک مبتدا کیلئے اخبار کثیرہ کے ممتنع نہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ خبر ایک حکم ہے اور کثیر حکموں کا ایک چیز پر حکم کیا جاسکتا ہے چونکہ احکام فی الحقیقۃ صفات ہوتی ہیں نیز جاننا چاہیئے تعدد خبر بغیر تعدد مخبر عنہ کے دو طریقہ پر ہے ایک با عطف جیسے زید عالم و عاقل اور دوسرے بغیر عطف کے جیسے زید عالم عاقل نیز جاننا چاہیئے کہ ہم نے مبتدا کو واحد کیساتھ مقید کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر واحد کیساتھ مقید کیا جاوے تو ذہن خلاف مقصود کیطرف جاتا ہے اور وہ تکثر اخبار کا جواز ہے مبتدا متعدد کیلئے حالانکہ مقصود تکثر اخبار مبتدا واحد کیلئے بیان کرنا ہے کیونکہ اول الذکر کثیر شائع ہے اسکے بیان کی حاجت نہیں بخلاف متاخر الذکر کے کہ یہ قلیل ہے اسکے بیان کی ضرورت ہے اسی وجہ سے اسکو بیان کرتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ مبتدا کو واحد کیساتھ مقید کر دے ورنہ خلاف مقصود کی طرف ذہن جاویگا اس بحث سے معلوم ہوگا کہ مبتدا اور خبر دونوں کا تعدد درست ہے اور یہ بھی درست ہے کہ مبتدا کئی ہوں اور ان کی خبر ایک ہو جیسے زید عمر رجلان الحلو حامض من الطعوم مصنفؒ نے اس تعدد کو بیان نہیں کیا کیونکہ ایسا کلام میں بہت ہی قلیل ہے **قولہ اعلم ان لہم**۔ جاننا چاہیئے کہ نحات نے مبتدا کو دو قسموں کی طرف منقسم کر دیا ایک قسم ان میں سے وہ ہے جو مسند الیہ ہوتی ہے اور اسکے لیے خبر ہوتی ہے جو اس مبتدا کی طرف مسند ہوتی ہے۔ جیسا کہ تم نے پہچانا اور ان میں سے مبتدا کی ایک قسم ایسی ہے جو مسند الیہ نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ مسند ہوتی ہے۔ فاعل کی طرف جو مبتدا کی خبر کے قائم مقام ہوتا ہے لیکن خالی ہونا عوامل لفظی سے دونوں مبتدا میں شرط ہے جب شیخ مبتدا کی قسم اول کے بیان سے فارغ ہو گیا تو قسم ثانی کے بیان میں شروع کرتا ہے کہتا ہے کہ نحاۃ کے لیے مبتدا کی ایک دوسری قسم ہے علاوہ اس قسم کے جو ماسبق میں گزری یہ مبتدا مسند الیہ نہیں ہوتی ہے جاننا چاہیئے کہ مبتدا کی قسم ثانی ان میں سے ہے جسکا جمہور نحاۃ نے بنا بر ضرورت کے اقرار کیا کیونکہ جب انہوں نے اس میں اعراب کی ابتدا کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں پائی تو مجبوراً اس مبتدا قسم ثانی کے معترف ہوئے اور مصنفؒ اور شیخ ابن حاجب بھی انکے ہمراہ ہو گئے اور بعض اس کے رفع کی توجیہ یوں کہتے ہیں کہ یہ اسم مابعد اسم کیلئے خبر ہوتا ہے وہ اسم ہر ینکی بنا پر مرفوع اور قائم الزیدان میں وہ یہ تکلف کرتے ہیں کہ قائم الزیدان کی اصل اقائمان الزیدان ہے مظہر کو مضمر کی جگہ میں رکھدیا ہے پھر تکرار سے بچنے کیلئے اقتصاراً کرکے اقائم الزیدان کہا **قولہ وہو صفۃ**۔ یعنی وہ مبتدا قسم ثانی یہ ہے کہ صیغہ صفت کا حرف نفی یا ہمزہ استفہام یا اسکے مثل کے بعد واقع ہو درآنحالیکہ یہ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والی ہو یعنی مبتدا کی اس قسم کیلئے شرط یہ ہے کہ صیغہ صفت ہو کر اسم ظاہر کو یا اس اسم کو جو اسم ظاہر کے حکم میں ہے۔ رفع کرے جیسے قولہ تعالے اراغب انت عن آلہتی یا ابراہیم میں ضمیر منفصل اسم ظاہر کے حکم میں ہے اس کو رفع دینے والا صیغہ صفت یعنی اراغب مبتدا ہے پھر قول مصنف صفۃ ظاہر کی قید ہے مثل اقائمان الزیدان سے احتراز ہے اس لیے کہ یہ صفت کا صیغہ اگرچہ بعد حرف استفہام کے واقع ہے لیکن اسم ظاہر کو رفع دینے والا نہیں اسلئے کہ وہ اگر اسم ظاہر کو رفع دیتا تو اسکا تثنیہ لانا صحیح نہ تھا۔ اس لئے کہ صفت مثل فعل کے ہے یعنی جب تثنیہ اور جمع ہوتا ہے تو فعل کو مفرد لاتے ہیں اسی طرح صفت کو بھی جب فاعل تثنیہ اور جمع ہوگا مفرد لائیں گے۔ ۱۲

✤ ✤ ✤

بخلافِ ما قائمان الزیدان **فصل** خبرُ اِنَّ واخواتها وهی اَنَّ وکَاَنَّ ولٰکِنَّ ولیتَ ولَعَلَّ فهٰذه الحروفُ تدخل علی المبتدأ والخبرِ فتنصب المبتدأ ویسمّٰی اسمَ اِنَّ وترفعُ الخبرَ ویسمّٰی خبرَ اِنَّ فخبرُ اِنَّ هو المسندُ بعد دخولها نحو اِنَّ زیدًا قائمٌ و حکمُه فی کونِه مفردًا او جملةً او معرفةً او نکرةً کحکمِ خبرِ المبتدأ ولا یجوز تقدیمُ اَخبارِها علی اسمائِها الا اِذا کان ظرفًا نحو اِنَّ فی الدارِ زیدًا

قولہ بخلاف ما قائمان الزیدان یہ حاصل بحث یہ ہے کہ جو صفت بعد حرف نفی یا استفہام کے واقع ہو اگر وہ اسم ظاہر مفرد کے مطابق ہو یعنی صیغہ صفت اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں اس صورت میں دو امر جائز ہیں یہ کہ صیغہ صفت مبتدا ہو اور اسم ظاہر اس کا فاعل اور یہ کہ اسم ظاہر مبتدا اور صیغہ صفت اس کی خبر مقدم اور اسوقت صفت میں ایک ضمیر ہوگی جو اسم ظاہر کیطرف راجع ہوگی۔ اس جگہ مطابقت اور مخالفت سے تین صورتیں حاصل ہوتی ہیں ایک یہ کہ مطابقت افراد میں ہوں یعنی صفت اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں جیسا کہ گذرا ہے جیسے ما قائم زید میں دونوں امر جائز ہیں زید کا مبتدا موخر اور قائم کا خبر مقدم ہونا نیز قائم کا مبتدا ہونا اور زید کا اسکا فاعل ہونا اور دوسری صورت مطابقت کی یہ ہے کہ اسم ظاہر اور صفت کی مطابقت تثنیہ یا جمع میں ہو جیسے ما قائمان الزیدان اور ما قائمون الزیدون اور اسوقت واجب ہے کہ اسم ظاہر مبتدا اور صفت خبر ہو ورنہ اضمار قبل الذکر لازم آئیگا اور وہ جائز نہیں ہے باقی رہی تیسری صورت اور وہ کہ مخالفت افراد اور تثنیہ اور جمع میں ہو صفت مفرد ہو اور اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو جیسے اقائم الزیدان اور اقائم الزیدون اور اس وقت یہ صفت یقیناً مبتدا کی قسم ثانی ہوگی ورنہ ضمیر مفرد تثنیہ یا جمع کیطرف راجع ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں۔ **قولہ ہذہ الحروف تدخل** یہ حروف مبتدا و خبر پر داخل ہوتے ہیں مبتدا کو نصب دیتے ہیں اور خبر کو رفع جاننا چاہیے کہ ان حروف کو حروف مشبہ بالفعل کہتے ہیں چونکہ یہ وزن اور معنے اور عمل میں فعل متعدی کے مشابہ ہیں وزن میں مشابہت تو یہ ہے کہ جس طرح فعل ثلاثی اور رباعی ہوتے ہیں اسیطرح ان میں سے بعض ثلاثی اور بعض رباعی ہیں اور معنی میں مشابہت یہ ہے کہ ہر ایک ان میں سے معنی میں فعل کے ہے چنانچہ اِنَّ اور اَنَّ معنی میں حققت کے اور کانّ معنی میں شبہت کے اور لیت معنی میں تمنیت کے اور لعل معنی میں ترجیت کے ہے علیٰ ہذا القیاس اور عمل میں مشابہت یہ ہے کہ جسطرح فعل متعدی کیلئے دو اسم لازم ہیں ایک فاعل اور دوسرا مفعول اسیطرح ان کیلئے بھی دو اسم لازم ہیں ایک اسم دوسرا خبر۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فعل متعدی فاعل کو مرفوع اور مفعول کو منصوب کیوں کرتے ہیں اور یہاں ایسا نہیں بلکہ یہ اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ عمل میں یہ حروف فعل کے مشابہ نہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ کلمہ حروف چونکہ عمل میں متعدی کی فرع ہیں لہذا مناسب ہے کہ ان کا عمل فعل کی فرع ہو جاننا چاہیے کہ یہ عمل مذکور بصریین کے مذہب ہے اور کوفیوں کا مذہب یہ کہ یہ حروف مشبہ باسم واحد میں فقط نصب کا عمل کرتے ہیں اور خبر جسطرح ان حروف کے داخل ہونے سے قبل مرفوع تھی اسیطرح ان حروف کے داخل ہونیکے بعد بھی مرفوع رہتی ہے غرضیکہ کوفیوں کے نزدیک خبر میں ان کا اثر لفظاً کچھ نہیں ہوتا ہے۔ **قولہ فخبر ان الخ** یعنی کلام میں بعد داخل ہونے احد ہذہ الحروف کے جو مسند ہو وہ خبر ہے۔ اس تعریف میں قولہ المسند جنس ہے خبر کان اور خبر مبتدا اور خبر لائے نفی جنس سب کو شامل ہے اور قولہ بعد دخول ہذہ الحروف فصل ہے اس سے یہ سب اخبار خارج ہو جاتی ہے اب اگر کوئی کہے کہ ان زیدا یقوم ابوہ میں یقوم بعد داخل ہونے ان کے مسند ہے لہذا خبر کی تعریف اس پر صادق آتی ہے حالانکہ وہ خبر نہیں بلکہ خبر مجموعہ یقوم ابوہ ہے جواب یہ ہے کہ مراد دخول احد ہذہ الحروف سے یہ ہے کہ اس کا اثر لفظاً یا معناً اس مسند تک پہنچ جاوے پھر اثر لفظی تو یہ کہ وہ بعد داخل ہونے حروف مشبہ بالفعل کے مرفوع ہو جائے لفظاً یا تقدیراً یا محلاً اور اثر معنوی یہ ہے کہ مدلول مسند مسند الیہ کیلئے علی وجہ التحقیق ہو۔ پس یہاں ان نے بایں معنی اپنا اثر جملہ یقوم ابوہ میں کیا ہے نہ کہ صرف یقوم میں اسلئے کہ یقوم ابوہ کیطرف مسند ہے نہ کہ اسم ان یعنی زید کیطرف **قولہ حکمہ الخ** حکم کے بیان معنی حال اور شان کے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اثر کے معنی میں ہے یعنی خبر ان واخواتہا کا حال اسکے مفرد اور جملہ اسمیہ یا فعلیہ یا شرطیہ یا ظرفیہ ہونے میں ایسا ہی ہے معرفہ اور نکرہ ہونے میں اور متعدد یا متواحد مثبت اور منفی اور محذوف اور عائد کے وجوب کی شرائط میں جسوقت کہ جملہ ہو اور دیگر حالات میں مبتدا کی خبر کے حال کے مانند یعنی جو مبتدا کی خبر کا حال ہوتا ہے ان حالات میں وہی ان حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا حال ہے اسپر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب ان کا حکم مبتدا کی خبر کا حکم ہے اس سے لازم آتا ہے کہ جو مبتدا کی خبر ہو سکتی ہے وہ ان کی بھی ہو سکتی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ بہت سی چیزیں جو مبتدا کی خبر ہو سکتے ہیں لیکن انکی خبر نہیں ہو سکتے ہیں جیسے این زید کہ این مبتدا کی خبر ہوتا ہے اور انکی خبر نہیں ہو سکتا ہے چونکہ این صدارۃ کو چاہتا ہے وہ مفقود ہو جاتی ہے جواب یہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان حروف کی خبر کا حکم دیئے جو مبتدا کی خبر کا حکم تھا اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان حروف کی خبر ہونے کی جو شرائط ہیں جب وہ پائی جاویں اور موانع کا ارتفاع ہو جاوے جب ان حروف کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کا حکم ہے لہذا اب اعتراض لازم نہیں آتا ہے۔ **قولہ لا یجوز تقدیم اخبارہا الخ** یعنی جسطرح مبتدا کی خبر کی تقدیم مبتدا پر جائز ہے اسطرح انکی خبروں کی تقدیم انکے اسموں پر جائز نہیں ہے چونکہ یہ حروف عمل میں ضعیف ہیں اور قاعدہ ہے کہ عامل ضعیف ترتیب اصلی کیوقت عمل کرتا ہے پس جب ترتیب بدل گئی یعنی ان وغیرہ کی خبر انکے اسم پر مقدم ہو گئی تو وہ بوجہ ضعف عمل کیوجہ سے عمل نہ کرینگے۔ **قولہ الا اذا کان الخ** یہ استثناء مفرغ ہے یعنی جائز نہیں ہوتی ان حروف کی خبر کی تقدیم ان کے اسموں پر کسی وقت میں مگر جسوقت کہ خبر ظرف ہو حاصل یہ کہ ان وغیرہ کی خبر جب ظرف ہوگی تو اس وقت خبر کی تقدیم ان کے اسماء پر جائز ہوگی۔ بشرطیکہ اسم معرفہ ہو جیسے ان الینا ایابہم اور جب اسم نکرہ ہو تو خبر کی تقدیم اسم پر واجب ہوگی جیسے ان من البیان لسحرا و ان من الشعر لحکمۃ اس واسطے کہ ظرف میں زیادہ وسعت ہے پس ان قائم زیدا نا جائز اور ان فی الدار زیدا جائز ہے۔ ۱۲۔ ۱۲۔ ۱۲۔ ۱۲۔ ۱۲۔ ۱۲۔ ۱۲۔ ۱۲

لمجال التوسّع فی الظروف **فصل** اسمُ کان واخواتِہا وھی صارَ واصبحَ وامسیٰ واضحیٰ وظلّ وباتَ وراحَ وآضَ وعادَ وغدا وما زالَ وما برحَ وما فتئَ وما انفکّ وما دامَ ولیس فھٰذہِ الافعالُ تدخلُ ایضاً علی المبتدأ والخبرِ فترفعُ المبتدأَ ویُسمّٰی اسمَ کانَ وتنصبُ الخبرَ ویُسمّٰی خبرَ کانَ فاسمُ کانَ ھو المسندُ الیہ بعدَ دخولِھا نحو کانَ زیدٌ قائماً ویجوزُ فی الکلّ تقدیمُ اخبارِھا علٰی اسمائِہا نحو کانَ قائماً زیدٌ وعلٰی نفسِ الافعالِ ایضاً فی التسعۃِ الاُول نحو قائماً کانَ زیدٌ ولا یجوزُ ذٰلکَ فی ما فی اولہ ما فلا یُقالُ قائماً ما زالَ زیدٌ

قولہ لمجال التوسع۔ جار مجرور جاز کے متعلق ہے جو کہ استثناء سے مستفاد ہوتا ہے یعنی انما جاز تقدیمہا لکونہا ظرفا لمجال التوسع اپنی خبر کے ظرف ہونے کے وقت میں ان کے اسموں پر تقدیم جائز ہے ظروف میں توسع کے مجال کی وجہ سے یعنی ظروف میں ایسی توسع ہے جو اس کے غیر میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ہر حدث زمان اور مکان سے خالی نہیں ہے۔ لہذا ظروف حدث کیواسطے محارم کے مانند ہے اور محارم کے لیئے کچھ مانع نہیں ہوتا ہے۔ محارم وہاں بھی داخل ہوتے ہیں جہاں غیر محارم داخل نہیں ہوتے ہیں **قولہ اسم کان الخ** یہ فصل کان اور اس کے نظائر کے اسم میں کان کا استعمال چونکہ کثیر ہے اسی وجہ سے اس کو مقدم کر دیا اور باقی کو اس کی نظائر قرار دیا۔ جاننا چاہیے کہ شیخ ابن حاجب نے کان وغیرہ کے اسم کو مرفوعات میں علیحدہ ذکر نہیں کیا کیونکہ اس نے اس کو فاعل میں داخل کر دیا تھا اس لیے کہ اس کے نزدیک یہ فاعل ہے اور فاعل کے ساتھ ملحق نہیں ہے اور بعض نحاۃ اس امر کی طرف گئے ہیں کہ یہ اسم فاعل کے ساتھ ملحق ہے اور فاعل نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں پر وہ مشتق ہے جو فاعل کے ساتھ لازم ہے یعنی کلام کا اس کے ساتھ تمام ہونا مصنف نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ اور فاعل میں اس کو داخل نہیں کیا بلکہ اس کو علیحدہ ذکر کیا ہے **قولہ وہی۔** یعنی کان کے اخوات اور نظائر جاننا چاہیے کہ یہ کل سترہ فعل ہیں ان کو افعال ناقصہ کہتے ہیں بحث فعل میں ان کو ناقصہ کہنے کی وجہ آئے گی اور وہیں ان کے معنی بیان کیے جائیں گے۔ **قولہ ترفع المبتدا۔** یعنی ان میں سے ہر ایک مبتدا کو رفع دیتا ہے اس اعتبار سے کہ وہ ان کے اثر کے بعد بظاہر فاعل ہے اور اس مبتدا کو ان کے اثر کے بعد کان اور اس کے نظائر کا اسم کہتے ہیں اور محض ان کے دخول سے اسم نہیں کہتے ہیں اور خبر کو نصب دیتے ہیں اس بنا پر کہ وہ خبر بظاہر مفعول بہ کے مشابہ ہے اور اس خبر کو ان کے عمل کرنے اور اثر کرنے کے بعد ان کی خبر کہتے ہیں جاننا چاہیے کہ یہ مبتدا اور خبر ان کے دخول اور اثر کے بعد فی الحقیقت فاعل اور مفعول نہیں ہوتے بلکہ فاعل اور مفعول کے مشابہ ہوتے ہیں کیونکہ انکا فاعل فی الحقیقت ان کی خبر میں جو معنی مصدری ہوتا ہے وہ ہوتا ہے مثلا کان زید قائم میں قیام جو معنی مصدری خبر میں ہے۔ وہ فاعل کان ہے کیونکہ کان کی اسناد جو زید کی طرف ہو رہی وہ مقصود نہیں ہے بلکہ اس کی نسبت جو معنی مصدری کی طرف ہے وہ مقصود ہے۔ لہذا اس مثال میں زید کا مرفوع ہونا فاعلیت کی بنا پر ظاہر کے اعتبار سے ہے اس وجہ سے انکا مرفوع اور منصوب فی الحقیقۃ فاعل اور مفعول بہ نہیں ہے اسی وجہ سے انکے مرفوع کو اسم اور منصوب کو خبر کہتے ہیں اور فاعل اور مفعول نہیں کہتے ہیں۔ **قولہ ہو المسند الیہ۔** یعنی کان اور اس کے نظائر کا اسم وہ مرفوع اسم ہے جس کی طرف کسی شے کی نسبت ان افعال کے دخول کے بعد یعنی جب یہ وارد ہو کر اپنا اثر کر چکے تو اس کے بعد جس کی طرف نسبت ہوئی اس کو کان اور اسکے نظائر کا اسم کہتے ہیں مسند الیہ اس میں جنس ہے ہر مسند الیہ کو شامل ہے جیسے مبتدا اور ما ولا مشتبہین بلیس کا اسم وغیرہ بعد دخولہا فصل ہے۔ اس سے تمام وہ اسماء خارج ہو گئے جو ان کے دخول کے بعد مسند الیہ نہیں ہوتے ہیں بعد دخول سے مراد جب تاثیر ہو گئی تو اب نحو جو کان زید یضرب ابوہ میں اس وجہ سے جو اعتراض پڑتا ہے اب نہیں پڑیگا کیونکہ کان کا اثر ابوہ میں نہیں ہو رہا ہے **قولہ یجوز فی الکل الخ** یعنی ان تمام افعال میں بلا خلاف بین النحاۃ یہ امر جائز ہے۔ کہ ان کی خبروں کو ان کے اسموں پر مقدم کر دیا جائے یعنی یہ افعال چونکہ عمل میں قوی ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے منصوب کو ان کے مرفوع پر مقدم کرنا جائز ہے لہذا کان قائما زید ایسے [illegible] اور کان خیرا من زید شر من عمرو بولنا جائز ہے۔ مگر یہ تقدیم منصوب علی المرفوع اس وقت تک جائز ہے جبتک کہ التباس نہ ہو اور اگر التباس ہوتا ہو جیسے جبکہ دونوں اسم مقصور ہوں اور کوئی معنوی ایسا قرینہ بھی نہ ہو جس سے اسم اور خبر متعین کیا جا سکے۔ تو اس وقت تقدیم خبر اسم پر درست نہ ہوگا جیسے ما کان عیسیٰ موسیٰ بلکہ اسوقت اول اسمیت کیلیے متعین ہو جاویگا۔ **قولہ وعلی نفس الافعال الخ** یعنی جس طرح اسماء پر اخبار کی تقدیم جائز ہے اسیطرح انکی اخبار خود ان افعال پر مقدم کرنا جائز ہے لیکن یہ تقدیم کل میں جائز نہیں بلکہ اول کے نو میں درست ہے یعنی کان سے لے کر راح تک میں لہذا قائما کان زید بول سکتے ہیں اور ان کے علاوہ میں جن کے اول میں ما ہے تقدیم درست نہیں ہے ان نو میں۔ اسوجہ سے درست ہے کہ یہ عامل فعل ہیں اور فعل عمل میں قوی ہوتا ہے۔ اور جو عمل میں قوی ہو اس کے معمول کی تقدیم

(باقی بر صفحہ ۷۸ پر)

✦ ✦ ✦

وفی لیس خلافٌ وباقی الکلام فی ھٰذہ الافعال یجیءُ فی القسم الثانی ان شاء اللّٰہ تعالٰی فصل اسم ما ولا المشبّھتین بلیس وھو المسند الیہ بعد دخولھما نحو ما زیدٌ قائمًا ولا رجلٌ افضل منک ویختصّ لا بالنکرۃ ویعمّ ما بالمعرفۃ والنکرۃ فصل خبر لا لنفی الجنس وھو المسند بعد دخولھا نحو لا رجل قائمٌ ۔

(بقیہ حاشیہ ص) اس پر درست ہوتی ہے۔ جب تک کہ کوئی مانع نہ ہو۔ البتہ جب کوئی مانع ہو جیسا کہ باقی افعال ناقصہ ہیں باجرا ئکے اول میں ما نفی ہے۔ وہاں پر تقدیم درست نہیں ہوتی ہے لہٰذا ان افعال میں سے جن کے اوّل میں ما ہے انپر اخبار کی تقدیم درست نہیں ہے مادام میں تو یہ ما مصدریہ اور باقی میں ما نافیہ اور دونوں صدارۃ کو مقتضی ہیں اسوجہ سے تقدیم درست نہیں ورنہ صدارۃ فوت ہو جائیگی ابن کیسان اس میں خلاف کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مادام کے سوا سب میں تقدیم اخبار خود ان افعال پر درست ہے کیونکہ یہاں ما نافیہ اثبات کیلئے ہے چونکہ یہ افعال نفی پر دال ہیں اور نفی کی نفی اثبات ہوتی ہے۔ لہٰذا ما زال زید عالمًا کے معنے ہیں کان زید عالمًا دائمًا (حاشیہ صفحہ ہٰذا) **قولہ وفی لیس خلاف**۔ یعنی اس میں اختلاف ہے کہ لیس کی خبر آیا خود لیس پر مقدم کی جا سکتی ہے یا نہیں سیبویہ کہتا ہے کہ اسکا حکم وہی ہے جو ان افعال کا ہے جنکے اوّل میں ما ہے یعنی اس کی خبر اس کے اوپر مقدم کرنا درست نہیں ہے اور اکثر بصری کہتے ہیں کہ تقدیم درست ہے چونکہ اسکے اول میں ما نہیں ہے زیادہ بحث اس کی مطولات میں ہے۔ **قولہ المشبہتین بلیس**۔ یعنی ما و لا دونوں لیس کے ساتھ مشابہ نفی اور دخول میں ہیں یعنی جس طرح لیس نفی کیواسطے آتا ہے اسی طرح یہ دونوں بھی اور جیسے لیس مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے اسیطرح یہ بھی داخل ہوتے ہیں **قولہ المسند الیہ**۔ یعنی ما و لا کا اسم وہ مسند الیہ ہے جو ان دونوں کے علی الانفراد داخل ہونیکے بعد ہوتا ہے جیسے ما زید قائمًا اور لا رجل افضل منک المسند الیہ اس میں جنس ہے جو کہ ہر مسند الیہ کو شامل ہے اور بعد دخولہما فصل ہے اس سے ما و لا کے اسم کے علاوہ سب خارج ہو گئے دخول سے مراد وہی ورود کے بعد اثر کرنے کے ہیں اس وجہ سے تعریف ابوہ سے جو کہ ما زید یضرب ابوہ میں ہے اعتراض نہیں پڑیگا۔ **قولہ ویختص لا بالنکرۃ**۔ یعنی لا نکرہ کے ساتھ مختص ہے اس سے مصنف ما اور لا دونوں کے درمیان جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے چنانچہ ان دونوں میں تین وجہ کے ساتھ فرق ہے اول لا نکرہ پر داخل ہوتا ہے اور وہ بھی بہت کم اور ما نکرہ اور معرفہ دونوں پر داخل ہوتا ہے (۲) لا مطلق نفی کے واسطے آتا ہے اور ما نفی حال کیواسطے آتا ہے (۳) لا کی خبر پر با کا داخل ہونا جائز نہیں ہے اور ما کی خبر پر با کا داخل ہونا جائز ہے اسیوجہ سے ما کو لیس کے ساتھ بہ نسبت لا کے زیادہ مشابہت ہے کیونکہ لیس بھی نفی حال کیواسطے آتا ہے۔ اور اس کی خبر پر با کا دخول جائز ہے اور چونکہ لا کی مشابہت لیس کے ساتھ ضعیف ہے اسیوجہ سے لیس کا عمل لا میں شاذ ہے اور مشابہت ضعیف اسوجہ سے ہے کہ لیس نفی حال کیواسطے آتا ہے اور لا مطلق نفی کے لیے جیسا کہ پہلے معلوم ہوا پھر جاننا چاہیے کہ لا د لات حین مناص میں لا مشابہ بلیس ہے جس پر تار تانیث زیادہ کردی گئی جیسا کہ ربتہ ثمت تاکید کیواسطے زیادہ کی گئی ہے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جب اس پر تا زیادہ ہو جاتی ہے تو اس کا دخول کس پر ہو اس میں اختلاف ہو گیا ہے خلیل اور سیبویہ کہتے ہیں کہ جہاں پر اسوقت اسکا دخول مخصوص ہو جاتا ہے۔ اس کے معمولوں میں سے ایک ہو گا دونوں کا ظہور ایکدم جائز نہیں ہے اخفش لکھتا ہے کہ یہ لا نفی جنس کا لا ہوتا ہے جس پر تا زیادہ کی گئی ہے۔ اور اس کا دخول احیان کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے نزدیک قولہ حین مناص منصوب ہے اور اس کی خبر محذوف ہے لے لات حین مناص لہم اور ان دونوں کے نزدیک حین مناص خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور اسم محذوف ہے اے ولات الحین حین مناص بمعنی لیس الحین حین مناص اور بعض کہتے ہیں کہ بغیر عامل ہے اور نصب اس کے بعد فعل کے اضمار کے سبب سے ہے اے ولات حین کان مناص **قولہ لنفی الجنس**۔ یعنی من کلمہ مرفوعات کے لا لنفی جنس کی خبر ہے اور چونکہ یہاں لا سے ذات کی نفی نہیں ہوتی جیسے لا رجل قائم میں ذات رجل کی نفی نہیں بلکہ صفت رجل یعنی قیام کی نفی ہے۔ لہٰذا تقدیر عبارت یہ ہے کہ خبر لا التی لنفی صفۃ الجنس **قولہ ہو المسند**۔ یعنی کلام میں اس لا کے داخل ہونے کے بعد جو مسند ہوتا ہے وہ لا نفی جنس کی خبر ہے پس قولہ ہو المسند خبر مبتدا اور خبر ان وغیرہ سب کو شامل ہے اور قولہ بعد دخولہا میں ان سب سے احتراز ہے اور مراد دخول سے وہی ہے جو خبر ان میں گزرا پس اس وقت لا رجل یضرب ابوہ میں یضرب سے اعتراض وارد نہ ہوگا۔ اور وجہ لا نفی جنس کی خبر کے مرفوع ہونے کی یہ ہے۔ کہ یہ ان وغیرہ کی طرح تاکید کے لئے آتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ان اثبات کی تاکید کرتا ہے اور لا نفی جنس کی نفی پس جب مطلق تاکید میں دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں تو ان کا حکم بھی یکساں ہو گا حملاً للنقیض یا حملاً للنظیر علی النظیر **قولہ لا رجل قائم**۔ اس مثال میں قائم لا کے اثر کرنے کے بعد رجل کی طرف مسند ہے اس وجہ سے مرفوع ہے۔ جاننا چاہیے کہ نحاۃ کا اس میں تو اتفاق ہے یہ لا اسم کے لئے ناصب ہے جو کہ اس کے متصل ہوتا ہے اور اسکی خبر کے رفع میں اختلاف کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ لا کے دخول سے پہلے جیسے ابتدار کی بنار پر مرفوع ہے۔ لہٰذا لا مع اپنے اسم کے مبتدار ہو گا اور مابعد اس کا خبر مبتدار کی اور یہ سیبویہ کا مذہب ہے۔ مبرد اور اخفش اور زمخشری کہتے ہیں کہ خبر بھی رفع لا کی وجہ سے ہے نہ ابتدار کی بنا پر۔ ۱۲

* * *

المقصدُ الثانی فی المنصوباتِ الاسماءُ المنصوبۃُ اثنا عشر قسماً المفعولُ[۱] المطلقُ
وبہٖ[۲] وفیہ[۳] ولہٗ[۴] ومعہٗ[۵] والحالُ[۶] والتمییزُ[۷] والمستثنٰی[۸] واسمُ[۹] اِنَّ واخواتِہا وخبرُ[۱۰] کان واخواتِہا
والمنصوبُ[۱۱] بلا التی لنفی الجنسِ وخبرُ[۱۲] ما ولا المشبّہتین بلیس فصل المفعولُ المطلقُ

* * *

قولہ فی المنصوبات ۔ مصنفؒ منصوبات کو مرفوعات کے بعد اور مجرورات سے پہلے اسوجہ سے لایا کہ جس طرح مرفوعات میں ایک عامل ہوتا ہے اسی طرح منصوبات میں بھی ایک عامل ہوتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ عامل واحد میں دونوں شریک ہوتے ہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ جو لفظ میں منصوب ہوتا ہے وہ کبھی معنی میں مرفوع بھی ہوتا ہے ۔ ایسے ہی بالعکس اسوجہ سے مناسب یہ ہوا کہ مرفوعات کے بعد منصوبات لائے جائیں نہ مجرورات نیز منصوبات بالنسبۃ مجرورات کے زیادہ بھی ہیں اور کثرۃ بیان میں مقصود ہوتی ہے ۔ اور جو مقصود ہوتی ہے اس کو مقدم کیا جاتا ہے اسوجہ سے مجرورات پر منصوبات کو مقدم کر دیا نیز یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ منصوب کیا چیز ہے تو جاننا چاہیے کہ منصوب وہ اسم ہے کہ جو اسم کے مفعول ہونیکی علامت پر مشتمل ہو ۔ خواہ مفعول حقیقتاً ہو یا حکماً اور یہ تعمیم اسلئے ہے کہ منصوب کی یہ تعریف منصوب اصلی (مفاعیل خمسہ) اور ان منصوبات کو شامل ہو جائے کہ جو مفعولوں کیساتھ ملحق ہیں ۔ اسم کے مفعول ہونیکی چار علامتیں ہیں ۔ فتحہ ۔ کسرہ ، الف ، یا ، جیسے رایت زیداً و مسلمات و رایا مسلمین اب اگر کوئی کہے کہ بعض اسماء ایسے ہیں کہ جن میں علامات مفعولیت کی پائی جاتی ہیں ۔ مگر وہ منصوبات سے نہیں پس تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی جیسے مررت بمسلمات میں مسلمات کسرہ علامت مفعولیت پر مشتمل ہے مگر اسکو منصوب نہیں کہتے بلکہ مجرور ہے جواب یہ ہے کہ تعریف منصوب میں قید حیثیت معتبر ہے یعنی منصوب وہ ہے کہ جس میں مفعولیت کی علامت اس حیثیت سے پائی جائے کہ وہ علامت مفعولیت کی ہے اور ظاہر ہے کہ کسرہ مثال مذکور میں چونکہ اس حیثیت سے نہیں لہذا مسلمات تعریف مذکور سے خارج ہے ۔ **قولہ الاسماء المنصوبۃ الخ** ۔ یعنی منصوب اسماء بارہ قسم ہیں ان میں سے اول کے پانچ کو اصول منصوبات کہتے ہیں اور باقی کو ملحقات کہتے ہیں ایک شاعر فارسی مفاعل خمسہ کی تعداد میں کہتا ہے ۔ مفاعیل ہمہ پنج است بشنوی بزلہ و مطلق و معہٗ و بہ ۔ ایک عربی شاعر بھی کہتا ہے وہ حمدت وحامدًا احمدُ احمیدًا ، رعایۃ شکرہ دھراً مدیدًا سیرافی نے ایک چھٹا مفعول بھی مزید کیا ہے اور اسکا نام مفعول عنہ رکھا ہے جیسے قولہ تعالی واختار موسی قومہ ای من قومہ اس پر رد کیا ہے کہ اگر اسطرح نام رکھنا درست ہو جیسا کہ دخلت البیت میں کہ اصل دخلت الی البیت تھا الی کے ذریعہ متعدی ہے پس الی کو حذف کر دیا ہے ۔ ایسے ہی ایک مفعول علیہ ہو جیسا کہ ملتمس کا قول ہے ۔ ابیت جنب العراق والدہر ۴ العراق مفعول علیہ ہے چونکہ علی کو حذف کرکے فعل کو بنفسہ پہنچا دیا ہے حاصل یہ ہوا کہ اگر اسیطرح مفاعیل کی تعداد زیادہ کرنی ہو تو جس حرف کو حذف کرکے فعل بنا تو وصل کیا ہے اسکا وہی نام ہو جائے ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔ اسوجہ سے تمہارا مفعول عنہ زیادہ کرنا درست نہیں ہے زجاج نے مفعول لہ اور معہ کو ساقط کر دیا ہے ۔ . . . . مفعول معہٗ کو مفعول بہ میں داخل کیا ہے ۔ اور مفعول لہ کو مفعول مطلق میں اسکے نزدیک کل تین مفعول رہ جاتے ہیں منصوبات کی وجہ ضبط ان بارہ قسموں میں یہ ہے کہ منصوب کا عامل تین حال سے خالی نہیں یا فعل ہے یا شبہ فعل یا حروف اول اور ثانی تقدیر پر انکا معمول اصول منصوبات سے یا ملحقات سے اول جزو فعل ہے یا نہیں اول مفعول مطلق ہے اور ثانی یا فعل اس پر واقع ہے یا واقع ہے ۔ اول مفعول بہ ہے ۔ اور ثانی فیہ اور ثالث لہ اور رابع معہ اور اگر معمول ملحقات سے ہے تو معمول مبین ہے یا نہیں ثانی مستثنٰی ہے اور اول دو حال سے خالی نہیں یا مبین ذات ہے یا صفات اول تمیز اور ثانی حال ہے اور اگر منصوب کا عامل حرف ہے تو اس عامل کا معمول مسند الیہ ہے یا مسند ہے اور اگر مسند الیہ ہے تو وہ کلام موجب میں ہے ۔ یا غیر موجب میں اول معمولات حروف مشبہ بالفعل ہے اور ثانی لائے نفی جنس کا اسم اور اگر مسند ہے تو وہ بھی ان دو حال سے خالی نہیں اول افعال ناقصہ کی خبر ہے سوائے لیس کے اور ثانی لیس ما و لا کی خبر ہے واللہ اعلم بالصواب ۔ **قولہ المفعول المطلق** ۔ مطلق یعنی منصوبات میں سے ایک مفعول مطلق ہے مفعول مطلق کو تمام مفعولوں پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس مفہوم پر بلا قید زائد دلالت کرتا ہے بخلاف باقی مفعولوں کے کسی میں بہ کی قید ہے اور کسی میں قید فیہ یا معہ یا لہ کی ہے اور چونکہ قاعدہ ہے کہ مطلق مقید پر طبعًا مقدم ہوتا ہے لہذا ذکر میں بھی اسکو مقدم لیا گیا تاکہ وضع طبع کے مطابق ہو جائے اور اگر کوئی کہے کہ مفعول مطلق مطلق نہیں بلکہ یہ قید اطلاق کیساتھ مقید ہے جو کہ بشرط لا شیء کا درجہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسکو مفعول مطلق کہتے ہیں صرف مفعول بدون ذکر مطلق کے نہیں کہتے ۔ جواب یہ ہے کہ ذکر لفظ مطلق کا بیان تقیید کے لیے نہیں بلکہ بیان مفہوم کے لئے ہے اور وجہ یہ ہے کہ قید ہمیشہ مقید سے خارج ہوتی ہے اور یہ اطلاق مفہوم مفعول مطلق میں داخل ہے اس سے خارج نہیں کہ قید ہو نیز وجہ تقدیم مفعول مطلق میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مفعول مطلق کو فاعل کیساتھ مشابہت ہے اس لیے کہ وہ اور فاعل دونوں فعل کے جزو ہیں ۔ پس جسطرح پر کہ فاعل کو افضل ہونیکی حیثیت سے تمام مرفوعات پر مقدم کرتے ہیں اسی طرح مفعول مطلق کو فاعل کیساتھ مشابہت رکھنے کی وجہ سے تمام منصوبات پر مقدم کرتے ہیں باقی رہا یہ امر کہ مفعول مطلق اور فاعل دونوں فعل کے جزو ہیں یا نہیں سو اسکا جواب یہ ہے کہ ما قبل مذکور ہو چکا ہے کہ فعل تین جزوں سے مرکب ہوتا ہے (۱) معنی مصدری جو کہ مفعول مطلق ہے (۲) اقتران بالزمان (۳) نسبت الی فاعل ۔ پس ثابت ہوا کہ فاعل اور مفعول مطلق اجزا فعل میں سے ہیں ۔ اور اس اعتبار سے وہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ۔

وهو مصدرٌ بمعنى فعلٍ مذكورٍ قبلَهٗ ويذكر للتاكيد كضربتُ ضربًا اَوْ لبيانِ النوع نحو جلستُ جِلسةَ القارِي اَوْ لبيان العددِ كجلستُ جَلسةً اوجلستَيْنِ اوجَلَسَاتٍ وقد يكون من غير لفظِ الفعلِ المذكور نحو قعدتُ جُلوسًا وانبتَّ نباتًا وقد يُحذف فعلُهٗ لقيام قرينةٍ جوازًا كقولك للقادم خيرَ مقدمٍ اَيْ قدمتَ قُدُومًا خيرَ مقدمٍ

قولہ وہو مصدر۔ یعنی مفعول مطلق مصدر ہے جو ایسے فعل کے معنی پر شامل ہو۔ جو اس مصدر سے پہلے مذکور ہو۔ غرضیکہ مفعول مطلق مصدر ہوتا ہے۔ جو معنی مصدری میں فعل مذکور کے ساتھ شریک ہوتا ہے اور دونوں کا فاعل ایک ہوتا ہے۔ مصدر سے مراد یہاں پر عام ہے خواہ حقیقی ہو جیسے ضرب زید ضربًا میں خواہ حکمی ہو جیسے ویحۃً اہلکہ اللّٰہ ویحۃً میں جو واقع ہے اگرچہ اسم عین مصدر نہیں ایسے اہلکہ اللّٰہ جندلًا میں جندلًا اگرچہ اسم عین ہے۔ یعنی شکستن مگر دعا میں مصدر کے قائم مقام ہو گئے یہاں پر مراد ان سے ہلاک ہے اور یعنی فعل مشتمل کے متعلق ہو کر مصدر کی صفت ہے فعل سے مراد معنے مصدری حدثی ہے خواہ فعل اصطلاحی کے ضمن میں ہو یا اسماء مشتقات کے جب فعل سے مراد معنی مصدری حدثی ہو گئے۔ تو اب اس کی صفت مذکور درست ہو گئی۔ کیونکہ معنی مصدری مراد نہ ہو تو پھر مذکور فعل کی صفت درست نہیں ہوتی اسی وجہ سے زمان اور نسبت قابلِ ذکر نہیں ہے۔ جو کہ فعل اصطلاحی سے متبادر ہوتے ہیں چونکہ فعل اصطلاحی معنی مصدری اور زمان اور مکان سے مرکب ہے مصدر کے قبل مذکور ہونے سے عام مراد ہے خواہ حقیقتًا مذکور ہو جیسے ضربت ضربا خواہ حکمًا مذکور ہو جیسے ضرب الرقاب اس لیے کہ تقدیر یہ ہے فاضربوا ضرب الرقاب خواہ وہ اسم ہو۔ جو معنی فعل پر شامل ہو۔ جیسے زید ضارب ضربًا اس سے وہ مصدر نکل گیا جہاں پر اس سے پہلے فعل نہ حقیقتًا مذکور ہو اور نہ حکمًا۔ جیسے الضرب واقع علی زید غرضیکہ ایسا مصدر مفعول مطلق نہ ہوگا اسی وجہ سے الضرب مفعول مطلق نہیں ہے ایسے ہی کرہت قیامی میں جو قیامی مصدر ہے مفعول مطلق نہیں ہے کیونکہ اگرچہ قیام مصدر ہے جس سے پہلے فعل بھی ہے مگر یہ مصدر فعل مذکور کے معنی میں نہیں ہے اس وجہ سے مفعول مطلق ہونے سے خارج ہے سوال سوطًا جو کہ ضربت سوطًا میں واقع ہے اس کو تم مفعول مطلق کہتے ہو حالانکہ فعل مذکور قبلہ کے معنی میں نہیں ہے اس لیے اس کا مفعول مطلق ہونا درست نہیں جواب ضربت سوطًا اصل میں یا ضربت ضربًا بالسوط یا ضربت ضرب سوط تھا اسی وجہ سے اس کا مفعول مطلق ہونا درست ہے مصنف کی یہ تعریف مات موتًا اور جسم جسامۃ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ چونکہ موتًا ایسے ہی جسامۃ مصدر ہیں جن سے پہلے فعل مذکور ہے۔ جو کہ ان کے معنی میں ہے نیز یہاں پر بہت بحثیں ہیں جو کہ شروح کافیہ میں مذکور ہیں۔ **قولہ ویذکر الخ** اب مصنف مفعول مطلق کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم شروع کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مفعول مطلق کبھی تاکید فعل کے لیے ذکر کیا جاتا ہے یعنی جو معنی کہ فعل سے مستفاد ہوتے ہیں ان ہی پر مفعول مطلق دلالت کرتا ہے ان سے زائد کسی معنی پر دلالت نہیں کرتا ہے جیسے ضربت ضربًا اور کبھی بیان نوع کے لیے ذکر کیا جاتا ہے جیسے جلست جلسۃ القاری یعنی بیٹھا میں قاری کا بیٹھنا مفعول مطلق نوع کے واسطے اس وقت ہوتا ہے جبکہ مصدر کا مدلول فعل کی بعض انواع ہوں اور کبھی بیان عدد کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔ یعنی وحدۃ یا کثرۃ پر دلالت کرنے کیلئے اور ایسا اسوقت ہوتا ہے جب کہ مفعول مطلق کا مدلول عدد ہو خواہ لفظ مصدر سے عدد مفہوم ہو یا کسی اور لفظ سے جیسے جلست جلسۃً اور جلستین اور جلسات کہ ان امثلہ میں عدد لفظ مصدر سے مفہوم ہو رہا ہے اور ضربت ضربًا کثیرًا کہ اس میں صفت کثیرًا سے عدد مفہوم ہو رہا ہے۔ جاننا چاہیے کہ جو مفعول مطلق تاکید کے واسطے آتا ہے وہ تثنیہ جمع نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ ماہیت فعل پر دلالت کرتا ہے اور ماہیت میں تعدد نہیں اور جب مفعول مطلق بیان نوع اور عدد کے لیے آتا ہے تو وہ تثنیہ اور جمع ہو جاتا ہے **قولہ وقد یکون من غیر لفظ الفعل۔** یعنی کبھی مفعول مطلق اپنے فعل کے لفظ سے مغائر لفظ کیساتھ ہوتا ہے، خواہ یہ مغائرت باعتبار مادہ کے ہو جیسے قعدت جلوسًا یا باعتبار باب کے جیسے وتبتل الیہ تبتیلًا یا باب اور مادہ دونوں کے اعتبار سے جیسے فاوجس فی نفسہ خیفۃً موسیٰ کہ یہاں ایجاس باب افعال سے بمعنی در دل افگندن ترسیدن کے ہے (کذا فی الصراح) لیکن با ایں ہمہ یہ ضرور ہے کہ مفعول مطلق باعتبار معنی کے کبھی اپنے فعل کے مغائر نہ ہوگا۔ اور نہ اس کا مفعول مطلق ہونا صحیح ہوگا۔ **قولہ قد یحذف فعلہ الخ** یعنی کبھی مفعول مطلق کے فعل ناصب کو بوقت قائم ہونے قرینہ حالیہ یا مقالیہ کے حذف کر دیتے ہیں اور یہ حذف کرنا جائز ہے واجب نہیں جیسا کہ اس شخص کو جو سفر سے آئے خیر مقدم کہیں ای قدمت قدومًا خیر مقدم پس اول قدمت کو کہ ناصب مفعول مطلق ہے بہ قرینہ حال مخاطب کے حذف کیا۔ اس کے بعد قدومًا کو حذف کر کے اس کی صفت یعنی خیر مقدم کو اسکا قائم مقام کیا اور اگر کوئی کہے کہ خیر اسم تفضیل ہے۔ اصل میں اخیر تھا بوجہ کثرت استعمال کے خلاف قیاس اسی الف کو حذف کیا گیا اور جب خیر اسم تفضیل ہے تو مفعول مطلق کیونکر ہوگا (باقی بر صفحہ ۸۱ پر)

◆ ◆ ◆

وجوبًا سماعًا نحو سقيًا وشكرًا وحمدًا ورعيًا اى سقاك الله سقيا وشكرتك شكرا وحمدتك حمدا ورعاك الله رعيا

فصل المفعول به

وهو اسم ما وقع عليه فعل الفاعل كضرب زيدٌ عمرًا

(متعلقہ حاشیہ ص۸۰) اسلئے کہ مفعول مطلق کیلئے مصدر ہونا ضروری ہے۔ کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ۔ جواب یہ ہے کہ اسم تفضیل جب کسی چیز کی صفت یا کسی چیز کیطرف مضاف ہو تو پھر وہی اس کے موصوف اور اس کے مضاف الیہ کی کرتے ہیں۔ یعنی اسکے معنی معنی موصوف اور معنی مضاف الیہ کیطرف منقلب ہو جاتے ہیں۔ پس مثال مذکور میں چونکہ اسم تفضیل کی اضافت مقدم مصدر میمی کیطرف ہے لہذا حسب تقریر مذکور یہ وہ مصدر ہوگا اور اس اعتبار سے اس کو مفعول مطلق کہنا درست ہو جاوے گا نیز کہہ سکتے ہیں کہ اس کی مصدریت باعتبار مضاف محذوف کے ہے۔ ای تقدمت قدومًا خیر مقدم **قولہ وجوبًا** اس کا عطف جوازًا پر ہے اور درحقیقت معنی میں واجبًا کے ہو کر یہ مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے ای یحذف حذفًا واجبًا نیز سماعًا بھی معنی میں سماعیًا کے ہو کر مفعول مطلق کی صفت ثانی ہے۔ یعنی کبھی مفعول مطلق کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے اور وہ دو قسم پر ہے پہلی قسم سماعی کہ جس میں ناصب مفعول مطلق کے حذف پر کوئی قاعدہ اور ضابطہ مقرر نہیں کہ جس پر دوسرے مفعول کو قیاس کیا جا سکے بلکہ اسکا حذف محض سماع پر موقوف ہے جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں اور دوسری قسم قیاسی ہے جس کو مصنف نے بوجہ اختصار کے چھوڑ دیا ہے **قولہ سقیًا الخ** ان مصادر مذکورہ میں افعال عاملہ کو از روئے وجوب حذف کیا گیا ہے اور دلیل یہ ہے کہ کلام عرب میں افعال عاملہ کا استعمال مصادر مذکورہ میں دیکھا نہیں گیا اور یہی غرض سماعًا وجوب حذف سے ہے **قولہ المفعول بہ** جار مجرور دراصل میں مفعول مالم یسم فاعلہ تھا المفعول کیلئے یعنی الفعل الذی فعل بہ پھر یہ اصطلاح میں اس اسم کا نام ہو گیا جو اسکے ساتھ مصطلح ہے اور ضمیر مجرور در المفعول میں جو لام موصولہ ہے اس کی طرف راجع ہے **قولہ ہو اسم ما الخ** یعنی مفعول بہ اصطلاحی ایسی چیز کا اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ خواہ فعل مثبت ہو جیسے ضربت زیدًا یا منفی جیسے لم اضرب زیدًا۔ اب اگر کوئی کہے کہ مات زیدٌ میں زید فاعل ہے۔ حالانکہ مفعول بہ کی تعریف اس پر صادق آتی ہے اسلئے کہ موت زید پر واقع ہے جواب یہ ہے کہ مراد وقوع فعل فاعل سے یہ ہے کہ فعل فاعل سے صادر ہو کر مفعول بہ پر واقع ہو۔ اور یہاں ایسا نہیں اسلئے کہ موت فاعل سے صادر ہو کر زید پر واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ زید کی روح کے پرواز کر جانے سے متحقق ہوئی (فائدہ) **قولہ ما وقع علیہ فعل الفاعل** سے مفعول فیہ اور مفعول لہ اور مفعول معہ خارج ہو جائیں گے اس لیے کہ ان میں سے کوئی مفعول ایسا نہیں کہ جس پر فعل فاعل کا واقع ہو بلکہ یا تو اس میں یا اسکے لیے یا اس کے ساتھ فعل فاعل کا واقع ہے نیز اس قید سے مفعول مطلق بھی خارج ہو جائے گا اسلئے ما وقع علیہ فعل الفاعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فعل فاعل اور ما وقع علیہ الفعل میں مغائرت ہونی چاہیے اسلئے کہ ایک شیٔ اپنے نفس پر واقع نہیں ہوتی پس مفعول مطلق کہ عین فعل فاعل ہے۔ اس قید سے خارج ہو جائیگا اور تعریف مفعول بہ کی جامع مانع ہو جائے گی۔ اگر کوئی سوال کرے کہ مصنف نے لفظ اسم مفعول بہ کی تعریف میں کیوں زائد کر دیا اسکی کیا وجہ ہے جبکہ مقصود اس کے بغیر اختصار کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے جواب یہ ہے کہ قید اسم زیادہ نہ کرنے سے خلاف مقصود لازم آتا ہے اس لیے کہ اسوقت تعریف مذکور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفعول بہ اس معنے اور مدلول کو کہتے ہیں جس پر فعل واقع ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مفعول بہ وہ لفظ ہے جو اس معنے اور مدلول پر دلالت کرے اسلئے کہ نحوی لفظ سے بحث کرتے ہیں نہ کہ معنے سے اسوجہ سے مصنف نے لفظ اسم زائد کر دیا نیز جاننا چاہیے کہ وقوع سے مراد تعلق ہے یعنی فاعل کے فعل کا تعلق اس اسم کیساتھ اس طرح پر ہو کہ فعل اس تعلق کے بغیر مفہوم نہ ہو اور جب وقوع سے مراد تعلق ہو گیا تو ایاک نعبد وغیرہ سے اعتراض نہ ہوگا اگر کوئی کہے کہ مفعول بہ کی تعریف مانع نہیں کیونکہ مفعول مالم یسم فاعلہ پر صادق آتی ہے کیونکہ فعل متعلق اس کے ساتھ بالذات ہے باوجود اس کے وہ مفعول بہ منصوب نہیں ہے جواب فعل سے مراد وہ فعل ہے جسکی اسناد فاعل کیطرف اعتبار کی گئی ہو اور مفعول مالم یسم فاعلہ ایسا نہیں ہے نیز مراد فاعل سے عام ہے خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی لہذا درہمًا تعریف میں داخل ہو جاویگا جو کہ اعطی زید درہمًا میں واقع ہے چونکہ اعطی فاعل حکمی کیطرف مسند ہے تنبیہ فعل کا تعلق مفعول بہ کے ساتھ یا تو بغیر واسطہ حرف جر ہوتا ہے۔ کبھی وہ ایک ہوتا ہے۔ جیسے ضربت زیدًا اور کبھی زائد جیسے اعطیت زیدًا درہمًا واعلمت زیدًا عمرًا فاضلًا یا بواسطہ حرف جر کے جیسے مررت بزید اور اس کا نام مفعول بہ بحذف حرف جر بھی رکھتے ہیں لہذا اگر مفعول بہ کیلئے دو عامل ایک فعل اور ایک حرف ہوئے تو اگر دونوں ملفوظ ہو دیں تو جار کا عمل ظاہر ہوگا کیونکہ وہ اقرب ہے اور فعل کا عمل یعنی نصب ظاہر نہیں ہوگا کیونکہ اسم واحد دو اعراب کو قبول نہیں کرتا ہے لیکن تابع کو مجرور اور منصوب دونوں پڑھنا جائز ہوتا ہے جیسے مررت بزید وعمرٍو وعمرًا بالجر والنصب دونوں پڑھنا جائز ہے لیکن جر اجود ہے۔ اور نصب اس فعل کو مقدر کرنے کیساتھ ہوگا جو فعل مذکور کے موافق ہو گا اور متعدی بنفسہ ہوگا لہذا جب مررت بزید وعمرًا پڑھیں گے تو عمرًا جاوزت کیوجہ سے منصوب ہوگا جسکو یہاں پر محذوف قرار دینگے۔ اور اگر دونوں مقدر ہوں جیسے مثلاً کسی نے تم سے کہا کیف اصبحت تو تم نے اس کے جواب میں کہا خیر کہ اصل میں اصبحت بخیر تھا اسصورت میں جر اولی ہے کیونکہ مقدر ملفوظ کے حکم میں ہوتا ہے اور نصب جائز ہے لہذا خیر بالجر بولنا اجود ہوگا خیرًا بالنصب بولنے سے اور جسصورت میں کہ فعل مقدر ہو جائے تو اسصورت میں جر واجب ہوتا ہے جیسے بالذی اعبد بہ اور جسصورت میں کہ جار مقدر ہو اور فعل ملفوظ ہو جیسے اختار موسیٰ قومہ ای من قومہ اسصورت میں فعل کا عمل واجب ہوتا ہے نیز جاننا چاہیے کہ نحاۃ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ مفعول بہ میں ناصب کون چیز ہے سیبویہ کہتا ہے کہ ناصب فقط فعل ہے اور ہشام کہتا ہے فقط فاعل ناصب ہے اور فراء فعل اور فاعل دونوں کو ناصب قرار دیتا ہے۔ اور بعض فاعلیت کو ناصب قرار دیتے ہیں

* * *

وقد یتقدمُ علی الفاعِل کضرب عمرًا زیدٌ وقد یُحذف فعلُهٗ لقیام قرینةٍ جوازًا
نحو زیدًا فی جواب مَن قال مَن اَضرِبُ ووُجوبًا فی اربعةِ مَواضِعَ الاوّلُ سماعیٌّ نحو
اِمرأً ونفسَهٗ وانتهوا خیرًا لکمُ واهلًا وسهلًا والبواقی قیاسیةٌ الثانی التحذیرُ
وهو معمولٌ بتقدیر اتّق تحذیرًا مما بعده نحو ایاکَ والاسدَ

قولہ وقد یتقدم الخ یعنی مفعول بہ کبھی اپنے فعل عامل پر مقدم ہوتا ہے اسلئے کہ عامل قوی ہے پس وہ ہر صورت میں عمل کریگا۔ خواہ معمول مقدم ہو یا موخر پھر مفعول بہ کا فعل پر مقدم ہونا دو قسم پر ہے کبھی تو جائز ہوتا ہے جیسے وجہ الحبیب اتمنی اور کبھی واجب ہوتا ہے اور یہ اسوقت جبکہ مفعول بہ معنی استفہام یا شرط کو متضمن ہو جیسے من رایت اور من تکرم یکرمک **قولہ وقد یحذف** یعنی کبھی مفعول بہ کے فعل کو بوقت پائے جانے قرینہ حالیہ یا مقالیہ کے حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص بقصد حج بیت اللہ جا رہا ہے اور اس سے مکتہ کہیں پس یہاں حج کے لئے جانا قرینہ حالیہ ہے اور اس کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا گیا ہے اے ترید مکۃ **قولہ ووجوبا فی اربعۃ مواضع**۔ یعنی ناصب مفعول بہ کا حذف چار جگہ واجب ہے اور اگر کوئی کہے کہ ان مواضع اربعہ کے علاوہ بھی بہت سی جگہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ مفعول بہ کے ناصب حذف کرنا واجب ہے پس کیا وجہ ہے کہ مواضع اربعہ کا ذکر کیا اور باقی کو چھوڑ دیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ مواضع اربعہ میں چونکہ مباحث بکثرت ہے لہذا مصنف نے ان کے بیان پر اکتفا کی اور باقی کو چھوڑ دیا پھر دعوا حصر کا کیا نہیں کہ اعتراض واقع ہو **قولہ الاول سماعی**۔ یعنی ان مواضع اربعہ میں سے اول سماعی ہے۔ جس میں قیاس کو دخل نہیں بلکہ وہ مورد سماع پر موقوف ہے جیسے قولہ امرأ ونفسہ یہ اصل میں اترک امرأ ونفسہ تھا یعنی مرد کو مع اسکے نفس کے چھوڑ اور اپنے ہاتھ اور زبان کو اسکے مارنے اور نصیحت کرنے سے روک لے پس یہاں امرأ و اترک کا مفعول بہ ہے فعل کو حذف کر دیا گیا۔ **قولہ وانتہوا الخ** یہ اصل میں انتہوا عن التثلیث واقصدوا خیرا لکم تھا یعنی تم تین خدا کہنے سے بچو اور اپنے لئے خیر کا قصد کرو پس یہاں خیرا مفعول بہ ہے اور اس سے پہلے اقصدوا فعل محذوف ہے **قولہ اہلا وسہلا** ای اتیت اہلا ووطیت سہلا یعنی تو اپنے اہل میں آیا اور تو نے نرم زمین کو روندا۔ پس مثال مذکور میں مفعول بہ کے فعل کو سماعا حذف کر دیا اور یہ حذف واجب ہے اہلا اہلا سہلا کو اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص سفر کر کے بطور مہمان کے وارد ہوتا ہے نیز جاننا چاہیئے کہ لفظ اہل مقابلہ میں دو چیزوں کے آتا ہے۔ ایک اجانب یعنی بیگانوں کے دوسرے خراب یعنی جائے ویرانہ کے پس بنا بر اول کی تقدیر کلام یہ ہوگی اتیت اہلا لا اجانب یعنی نزدیک رشتہ داروں کے پاس نہ اجانب کے اور بنا بر ثانی کے اہل بمعنی ماہول ہوگا اور اس کیلئے موصوف مقدر کیا جائیگا۔ یعنی لفظ مکان سے اتیت مکانا ماہولا لا مکانا خرابا اور سہل بمعنی زمین نرم مقابل حزن یعنی درشت اور زمین ناہموار کے ہے ای وطیت سہلا من البلاد ولا حزنا یعنی تو نے شہروں کی نرم زمین میں سفر کیا نہ جائے درشت اور ناہموار میں۔ **قولہ والبواقی** بواقی باقیۃ کی جمع ہے یعنی باقی مواضع قیاسی ہیں یعنی ایسے قواعد کلیہ ہیں کہ جہاں وہ ضابطے حاصل ہوتے ہیں فعل محذوف ہو جاتا ہے **قولہ الثانی التحذیر** یعنی جن مواضع میں مفعول بہ کے عامل ناصب کو وجوبا حذف کیا جاتا ہے۔ ان میں سے دوسرا موضع تحذیر ہے اور باعث وجوب حذف کا اس جگہ تنگی مقام اور قلت فرصت ہے **قولہ وہو معمول بتقدیر اتق الخ**۔ تحذیر کے معنی لغت میں ڈرانے کے ہیں کہ جس کو ڈرایا جائے وہ محذر اور جس سے ڈرایا جائے وہ محذر منہ ہے اور اصطلاح نحاۃ میں تحذیر وہ اسم ہے جو بنا بر مفعولیت اتق مقدر یا بعد مقدر کا معمول ہے اور یہ دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ اتق مقدر کی وجہ سے منصوب ہو اور اس کو ما بعد سے ڈرایا جائے دوسرے وہ کہ اتق مقدر کی وجہ سے منصوب ہو لیکن وہ محذر منہ ہو جس کو مکرر کیا گیا ہے پس تحذیر کی قسم اول اپنے ما بعد سے محذر ہے اور قسم ثانی محذر منہ ہے جس کو مکرر کیا گیا ہے اور یہ دونوں قسمیں اس امر میں شریک ہیں کہ دونوں اتق مقدر کی وجہ سے منصوب ہوتی ہیں پھر عامل قولہ تحذیرا کا یا تو حذر فعل محذوف ہے ای حذّر ذلک المعمول تحذیرا یا ذکر فعل محذوف ہے ای ذکر ذلک المعمول لاجل تحذیرہ پس تحذیرا پہلی صورت میں مفعول مطلق اور دوسری صورت میں مفعول لہ ہے وعلی ہذا القیاس قولہ وذکر المحذر منہ کا عطف ذکر یا حذر مقدر پر ہے۔ اب یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ قولہ تحذیرا مما بعدہ اپنے فعل مقدر کے ساتھ مل کر معمول کی صفت ہے اور فعل مقدر میں ایک ضمیر ہے۔ جو معمول موصوف کی طرف عائد ہے۔ اس لئے کہ جملہ جب صفت ہوتا ہے تو اس میں ایک ضمیر ہوتی ہے۔ جو کہ موصوف کی طرف لوٹتی ہے تاکہ صفت اور موصوف کے درمیان ارتباط حاصل ہو پس بر قاعدہ مذکورہ بالا یہاں بھی معطوف علیہ میں ایک ضمیر ہوگا جو موصوف کی طرف لوٹے گی اور جب معطوف علیہ میں ضمیر ہوگی تو معطوف میں بھی ایک ضمیر ہونی چاہیے جو موصوف کی طرف عائد ہو تاکہ معطوف اور معطوف علیہ میں تناسب باقی رہے اور دونوں کا ایک حکم ہو حالانکہ یہاں ایسا نہیں اسلئے کہ معطوف یعنی قولہ اور ذکر المحذر منہ میں کوئی ایسی ضمیر نہیں جو موصوف کی طرف عائد ہو پس معطوف اور معطوف علیہ میں رعایت تناسب کی نہ ہوئی اور دونوں کا ایک حکم نہ ہوا لہذا عطف کیونکر صحیح ہوگا جواب یہ ہے کہ ہم یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ معطوف میں عائد ہونا چاہیئے تھا لیکن عائد کا فقط ضمیر میں منحصر ہونا ہم کو تسلیم نہیں بلکہ مظہر کے موضع میں مضمر کا آنا بھی عائد ہے پس معطوف مذکور عائد سے خالی نہیں اسلئے کہ عطف مذکور صحیح نہ ہو۔ کلا

◆ ◆ ◆

اصلُہٗ اِتَّقِکَ والاسَدَ او ذُکِرَ المحذوفُ منہ مکرراً نحو الطریقَ الطریقَ الثالثُ ما اُضمِرَ عاملُہٗ علیٰ شریطۃِ التفسیرِ وھو کلُّ اسمٍ بعدَہٗ فعلٌ او شبہُہٗ یشتغلُ ذٰلک الفعلُ عن ذٰلک الاسمِ بضمیرِہٖ او متعلقِہٖ بحیثُ لو سُلِّطَ علیہ ھو او مناسبُہٗ لنصبہٗ نحو زیداً ضربتُہٗ فانَّ زیداً منصوبٌ بفعلٍ محذوفٍ مضمرٍ وھو ضربتُ یفسرہ الفعلُ المذکورُ بعدَہٗ وھو ضربتُہٗ

قولہ اصلہ اتقک الخ مصنفؒ نے یہ اصل بادی النظر کے اعتبار سے نکالی ہے ورنہ یہ اصل میں اِبعدک والاسد تھا اوّل میں لفظ نفس کو زیادہ کیا گیا اور بعد میں بعد نفسک والاسد کیا گیا اسلئے کہ ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول کا اتصال مثل فعل کے ساتھ جب کہ ان دونوں سے مراد شئی واحد ہو جائز نہیں مگر افعال قلوب میں جائز ہے جیسے علمتنی پس جب لفظ نفس زیادہ ہوا تو اب مفعول اسم ظاہر ہو گیا اور محذوف لازم نہ آئیگا پھر جب تنگی مقام کی وجہ سے فعل کو حذف کیا گیا تو اسکے ساتھ ضمیر فاعل کو بھی حذف کیا گیا اور لفظ نفس کو بھی اسلئے کہ اب اسکی ضرورت باقی نہ رہی۔ اور ضمیر متصل کو منفصل سے بدلا پس ایاک والاسد ہو گیا۔ **قولہ الطریق الطریق** ۔ اصل میں اتق الطریق تھا فعل کو حذف کر کے معمول جو کہ محذوف منہ ہے مکرر کر دیا تاکید کی غرض سے ایسے ہی الجدار الجدار ہے۔ **قولہ الثالث ما اضمر عاملہ الخ** یعنی تیسرا موقع ان مواقع میں سے کہ جہاں مفعول بہ کے ناصب کو حذف کرنا واجب ہے ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر ہے یعنی وہ مفعول بہ کہ جس کے عامل کو اس شرط پر حذف کیا گیا ہو کہ اس کے عامل کی تفسیر آگے آرہی ہے۔ شریطۃ اور شرط دونوں کے معنی ایک ہیں شریطۃ التفسیر میں اضافت بیانیہ ہے ای علی شریطۃ ہی التفسیر پھر عامل کا حذف اس جگہ پر اسلئے ضروری ہے کہ اگر حذف نہ کریں گے تو اجتماع مفسَّر اور مفسِّر لازم آئے گا اور وہ علی الاطلاق جائز نہیں۔

قولہ وھو کل اسم الخ یہاں سے ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی تعریف کا بیان ہے۔ یعنی ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر وہ اسم ہے کہ جس کے بعد کوئی ایسا فعل یا شبہ فعل ہو کہ وہ اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو اور اگر اس فعل یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کریں یعنی ضمیر اسم یا اس کے متعلق کو حذف کر کے فعل یا شبہ فعل کا اس اسم کو معمول بنائیں ۴ ۴ تو وہ اس اسم کو نصب دے دے۔ اب ما اضمر عاملہ الخ کی تعریف کے بعد اسکے فوائد قیود دیئے لبعدہٗ فعل اور شبہہ کہنے سے اس اسم سے احتراز ہے کہ جس کے بعد فعل یا شبہ فعل نہیں ہے جیسے ھذا زید و زید ابوک اور مشتغل عنہ بضمیرہٖ اور متعلقہٖ کہنے سے اس اسم سے احتراز ہے کہ جس میں یہ فعل یا شبہ فعل عامل ہو جیسے زیداً ضربت اور اما السائل فلا تنہر اور لو سلط علیہ ہو و مناسبہ لنصبہ سے وہ اسم خارج ہے کہ بعد مسلط کرنے فعل یا شبہ فعل کے منصوب نہیں ہوتا جیسے زید ضُرِبَ اسلئے کہ اگر اس جگہ فعل کو مسلط کریں گے تو زید مفعول مالم یسم فاعلہ ہوگا اور اس پر نصب نہیں آئیگا پھر جاننا چاہیئے کہ فعل یا شبہ فعل کا عدم عمل اس اسم میں صرف ضمیر اسم یا اسکے متعلق میں عمل کرنیکی وجہ سے ہو نہ کہ کسی اور وجہ سے پس وہ صورت اس سے خارج ہو جائیگی کہ جس میں سوائے اس وجہ کے کسی اور وجہ سے وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم میں عمل نہیں کرتا جیسے زیدٌ ضربت کہ یہاں ضربت کا عدم عمل زید میں صرف اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ ضمیر زید میں عمل نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اسکا زید میں عمل نہ کرنا اسلئے ہے کہ زید مرفوع ہے اور اس میں معنی ابتداء کے عامل ہیں فائدہ اوپر گذر چکا ہے ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر میں یہ شرط ہے کہ جو فعل یا شبہ فعل کہ اس اسم کے بعد واقع ہے وہ بوجہ اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو اور یہ کہ جب اس فعل یا شبہ فعل کو اس اسم پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے دے پس اس جگہ خواہ فعل کو اس اسم پر مقدم کریں یا شبہ فعل کو عقلاً بارہ صورتیں پیدا ہوتی ہیں اسلئے کہ جب فعل ضمیر اسم میں عمل کرنیکی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کریگا تو اس صورت میں عین فعل کو مقدم کیا جائیگا یا اس کے مناسب لازم کو یا اسکے مناسب مرادف کو یا ایسے ہی جب شبہ فعل ضمیر اسم میں عمل کرنیکی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کریگا تو اس میں بھی یہی تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں علی ہذا القیاس جب فعل یا شبہ فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو تو اس صورت میں بھی ہر ایک کی یہی تین تین صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور مجموعہ ان تمام کا بارہ صورتیں ہیں لیکن ان میں سے چار صورتیں مفقود ہیں اسلئے کہ جب فعل یا شبہ فعل متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرے تو اس کی جگہ بجز فعل یا شبہ فعل کے مناسب لازم کے مسلط کرنے کے اور کوئی صورت نہیں پس آٹھ صورتیں باقی رہتی ہیں۔ **قولہ نحو زیداً ضربتہ** مصنفؒ نے فقط ایک مثال دی ہے یعنی اس فعل کی جو ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کرتا اور جب اس فعل کو اس پر مسلط کریں تو یہ اسکو نصب دیگا جیسے ضربت زیداً اور باقی کی امثلہ کو مصنفؒ نے ترک کر دیا مبتدیوں کی آگاہی کیواسطے انکا بیان ضروری ہے۔ پس زیداً مررت بہ اس فعل کی مثال ہے کہ جو ضمیر اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کرتا اور جب اس اسم پر فعل مذکور کے مناسب مرادف کو مسلط کریں گے تو وہ اسکو نصب دے دیگا جیسے جاوزت زیداً اسلئے کہ مررت باء کیساتھ متعدی ہونے کے بعد جاوزت کے معنی میں ہے۔ لیکن جب ہم اس جگہ بعینہ فعل مذکور کو مسلط کریں تو اس اسم پر نصب نہ آئیگا اسلئے کہ فعل مذکور کو مسلط کرنیکی دو صورتیں ہیں یا تو باء کے ساتھ اس کو مقدم کریں گے یا بدون باء کے اگر باء کے ساتھ مقدم کریں تو اس پر بجائے نصب کے جر آئے گا۔ بدون باء کے فعل مذکور لازم ہوگا مفعول کو نہیں چاہتا کہ نصب دے زیداً مررت غلامہ

(باقی صفحہ ۸۴ پر)

وَلِهٰذَا الْبَابِ فُرُوعٌ كَثِيرَةٌ الرَّابِعُ الْمُنَادٰى وَهُوَ اسْمٌ مَدْعُوٌّ بِحَرْفِ النِّدَاءِ لَفْظًا نَحْوُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَيْ اَدْعُو عَبْدَ اللّٰهِ وَحَرْفُ النِّدَاءِ قَائِمٌ مَقَامَ اَدْعُو وَحُرُوفُ النِّدَاءِ خَمْسَةٌ يَا[۱] وَاَيَا[۲] وَهَيَا[۳] وَاَيْ[۴] وَالْهَمْزَةُ[۵] الْمَفْتُوحَةُ

(متعلقہ حاشیہ صفحہ ۸۳) مثال اس فعل کی ہے کہ جو متعلق اسم میں عمل کرنیکی وجہ سے اس اسم سے بے پرواہ ہے اور جب فعل مذکور کے مناسب باللزوم کو اس پر مسلط کیا جائیگا تو وہ اس کو نصب دے دیگا۔ ای اہنت زیدًا اسلئے کہ عرفًا ضرب غلام سے اہانت خواجہ لازم آتی ہے۔ پھر یہاں اگر عین فعل مذکور کو مسلط کریں تو نصب نہ آئے گا اسلئے کہ اگر فعل کو غلام کیساتھ مقدم کریں تو اسم مذکور مجرور ہوگا۔ اور بدون غلام کے مقدم کریں تو مقصود فوت ہو جائے گا اور زیدًا جلست علیہ یہ مثال اس فعل کی ہے۔ جو ضمیر اسم میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کرتا اور جب اسم مذکور پر فعل مذکور کے مناسب لازم کو مسلط کریں تو وہ اس کو نصب دے دیگا ای لابست زیدًا اسلئے کہ زید پر کسیکا جلوس ہونا اسکی ملابست کو مستلزم ہے پھر یہاں عین فعل کی تسلیط سے نصب نہیں آسکتا اسلئے کہ اگر اسکو علی کے ساتھ مقدم کریں تو وہ مجرور ہوگا اور بدون علی کے مقدم کریں تو مفعول نہ ہوگا اسلئے کہ ضمیر جلست کی اسکا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے اور شبہ فعل کی مثالیں یہ ہیں کہ زیدًا انا ضاربہ اس میں عین شبہ فعل کی تقدیم سے نصب آتا ہے ای انا ضارب زیدًا اور زیدًا انا مارٌ بہ۔ یہاں مناسب بالترادف کی تقدیم سے نصب آتا ہے ای انا مجاوز زیدًا اور زیدًا انا ضارب غلامہ اس میں مناسب باللزوم کی تقدیم سے نصب آئے گا ای انا مہین زیدًا اور زیدًا انا محبوس علیہ اس میں بھی مناسب باللزوم کی تقدیم سے نصب آتا ہے ای انا ملابس زیدًا پہلی تین مثالوں میں شبہ فعل ضمیر اسم میں عمل کرنیکی وجہ سے اس اسم کو اپنا معمول بنانے سے بے پرواہ ہے اور مثال چہارم میں متعلق اسم میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہیں کرے گا (حاشیہ صفحہ ہذا) **ولہذا الباب**۔ یعنی اس باب کے لئے بہت سی فرعیں ہیں یعنی ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی باعتبار اعراب کے پانچ صورتیں ہیں خواہ وہ حقیقۃً ما اضمر عاملہ ہو یا بادی النظر میں اس پر ما اضمر عاملہ کی تعریف صادق آئے وہ پانچ صورتیں یہ ہیں (۱) اختیار رفع (۲) اختیار نصب (۳) وجوب رفع (۴) وجوب نصب (۵) تساوی رفع و نصب تفصیل چونکہ طول رکھتی ہے اسوجہ سے ترک کیجاتی ہے۔ **قولہ الرابع المنادیٰ**۔ یعنی چوتھا موضع ان مواضع اربعہ میں سے کہ جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے منادیٰ ہے اصطلاحی منادیٰ وہ اسم ہے جسکے مسمیٰ کی اجابت کا سوال کیا گیا ہو بواسطہ حرف نداء کے درآں حالیکہ وہ حرف تلفظ کیا گیا ہو مصنف کا قول لفظاً باعتبار ترکیب کے دو احتمال رکھتا ہے یا تو ملفوظ کے معنے میں ہو کر حال ہے۔ یا تمیز ہے اب یہ حال اور تمیز یا تو اسم سے ہے یا حرف نداء سے اول پر مطلب یہ ہوا کہ وہ اسم ملفوظ ہو یا سوال اجابت اس تعریف اسم کے تلفظ کے اعتبار سے ہو اور ثانی پر یہ مطلب ہوگا کہ وہ حرف نداء ملفوظ ہو یا اس کے تلفظ کے اعتبار سے نداء ہو منادیٰ کی جو مصنف نے تعریف کی ہے یہ مراد اس شخص کی ہے جو مطلوب الاقبال ہے کرتا ہے اس نے ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا ہے۔ اسم کا لفظ منادیٰ اور غیر منادیٰ دونوں کو شامل ہے اور مدعو کی قید اس میں احترازی ہے مندوب اس سے خارج ہو جاتا ہے اس لیے کہ اسکے مسمیٰ سے اجابت کا سوال نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اس پر اظہار تفجیع اور گریہ کرنا مقصود ہوتا ہے پھر سوال اجابت دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کہ منادیٰ اپنا رخ نادی کی طرف کرے جیسے مثلاً کوئی شخص ہم سے پشت کئے کھڑا ہو اور ہم بذریعہ نداء کے اس کے چہرے کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہیں دوسرے یہ کہ منادیٰ اپنا دل نادی کی طرف کرے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص باوجودیکہ ہماری طرف منہ کئے کھڑا ہے۔ مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ دل سے ہماری طرف متوجہ ہو غرضیکہ دعوت کی یہ دو صورتیں ہیں اور ہر دو صورت دعوت حقیقی کی ہیں اور ان کے مقابلہ میں ایک دعوت حکمی ہے اور وہ یہ کہ جس چیز میں اجابت سوال کی صلاحیت نہ ہو اس پر حرف نداء کو داخل کریں جیسے یا سماء یا یا جبال پس یہاں سماء اور جبال کو حقیقۃً اپنی طرف مدعو کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ان کو مدعو مجازًا کیا گیا ہے بحرف النداء کی قید سے مثل ادعو زیدًا سے احتراز ہو گیا اسلئے کہ اس میں زید بذریعہ حرف نداء کے مدعو نہیں ہے ایسے لیقبل زیدًا سے احتراز ہو گیا اس لیے کہ یہاں دعوت قبل زید بذریعہ حرف نداء کے نہیں ہے۔ **قولہ نحو یا عبد اللہ ای ادعو عبد اللہ**۔ یعنی یا عبد اللہ کی اصل ادعو عبد اللہ یا انادی عبد اللہ ہے فعل مع فاعل کو حذف کر کے اس کے قائم مقام حرف نداء کو کر دیا ہے اس پر دو اعتراض کئے جاتے ہیں اول اگر یہاں پر فعل محذوف اور حرف نداء قائم مقام ہو تو لازم آتا ہے کہ یہ جملہ ندائیہ خبریہ ہو حالانکہ یہ جملہ خبریہ نہیں ہے بلکہ انشائیہ ہے جواب فعل کی تقدیر اس کے جملہ خبریہ ہونے کو مستلزم نہیں ہے چونکہ اس سے انشاء مراد لینا جائز ہو سکتا ہے جیسا کہ بعت اور اشتریت کہ فعل ہیں بلفظ ماضی ان سے انشاء مراد ہے ثانی اعتراض یہ ہے کہ ادعو زیدًا حکایت مع الغیر مستعمل ہے اور یا زیدًا اس کا احتمال نہیں رکھتا ہے لہذا یا زید کی اصل ادعو زیدًا نہیں ہو سکتی ہے جواب یا زید کی اصل ادعوک ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھ دیا اور حرف نداء کو ادعو کے قائم مقام کر دیا اور ادعوک حکایت مع الغیر کا احتمال نہیں رکھتا ہے لہذا جو اس کے قائم مقام ہوں گے وہ بھی احتمال نہیں رکھیں گے جاننا چاہیے کہ فعل کا حذف کرنا اس مقام پر کثرت استعمال کی وجہ سے ہے اور اس وجہ سے تاکہ نائب اور منوب میں جمع لازم نہ آوے اور سیبویہ کا مذہب ہے اس کے نزدیک منادیٰ کا ناصب فعل ہے اور مبرد وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ ناصب منادیٰ خود حرف نداء ہے لہذا اس وقت منادیٰ ما نحن فیہ سے نہ ہوگا۔

وقد یُحذف حرف النداء لفظًا نحو یوسفُ اَعْرِضْ عن هذا واعلم اَنَّ المنادی علی اقسام فان کان مفردًا معرفةً یُبنیٰ علی علامة الرفع کالضمة ونحوها نحو یا زیدُ ویا رجلُ ویا زیدانِ ویا زیدونَ ویُخفض بلام استغاثة نحو یا لَزیدٍ ویُفتح بالحاق الفها نحو یا زیداہ ویُنصب ان کان مضافًا نحو یا عبدَ اللّٰه او مشابهًا للمضاف نحو یا طالعًا جبلًا او نکرةً غیر معیّنة کقول الاعمٰی یا رجلًا خُذ بیدی وان کان معرّفًا باللام قیل یا ایها الرجلُ ویا ایّتها المرأةُ ویجوز

قولہ قد یحذف الخ یعنی جس وقت کوئی قرینہ قائم ہو تو حرف نداء کا منادیٰ پر سے تلفظ میں حذف کرنا جائز ہے مگر یہ حذف کرنا چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے اگرچہ مصنفؒ نے ان شرطوں کو ذکر ترک کر دیا ہے۔ ہم برائے افادہ انکو لکھ دیتے ہیں تو جاننا چاہیئے کہ جب منادیٰ اسم جنس ہو تو اسوقت حرف نداء کا حذف کرنا ناجائز ہے اور مراد اسم جنس سے یہ ہے کہ نداء سے پہلے نکرہ ہو عام اس سے کہ نداء سے معرفہ ہو گیا ہو جیسے یا رجل یا نکرہ ہی رہے۔ جیسے یا رجلاً اور وجہ یہ ہے کہ اسم جنس کی نداء مثل علم کے کثیر الاستعمال نہیں پس اگر اسم جنس سے حرف نداء کو حذف کر دیں گے تو ذہن اسکے منادیٰ ہونے کی طرف سبقت نہیں کریگا ایسے ہی جب منادیٰ اسم اشارہ ہو تو اس سے حرف نداء کا حذف کرنا جائز نہ ہوگا اسلئے کہ وہ قلت نداء میں مثل اسم جنس کے ہے اسی طرح جب منادیٰ مستغاث اور مندوب ہوگا تو اس سے حروف نداء کو حذف کیا جائیگا اسلئے کہ دونوں میں درازی آواز کی مطلوب ہوتی ہے اور حذف اسکے منافی ہے سوال حرف نداء ادعو کا نائب ہے اور نائب محذوف نہیں ہوتا ہے ورنہ نائب اور منوب دونوں کا حذف لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے جواب نائب کا حذف کرنا اسوقت درست نہیں ہوتا ہے جب منوب کا حذف کرنا درست نہ ہو اور یہاں ایسا نہیں **قولہ یوسف اعرض عن ہذا** یہ اصل میں یا یوسف اعرض عن ہذا تھا یا حرف نداء محذوف ہوگی اور قرینہ حذف کا یہ ہے کہ اگر یوسف سے پیشتر یا حرف نداء کو مقدر نہ مانیں گے تو یوسف مبتدا ہوا اور اعرض الخ اسکی خبر ہوگی حالانکہ اعرض عن ہذا خبر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ انشاء ہے اور انشاء کو بلا تاویل خبر بنانا درست نہیں پس معلوم ہوا کہ یوسف سے پہلے حرف نداء محذوف ہے **قولہ فان کان مفردًا** الخ یعنی منادیٰ جب مفرد معرفہ ہو تو وہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے مفرد سے مراد یہ ہے کہ مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو اور معرفہ سے مراد عام ہے کہ قبل نداء کے معرفہ ہو جیسے یا زید یا بعد نداء کے جیسے یا رجل اور وجہ منادیٰ مفرد معرفہ کے مبنی ہونیکی یہ ہے کہ وہ کاف اسمی کے موقع میں واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی کو کاف خطاب حرفیہ کیساتھ لفظاً و معناً مشابہت ہے پس بوجہ مناسبت مبنی الاصل کے منادیٰ مفرد معرفہ مبنی ہوگا اب اگر کوئی کہے کہ جب تمہیں منادیٰ مفرد کو مبنی کرنا تھا تو سکون پر مبنی کرنا چاہیے تھا جو کہ بناء میں اصل ہے علامت رفع پر مبنی کرنے کی کیا وجہ ہے جواب یہ ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ بوجہ مشابہت کے مبنی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں گذرا اور سکون اس مبنی کی علامت ہے جو کہ اصل ہے وہ سکون پر مبنی نہ ہوگا اور نہ علامت نصب اور جر پر اسلئے کہ علامت نصب مبنی کرنیکی حالت میں اسکا التباس اس منادیٰ کیساتھ ہوگا جو یاء متکلم کیطرف مضاف ہے اور یاء متکلم کو الف سے بدلکر ماقبل الف کو فتحہ دیکر اور الف کو گرا دیا گیا ہے جیسے یا غلام اور علامت جر پر مبنی کرنیکی صورت میں اس منادیٰ کیساتھ التباس ہوگا جو کہ یاء متکلم کیطرف مضاف ہے اور یاء کو حذف کرکے کسرہ ماقبل کو باقی رکھا گیا ہے جیسے یا رب پس جب یہ صورتیں التباس کی ہیں تو اب بجز اسکے اور کوئی صورت نہیں کہ اسکو علامت رفع پر مبنی کیا جائے باقی مصنف کا مبنی علی علامۃ الرفع کہنا اور مبنی علی الضم نہ کہنا اسوجہ سے ہے کہ یہ حرف اور حرکت دونوں کو شامل ہو جائے مثل یا زید یہ مثال اس منادیٰ مفرد معرفہ کی ہے جو کہ ضمہ پر مبنی ہے اور قبل از نداء معرفہ ہے **قولہ یا رجل** یہ مثال اسی منادیٰ مفرد معرفہ کی ہے جو کہ ضمہ پر مبنی ہے اور بعد از نداء معرفہ ہے قولہ یا زیدان یہ مثال اس منادیٰ کی ہے جو کہ الف پر مبنی ہے قولہ یا زیدون یہ مثال اس منادیٰ کی ہے جو کہ واؤ پر مبنی ہے **قولہ ویخفض بلام الاستغاثۃ** الخ یعنی جب منادیٰ پر لام استغاثہ کا داخل ہوگا تو منادیٰ مجرور ہو جائیگا استغاثہ کے معنی فریاد و طلب کرنیکے ہیں اور لام استغاثہ وہ لام ہے جو بوقت استغاثہ کے مستغاث پر داخل ہوتا ہے اور یہ لام ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے اس لئے کہ اگر مکسور ہوگا تو اسکا التباس لام مکسور مستغاث لہ سے ہوگا جبکہ مستغاث کو حذف کرکے صرف مستغاث لہ کو باقی رکھا جائیگا جیسے یا للمظلوم کہ اصل میں یا قوم للمظلوم تھا اب اگر کوئی کہے کہ اسکا برعکس کیوں نہیں کیا گیا اگر لام مستغاث کو مکسور اور لام مستغاث لہ کو مفتوح کرتے اس صورت میں بھی التباس نہ تھا جواب یہ ہے کہ مستغاث جگہ میں کاف ضمیر کے ہے اور ضمیر پر جب لام جارہ داخل ہوتا ہے تو وہ مفتوح ہوتا ہے جیسے لک لہذا یہ لام بھی مفتوح ہوگا ۔۔۔ بخلاف مستغاث لہ کے کہ وہ ضمیر کی جگہ میں واقع نہیں لہذا اس پر داخل ہو نیوالا لام مفتوح نہ ہوگا ثابت ہوا کہ لام مستغاث مفتوح اور لام مستغاث لہ مکسور ہوتا ہے اسکا عکس نہیں ہو سکتا پھر لام مستغاث لام جارہ ہے لہذا جب وہ منادیٰ پر داخل ہوگا تو منادیٰ مجرور ہوگا تفصیل مقام کی یہ ہے کہ اسوقت منادیٰ پر دو عامل مجتمع ہیں ایک یا دوسرے لام اور دونوں میں سے لام عامل بنفسہا اور منادیٰ کے قریب ہے یا میں دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ وہ عامل بنفسہا نہیں باعتبار فعل کے عامل ہے اور بنسبت لام کے منادیٰ سے بعید ہے پس جب لام نسبۃً یا کے عامل قوی اور قریب ہے لہذا اسکو عمل دیا جائیگا اور منادیٰ مجرور ہوگا۔ **قولہ نحو یا لزید** - یہ مثال منادیٰ مستغاث مجرور کی ہے اسکے معنی یہ ہیں کہ اے زید مظلوم کی فریاد رسی کر پس زید مستغاث ہے کہ اس سے فریاد رسی کی ہے اور مظلوم مستغاث لہ ہے کہ اس کیلیے فریاد چاہتے ہیں اس مثال میں مستغاث مذکور ہے اور اس میں مستغاث لہ مذکور نہیں بلکہ محذوف ہے **قولہ ویفتح بالحاق الفہا** یعنی جب منادیٰ کے آخر میں الف استغاثہ کا داخل ہوگا تو وہ فتحہ پر مبنی ہوگا اسلئے کہ الف اپنے ماقبل فتحہ چاہتا ہے لیکن بوقت الف استغاثہ کے لام استغاثہ کا داخل نہ ہوگا اس لیے کہ لام اپنے مدخول کو مجرور کرتا ہے اور الف اپنے ماقبل فتحہ کو چاہتا ہے پس دونوں کے اثر میں منافات ہے اور وہ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے **قولہ نحو یا زیداہ** یہ مثال اس منادیٰ کی ہے کہ جس پر الف استغاثہ کا داخل ہے اور وقف کیوجہ سے اسکے آخر میں ہاء کا اضافہ کیا گیا ہے **قولہ وینصب** ان کان الخ یعنی چار صورتیں ہیں ایک کہ منادیٰ مضاف ہو دوسرے مشابہ مضاف ہو تیسرے معرفہ ہو چوتھے نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو

ترخيمُ المنادى وهو حذفٌ فی آخرہ للتخفيفِ كما تقول فی مالكٍ يا مالِ وفی منصورٍ يا منصُ وفی عثمانَ يا عثمُ ويجوزُ فی آخر المنادى المرخّمِ الضمُّ والحركةُ الاصليةُ كما تقولُ فی يا حارث يا حارُ ويا حارِ واعلمْ انّ يا من حروفِ النداءِ قد تستعمل فی المندوب ايضًا وهو المتفجَّعُ عليه بيا اووا كما يقالُ يا زيداه ووازيداه فوا مختصّةٌ بالمندوب ويا مشتركةٌ بين النداء والمندوب وحكمُه فی الاعراب والبناءِ مثل حكمِ المنادى

فصل المفعولُ فيه هو اسمٌ

(متعلقہ حاشیہ ص۸۵) منادی منصوب کیوں ہوتا ہے باوجودیکہ ضمیر کاف خطاب کے مشابہ ہے اسکے ساتھ مشابہت رکھتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر حیثیت اسمیت کے قوی ہونیکے سبب سے کمزور ہوگئی ہے اس وجہ سے بنا بر مفعولیت کے منصوب ہو جاتا ہے۔ **قولہ مشابہا للمضاف**۔ مشابہ مضاف اس اسم کو کہتے ہیں کہ اس کے معنے بدون انضمام مابعد کے تام نہ ہو جیسا کہ مضاف اور مضاف الیہ کا حال ہے کہ مضاف بدون مضاف الیہ کے تام نہیں ہوتا ہے (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ یجوز ترخیم المنادی**۔ مصنف یہاں سے ترخیم کو بیان کرتا ہے اسلئے کہ وہ خصائص ندا سے ہے منادی میں ترخیم نثر اور نظم دونوں میں درست ہے اسلئے کہ ندا تخفیف کا مقام ہے اور مقصود اس سے غیر ندا ہوتا ہے پس مناسب یہ ہے کہ جہاں تک ہو ندا سے جلد فارغ ہو کر مقصود میں مشغول ہوں ترخیم کے معنی لغت میں نرم و آسان کر دینا ہے اور اصطلاح میں وہ ہے جو مصنف نے بیان کیا ہے کہ منادی کے آخر سے کسی حرف کو بغرض تخفیف گرا دینا۔ یعنی یہ گرانا کسی قانون صرفی اور سماع لغوی کی بنا پر نہ ہو **قولہ کما تقول فی مالک الخ**۔ مصنف ترخیم منادی کی تین مثال لایا ہے اس لئے کہ امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ منادی جب اسم مرکب نہیں ہوتا تو ترخیم کے وقت اس سے کبھی ایک حرف حذف ہوتا ہے یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کے آخر میں دو زیادتی ایک زیادتی کے حکم میں نہ ہو اور نہ اسم کے آخر میں حرف صحیح اس کے پہلے مدہ ہو جیسے مالک کہ اس کے آخر میں وہ زیادتی فی حکم واحد اور حرف صحیح قبلہ مدہ نہیں لہذا ترخیم کیوقت اس میں سے ایک حرف محذوف ہوگا۔ اور کبھی دو حرف حذف ہوتے ہیں جبکہ منادی ان دو قسموں میں سے ہو جو مذکور ہوئیں جیسے منصور اور عثمان کہ منصور ایسا اسم ہے کہ اس کے آخر میں حرف صحیح ہے اور اس کے پہلے مدہ ہے۔ لہذا ترخیم کے وقت دو حرف حذف ہونگے اور یا منص کہا جائیگا اور عثمان ایسا اسم ہے کہ اس کے آخر میں دو زیادۃ فی حکم واحد ہیں جب اس میں ترخیم کریں گے تو حرف الف و نون اکٹھے گرا دیں گے اور یا عثم کہیں گے **قولہ ویجوز فی آخر المنادی** یعنی وہ منادی جس میں ترخیم کی گئی ہے کبھی اسکو بمنزلہ اسم مستقل کے کرتے ہیں گویا کہ اس سے کوئی حرف حذف نہیں ہوا پس تعلیل اور بنا میں اسکے ساتھ منادی مستقل کا معاملہ کرتے ہیں چنانچہ یا حارث میں جب ثا کو گرا دیتے ہیں تو مبنی علی الضم کر لیتے ہیں اور یا حارُ بالضم پڑھتے ہیں اسلئے کہ وہ منادی مفرد معرفہ ہے پس مبنی علی الضم ہوگا اور یہ بھی درست ہوتا ہے کہ محذوف سے پیشتر کا حرف ترخیم سے پہلے جس حالت پر تھا۔ اسی حالت پر باقی رہیگا مثلاً یا حارث میں ثا سے پہلے حرف را کو کسرہ ہے ترخیم کے بعد بھی اس کو کسرہ پڑھا جائے اسوقت گویا کہ محذوف اس کے آخر میں موجود ہے **قولہ یا من حروف الخ**۔ یعنی یا حرف ندا سے ہے کبھی استعمال مندوب میں بھی ہوتا ہے کیونکہ تمام حروف ندا میں یہ زیادہ مشہور ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ اسکو وسعت دی جائے کہ غیر منادی میں بھی اسکا استعمال کیا جائے لیکن یہ استعمال اسوقت ہوتا ہے جب کوئی قرینہ فارق بین ندا و ندبہ پایا جاوے اور اگر فارق نہ ہو تو پھر اس طرح اسکا استعمال نہیں ہوتا ہے **قولہ وہو المتفجع الخ**۔ تفجع کے معنے دردمند ہونا اسکا صلہ لام کیساتھ آتا ہے لہذا المتفجع لہ ہونا چاہیے تھا البتہ اگر کہا جاوے کہ کلمہ علی بمعنی لام ہے جیسے محمود علیہ میں علی بمعنی لام آیا یا بکاء پر کے معنے کی تضمین کی بنا پر علی لایا گیا ہے تو پھر علی یہاں پر درست ہو سکتا ہے ورنہ نہیں الف لام المتفجع علیہ میں بمعنی الذی ہے۔ اور اس سے پہلے مضاف اسم مقدر ہے اور اسم مفعول بمعنی فعل مجہول ہے تو ترجمہ یہ ہوا کہ اسم الذی یتفجع علیہ بیا او وا یعنی مندوب اس ذات کا اسم ہے جسکی وجہ سے دردمند ہوا جاتا ہو ذریعہ یا کے یا وا کے عام اس کے کہ وہ متفجع علیہ وجوداً ہو یا عدماً ہو پس متفجع علیہ عدماً وہ چیز ہے کہ اسکے عدم کی وجہ سے دردمندی کی جائے جیسے مردہ کہ اس پر نوحہ کرنیوالے گریہ کریں اور متفجع علیہ وجوداً وہ چیز ہے کہ اسکے وجود پر اظہار دردمندی کی جائے اس لئے کہ ایک چیز معدوم ہوئی جس کی وجہ سے اس چیز کا وجود ہوا ہے جیسے وامصیبتاہ وا حسرتاہ وا ویلاہ کہ نوحہ کرنیوالے اپنے عزیز کی وفات کیوقت کہتے ہیں مندوب کی یہ تعریف ہر دونوں قسم کے مندوب کو شامل ہے **قولہ حکمہ الخ** یعنی مندوب کا حکم اعراب و بناء میں مثل حکم منادی کے ہے یعنی جیسا کہ منادی مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے ایسے مندوب مفرد معرفہ بھی علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے اور علی ہذا القیاس **قولہ المفعول فیہ**۔ یعنی تیسرا مفعول پانچ مفعولوں میں سے مفعول فیہ ہے اور وہ ایسی شے کا اسم ہے جس میں فاعل کا فعل واقع ہوا ہو مصنف نے لفظ اسم زیادہ کر کے اسی امر کی طرف اشارہ کر دیا جس کو ہم مفعول بہ میں بیان کر کے آئے ہیں فعل سے مراد یہاں پر فعل لغوی ہے یعنی حدث اور فعل اصطلاحی مراد نہیں ہے لہذا یہ تعریف اسم فاعل اور اسم مفعول اور مصدر سب کو شامل ہوگی اور فعل سے مراد یہاں پر عام ہے حقیقی ہو جیسے صمت زماناً یا تقدیری ہو جیسے یوم الجمعۃ (باقی بر صفحہ ۸۷ پر)

مَا وقع فعلُ الفاعلِ فيه من الزمانِ والمكانِ ويسمّى ظرفا وظروفُ الزمان على قسمين مبهمٌ وهو ما لا يكونُ له حدٌّ معينٌ كدهرٍ وحينٍ ومحدودٌ وهو ما يكونُ له حدٌّ معيّنٌ كيومٍ وليلةٍ وشهرٍ وسنةٍ وكلُّها منصوبٌ بتقديرِ في تقول صمتُ دهرًا او سافرتُ شهرًا اى في دهرٍ وشهرٍ وظروفُ المكان كذلك مبهمٌ وهو منصوبٌ ايضا بتقديرِ في نحو جلستُ خلفك وامامك ومحدودٌ وهو ما لا يكونُ منصوبًا بتقديرِ في بل لا بدّ من ذكر فيه نحو جلستُ في الدارِ وفي السوقِ وفي المسجد فصل المفعول له هو اسم ما لاجله يقع الفعل المذكور قبله

(متعلقہ حاشیہ ص۸۷) صمت غدیر کہ جو فعل یوم الجمعۃ میں واقع ہے مقدر ہے اور وقوع سے مراد عام ہے مطابقۃ ہو جیسے صمت الیوم یا ضمنًا جیسے ضربت یوم الجمعۃ جاننا چاہئے کہ مصنفؒ کی تعریف میں یوم الجمعۃ حسن داخل ہے حالانکہ یوم الجمعۃ مفعول فیہ نہیں داخل اسوجہ سے ہے کہ اس میں حسن واقع ہو رہا ہے۔ اگر مصنفؒ المذکور کی قید بڑھا دیتا تو یہ تعریف سے نکل جاتا جیسا کہ صاحب کافیہ نے اس قید کے ذریعہ اس کو خارج کیا ہے حاصل یہ کہ ما وقع تمام اسماء زمان اور مکان کو شامل زمان اور مکان ایسا نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی فعل نہ کیا گیا ہو اسوجہ سے مصنفؒ کو مذکور کا لفظ زیادہ کرنا ضروری ہے تاکہ اعتراض مذکور نہ واقع ہو (حاشیہ صفحہ ہذا) قولہ من الزمان الخ یہ ما کا بیان ہے یعنی دراں حالیکہ ہونے والی ہو وہ چیز زمان یا مکان میں سے زمان سے مراد وہ چیز ہے جو متی کا جواب ہو سکے اور مکان سے مراد وہ چیز ہے جو این کا جواب ہو سکے پھر زمان اور مکان سے مراد یہاں عام ہے خواہ حقیقی ہو جیسے سرت یوم الجمعۃ خلفک یا علی خفوق النجم وجلست مکان قیام زید مطلب یہ ہوا کہ مصدر کو ظرف کے قائم مقام کر لیا جاتا ہے مضاف کو حذف کر کے مجالستہ کی وجہ سے اور کبھی اسم عین کو بھی مکان قرار دیتے ہیں اگرچہ ندرۃ ہی سہی جیسے جلست قدوم زید الشمس الشمس مفعول فیہ ظرفیت کی بنا پر منصوب ہے یعنی جلست وقت قدوم زید فی مکان بروز الشمس قولہ یسمّی ظرفًا یعنی مفعول فیہ کا ایک نام ظرف بھی رکھا جاتا ہے کیونکہ ظرف کے معنے برتن کے ہیں اور مفعول فیہ فعل کیواسطے مثل ظرف کے ہوتا ہے اس وجہ سے اسکا نام ظرف رکھتے ہیں قولہ ظروف الزمان۔ ظروف کی اضافت زمان کی طرف بمعنے من ہے جیسے باب الساج اور سوار الذہب ہیں یعنی الظروف التی ہی الزمان اور الزمان میں الف لام جنس کیواسطے ہے یعنی اس جنس کے ظروف ایسے ہی ظروف المکان ہے قولہ کلہا منصوب بتقدیر فی یعنی جمیع ظروف زمان مبہم ہوں یا محدود تقدیر فی کو قبول کرتے ہیں اسلئے کہ زمان مبہم مفہوم فعل کا جزء ہے اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب جزء فعل کو علیحدہ مستقل طور پر ذکر کرتے ہیں تو بلا واسطہ حرف جر کے منصوب ہوتا ہے جیسے مفعول مطلق لہٰذا ظرف زمان مبہم بھی تقدیر فی کو قبول کرے گا اور زمان محدود کو زمان مبہم پر محمول کرتے ہیں اسلئے کہ دونوں ذات یعنی زمانیت میں شریک ہیں نیز مصنفؒ کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ مفعول فیہ دو قسم پر ہے ایک وہ کہ اس میں فی مقدر ہوتا ہے اس صورت میں مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے دوسری قسم مفعول فیہ کی وہ ہے جس میں فی ملفوظ ہوتا ہے اسصورت میں مفعول فیہ مجرور ہوتا ہے ورنہ تو حروف جارہ کا بولنا بلا وجہ لازم آئے گا اور یہ مصنفؒ اور صاحب کافیہ کی رائے ہے اور جمہورؒ کے نزدیک وہ ظرف کہ جس میں فی ملفوظ ہوتا ہے جیسے جلست فی المسجد مفعول بہ بواسطہ حروف جارہ کے اور مفعول فیہ نہیں ہے کیونکہ جمہورؒ کے نزدیک مفعول فیہ وہ ہے جس میں فعل واقع ہو اور فی اس میں مقدر ہو یعنی ان کے نزدیک مفعولیت فیہ کی صحت کیلئے تقدیر فی کی شرط ہے اور صحت نصب کے واسطے شرط نہیں بخلاف مصنفؒ کے کہ اس کے نزدیک صحت نصب کے واسطے تقدیر فی کی شرط ہے اسیوجہ سے مصنف نے وہ تعریف جو جمہورؒ کی ہے نہیں کی قولہ ظروف المکان کذلک یعنی ظروف مکان ظروف زمان کی طرح دو قسم پر ہیں ایک مبہم اور ایک محدود مبہم وہ ہیں جن کے لیے حد معین نہ ہو اور محدود وہ ہیں جن کے لیے حد معین ہو قولہ وہو منصوب الخ یعنی جسطرح ظروف زمان منصوب ہوتے ہیں اس لئے کہ دونوں وصف ابہام میں شریک ہیں جیسے جلست خلفک اس میں خلف ظرف مکان مبہم ہے چونکہ مقابل پشت جس کے واسطے کوئی حد نہیں اس لیئے یہ منصوب ہے قولہ وہو ما لا یکون الخ یعنی ظرف مکان محدود تقدیر فی کیساتھ منصوب نہیں ہوتا ہے بلکہ فی کا ذکر اس میں ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس کا اشتراک زمان مبہم کے ساتھ بالکل نہیں نہ ذات میں نہ صفت میں جیسے جلست فی المسجد۔ قولہ ہو اسم ما الخ یعنی مفعول لہ ایسی شئے کا نام ہے جس کی وجہ سے ایسا فعل ہوتا ہو جو اس اسم سے پہلے ذکر کیا گیا ہو یعنی جس کے حاصل کرنے یا اس کے پائے جانے کے سبب سے فعل مذکور کیا گیا ہو۔ فعل سے مراد فعل لغوی ہے اور تعریف میں قولہ ما جنس ہے جو کہ تمام مفاعیل کو شامل ہے اور قولہ لاجلہ یقع الفعل الخ فصل ہے اس سے تمام مفاعیل خارج ہو گئے ہیں اب اگر کوئی کہے بعض اوقات مفعول لہ کے فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے یا کہ ادبًا اس آدمی کے جواب میں کہیں گے کہ جس نے لم ضربت زیدًا کہا پس یہ تعریف تمام افراد مفعول لہ کو شامل نہ ہوئی جواب یہ ہے کہ مذکور سے مراد عام ہے حقیقتًا مذکور ہو یا حکمًا پس مثال مذکور میں فعل اگرچہ حقیقتًا مذکور نہیں مگر حکمًا مذکور ہے۔

[illegible] داخل

اعتباری ہو جیسے آتیک خفوق النجم وجلست مقام زید یعنی آتیک وقت ۴

ويُنصَبُ بتقدير اللام نحو ضربتُه تاديبًا اى للتاديب وقعدتُ عن الحرب جُبنًا اى للجبن وعند الزجاج هو مصدرٌ تقديره ادّبتُه تاديبًا وجبنتُ جُبنًا فصل المفعول معهٗ هو ما يذكر بعد الواو بمعنى مع لمصاحبة معمول الفعل نحو جاء البرد والجباتِ وجئتُ انا وزيدًا اى مع الجباتِ ومع زيد فان كان الفعلُ لفظًا وجاز العطفُ يجوز فيه الوجهانِ النصبُ والرفع نحو جئتُ انا وزيدًا او زيدٌ وان لم يجز العطفُ تعيّن النصبُ نحو جئتُ وزيدًا وان كان الفعلُ معنًى وجاز العطفُ تعيّن العطفُ نحو ما لزيد وعمرو

قولہ وینصب الخ یعنی مفعول لہ تقدیر لام کیساتھ منصوب ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو اسلئے کہ اگر مذکور ہوگا تو مجرور ہوگا۔ مصنف کے اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک مفعول لہ اس چیز کا نام ہے کہ جسکے لئے فعل مذکور کیا گیا ہو خواہ لام اس میں مذکور ہو یا مقدر البتہ اسکے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ لام مقدر ہو اور یہ بھی خلاف اصطلاح قوم کے ہے اسلئے کہ وہ مذکور اللام کو مفعول لہ نہیں کہتے بلکہ مفعول بہ کہتے ہیں جس وقت فعل معلل بہ کا فاعل اور مفعول لہ کا فاعل ایک ہوتا ہے اور مفعول لہ فعل معلل بہ کیساتھ وجود میں مقارن ہوتا ہے اسوقت مفعول لہ مفعول مطلق کے مانند فعل کا جز ہوجاتا ہے اس وجہ سے اسوقت بلا واسطہ منصوب ہو سکتا ہے بخلاف اسکے کہ جب یہ شرط نہ پائی جاوے تو فعل کا جز نہیں ہوتا ہے تو اس وقت لام کا اظہار ضروری ہوتا ہے **قولہ ضربتہ تادیبا** یہ مثال اس مفعول لہ کی ہے کہ جسکے حاصل کرنیکے لئے فعل مذکور کیا گیا ہے اسلئے کہ تادیب ضرب سے حاصل ہوتی ہے اور اس پر مرتب ہے **قولہ عند الزجاج الخ** یعنی جمہور کے نزدیک وہ مفعول لہ معمول مستقل ہے اور زجاج کے نزدیک وہ معمول مستقل نہیں بلکہ غیر لفظ فعل سے مفعول مطلق ہے پس زجاج کے نزدیک ضربتہ تادیبا کے معنی ادبتہ بالضرب تادیبا کے ہیں نیز قعدت عن الحرب جبنا کے معنی جبنت فی القعود عن الحرب جبنا کے ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو زجاج کا یہ قول صحیح نہیں اسلئے کہ تاویل کر کے ایک نوع کو دوسرے نوع میں داخل کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اول عین ثانی ہو جائے ورنہ تاویل سے حال بھی مفعول فیہ ہو جائیگا اسلئے کہ مثلاً جاء زید راکبا کو تاویل کر کے معنی میں جاء زید فی وقت الرکوب کے کہہ سکتے ہیں **قولہ المفعول معہ**۔ اگر کوئی کہے کہ کلمہ معہ کا قولہ المفعول کیلئے مفعول ما لم یسم فاعلہ ہے اسلئے کہ الف ولام معنی میں الذی کے ہے اور مفعول بمعنی فعل پس لفظ معہ کو مرفوع ہونا چاہیے تھا نہ کہ منصوب جواب یہ ہے کہ بعض نحویوں نے اسکو جائز رکھا ہے کہ جب فعل کی اسناد لازم النصب کیطرف ہو تو اسکو منصوب ہی باقی رکھا جائے تاکہ اکثر احوال کیساتھ اسکی موافقت ہو جائے **قولہ ہو ما یذکر بعد الواو** بمعنی بمصاحبۃ میں یذکر کے متعلق ہے اور یہ معنی ہیں کہ مفعول معہ وہ اسم ہے جو واو بمعنی مع کے بعد مذکور ہو بوجہ مصاحبت معمول فعل کے خواہ وہ معمول فاعل ہو جیسے استوی الماء والخشبۃ یعنی پانی لکڑی کیساتھ بلندی میں برابر ہو گیا یا وہ مفعول ہو جیسے کفاک وزیدا درہم۔ اور خواہ وہ فعل لفظی ہو یا معنوی فعل لفظی کی مثال ماقبل میں مذکور ہو چکی ہے اور فعل معنوی کی مثال مالک وزیدا ہے اے ما تصنع وزیدا۔ یعنی تو زید کے ساتھ کیا کر رہا ہے تنبیہ یہ ضروری نہیں کہ جو اسم واو بمعنی مع کے بعد واقع ہو۔ وہ مفعول معہ ہو جیسے کل رجل وضیعتہ میں بمعنی مع کے بعد واقع ہے اور مفعول معہ نہیں اسلئے مفعول معہ ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ معمول فعل کے ساتھ زمان واحد میں مصاحب ہو جیسے سرت وزیدا یا مکان واحد میں مصاحب ہو جیسے لو ترکت الناقۃ وفصیلہا لرضعہا **قولہ فان کان الخ** اس میں فا تفسیر کیلئے ہے اور کان یا ناقصہ ہے یا تامہ اول کی بنا پر لفظا خبر کان ہے اور ثانی کی بنا پر حال ہے بمعنی لفظیا یا ملفوظا کی تاویل میں ہو کر یا تمیز ہے من حیث اللفظ اور الفعل میں الف لام عہد کا ہے اور وہ جاز العطف میں واو یا تو عاطفہ ہے عطف جملہ علی جملہ ہو رہا ہے یا بتقدیر قد حال ہے حاصل یہ ہے کہ اگر فعل لفظی ہو اور واو کے مابعد کا عطف اسکے ماقبل پر جائز ہو تو اسوقت مفعول معہ میں دو وجہیں عطف کرنا بھی جائز ہے اور بنا بر مفعولیت کے نصب دینا بھی جائز ہے جیسے جئت انا وزید و زیدا کہ اس جگہ واو کے مابعد کا ماقبل پر عطف ہو سکتا ہے اسلئے کہ اس میں ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل انا کیساتھ کی گئی ہے پس عطف جائز ہوگا اور بنا بر عطف کے زید مرفوع پڑھا جائیگا اور نصب دینا بھی جائز ہوگا اسلئے کہ وہ مفعول معہ ہے **قولہ وان لم یجز الخ** یعنی اگر عطف جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو تو نصب بنا بر مفعولیت کے متعین ہو جائیگا جیسے قولہ جئت وزیدا اسلئے کہ اس جگہ ضمیر متصل کی تاکید منفصل نہ آنیکی وجہ سے عطف ممتنع ہے لہذا سوائے نصب کے اور کوئی صورت نہیں پس نصب واجب ہوگا (**فائدہ**) قول مصنف جاز العطف میں جواز سے مراد امکان خاص بمعنی سلب ضرورت طرفین ہے اور یہ معنی ہیں کہ عطف اور نصب اس جگہ پر جائز ہیں کہ عطف کرنا اور نہ کرنا دونوں ضروری نہ ہوں اور اسکے مقابلہ میں وان لم یجز العطف تعین النصب سے جو عدم جواز مفہوم ہوتا ہے وہ معنی میں امتناع کے ہے اسلئے کہ لفظ ان لم یجز سے امکان خاص کی نفی ہے جیسا کہ گذر چکا ہے اور امکان خاص کی نفی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جانب مخالف کا ثبوت ضروری ہو یعنی عطف ممتنع ہو دوسرے یہ کہ جانب موافق کا ثبوت ضروری ہو یعنی عطف واجب ہو بر تقدیر ثانی جزا شرط پر مرتب نہیں ہوتی اسلئے کہ جب عطف واجب ہوگا تو نصب متعین نہ ہوگا پس لامحالہ کہنا پڑیگا کہ لفظ ان لم یجز سے جو عدم جواز مفہوم ہوتا ہے اس سے مراد امتناع ہے تاکہ محذور لازم نہ آئے فتامل فانہ دقیق **قولہ ان کان الفعل** یعنی اگر فعل معنوی ہو یعنی ایسا امر ہو کہ جو لفظ سے مستنبط ہوتا ہے اور عطف جائز ہو یعنی ممتنع نہ ہو۔ یہاں جواز بمعنی امکان عام ہے خواہ عطف واجب ہو یا نہ ہو (باقی بر صفحہ ٨٩ لیں) ÷

وان لم يجز العطف تعيّن النصب نحو مالك وزيدا وماشانك وعمرا لان المعنى ما تصنع فصل الحال لفظ يدل على بيان هيأة الفاعل او المفعول به او كليهما نحو جاءنى زيد راكبا ضربت زيدا مشدودا ولقيت عمرا راكبين وقد يكون الفاعل معنويا نحو زيد فى الدار قائما لان معناه زيد استقر فى الدار قائما وكذا المفعول به نحو هذا زيد قائما فان معناه المشار اليه قائما هو زيد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸) تو اس صورت میں عطف متعین ہوگا جیسے قولہ مالزید وعمرو اسلئے اس میں فعل معنوی ہے اور عطف امر ظاہر ہے پس یہ نہ ہوگا کہ امر ظاہر کو چھوڑ کر امر ضعیف خفی کو اختیار کریں لہٰذا عطف متعین ہوگا

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) **قولہ وان لم یجز العطف**۔ یعنی اگر عطف جائز نہ ہوگا بلکہ ممتنع ہو تو اس صورت میں نصب متعین ہو جائیگا اسلئے کہ یہاں سوائے نصب کے اور کوئی صورت نہیں ہے جیسے مالک وزیدا وماشانک وعمرا کہ ان دونوں مثالوں میں عطف ممتنع ہے اور وجہ امتناع عطف یہ ہے کہ اگر ضمیر مجرور پر عطف کریں تو ضمیر مجرور پر بدون اعادۂ جار کے عطف لازم آئیگا۔ اور وہ جائز نہیں ہے اسیطرح عمرا کا عطف اگر شانک میں شان پر کریں تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اسوقت خلاف مقصود لازم آئیگا مقصود دونوں کی شان سے سوال کرنا ہے نہ کہ ایک کی شان اور دوسری کی ذات سے یہاں پر مصنفؒ دو مثالیں اس لئے لائے ہیں کہ پہلی مثال مجرور بحرف جر کی ہے اور دوسری مثال مجرور باضافت کی ہے اور دونوں میں عطف جائز نہ ہونیکی وجہ سے نصب متعین ہے **قولہ لان المعنی الخ**۔ یہ اشارہ مذکورہ میں فعل کے معنوی ہونیکی دلیل ہے چنانچہ مالک وزیدا کے معنی ماتصنع وزیدا کے ہیں اور ماشانک وعمرا کے معنے ماتصنع وعمرا کے ہیں۔ اور مالزید وعمرو کے معنی ماتصنع زید وعمرو کے ہیں **قولہ الحال**۔ حال لغت میں حال الشی یحول بمعنے برگشتن تبدیل پذیرفتن سے ماخوذ ہے اور حال اصطلاحی کو بھی حال اسلئے کہتے ہیں کہ وہ اکثر اوقات انقلاب اور تغیر سے خالی نہیں ہوتا کذا فی حاشیہ عبد الغفور اور حال کا منصوب ہونا اس وجہ سے ہے کہ یہ فضلہ کا جزء ہے کیونکہ فاعل اور مفعول کی ہیئت کو بیان کرتا ہے اور فاعل مفعول جزء فعل ہیں لہٰذا یہ بھی فعل کا جزء ہے **قولہ لفظ الخ** نحویوں کی اصطلاح میں حال وہ لفظ ہے کہ جو فاعل یا مفعول بہ یا دونوں کی حالت پر دلالت کرے لفظ جنس ہے جو تمام الفاظ کو شامل ہے اور لفظ ہیئت سے تمیز خارج ہو جاتی ہے اسلئے کہ وہ ذات کو بیان کرتی ہے نہ کہ صفت کو جیسے اعطیتہ عشرین درہما کہ اس جگہ درہم بعینہ عشرون ہے پھر ہیئت کی فاعل اور مفعول بہ کیطرف اضافت کر دینے سے وہ چیز خارج ہو جائے گی جو کہ غیر فاعل ومفعول بہ کی ہیئت کو بیان کرتی ہے جیسے زید العالم اخوک میں العالم مبتداء کی صفت ہے اور اسکی ہیئت کو بیان کرتی ہے نہ فاعل اور مفعول کی ہیئت کو پس اس قید سے مبتداء کی صفت سے احتراز ہو جائیگا لیکن بایں ہمہ فاعل اور مفعول کی صفات ابھی تک تعریف حال میں داخل ہیں انکے اخراج کیلئے مناسب یہ ہے کہ قید حیثیت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور کہا جائے کہ حال وہ ہے کہ جو فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت کو اس حیثیت سے بیان کرے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ ہے پس اسوقت فاعل اور مفعول بہ کی صفات بھی تعریف حال سے خارج ہو جائینگی اسلئے کہ وہ فاعل اور مفعول بہ کی ہیئت پر مطلقاً دلالت کرتی۔ بلکہ اس حیثیت سے دلالت نہیں کرتیں کہ وہ فاعل ہے یا مفعول بہ اور وجہ یہ کہ صفت ہمیشہ اسی معنی پر دلالت کرتی ہے کہ جو متبوع میں پائے جاتے ہیں اس میں یہ حیثیت ملحوظ نہیں ہوتی کہ وہ متبوع فاعل ہے یا مفعول بہ اور یہی وجہ ہے کہ جاءنی زید العاقل میں زید کا صفت عاقل کیساتھ اتصاف ہر حالت میں ہے خواہ جاء کو ذکر کریں یا نہ کریں بخلاف حال کے کہ وہ فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت پر مطلقاً دلالت نہیں کرتا بلکہ اس میں فاعلیت ومفعولیت کی حیثیت معتبر ہے پھر حیثیت کی قید اگرچہ کلام مصنف میں مذکور نہیں مگر چونکہ تعریفات میں اکثر حیثیت کی قید معتبر ہوتی ہے لہٰذا شہرت پر اعتماد کرکے مصنف علامؒ نے اس کو ذکر نہیں فرمایا اگر کوئی کہے کہ حال کبھی مفعول مطلق اور مفعول معہ اور مضاف الیہ سے بھی ہوتا ہے جیسے ضربت ضرباً شدیداً اور جاءنی زید وعمرو راکبا اور قولہ تعالیٰ بل نتبع ملۃ ابراہیم حنیفاً پس فاعل اور مفعول کی تخصیص نہ ہوگی جواب یہ ہے کہ اس جگہ فاعل اور مفعول بہ سے مراد عام ہے۔ حقیقی ہوں یا حکمی۔ اب مفعول مطلق اگرچہ حقیقتاً مفعول بہ نہیں حکماً مفعول بہ ہے اسلئے کہ ضربت ضرباً شدیداً کے معنی احدثت الضرب شدیداً کے ہیں اور یہی حال مفعول معہ کا ہے اگر وہ فاعل کے مصاحب ہو تو وہ حکماً فاعل اور مفعول بہ کے مصاحب ہو تو وہ حکماً مفعول ہے اسیطرح مضاف الیہ کو سمجھو کہ مضاف الیہ حال اس وقت ہوگا جبکہ مضاف فاعل اور مفعول بہ ہو اور مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کرنا صحیح ہو جیسا کہ بل نتبع ملۃ ابراہیم حنیفاً میں مضاف مفعول بہ ہے اور مضاف کو حذف کرکے اس کا قائم مقام کرنا صحیح ہے چنانچہ بل نتبع ابراہیم حنیفاً کہہ سکتے ہیں پس گویا کہ اس صورت میں ذوالحال فاعل یا مفعول بہ ہے مصنفؒ لفظ بجائے اسم کے اس وجہ سے لایا ہے تاکہ یہ تعریف اس حال کو بھی شامل ہو جائے جو کہ جملہ ہوتا ہے اگر مصنف لفظ نہ کہتا بلکہ اسم کہتا تو یہ تعریف جملہ حال کو شامل نہ ہوتی۔ **قد یکون الفاعل معنویا الخ** اس سے مصنفؒ نے اشارہ کر دیا کہ فاعل اور مفعول بہ میں تعمیم ہے خواہ لفظی ہو خواہ معنوی فاعل لفظی اور مفعول لفظی سے مراد یہ ہے کہ فاعلیت فاعل کی اور مفعولیت مفعول کی لفظ کلام سے سمجھی جاتی ہو اور وہ فاعل اور مفعول ملفوظ ہو اور خارج از لفظ کسی امر کے اعتبار کرنے کی ضرورت نہ ہو جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں اور معنوی سے یہ مراد ہے کہ وہ لفظی کے خلاف ہو اس کے دو فرد نکل آئیں گے۔ ایک یہ کہ فاعلیت فاعل کی اور مفعولیت مفعول کی اگرچہ منطوق کلام سے سمجھی جاتی ہو اور لیکن وہ ملفوظ نہ ہو دوسرے یہ کہ فاعلیت فاعل کی اور مفعولیت مفعول کی منطوق کلام سے سمجھی جاتی ہو بلکہ باعتبار امر خارج کے جیسے مثلاً اوّل کی مثال زید فی الدار قائما (باقی صفحہ ۹۰ پر)

والعامل في الحال فعل او معنى فعل والحال نكرة ابدًا وذو الحال معرفة غالبًا كما رأيت في الامثلة المذكورة فان كان ذو الحال نكرة يجب تقديم الحال عليه نحو جاءني راكبًا رجل لئلا تلتبس بالصفة في حالة النصب في مثل قولك رايت رجلًا راكبًا وقد تكون الحال جملة خبرية نحو جاءني زيد وغلامه راكب او يركب غلامه ومثال ما كان عاملها معنى الفعل نحو هذا زيد قائمًا معناه انبّه و اُشير

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹) کہ قائمًا استقر کی ضمیر سے حال ہے۔ جو کہ ملفوظ نہیں ہے اگرچہ لفظ کلام سے بھی اسکی فاعلیت مفہوم ہو رہی ہے اور ہذا زید قائمًا مثال مفعول معنوی سے حال ہونیکی ہے اس میں مفعولیت مفعول کی فحوائے کلام سے سمجھی جاتی ہے جو کہ معنے اشارہ اور تنبیہ سے مفہوم ہوتی ہے جو لفظ ہذا سے سمجھے جاتے ہیں پس اسوقت تقدیر کلام یہ ہوگی اُشیر الی زید وانبہ زیدًا حال کونہ قائمًا بہرحال اگرچہ مطلق تنبیہ اور مطلق اشارہ ملفوظ ہذا سے منطوق ہے مگر یہ اشارہ اور تنبیہ جو کہ متکلم کی طرف منسوب ہے فحوائے کلام سے مفہوم ہوتی ہے الغرض یہ مثال مفعول معنوی سے حال واقع ہونیکی ہے نہ لفظی سے نیز جاننا چاہیئے کہ لفظی اور معنوی کے یہ معنے مصنّف کے نزدیک ہے بخلاف صاحب کافیہ کے کہ اس کے نزدیک لفظی اور معنوی کے یہ معنی نہیں ہیں بلکہ لفظی وہ ہے کہ فاعلیت فاعل کی اور مفعولیت مفعول کی منطوق کلام سے مفہوم ہو خواہ وہ ملفوظ ہو یا نہ ہو اور معنوی وہ ہے جو کہ فاعلیت فاعل اور مفعولیت مفعول فحوائے کلام سے مفہوم ہو نہ منطوق کلام سے (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ والعامل فی الحال** ایسا عامل جو حال میں ہو نیوالا ہے یا تو فعل ہے یا فعل کے معنی شبہ فعل سے مراد اسم فاعل اور مفعول اور صفت مشبہ افعل التفضیل اور مصدر اور ظرف اور جار مجرور اور اسمائے افعال اور ہر ایسا فعل جو مضمون کلام سے مستنبط ہو جیسے حرف ندا حرف تنبیہ اسم اشارہ وغیرہ **قولہ والحال نکرۃ ابدًا**۔ یعنی حال کی شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو اس لئے کہ معنی مقصود مقید ہو اور حال اسکی قید ہے پس اگر حال معرفہ ہوگا تو فوقیت قید کی مقید پر لازم آئیگی اور یہ امر نہایت مذموم ہے **قولہ ذو الحال معرفۃ غالبًا** یعنی ذو الحال اکثر معرفہ ہوتا ہے اسلئے کہ وہ حقیقت میں محکوم علیہ ہے اور اصل محکوم علیہ میں تعریف ہے لہٰذا وہ معرفہ ہوگا لیکن کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ لفظ غالبًا سے معلوم ہوتا ہے۔ **قولہ فان کان ذو الحال الخ** یعنی جب ذو الحال نکرہ ہو تو تقدیم حال کی ذو الحال پر واجب ہوگی ورنہ ذو الحال کے منصوب ہونیکی صورت میں حال کا صفت کے ساتھ التباس ہوگا جیسے رایت رجلًا راکبًا کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ راکبًا رجلًا کی صفت ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ حال واقع ہو پس اسوقت حال کو ذو الحال پر مقدم کرینگے تاکہ حال کا صفت کے ساتھ التباس نہ ہو اسلئے کہ صفت کبھی اپنے موصوف پر مقدم نہیں ہوتی بخلاف حال کے کہ وہ ذو الحال پر مقدم ہو سکتا ہے پس جب حال کو ذو الحال پر مقدم کرینگے تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ حال ہے صفت نہیں پھر ذو الحال کے منصوب ہونیکی حالت میں جب بخوف التباس حال ذو الحال پر مقدم کیا گیا تو دیگر مواضع میں بھی طردًا للباب مقدم کیا گیا۔ **قولہ وقد تکون الحال جملۃ الخ**۔ یعنی حال کبھی جملہ خبریہ ہوتا ہے پس لفظ قد سے اسکی کمی کیطرف اشارہ ہے اسلئے کہ حال مثل خبر مبتدا کے ہے اور اصل خبر میں افراد ہے پس حال میں اصل افراد ہوگا باقی رہا جملہ انشائیہ سو وہ حال نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اوپر مذکور ہوا ہے کہ حال ذو الحال سے بمنزلہ خبر کے ہے اور خبر محکوم بہ ہوتی ہے پس حال بمنزلہ محکوم بہ کے ہوگا اور ظاہر ہے کہ جملہ انشائیہ محکوم بہ نہیں ہو سکتا ہے مگر بتاویل پس وہ حال نہ ہوگا پھر جملہ چونکہ افادہ میں مستقل ہے لہٰذا وہ دوسری شے کے ساتھ ارتباط کو مقتضی نہیں بخلاف حال کے کہ وہ ذو الحال کیساتھ مرتبط ہوتا ہے پس حال جملہ ہوگا تو لا محالہ رابطہ اس کا ضروری ہوگا اور وہ رابطہ ضمیر اور واؤ ہے لہٰذا جملہ اسمیہ اگر حال واقع ہو تو اس میں یا تو واؤ اور ضمیر دونوں لائیں گے اسلئے کہ جملہ اسمیہ استقلال میں قوی ہے لہٰذا اسکو ذو الحال کیساتھ ربط دینے والا رابطہ بھی زیادہ قوی ہونا چاہیئے جیسے جئتک انا راکب اور کبھی رابطہ اسمیہ حالیہ میں صرف واؤ ہوگا اسلئے کہ واو اول امر میں ربط پر دلالت کرتا ہے، تنہا اس پر اکتفا کیا جائیگا جیسے کنت نبیًا وآدم بین الماء والطین اور کبھی جملہ اسمیہ حالیہ میں رابطہ صرف ضمیر ہوگی لیکن صرف ضمیر سے متلبس ہو کر جملہ اسمیہ کا حال واقع ہونا ضعیف ہے اسلئے کہ ضمیر کیلئے لازم نہیں ہے کہ وہ واؤ کی مانند ابتدا میں واقع ہو پس وہ ارتباط پر اول امر میں دلالت نہیں کرتی جیسے کلمتہ فوہ الی فیّ اور ماضی مثبت پر جبکہ وہ حال واقع ہو لفظ قد کا داخل ہونا ضروری ہے خواہ قد لفظوں میں موجود ہو یا مقدر ہو اسلئے کہ ماضی زمانہ گذشتہ کی خبر دیتی ہے اور حال وہ ہے کہ جو زمانہ موجودہ پر دلالت کرے پس لا محالہ ماضی پر جبکہ وہ حال واقع ہو قد کو داخل کر دیتے ہیں تاکہ ماضی کو حال کے نزدیک کر دے صورۃً اور مجازًا نہ کہ حقیقۃً اس لیے کہ قد حقیقت میں زمانہ ماضی کو زمانہ حال لغوی کے جو کہ زمانہ تکلم ہے نزدیک کرتا ہے نہ کہ زمانہ حال اصطلاحی کے وہ زمانہ صدور فعل کا ہے مثال قد کی کہ لفظوں میں ظاہر ہو جیسے جاءنی زید قد رکب غلامہ اور مثال قد مقدرہ کی جیسے قولہ تعالیٰ او جاءوکم حصرت صدورھم ای قد حصرت اور یہ قول سیبویہ اور مبرد کے خلاف ہے اسلئے کہ قد کا حذف انکے نزدیک جائز نہیں پس وہ کہتے ہیں کہ حصرت صدورھم حال نہیں بلکہ حال سیبویہ کے نزدیک محذوف ہے اور جملہ مبرد کے نزدیک محذوف کی صفت ہے جاءوکم قومًا حصرت صدورھم اور مبرد کہتا ہے کہ حصرت صدورھم جملہ دعائیہ ہے اور باقی رہا آیت کا ترجمہ تو وہ حال کہنے کی صورت میں تو یہ ہوگا کہ جماعت تمہارے قتال کے لئے اس حال میں آئی کہ تنگدل تھی اور دعا سمجھنے کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ جماعت تمہارے قتل کے لئے آئی دل اس قوم کے تنگ ہو جیویں۔

وقد يحذف العاملُ لقيامِ قرينةٍ كما تقولُ للمسافرِ سالمًا غانمًا اى ترجعُ سالمًا غانمًا فصلٌ التمييزُ هو نكرةٌ تُذكرُ بعد مقدارٍ من عددٍ او كيلٍ او وزنٍ او مساحةٍ او غيرِ ذلك مما فيه ابهامٌ ترفعُ ذلك الابهامَ نحو عندى عشرون درهمًا وقفيزانِ برًّا ومنوانِ سمنًا وجريبانِ قطنًا وعلى التمرةِ مثلُها زبدًا وقد يكونُ

قولہ قد یحذف العامل الخ یعنی حال کے عامل کو کبھی حذف کر دیتے ہیں جبکہ اسکے حذف پر کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ موجود ہو جیسے مثلاً کوئی سفر سے واپس ہوتا ہے تو اسکے لیے کہو کہ سالماً غانماً اصل میں تھا ترجع سالماً غانماً بقرینہ حال مخاطب فعل کو حذف کر دیا ہے اور قولہ غانماً حال بعد حال ہے یا سالماً کی صفت ہے اور جیسا کہ کوئی شخص سفر کا ارادہ کرے اس کو راشداً مہدیاً کہیں گے۔ اس مثال میں راشداً حال ہے اور اس سے پہلے لفظ سر محذوف ہے جسکو بقرینہ حال مخاطب کے حذف کر دیا گیا ہے ای سر راشداً مہدیاً اور قولہ مہدیاً یا تو راشداً کی صفت ہے یا حال بعد حال ہے قرینہ مقالیہ کی مثال جیسے کہا اس شخص کے جواب میں کہیں گے کہ جسنے کہا کیف جئت اسے جئت راکباً پس جئت کو بقرینہ سوال مذکور کے حذف کر دیا گیا ہے اور جب معنے فعل عامل ہوتا ہے اور کبھی اسکو بھی حذف کر دیتے ہیں جیسے الہلال طالعاً اصل میں تھا ہذا الہلال طالعاً اور شبہ فعل عامل کو بھی حذف کرتے ہیں جیسے مثلاً کسی نے تم سے کہا کہ کیف کنت ضارب زید تم نے جواب میں کہا قائماً تو اصل کنت ضارب زید قائماً تھا یہاں پر عامل کو قرینہ سوال کی وجہ سے حذف کر دیا ہے **قولہ التمییز۔** تمیز کو تبیین اور تفسیر اور ممیز بکسر یاء تحتانیہ بھی کہتے ہیں اصل لغت میں یہ مصدر بمعنی جدائی کردن ہے اور اصطلاح میں وہ ہے جو مصنف بیان کرتا ہے کہ تمیز وہ نکرہ ہے جو مقدار کے بعد ذکر کیا جاتا ہے عام اس سے کہ وہ مقدار عدد ہو خواہ کیل ہو خواہ وزن ہو خواہ مساحت ہو۔ خواہ اسکے علاوہ ان میں سے ہو جس میں ابہام ہو یعنی ابہام ثابت راسخ ہو چکا ہو معنے موضوع لہ میں۔ حاصل یہ کہ تمیز وہ اسم نکرہ ہے جو مقدار سے اس ابہام کو دور کرے جو مقدار کے معنے موضوع لہ میں راسخ ہو چکا ہو مصنف کا قول اسم نکرہ تمام اسماء نکرات کو شامل ہے اور یرفع ذلک الابہام بدل کو خارج کرتا ہے اسلئے کہ بدل مبدل منہ ابہام کو رفع کرنے کیلئے نہیں ہوتا بلکہ مبدل منہ حکم میں متروک کے ہے اور بدل مقصود ہوتا ہے پس بدل تمسک مبہم لعدم ارادہ معین کیلئے ہے نہ کہ کسی چیز سے رفع ابہام کیلئے اور ہم نے جو کہا ہے کہ یہ اس ابہام کو رفع کرتا ہے جو موضوع لہ میں راسخ ہو چکا اس سے تین چیزیں خارج ہو گئیں ایک لفظ مشترک کی صفت جیسے رایت عیناً جاریۃ اسلئے کہ کلمہ جاریۃ کا لفظ عین سے ابہام کو رفع کرتا ہے اور یہ ابہام لفظ عین کے وضع میں نہیں بلکہ استعمال میں باعتبار تعدد موضوع لہ کے پیدا ہوا ہے دوسرے صفت مبہم کی جیسے ہذا الرجل اسلئے کہ ہذا مثلاً یا تو مفہوم کلی کیلئے وضع کیا گیا ہے بشرط استعمالہ فی الجزئیات اور اسوقت ظاہر ہے کہ مفہوم کلی میں کوئی ابہام نہیں بلکہ ابہام از راہ تعدد مستعمل فیہ پیدا ہوا ہے اور یا یہ کہ تحت الکلی جتنی جزئیات ہیں ان میں سے ہر ایک کیلئے وضع کیا گیا ہے جیسا کہ جمہور کا قول ہے اور ظاہر ہے کہ ہر جزئی میں از راہ وضع کے ابہام نہیں بلکہ ابہام ہذا میں بسبب تعدد موضوع لہ کے پیدا ہوا ہے پس ہذا کی صفت الرجل اگرچہ اس ابہام کو دور کرتی ہے لیکن چونکہ یہ ابہام وضعی نہیں لہذا وہ تمیز سے خارج ہو جائے گی تیسرے عطف بیان جیسے قولک ابو حفص عمر اسلئے کہ ہر ایک ابو حفص اور عمر سے شخص معین کیلئے وضع کیا گیا ہے پس دونوں میں سے کسی میں ابہام نہیں لیکن چونکہ وہ عمر کے نام سے زیادہ مشہور ہے لہذا ابو حفص میں بوجہ عدم شہرت کے ابہام ہے اور ابہام عمر کہنے سے زائل ہو جاتا ہے پس عمر عطف بیان ہے نہ کہ تمیز اسلئے کہ تمیز کیلئے ممیز میں ابہام وضعی ہونا چاہیے اور یہ ابہام وضعی نہیں **قولہ نکرۃ** بصریوں کا مذہب ہے کہ تمیز اسم نکرہ ہی ہوتی ہے چونکہ تمیز سے مقصود رفع ابہام ہے اور یہ نکرہ سے حاصل ہو جاتا ہے اور یہی اصل ہے اور تعریف امر زائد ہے غرض اصلی پیدا سو جو سے نکرہ تمیز ہوتا ہے اور کوفیین کے نزدیک تعریف تمیز لام اور اضافت کیساتھ درست ہے استدلال نہیں غبن رایہ اور اسم بطنہ اور سفہ نفسہ کو پیش کرتے ہیں کہ یہ سب بنا بر تمیز کے منصوب ہیں بصریین جواب میں کہتے ہیں غبن رایہ بمعنی غبن فی رایہ اور اسم بطنہ بمعنی اسم شاکیاً بطنہ اور سفہ نفسہ بمعنی سفہ فی نفسہ کے ہے **قولہ مقدار** صیغہ۔ اسم آلہ ہے یا بقدر بالشیئ (وہ چیز جس سے اشیاء کا اندازہ کیا جائے) کے معنی ہیں مقدار کیا گیا ہے مصنف نے اسکو خود بیان کر دیا ہے غیر ذلک سے مراد مقیاس ہے **قولہ عندی عشرون درہماً** یہ مثال اس تمیز کی ہے جو مقدار عدد سے ہے جس میں ممیز اسم تام مشابہ بنون جمع ہے عشرون مقدار عدد اسم مبہم کہ اسکا مصداق معلوم نہیں کہ کونسی چیز ہے درہم یا دینار یا ان کے غیر پس جب درہماً کہا تو تمام محتملات سے امتیاز ہو گیا اور اگر کوئی کہے کہ عشرون عدد متعین کیلئے وضع کیا گیا ہے بیس سے کم یا زیادہ پر اسکا اطلاق نہیں پس اس میں ابہام وضعی نہ ہوا اور جواب یہ ہے کہ عدد سے مقصود معدود ہے پس جب معدود میں ابہام ہوا تو گویا عدد میں بھی ابہام ہوا نیز یہاں پر ایک اور سوال ہوتا ہے کہ مصنف نے عدد کی مثال عشرون درہماً سے کیوں دی احد عشر درہماً مثال میں کیوں نہ دیا تو جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مصنف عشرون درہماً مثال میں اسوجہ سے لایا تاکہ دو امر کی مثال ہو جاوے یعنی عدد اور تام بالنون کی اسپر معارضہ کیا ہے کہ اگر احد عشر درہماً مثال میں لاتا تب بھی دو امر کی مثال ہوتی ایک عدد اور ایک اسم تام بتنوین مقدر کی **قولہ قفیزان** براً اس تمیز کی مثال ہے جو مقدار کیل کے بعد مذکور ہے اور منوان سمناً اس تمیز کی مثال ہے جو وزن مقدار کے بعد مذکور ہے اور جریبان قطناً اس تمیز کی مثال ہے جو مسوح مقدار کے بعد مذکور ہے اور یہ سب مثال اس اسم تام کی ہے جو نون تثنیہ کے ساتھ تام ہے۔ **قولہ علی التمرۃ مثلہا زبداً۔** مقدار مقیاس کی (باقی بر صفحہ ۹۲ پر)

عن غیر مقدار، نحو هذا خاتمٌ حدیدًا وسوارٌ ذهبًا وفیه الخفضُ اکثر وقد یقعُ بعد الجملة لرفع الابهام عن نسبتها نحو طاب زیدٌ نفسًا وعلمًا او ابًا فصل المستثنیٰ لفظٌ یُذکر بعد الا واخواتها لیعلم انه لا یُنسبُ الیه ما نسب الی ما قبلها وهو علی قسمین مُتصلٌ

(بقیہ حاشیہ صـ۹۱) مثال ہے اس میں اسم تام اضافت کیساتھ ہے جاننا چاہیے کہ جب تمیز مقدار سے ہوتی ہے یا غیر مقدار سے جیسا کہ آتا ہے اسوقت تمیز مفرد سے ہوتی ہے اور یہ اسم مفرد اس تمیز میں نصب کا عمل کرتا ہے جبکہ اسم تام ہوتا ہے اسم تام کا مطلب یہ ہے کہ اسم ایسی حالت پر ہو کہ اسکے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسری چیز کی طرف مضاف نہ ہو سکتا ہو۔ چنانچہ اسم یا تنوین سے تام ہوتا ہے خواہ وہ ملفوظ ہو یا مقدر یا نون تثنیہ سے یا نون جمع سے یا اضافت جیسا کہ امثلہ مذکورہ بالا سے معلوم ہوا اور اگر کوئی کہے کہ الف لام سے بھی اسم تام ہو جاتا ہے کیونکہ تامی اسم سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی حالت میں ہو کہ اسکے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسری چیز کیطرف مضاف نہ ہو سکتا ہو لیکن جیسا کہ الف لام کے ساتھ بھی اسم مستحیل الاضافت ہے تو الف لام سے بھی اسم تام ہوگا جواب یہ ہے کہ یہاں وہ اسم تام مراد ہے جو کہ ناصب تمیز ہو معرف باللام چونکہ ناصب تمیز نہیں لہٰذا وہ خارج ہے تفصیل مقام کی یہ ہے کہ اسم جب ان اشیاء کے ذریعہ تام ہوگا تو اس کی مشابہت فعل کیساتھ ہو جائیگی پس جس طرح فعل اپنے فاعل کیساتھ تام ہوتا ہے اسیطرح یہ اسم بھی اشیاء مذکورۃ الصدر میں سے کسی ایک ذریعہ سے تام ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ اشیاء تو بمنزلہ فاعل کے اور تمیز بمنزلہ مفعول کے ہوگی اور جسطرح کہ فعل فاعل کے بعد اسم منصوب ہوتا ہے اسیطرح تمیز بھی منصوب ہوگی اور ناصب وہ اسم تام ہوگا بخلاف معرف باللام کے کہ اس میں چونکہ لام اول میں ہے اور ظاہر ہے کہ فاعل فعل کا ہمیشہ بعد میں ہوتا ہے پس معرف باللام کی مشابہت فعل کیساتھ نہ ہوگی لہٰذا اس جگہ تامی اسم میں الف ولام کا اعتبار نہ کیا جاوے گا اور معرف باللام کے بعد جو اسم ہوگا وہ منصوب نہ ہوگا (حاشیہ صفحہ ہذا)

قولہ عن غیر مقدار یعنی تمیز جیسا کہ مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے ایسے ہی غیر مقدار سے بھی رفع ابہام کرتی ہے مراد غیر مقدار سے یہ ہے کہ نہ عدد ہو اور نہ وزن اور نہ ذراع اور نہ کیل اور نہ مقیاس **قولہ وفیہ الخفض** یعنی غیر مقدار کی تمیز کو جر دینا اکثر ہے اس لیے کہ تمیز سے مقصود رفع ابہام اور وہ خفض یعنی جر کی صورت میں تخفیف کیساتھ حاصل ہو جاتا ہے **قولہ وقد یقع الخ** یعنی تمیز جملہ کے بعد واقع ہوتی ہے تاکہ اس جملہ کی نسبت سے ابہام کو دور کرے یعنی جملہ میں جو نسبت ہوتی ہے اس نسبت میں جو ابہام ہوتا ہے اس ابہام کو دور کرنے کیواسطے آتی ہے **قولہ طاب زید نفسًا** جاننا چاہیے کہ تمیز جب تمیز نسبت سے ہوتی ہے تو محذوف ہوتا ہے اس مثال میں بھی محذوف ہے یہ اصل میں تھا طاب شئ منسوب الیٰ زید پس شئے کو حذف کرکے زید کو اس کے بجائے رکھ دیا اسلئے کہ زید عین شے ہے پھر اگر کوئی کہے کہ اب بھی مثال اور ممثل لہ میں مطابقت نہیں اسلئے کہ ممثل لہ یہ ہے کہ تمیز رفع ابہام نسبت جملہ سے کرے اور اس مثال میں رفع ابہام مسند الیہ سے ہے نہ کہ نسبت سے پس مثال و ممثل لہ میں مطابقت نہ ہوئی اور اس کا جواب بھی وہی دیا جائیگا جو کہ ماقبل مذکور ہوا کہ ابہام طرف نسبت میں ابہام فی النسبۃ کو مستلزم ہے پس مثال مذکور میں جس طرح رفع ابہام مسند الیہ سے ہے اسکے ساتھ ساتھ نسبت سے بھی ہے مصنفؒ نے نسبت سے تمیز کی تین مثالیں ذکر کی ہیں اس سے اس کی کثرۃ کا اضافت کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ممیز یا تو اسم نفس منتصب عنہ کے لیے ہے۔ یا نفس متعلق منتصب عنہ کیلئے یا ان دونوں میں سے ہر ایک کیلئے اس میں سے نفس منتصب عنہ کے ساتھ مختص ہے اور علم متعلق منتصب عنہ کے ساتھ اور اب دونوں کا احتمال رکھتا ہے کہ منتصب عنہ کیلئے ہو یا متعلق منتصب عنہ کے لیے ہو۔ **قولہ المستثنیٰ** لفظ مستثنیٰ اسم مفعول ہے استثناء سے جو کہ ثنیٰ سے مشتق ہے جو بمعنے صرف و منع ہے ایسے ہی لفظ استثناء بمعنے صرف و منع ہے قولہ لفظ الخ مصنف بیان مستثنیٰ کے اصطلاحی معنے بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مستثنیٰ ایسا لفظ ہے کہ جو الا اور اس کے نظائر کے بعد ذکر کیا جاتا ہو مصنف لفظ بجائے اسم کے (باوجودیکہ مستثنیٰ منصوبات کی قسم سے ہے اور منصوبات اسماء کی ایک قسم ہے) اسوجہ سے ذکر کیا ہے تاکہ یہ تعریف جملے کو بھی شامل ہو جاوے۔ چونکہ جملہ بھی کبھی مستثنیٰ واقع ہوتا ہے اخوات سے مراد حروف استثناء ہیں جو کہ خلا عدا ماخلا ماعدا لیس لایکون وغیرہ ہیں جس کی تفصیل آئندہ آئے گی یہ لفظ الا اور اس کے نظائر کے بعد اسوجہ سے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب کو معلوم ہو جاوے کہ الا کے ماقبل اسم کیطرف جو منسوب ہے وہ اس لفظ یعنی الا کے مابعد کی طرف منسوب نہیں شیخ ابن حاجبؒ نے مستثنیٰ کی تقسیم مستثنیٰ کی تعریف کئے بغیر کر دی اس وجہ سے اس میں گفتگو ہوئی شیخؒ نے کیوں تعریف چھوڑ دی اور بعض نے کہا کہ جامع بین القسمین مفہوم کوئی نہیں نکلتا ہے اسوجہ سے شیخؒ نے تعریف چھوڑ دی۔ اور بعض نے اس کے لیے مفہوم مشترک نکالا ہے جیسا کہ مصنفؒ نے شیخ رضی رحؒ سے یہ تعریف کی کہ المستثنیٰ ہو المذکور بعد الا واخواتہا مخالفًا لما قبلہا نفیًا واثباتًا اور بعض یہ تعریف کرتے ہیں۔ مزف بعض جملہ مذکورۃ عن دخولہ فی تلک الجملۃ اور بعض تعریف کرتے ہیں اخراج الشئ عما دخل فیہ غیرہ۔

وهو ما اُخرِجَ عن متعددٍ بإلّا واخواتها نحو جاءنی القومُ الا زيدًا او مُنقطِعٌ وهو المذكورُ بعد الا واخواتها غيرَ مُخرَجٍ عن متعددٍ لعدمِ دخولِه في المستثنیٰ منه نحو جاءنی القومُ الا حمارًا واعلم انّ اعرابَ المستثنیٰ علیٰ اربعةِ اقسامٍ فان كان متصلا ووقع بعد الا فی كلامٍ موجَبٍ او مُنقطِعًا كما مرّ او مُقدّمًا علی المستثنیٰ منه نحو ما جاءنی الا زيدًا احدٌ او كانَ بعد خلا وعدا عند الاكثر او بعد ما خلا وما عدَا وليس ولا يكون نحو جاءنی القوم خلا زيدًا الخ كانَ منصوبًا وان كانَ بعد الا فی كلامٍ غيرِ موجَبٍ وهو كل كلامٍ يكون فيه نفیٌ ونهیٌ واستفهامٌ والمستثنیٰ منه مذكورٌ يجوز فيه الوجهانِ النصبُ والبدلُ عما قبلها نحو ما جاءنی احدٌ الا زيدًا والا زيدٌ وان كان مفرّغًا بان يكونَ بعدَ الا فی كلامٍ ـ

قولہ وهو ما اخرج عن متعدد یعنی مستثنیٰ متصل وہ ہے جو الا یا اس کے اخوات کے ذریعہ متعدد سے نکالا گیا ہو خواہ وہ شئی متعدد یعنی مستثنیٰ منہ مذکور ہو یا مقدر مثال مستثنیٰ منہ ملفوظ کی جیسے جاءنی القوم الا زیدا اور مثال مستثنیٰ منہ مقدر کی جیسے ما جاءنی الا زید۔ اب اگر کوئی کہے کہ قولہ ہو المخرج سے کیا مراد ہے شمول متعدد سے مستثنیٰ کو خارج کرنا یا حکم متعدد سے پہلی صورت قابل تسلیم نہیں اسلئے کہ متعدد بعد استثناء کے بھی مستثنیٰ کو شامل ہوتا ہے اور نہ دوسری صورت قابل تسلیم ہے اسلئے کہ اسکے تسلیم کرنے میں تناقض لازم آتا ہے کیونکہ اخراج فرع ہے دخول کی پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مستثنیٰ حکم متعدد میں داخل بھی ہو اور خارج بھی جواب یہ ہے کہ مصنف کے قول ہو المخرج عن متعدد کے معنی مجازاً منع دخول فی المتعدد بالا واخواتہا کے ہیں پس اب کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ **قولہ ومنقطع الخ** یعنی مستثنیٰ منقطع وہ ہے کہ جو الا واخوات الا کے بعد مذکور ہو اور متعدد سے نہ نکالا گیا ہو عام اس سے کہ وہ جنس متعدد سے ہو یا نہ ہو اس لیئے استثناء منقطع میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہوتا جیسے ما جاءنی احد الا حمارا میں ظاہر ہے کہ حمار جنس احد سے نہیں ہے اور جیسے ما جاءنی القوم الا زیدا کہ زید اگر جنس قوم سے ہو مگر اس قوم میں داخل نہ ہو تو اسوقت یہ مثال مستثنیٰ منقطع کی ہوگی **قولہ فان کان متصلا الخ** چونکہ قسم اول کا اعراب چھ قسم پر ہے اسوجہ سے اسکی تفصیل بیان کرتا ہے **قولہ بعد الا فی کلام موجب الخ** یعنی جب مستثنیٰ کلام موجب میں الا کے بعد واقع ہو تو مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوگا کلام موجب سے مراد یہ ہے کہ ایسا کلام ہو کہ جس میں نفی اور نہی اور استفہام نہ ہو جیسے جاءنی القوم الا زیدا اور وجہ اسوقت مستثنیٰ کے وجوباً منصوب ہونیکی یہ ہے کہ اس جگہ مستثنیٰ میں بدل ہونیکا احتمال نہیں لہذا بجز منصوب ہونیکے اس میں کوئی صورت نہیں والتفصیل فی الرضی ان شئت فطالعہ پھر جاننا چاہیئے کہ یہاں پر بعد الا کہنے کے وہ صورت خارج ہو جاتی ہے کہ جس میں مستثنیٰ غیر اور سویٰ کے بعد واقع ہو اسلئے کہ اس وقت یہ مستثنیٰ مجرور ہوگا **قولہ او منقطعا** یعنی مستثنیٰ منصوب کا ہونا اسصورت میں بھی واجب ہے کہ مستثنیٰ منقطع الا کے بعد واقع ہو جیسے ما فی الدار احد الا حمارا اور یہ اکثر نحویوں کا مذہب ہے اس لیئے کہ مستثنیٰ منقطع میں بجز بدل غلط کے اور کوئی صورت متصور نہیں پھر چونکہ بدل غلط از روئے سہو اور غفلت کے واقع ہوتا ہے اور مستثنیٰ منقطع قصد اور تفکر کے بعد واقع ہوتا ہے۔ لہذا وہ بدل غلط بھی نہیں ہو سکتا پس جب مستثنیٰ میں بدل غلط کا بھی احتمال نہیں تو وہ وجوباً منصوب ہوگا اور بعض نحوی کہتے ہیں کہ مستثنیٰ منقطع بنا بر بدلیت کے مرفوع ہوگا جبکہ اس سے پہلے ایسا اسم ہو کہ جسکا حذف جائز ہے جیسے ما جاءنی القوم الا حمار **قولہ مقدما علی المستثنیٰ**۔ یہ قول بعد الا پر معطوف ہے اور مطلب یہ کہ جب مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو خواہ کلام موجب ہو یا غیر موجب تو اسوقت مستثنیٰ وجوباً منصوب ہوگا جیسے جاءنی الا زیدا القوم اور ما جاءنی الا زیدا احد اسلئے کہ اسجگہ پر بھی بدل کا احتمال نہیں کیونکہ بدل مبدل منہ پر مقدم نہیں ہوتا **قولہ او کان بعد خلا الخ** بعض نحاۃ کے نزدیک خلا اور عدا حرف جر ہیں پس مستثنیٰ ان دونوں کے بعد مجرور ہوگا اور اکثر نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں حرف جر سے نہیں ہیں اسلئے کہ ان پر ما مصدریہ داخل ہوتا ہے اور ما مصدریہ کا یہ دخول فعل پر ہوتا ہے پس یہ دونوں فعل ہیں اور ضمیر فاعل سے مل کر اپنے مابعد کو بنا بر مفعولیت کے نصب دیتے ہیں جیسے جاءنی القوم خلا زیدا پس خلا میں ایک ضمیر ہے جو بعض کیطرف کہ لفظ جاء سے مفہوم ہوتا ہے لوٹتی ہے ای جاءنی القوم حال خلا بعضہم زیدا غرض کہ خلا زیدا سابق سے حال واقع ہے اور اگر کوئی کہے کہ جب ماضی مثبت حال واقع ہوتا ہے تو اسمیں قد ضروری ہے پس کیا وجہ ہے کہ یہاں لفظ قد نہیں لائے جواب یہ ہے کہ چونکہ خلا اس جگہ موقع میں حرف استثناء کے واقع ہے لہذا اسکی فعلیت میں ضعف پیدا ہو گیا ہے پس اس پر قد کو داخل نہیں کریں گے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خلا معنی میں خالیا کے ہو کر حال واقع ہے واللہ اعلم **قولہ ما خلا وما عدا** جیسے جاءنی القوم ما خلا زیدا پس ما خلا بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ ہے اور مضاف اسکا محذوف ہے اور وہ وقت ہے ای وقت خلو زید پس اسوقت ما خلا جاءنی القوم کا مفعول فیہ ہوگا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ما خلا بتاویل مصدر ہو کر معنی میں اسم فاعل کے ہے ای جاءنی القوم خالیا بعضہم من زید پس ما خلا اسوقت حال ہوگا **قولہ ولیس ولا یکون** یعنی جسطرح مابعد ما خلا وما عدا میں مستثنیٰ پر نصب واجب ہے اسیطرح لیس اور لا یکون کے مابعد بھی مستثنیٰ پر نصب واجب ہوگا اسلئے کہ یہ دونوں افعال ناقصہ ہیں تو خبر منصوب ہیں اور اسکا اسم ضمیر جو فعل مذکور کے اسم فاعل کی طرف لوٹتی ہے اور یہ دونوں ترکیب میں بنا بر حالیت کے محل نصب میں ہیں **قولہ النصب الخ** یعنی مستثنیٰ میں نصب بنا بر استثناء کے جائز ہے (باقی بر صفحہ ۹۴ پر)

غیرِ موجبٍ والمستثنیٰ منہُ غیرُ مذکورٍ کان اعرابُہٗ بحسب العوامِلِ نحو ما جاءنی
الا زیدٌ وما رأیتُ الا زیدًا وما مررتُ الا بزیدٍ وان کان بعدَ غیرٍ وسوی وسواءٍ و
حاشا عندَ الاکثر کانَ مجرورًا نحو جاءنی القوم غیرَ زیدٍ وسوی زیدٍ وسواءِ زیدٍ
وحاشا زیدٍ واعلم انّ اعرابَ غیرٍ کاعرابِ المستثنیٰ بالا تقول جاءنی القوم غیرَ زیدٍ
وغیرَ حمارٍ وما جاءنی غیرَ زیدٍ القومُ وما جاءنی احدٌ غیرُ زیدٍ وغیرَ زیدٍ وما جاءنی
غیرُ زیدٍ وما رأیتُ غیرَ زیدٍ وما مررتُ بغیرِ زیدٍ واعلم ان لفظۃَ غیرٍ موضوعۃٌ
للصفۃ وقد تُستعمَلُ للاستثناء کما ان لفظۃَ الا موضوعۃٌ للاستثناء وقد تُستعمَلُ
للصفۃ کما فی قولہ تعالیٰ لو کانَ فیہما اٰلہۃٌ الا اللہ لفسدتا ای غیرُ اللہ وکذلک قولک
لا الٰہ الا اللہ۔

اور بدل مستثنیٰ منہ سے مختار ہے بشرطیکہ مستثنیٰ الا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو ...... اور مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہو جیسے قولہ تعالیٰ ما فعلوہ الا قلیل والا قلیلا پس مثال مذکور میں اگرچہ الا قلیلا کو بنا بر استثنار کے منصوب پڑھنا جائز ہے لیکن قلیل فعلوہ کی ضمیر سے بدل البعض قرار دیکر مرفوع پڑھنا اولیٰ اور مختار ہے پھر بدل کے مختار ہونیکی وجہ یہ ہے کہ بدل ہونیکی صورت میں اسکا اعراب علی الاصالت ہوگا۔ اسلئے کہ بدل حکم میں تکریر عامل کے ہے بخلاف مستثنیٰ کے نصب اس میں مشابہت مفعول کی وجہ سے ہے۔ **قولہ اعرابہ بحسب العوامل** یعنی مستثنیٰ کو حسب اقتضاء عوامل کے اعراب دیا جاتا ہے جبکہ مستثنیٰ منہ کلام میں مذکور نہ ہو اور حال یہ ہے کہ مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو اور کلام غیر موجب میں ہونیکی شرط اسلئے ہے کہ کلام معنے صحیح کا فائدہ دے اور اگر کوئی یہ کہے کہ صورت مذکورہ میں اعراب علی حسب العوامل کی دلیل کیا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہوگا تو فعل اپنے معمول یعنی مستثنیٰ منہ کے نہ پائے جانیکی وجہ سے غیر عامل باقی رہیگا پس جسوقت وہ اپنے سامنے کسی چیز کو دیکھے گا یقینا اس میں عمل کریگا مگر الا کہ اس میں عمل نہ کرے گا اسلئے کہ وہ حرف ہے پس لا محالہ مابعد الا میں عمل کریگا اور اس کا اعراب بحسب العوامل ہوگا۔ **قولہ کان مجرورا۔** یعنی مستثنیٰ جب بعد غیر اور بعد سویٰ (القصر والکسر والضم اور بعد سواء (بالکسر والفتح) کے واقع ہوتا ہے تو اضافت کیساتھ مجرور ہوتا ہے اور اکثر نحویوں کے نزدیک مستثنیٰ حاشا کے بعد بھی مجرور ہوتا ہے اسلئے کہ وہ حرف جر ہے اور بعض نحوی مستثنیٰ کو حاشا کے بعد بنا بر مفعولیت کے نصب دیتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حاشا فعل متعدی ہے اور ضمیر مستتر اسکا فاعل ہے اور معنی یہ ہیں کہ مستثنیٰ اس چیز سے پاک ہے جو مستثنیٰ منہ کی طرف منسوب ہے جیسے ضرب القوم عمروًا حاشا زیدًا ای برأہ اللہ سبحانہ عن ضرب عمرو یعنی خدا تعالیٰ نے اس کو عمرو کے مارنے سے پاک رکھا **قولہ ان اعراب غیر الخ** یعنی لفظ غیر کا اعراب باب استثنار میں نہ کہ صفت میں مثل اعراب مستثنیٰ بالا کے ہے اس تفصیل پر کہ سابقا مذکور ہوئی اسلئے کہ لفظ غیر جب اپنے مابعد کو اضافت کیساتھ مجرور کردیا گویا اسکا اعراب کو خود قبول کرلیا اور یہ قید کہ غیر باب صفت میں نہ ہو اسلئے لگائی ہے کہ صفت اعراب موصوف کے ساتھ معرب ہوتی ہے **قولہ اعلم ان لفظۃ غیر۔** یعنی اصل کلمہ غیر میں یہ ہے کہ صفت واقع ہو جیسے جاءنی رجل غیر زید اور اس طریقہ پر اسکا استعمال کلام میں بہت ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کلمہ غیر کو الا پر محمول کرکے استثنار میں اسکا استعمال کرتے ہیں جیسے جاءنی القوم غیر زید کہ یہاں صفت متعذر ہے اسلئے کہ موصوف اور صفت کے مابین تعریف اور تنکیر میں مطابقت شرط ہے اور اس جگہ قوم معرفہ اور غیر اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے مگر توغل ابہام کی وجہ سے نکرہ ہے بخلاف الا کے کہ اس میں اصل یہ ہے کہ استثنار میں مستعمل ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ الا کو غیر پر محمول کرکے صفت بنادیتے ہیں پھر عمل الا کا غیر پر صفت میں اسوقت ہوگا جبکہ الا ایسی جمع کے بعد واقع ہو جو منکور یعنی نکرہ ہو اور غیر محصور ہو۔ یعنی افراد اسکے شمار کیے ہوئے معین نہ ہوں جیسے جاءنی رجال الا زید پس مثال مذکور میں الا کا حمل غیر صفتی پر اس وجہ سے ہے کہ اس جگہ استثنار متعذر ہے نہ متصل ہو سکتا ہے اور نہ منقطع اسلئے کہ استثنار متصل میں مستثنیٰ کا دخول مستثنیٰ منہ میں یقینی ہوتا ہے۔ اور استثنار منقطع میں مستثنیٰ کا خروج مستثنیٰ منہ سے قطعی ہوتا ہے۔ اور یہاں اس مثال میں ممکن ہے کہ زید جماعت رجال میں داخل ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ داخل ہو۔ لہذا اس جگہ استثنار کی دونوں قسموں میں سے کوئی قسم بھی متصور نہیں ہو سکتی بخلاف جاءنی الرجال الا زیدًا کہ الرجال معرف باللام ہونیکی وجہ سے سب کو شامل ہے پس زید یقینا اس میں داخل ہے اور استثنار متصل ہے اسکے بعد جاننا چاہیے کہ یہاں جمع منکور غیر محصور کی قید اس وجہ سے ہے کہ الا سے پہلے جمع محصور ہوگی تو وہاں استثنار جائز ہوگا جیسے لزید علی عشرۃ دراہم الا واحدًا او ثمنین الی غیر ذلک اسلئے کہ ایک اور ان کا غیر تو یقینا عدد میں سب کے سب یقینا داخل ہیں مثلًا ان اختلف کے بھی میں الا صفت پر محمول ہے باری تعالیٰ کا قول لو کان فیہما اٰلہۃ الا اللہ لفسدتا اسلئے کہ اسجگہ الا بمعنی غیر ہے اور آلہۃ کی صفت ہے اور آلہۃ جمع منکور غیر محصور ہے جس میں لفظ اللہ کا داخل ہونا اور نہ ہونا دونوں امر غیر یقینی ہیں پس نہ استثنار متصل ہوگا اور نہ منقطع کما مر پس لا محالہ الا اللہ آلہۃ کی صفت ہوگا اور یہ معنے ہونگے کہ اگر آسمان و زمین میں سوائے اللہ کے کئی معبود ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے مطلب یہ ہے کہ اللہ معبود ہے اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ورنہ فساد لازم آجاتا پس ظاہر ہے کہ یہ معنے توحید کی اسی وقت حاصل ہوں گے جب کہ الا بمعنے غیر ہو۔

فصل خبرُ كانَ وأخواتِها هو المسندُ بعدَ دخولِها نحو كانَ زيدٌ قائمًا وحكمُه كحكمِ خبرِ المبتدأ إلّا أنّه يجوز تقديمُه على أسمائِها مع كونِه معرفةً بخلافِ خبرِ المبتدأ نحو كانَ القائمُ زيدٌ فصل اسمُ إنَّ وأخواتِها هو المسندُ إليه بعدَ دخولِها إنَّ زيدًا قائمٌ فصل المنصوب بلا التي لنفي الجنسِ هو المسندُ إليه بعدَ دخولِها يليها نكرةً مضافةً نحو لا غلامَ رجلٍ في الدار أو مشابهًا لها نحو لا عشرين درهمًا في الكيس فإن كان بعد لا نكرةٌ مفردةٌ تُبنى على الفتح نحو لا رجلَ في الدار وإن كان معرفةً

قولہ خبر کان واخواتہا۔ یعنی کان اور اسکے اخوات کی خبر وہ ہے جو کہ انکے داخل ہونیکے بعد مسند ہوتی ہے اب اسپر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ تعریف مذکور دخول غیر سے مانع نہیں اسلئے کہ کان زید ابوہ قائم میں قائم پر یہ تعریف صادق آتی ہے حالانکہ وہ خبر کان نہیں ہے جواب یہ ہے کہ ورود سے مراد اثر کا پہنچانا ہے اور وہ دو قسم پر ہے لفظی اور معنوی لفظی تو یہ ہے کہ اسم کو مرفوع اور خبر کو منصوب کرے اور معنوی یہ کہ خبر کو اسم کیلئے ثابت کرے پس اسجگہ کان قیام اب کو زید کیلئے ثابت کرتا ہے نہ صرف قیام کو پس کان کا دخول قیام اب پر متحقق ہوگا نہ کہ فقط قیام پر تعریف منتقض ہو مثل کان زید قائما اس مثال میں زید کان کا اسم اور قائما خبر ہے **قولہ حکمہ الخ** یعنی اقسام اور شرائط اور احکام میں کان کی خبر کا حال مثل حال خبر مبتدا کے ہے **قولہ الا انہ یجوز الخ** یہ حکم سابق سے استثناء ہے اور مطلب یہ ہے کہ جمیع احکام میں کان اور اخوات کان کا حال مثل حال خبر مبتدا کے ہے مگر ایک حکم میں کہ کان کی خبر مخالف خبر مبتدا کے ہے اور وہ یہ کہ جب خبر مبتدا کی معرفہ ہو تو اسکی تقدیم مبتدا پر جائز نہیں ورنہ التباس لازم آجائیگا بخلاف کان کی خبر کے کہ اگر وہ معرفہ ہو تو اسکی تقدیم اس کے اسم پر جائز ہے اسلئے کہ اسوقت بوجہ اختلاف اعراب اسم وخبر کے تقدیم میں التباس پیدا نہیں ہوگا البتہ اگر کان کی اسم وخبر میں اعراب اور قرینہ دونوں منتفی ہو جائیں۔ تو اس وقت بوجہ التباس کے تقدیم یہاں بھی ناجائز ہوگی جیسے کان الفتی ہذا **قولہ اسم کان الخ** یعنی انّ اور اسکے اخوات کا اسم منصوبات سے ہے اور وہ یہ ہے کہ جو انکے داخل ہونیکے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جیسے قولہ ان زیدا قائم اور معنی دخول کے اس جگہ بھی وہی ہیں جو کہ ماقبل میں بارہا گذر چکے ہیں پس اب ان زیدا ابوہ قائم میں مثل ابوہ سے تعریف منتقض نہ ہوگی **قولہ المنصوب**۔ یہاں پر مصنف نے اور منصوبات کی طرح اسم لا التی لنفی الجنس نہ کہا اسلئے کہ اسم کا ہر حال میں منصوب نہیں ہوتا پس اگر اسم لا کہتے تو یہ وہم ہوتا کہ ہر اسم لا کا منصوب ہوتا ہے اسلئے کہ یہ باب منصوبات کا ہے پس اس سے عدول کرکے المنصوب بلا کہا **قولہ ہو المسند الیہ الخ** یعنی منصوب التی لنفی الجنس وہ اسم ہے جو لا کے داخل ہونیکے بعد مسند الیہ ہو اور لا کے بعد بلا فاصلہ واقع ہو درآں حالیکہ وہ مسند الیہ نکرہ مضاف ہو یا مشابہ مضاف اس تعریف میں بعد دخولہا کی قید سے تمام مسند الیہ خارج ہوگئے اسلئے ان میں سے کوئی بھی داخل ہونے لا کے مسند الیہ نہیں پھر اگرچہ مطلق اسم لائے نفی جنس کی تعریف یہاں تک کافی ہے لیکن چونکہ مقصود اس اسم کا بیان کرنا ہے جو کہ منصوب ہوتا ہے لہذا اسپر اپنے قول یلیہا نکرۃ الخ کا اضافہ کیا اور ترکیب کے اعتبار سے یہ چاروں یعنی قولہ یلیہا اور قولہ نکرۃ اور قولہ مضافا اور قولہ مشابہا حال ہیں اور ان سب کا ذوالحال ایک ہے یعنی ضمیر مجرور متصل قولہ المسند الیہ میں پس اسوقت یہ حال مترادفہ ہونگے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلا حال یعنی یلیہا تو قولہ الیہ کی ضمیر مجرور سے حال واقع اور باقی یلیہا کی ضمیر مستتر سے پس اسوقت یہ احوال متداخلہ ہونگے۔ لا غلام رجل الخ یہ مثال نکرہ مضاف کی ہے جو کہ لا کے متصل ہے۔ **قولہ تبنی الخ** یعنی اگر لا کے بعد مفرد نکرہ ہو یعنی لا کا اسم نکرہ مفرد ہو تو وہ فتح پر مبنی ہوگا مراد اس سے علامت نصب پر مبنی ہونا ہے اور مراد مفرد سے یہ ہے کہ مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو پس یہ حکم تثنیہ اور جمع کو بھی شامل ہوگا جیسے لا رجلین ولا مسلمات ...... فی الدار ولا مسلمین ولا مسلمین ایک اور وجہ اسکے مبنی ہونیکی یہ ہے کہ وہ معنی من کو متضمن ہوتا ہے چنانچہ معنی لا رجل فی الدار کے لا من رجل فی الدار کے ہیں اسلئے کہ یہ اس آدمی کے جواب میں ہے کہ جس نے کہا ہل من رجل فی الدار پس من کو تخفیف کیلئے حذف کردیا اور متضمن معنے حرف ہونے کی وجہ سے اس کو مبنی کیا باقی رہا یہ امر کہ علامت نصب پر کیوں مبنی کیا اس کا جواب یہ ہے کہ اسلئے کیا گیا تاکہ حرکت اور حروف بنائی موافق حرکت اور حرف اعرابی کے ہو جائے اور حتی الامکان محل اصلی کی رعایت ہو جائے۔ **قولہ ان کان معرفۃ الخ** یعنی اگر شرط نکارت کی منتفی ہو جائے اور لا کا اسم معرفہ ہو یا اتصال کی شرط معدوم ہو جائے اور درمیان اسم اور لا کے فصل واقع ہو۔ عام ازیں کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہونیکی شرط منتفی ہو یا نہ ہو تو اسوقت اسم لا کو بنا برابتدا کے رفع ہوگا اور لا کی تکریر مع اسم کے واجب ہوگی پھر یہ دونوں شرطیں یعنی اسم لا کا معرفہ ہونا اور مفعول ہونا علی سبیل منع الخلو ہیں کہ ان دونوں سے خالی نہ ہو پس دونوں کے درمیان جمع بایں طور کہ اسم لا معرفہ بھی ہو اور مفعول بھی جائز ہے اور اس اعتبار سے یہاں چھ صورتیں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ نقشہ ذیل ظاہر ہے

اسم لا کے معرفہ اور مفعول ہونے کی صورتیں	غلام زید لا عمرو	(۱) [illegible]	(۲) [illegible]	(۳) [illegible]	(۵) [illegible]	(۶) [illegible]

او نكرةً مفصولًا بينه وبين لا كان مرفوعًا ويجب تكرير لا مع اسمٍ آخر تقول لا زيدٌ في الدار ولا عمروٌ ولا فيها رجلٌ ولا امرأةٌ ويجوز في مثل لا حولَ ولا قوةَ الا باللهِ خمسة اوجهٍ فتحهما[1] ورفعهما[2] وفتح الاول[3] ونصب الثاني وفتح الاول[4] ورفع الثاني ورفع الاول[5] وفتح الثاني وقد يُحذفُ اسم لا لقرينةٍ نحو لا عليكَ اى لا باس عليكَ

فصل خبر ما ولا المشبّهتين بليس هو المسند بعد دخولهما نحو ما زيدٌ قائمًا ولا رجلٌ حاضرًا وان وقع الخبر بعد الا نحو ما زيدٌ الا قائمٌ او تقدّم الخبر على الاسم نحو ما قائمٌ زيدٌ او زيدت ان بعد ما نحو ما ان زيدٌ قائمٌ

بہرحال یہ چھ صورتیں اسم لا کی ایسی ہیں کہ ان میں اسم لا کا ابتدا کی بنا پر رفع اور لا کی تکرار مع اسم کے واجب ہے رفع تو اسلئے واجب ہے کہ نکرہ کی نفی کیلئے موضوع ہے لہذا اس کا اثر معرفہ میں ممتنع ہے اور چونکہ لا عامل ضعیف ہے اور معمول مفصول میں عمل کرنا عامل قوی کا کام ہے لہذا حالت فصل میں بھی وہ عمل نہیں کرسکتا پس بنا بر ابتدا اس کے رفع واجب ہوگا اور تکرار معرفہ میں اسلئے واجب ہے کہ لا اصل میں نفی جنس کے لئے ہوتا ہے اور جنس میں تعدد ہے معرفہ میں تعدد نہیں لہذا تکرار کو قائم مقام تعدد کے کیا گیا اور مفصول میں تکرار اسلئے واجب ہے کہ اخبار رجل ام امرأۃ کے جواب میں بولا جاتا ہے پس سوال کی مطابقت سے جواب میں تکرار واجب ہوتی ہے۔ **قولہ یجوز فی مثل لا حول الخ** یعنی مثل لا حول ولا قوۃ الا باللہ میں پانچ صورتیں جائز ہیں اور مراد مثل لا حول سے وہ ترکیب ہے کہ جس میں لا بر سبیل عطف مکرر ہو اور ہر لا کے بعد نکرہ غیر مفصول ہو **قولہ فتحہما** یعنی وجہ اول یہ ہے کہ دونوں نکرے مفتوح ہوں اور ہر ایک میں لا نفی جنس کا ہو پس اسصورت میں یہ بھی احتمال ہے کہ مثال مذکور ایک جملہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ دو جملے ہوں اگر ایک جملہ ہو تو تقدیر عبارت اسطرح ہوگی لا حول عن المعصیۃ ولا قوۃ علی الطاعۃ موجودان لشئی الا باللہ اور اگر دو جملے ہوں اسطرح ہوں گی لا حول الا باللہ ولا قوۃ الا باللہ پس جملہ اولی کی خبر کو بقرینہ خبر جملہ ثانیہ حذف کردیا گیا۔ **قولہ رفعہما** یہ دوسری وجہ ہے کہ اس میں دونوں کو بنا بر ابتدا کے مرفوع پڑھا جاتا ہے پس اسوقت دونوں لا ملغی ہونگے اسلئے کہ یہ قول ان کے قول ابغیر اللہ حول وقوۃ کے جواب میں بولا گیا ہے پس دونوں کو مرفوع پڑھا جائیگا تاکہ سوال جواب کے مطابق ہو جائے اور اسصورت میں بھی اسکو ایک جملہ اور دو جملے بنانا دونوں ترکیبیں جائز ہیں **قولہ فتح الاول ونصب الثانی** یہ تیسری وجہ ہے اس میں اول کا فتح اور ثانی کا نصب پڑھا جاتا ہے۔ پس اسوقت لائے اول نفی جنس کا اور لائے ثانی زائدہ تاکید نفی کیلئے ہے اور قوۃ کا لفظ حول پر عطف ہے اور اسصورت میں بھی اگر دو خبر مقدر ہوں تو یہ دو جملے ہوں گے اور ایک خبر مقدر کریں تو ایک جملہ ہوگا۔ **قولہ فتح الاول ورفع الثانی** ۔ یہ چوتھی وجہ ہے کہ اس میں اول کا فتحہ اور ثانی کا رفع پڑھا جائیگا اول کا فتحہ تو اسوجہ سے کہ لائے اول نفی جنس کا ہے اور ثانی کا رفع اس بنا پر کہ لا زائدہ ہے اور ثانی کا عطف محل اول پر ہے اور وہ بنا بر ابتدا لائے مرفوع ہے پھر دونوں کی اگر ایک خبر مانی جائے تو عطف مفرد کا مفرد پر ہوگا اور دو خبر ہوں تو عطف جملہ کا جملہ پر ہے۔ **قولہ رفع الاول** یہ پانچویں وجہ ہے اور اس میں اول کا رفع ثانی کا فتحہ پڑھا جاتا ہے اول کا رفع تو اسوجہ سے کہ یہ لا بمعنی لیس ہے اور ثانی کا فتحہ اسلئے کہ اس پر لائے نفی جنس کا ہے اور یہ صورت ضعیف ہے اسلئے کہ لا بمعنی لیس کا عمل قلیل ہے ای لا حول ولا قوۃ الا باللہ اسصورت میں ترکیب مذکور ایک جملہ نہیں ہوسکتی اسلئے کہ خبر لائے نفی جنس کی مرفوع اور خبر لا مشابہ بلیس کی منصوب ہوتی ہے پس اگر عطف مفرد کا مفرد پر کرکے دونوں کی ایک خبر مقدم مقدر کریں گے تو اسم واحد کا آن واحد میں اعراب مختلف کیساتھ معرب ہونا لازم آئیگا اور یہ محال ہے اور مستلزم امر محال کا خود محال ٹھہرتا ہے لہذا دونوں کو ایک جملہ بنانا محال ہوگا لیکن اگر اول کا رفع بنا بر ابتدا کے مانا جائے تو ضعیف نہ ہوگا اور ایک جملہ بنانا بھی صحیح ہوگا۔ **قولہ قد یحذف اسم لا الخ** ۔ یعنی لائے نفی جنس کا اسم مثل لا علیک میں اکثر حذف کردیا جاتا ہے تاکہ عموم کے معنی زیادہ ہوجائیں پس لا علیک اصل میں لا باس علیک تھا لا کے اسم کو حذف کردیا گیا۔ اور مراد لا علیک سے وہ ترکیب ہے کہ جس میں اسم لا کے حذف پر قرینہ قائم ہو جیسا کہ قرینہ اس مثال میں لا کا حرف پر داخل ہونا لازم آتا ہے اور حرف پر داخل نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ اسمیں لا کا اسم محذوف ہے جاننا چاہیے کہ یہاں پر قد تقلیل کیلئے نہیں جیسے قد یعلم اللہ میں۔ **قولہ ان وقع الخبر الخ** یعنی اگر الا کے بعد خبر واقع ہو مطلب یہ کہ معنے نفی الا کے ذریعہ سے منتقض ہو جاوے تو ما کا عمل باطل ہوجاتا ہے جیسے ما زید الا قائم اسلئے کہ ما مشابہت لیس کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور یہ مشابہت معنے نفی اور جملہ پر داخل ہونیکے اعتبار سے ہے پس جب معنے نفی منتقض ہوگئے تو اسکی مشابہت باقی نہیں رہی لہذا عمل نہیں کریگا **قولہ او تقدم الخ** ۔ یعنی اگر خبر اسم پر مقدم ہوجائے تو ما کا عمل باطل ہوجاویگا اسلئے کہ عامل ضعیف ہے اسوقت عمل کرلے گا جبکہ اس کے معمول بالترتیب ہوں ترتیب کے بدلنے کے ساتھ عمل نہیں کرسکے گا جیسے ما قائم زید **قولہ او زیدت ان بعد ما الخ** یعنی جب لفظ ان کو کلمہ ما کے بعد زیادہ کیا جائے تو اسکا عمل باطل ہوجاتا ہے۔ اسلئے کہ ما عامل ضعیف ہے پس جب ما اور اسکے معمول کے درمیان فاصلہ ہوگا عمل نہ کرسکیگا۔ جیسے ما ان زید قائم اور حرف ما کے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نحویوں کے استعمال میں ان کا کلمہ لا پر زائد ہونا درست نہیں ہے بصریوں کے نزدیک یہاں زائدہ ہے اور کوفیوں کے نزدیک نافیہ موکدہ ہے۔ نفی اول کی تاکید کررہا ہے۔

* * * * *

بَطَلَ العَمَلُ كما رأيتَ في الأمثلةِ وهٰذه لغةُ اهلِ الحجازِ امّا بنو تميمٍ فلا يعملونهما اصلاً قال الشاعر عن لسانِ بني تميمٍ شعر ؎

ومُهَفْهَفٍ كالغُصنِ قلتُ لهُ انتسِبْ ۞ فاجاب ما قتلُ المحبِّ حرامُ

برفعِ حرام

المقصدُ الثالث في المجرورات

الاسماء المجرورةُ هي المضافُ اليه فقط وهو كلُّ اسمٍ نُسِبَ اليه شيءٌ بواسطةِ حرفِ الجرِّ لفظاً نحو مررتُ بزيدٍ ويُعبَّر عن هٰذا التركيب في الاصطلاح بانّه جارٌّ ومجرورٌ او تقديراً نحو غلامُ زيدٍ تقديرهُ غلامٌ لزيدٍ ويُعبَّرُ عنهُ في الاصطلاح بانه مضافٌ ومضافٌ اليه

قولہ بطل العمل۔ یہاں شرط کی جزاء ہے یعنی تینوں صورتوں میں عمل باطل ہو جاتا ہے وجہ بطلان ہر ایک کی مذکور ہو چکی۔ **قولہ وہذہ لغۃ اہل الحجاز** یعنی ما ولا کی خبر کی خبریت اور اسی طرح ان کے اسم کی اسمیت اہل حجاز کی لغت ہے بنی تمیم میں یہ دونوں عمل نہیں کرتے اور چونکہ قرآن عزیز کا نزول لغت حجاز پر ہے اس لیے اس میں ما کو عمل دیا گیا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ما ہذا بشرا **قولہ ومہفہف الخ** ومہفہف میں واؤ بمعنے رب ہے اور المہفہف اسم مفعول مہفہف بفتح الہائین وسکون الفاء الاولیٰ باریک ہونا مہفہف کے معنے ہے باریک کمر سبکرو یعنے جلد باز چالاک پھرتیلا بولا جاتا ہے رجل مہفہف وامراۃ مہفہفۃ جیسے رجل خمصان وامراۃ خمصانۃ **قولہ انتسب**۔ انتساب سے امر ہے فارسی میں اسکے معنے ہیں نسبت داشتن بکسے یعنی نسب بیان کرنا اور ضمیر مستتر جو کہ اجاب میں ہے مہفہف کی طرف راجع ہے اور قتل کی اضافت محب کی مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور فاعل متروک ہے یعنی قتل المحبوب المحب ترجمہ یہ ہوا کہ بہت بعض پتلے ہیں ٹہنی کے مانند میں نے اس سے کہا کہ اپنا نسب بیان کر تو اس نے جواب دیا کہ محبوب کا مار ڈالنا محب کو حرام نہیں مصنف نے یہ شعر اس امر کے استشہاد میں پیش کیا کہ ما مشبہ بلیس عامل نہیں ہے کیونکہ اس کا المبتدا ابتدا کی بنا پر مرفوع ہے اور حرام خبر یعنی بنی تمیم کے لغت پر خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے وجہ تناسب سوال اور جواب کے درمیان بیت میں باعتبار لفظ اور معنے کے حاصل باعتبار لفظ کے یہ ہے کہ مجیب نے لفظ حرام کو مرفوع پڑھا باوجودیکہ ما بمعنی لیس کے بعد مسند ہے اور یہ بنی تمیم کی لغت ہے تو گویا مجیب نے کہا انا تمیمی اور مطابقت بین السوال والجواب باعتبار معنے کے یہ ہے کہ مہفہف نے جواب دیا قتل محب کے اباحت کے ساتھ تو گویا اس نے کہا ہے کہ میں ایسی قوم سے ہوں جو قتل محب کو مباح قرار دیتے ہیں اور وہ محبوب ہیں تو گویا کہ اس نے کہا کہ میں قوم محبوبوں سے ہوں بعض محاشی کہتے ہیں کہ انتساب بمعنے میل اور رجوع ہے شعر کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے کمر ٹہنی کے مانند بعض معشوق ہیں میں نے اس سے کہا ہے کہ میری طرف میل اور رجوع کر اور مجھے جدائی کی تکلیف سے مت مار ڈال تو اس نے جواب دیا کہ دوست کا مار ڈالنا حرام نہیں ہے کہ مجھے تیرے قتل سے گناہ ہو۔ **قولہ المجرورات** یہاں پر ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مجرور مضاف الیہ ہوتا ہے اور وہ ایک ہے لہذا اسکو مفرد لانا چاہیے تھا جمع لانے کی کیا وجہ ہے اور جواب یہ ہے کہ مجرور کی انواع تمام پر نظر کرتے ہوئے اسکو جمع لائے تحلیل جاننا چاہیے کہ مجرور وہ اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو اس حیثیت سے کہ وہ مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ کی علامت جر ہے خواہ وہ کسرہ ہو یا فتحہ یا یاء اور خواہ جر تقدیری ہو یا لفظی **قولہ ہی المضاف الیہ فقط** یعنی اسماء مجرورہ محض مضاف الیہ ہی ہے اور نہیں اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ درست نہیں ہے کیونکہ اسماء مجرورہ مضاف الیہ [illegible] جیسے بحسبک وکفیٰ باللہ وما جاءنی من احد ان میں مجرور مضاف الیہ نہیں ہے ایسے ہی مناسب زید اور حسن الوجہ میں مجرور مضاف الیہ نہیں ہے جمہور کے مذہب پر ان امثلہ سے معلوم ہو گیا کہ مجرور مضاف الیہ کے علاوہ بھی ہوتا ہے جواب مجرور اصلی وہ مضاف الیہ ہوتا ہے اور مضاف الیہ کے ماسوا جو مجرور ہیں وہ اصلی مجرور نہیں بلکہ اسکے ساتھ ملحق ہیں لہذا مصنف کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اسماء مجرورۃ اصلیہ وہ مضاف الیہ ہی ہے اس سے مصنف کو تنبیہ کرنا ہے اس بات پر کہ مضاف الیہ دو قسم پر ہے ایک اصلی اور ایک ملحق جیسا کہ مرفوع منصوب دو قسم پر ہے لفظ فقط زائد اور باطل ہے کیونکہ حصر ضمیر سے مستفاد ہے **قولہ کل اسم**۔ یعنی مضاف الیہ ہر وہ اسم ہے (خواہ حقیقی ہو جیسے غلام زید یا حکمی ہو جیسے یوم ینفع الصادقین صدقہم) جسکی طرف کسی شیٔ کی نسبت بواسطہ حرف جار کی گئی ہو۔ عام ازیں کہ وہ حرف جر لفظوں میں ہو جیسے مررت بزید۔ اور اس ترکیب کو اصطلاح میں جار مجرور سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مضاف اور مضاف الیہ سے تعبیر نہیں کیا جاتا ہے زوزنی نے رضی سے نقل کیا ہے کہ سیبویہ نے مجرور بحرف جر لفظاً کا مضاف الیہ نام رکھا ہے لیکن یہ مصطلح مشہور کے مخالف ہے کیونکہ جب مضاف الیہ بولا جاتا ہے تو مصطلح مشہور کے موافق مجرور بحرف جر تقدیراً مراد ہوتا ہے۔ لیکن من حیث اللغۃ مررت بزید میں بزید یقیناً مضاف الیہ ہے کیونکہ مررت کی طرف مجرور بواسطہ حرف کے اضافت کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زید جو کہ مررت بزید میں ہے اس پر مضاف الیہ کا اطلاق لغت کے اعتبار سے ہے خواہ مررت کو اسم سے تاویل کیا جاوے یا نہ کیا جاوے لیکن جب تاویل اسم سے نہ کیا جاوے تو ظاہر ہے لیکن جب اسم سے تاویل کر لیا جاوے تو اس لئے کہ مصطلح مضاف ہے یا مقدر ہو مگر مراد ہو یعنے اس کا (باقی بر صفحہ ۹۸ پر) ◆

◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆

وَيَجِبُ تَجْرِيدُ الْمُضَافِ عَنِ التَّنْوِينِ اَوْ مَا يَقُوْمُ مَقَامَهٗ وَهُوَ نُوْنُ التَّثْنِيَةِ وَالْجَمْعِ نَحْوُ جَاءَنِيْ غُلَامُ زَيْدٍ وَغُلَامَا زَيْدٍ وَمُسْلِمُوْ مِصْرٍ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاِضَافَةَ عَلٰى قِسْمَيْنِ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ اَمَّا الْمَعْنَوِيَّةُ فَهِيَ اَنْ يَكُوْنَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ مُضَافَةٍ اِلٰى مَعْمُوْلِهَا وَهِيَ اِمَّا بِمَعْنَى اللَّامِ نَحْوُ غُلَامُ زَيْدٍ اَوْ بِمَعْنٰى مِنْ نَحْوُ خَاتَمُ فِضَّةٍ اَوْ بِمَعْنٰى فِيْ نَحْوُ صَلٰوةُ اللَّيْلِ وَفَائِدَةُ هٰذِهِ الْاِضَافَةِ تَعْرِيْفُ الْمُضَافِ اِنْ اُضِيْفَ اِلٰى مَعْرِفَةٍ كَمَا مَرَّ اَوْ تَخْصِيْصُهٗ اِنْ اُضِيْفَ اِلٰى نَكِرَةٍ كَغُلَامِ رَجُلٍ وَاَمَّا اللَّفْظِيَّةُ فَهِيَ اَنْ يَكُوْنَ الْمُضَافُ صِفَةً مُضَافَةً اِلٰى مَعْمُوْلِهَا وَهِيَ فِيْ تَقْدِيْرِ الْاِنْفِصَالِ نَحْوُ ضَارِبُ زَيْدٍ وَحَسَنُ الْوَجْهِ وَفَائِدَتُهَا تَخْفِيْفٌ فِي اللَّفْظِ فَقَطْ

اثر لفظوں میں باقی ہو جیسے غلام زید کہ اصل میں غلام لزید تھا پس یہاں لام مقدر ہے مگر مراد ہے اسلئے کہ اس کا اثر لفظوں میں باقی ہے نیز وہ شئے کہ جسکی نسبت مضاف الیہ کیطرف عام ہے کہ اسم ہو جیسے غلام زید یا فعل ہو جیسے مررت بزید جاننا چاہیے کہ مضاف الیہ کی یہ تعریف اصطلاح قوم کے خلاف ہے اسلئے کہ وہ مجرور بحرف جر لفظی کو مضاف الیہ نہیں کہتے ہیں نیز جاننا چاہیے کہ مصنفؒ نے مضاف الیہ کی تعریف کو جب بواسطہ حرف جر کی قید کے ساتھ مقید کیا تو اس سے مضاف الیہ باضافت لفظی خارج ہو جائیگا اسلئے کہ وہ بتقدیر حرف جر نہیں ہوتا ہے لیکن چونکہ اضافت معنوی اصل اور اضافت لفظی اسکی فرع ہے لہٰذا وہ تبعاً اسمیں داخل ہوگا نیز جاننا چاہیے کہ لفظاً اور تقدیراً حال ہے اور ذوالحال حرف جر ہے اور عامل اس میں واسطہ کے معنے ہیں اے بتوسل بحرف الجر ظاہراً او مقدراً اور ممکن ہے کہ لفظاً اور تقدیراً معنے میں مفعول کے ہو کر کان محذوف کی خبر ہو اے کان الحرف ملفوظاً او مقدراً۔ **قولہ یجب تجرید المضاف** یعنی جو اضافت کہ بتقدیر حرف جر ہو اس میں ضروری ہوتا ہے کہ مضاف ایک ایسا اسم ہو جو اضافت کی وجہ سے اپنی تنوین یا قائم مقام تنوین مثلاً نون تثنیہ اور جمع سے خالی ہو اسلئے کہ کلمہ تنوین یا قائم مقام تنوین کے ساتھ تام ہونے کی وجہ سے انفصال پر دلالت کرتا ہے اور اضافت مقتضی اتصال ہے **قولہ علی قسمین** یعنی اضافت بتقدیر حرف جر دو قسم پر ہے معنویہ اور لفظیہ معنویہ معنے کی طرف منسوب ہے اور یہ اضافت مضاف میں چونکہ معنے تعریف اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے اسلئے اسکو معنویہ کہتے ہیں اور لفظیہ لفظ کیطرف منسوب ہے اس اضافت سے صرف لفظ میں تخفیف آجاتی ہے اور مضاف میں معنی تعریف اور تخصیص کے حاصل نہیں ہوتے اسلئے اسکو لفظیہ کہتے ہیں۔ **قولہ فہی ان یکون الخ** یعنی اضافت معنویہ وہ ہے کہ جس میں مضاف وہ صفت نہ ہو جو کہ اپنے معمول کیطرف مضاف ہے اور اس جگہ تین صورتیں متصور ہیں ایک یہ کہ مضاف نہ صیغہ صفت ہو اور نہ اپنے معمول کیطرف مضاف ہو جیسے غلام زید دوسرے یہ کہ مضاف صیغہ صفت ہو لیکن اپنے معمول کیطرف مضاف نہ ہو بلکہ غیر معمول کی کیطرف مضاف ہو جیسے کریم البلد تیسرے یہ کہ مضاف صیغہ صفت نہ ہو اور اپنے معمول کیطرف مضاف ہو جیسے ضرب الیوم۔ فائدہ اسجگہ صفت سے مراد اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ اسم تفضیل ہیں اور معمول سے مراد فاعل اور مفعول بہ ہیں **قولہ اما بمعنی اللام** یعنی اضافت معنوی بتقدیر لام اس جگہ ہوتی ہے جہاں مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس ہو اور نہ وہ مضاف کا ظرف ہو پھر مضاف الیہ کے جنس مضاف سے ہونیکے یہ معنے ہیں کہ مضاف مضاف الیہ اور غیر مضاف الیہ دونوں پر صادق آئے اور مضاف الیہ مضاف اور غیر مضاف دونوں پر صادق آئے اور اسکی صورت یہ ہے کہ دونوں کے درمیان عام خاص من وجہ کی نسبت ہو جیسے غلام زید کہ اصل میں غلام لزید تھا اسوجہ سے یہ اضافت بمعنے لام ہے اسکو اضافت لامیہ کہتے ہیں **قولہ بمعنی من الخ** یعنی جبکہ مضاف الیہ جنس مضاف ہے تو اضافت معنوی بتقدیر من ہوتی ہے جیسے خاتم فضۃ کہ اصل میں خاتم من فضۃ تھا چونکہ من اس میں مقدر ہے اس وجہ سے یہ اضافت بمعنے من ہے اسکو اضافت منیہ اور اضافت بمعنے من کو اضافت بیانیہ و تبئینیہ کہتے ہیں **قولہ بمعنی فی الخ** یعنی اضافت بتقدیر فی اس جگہ ہوتی ہے کہ جس جگہ مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو جیسے صلوۃ اللیل کہ اصل میں صلوۃ فی اللیل تھا چونکہ فی یہاں مقدر ہے اسوجہ سے یہ اضافت فیہ ہے اسکو اضافت بمعنی فی کو اضافت فیئیہ اور اضافت ظرفیہ کہتے ہیں اسکے معنے ہوئے کہ صلوۃ وہ چیز ہے جو لیل میں پائی جاتی ہے **قولہ فائدہ ہذہ الاضافۃ** یعنی کہ معرفہ کیطرف مضاف کرنے سے تعریف اور نکرہ کیطرف کرنے سے تخصیص یعنی قلت اشتراک حاصل ہوتی ہے لیکن یہ حکم مثل اور غیر اور ایکے مانند میں جاری نہ ہوگا اسلئے کہ یہ اسماء بوجہ کثرت ابہام کہ معرفہ کیطرف مضاف ہونے سے معرفہ نہیں ہوتے مگر جب کہ مضاف الیہ کا مقابل نہ ہو یا بعد ہو یا مضاف الیہ کا کوئی ایسا مثل مشہور ہو کہ جسکی مماثلت مضاف الیہ کیساتھ اوصاف میں سے کسی خاص وصف مثلاً علم اور شجاعت میں پائی جائے تو یہ معرفہ ہو جائیںگے بجائے جب یہ مشکل کہیں گے تو اسمیں شک معرفہ ہو جائیگا بشرطیکہ مقصود اس سے اسکا مماثل خاص ہو **قولہ اما اللفظیۃ** اضافت لفظی کی علامت یہ ہے کہ صفت اپنے معمول کیطرف مضاف ہو خواہ **معمول** فاعل ہو یا مفعول جیسے ضارب زید کہ یہاں صفت اپنے **معمول** مفعول کیطرف مضاف ہے اور جیسے حسن الوجہ۔ یہ مثال اس صفت کی ہے جو اپنے معمول فاعل کیطرف مضاف ہے **قولہ فائدتہا الخ** یعنی اضافت لفظی لفظ میں صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تعریف اور تخصیص اس سے حاصل نہیں ہوتی پھر یہ تخفیف کبھی تو فقط مضاف میں ہوتی ہے۔

(باقی صفحہ ۹۹ پر)

وَاعلم انك اذا اَضفتَ الاسمَ الصحيحَ والجارِيَ مجرى الصحيح الى ياء المتكلم كسرتَ اٰخرَهٗ واسكنتَ الياءَ او فتحتها كغلامِيَ ودلوِيَ وظبيِيَ وَاِن كان اٰخرُ الاسمِ الفًا تثبتُ كعصايَ ورحايَ خلافًا للهذيل كعصيَّ ورحيَّ وَاِن كانَ اٰخرُ الاسمِ ياءً مكسورًا ما قبلها اُدغمتِ الياءُ في الياء وفتحتِ الياءُ الثانيةَ لئلّا يلتقي الساكنان تقول في قاضٍ قاضِيَّ وان كان اٰخرُهٗ واوًا مضمومًا ما قبلها قلبتها ياءً وعمِلتَ كما عمِلتَ الاٰنَ تقول جاءني مُسلِمِيَّ وفي الاسماءِ الستةِ مُضافةً الى ياءِ المتكلم تقول اَخِي وابي وحمِي وهني وفِيَّ عندَ الاكثر وفمي عند قومٍ وذو لا يضاف الى مضمرٍ اصلًا وقولُ القائلِ ع انما يعرف ذَا الفضلِ مِنَ الناسِ ذووهٗ شاذٌّ واذا قطعتَ هٰذِهِ الاسماءَ عن الاضافة قلتَ اَخٌ وابٌ وحمٌ وهنٌ وفمٌ

جیسے ضاربُ زید کہ اصل میں ضاربٌ زیداً تھا پس اضافت کی وجہ سے تنوین ضاربٌ سے ساقط ہو گئی اور کبھی صرف مضاف الیہ میں ہوتی ہے۔ بذریعہ حذف ضمیر کے جیسے القائم الغلام کہ اصل میں القائم غلامہ تھا غلام سے ضمیر مضاف الیہ کو حذف کرکے القائم میں اسکو مستتر مان لیا گیا اور القائم کو اسکی طرف مضاف کر دیا گیا پس مضاف الیہ میں تخفیف حاصل ہو گئی اور کبھی مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف ہوتی ہے جیسے حسن الوجہ کہ اصل میں حسنٌ وجھُہٗ تھا پس اضافت سے تنوین حسنٌ کی ضمیر وجہ کی محذوف ہو گئی اور عوض میں ضمیر وجہہ کے لام تعریف کو لائے پس مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف ہو گئی **قولہ اذا اضفت الاسم** یعنی جب اسم صحیح یا ملحق بالصحیح کی اضافت یاء متکلم کیطرف کی جائے تو اسم کے آخر کو مناسبت یاء کی وجہ سے کسرہ دیں گے اور یاء متکلم کو مفتوح یا ساکن پڑھینگے مفتوح اسلئے کہ فتح اخف الحرکات ہے اور سکون میں تخفیف ظاہر ہے جیسے غلامی ودلوی وظبیی پھر صحیح اصطلاح نحات میں وہ ہے کہ اسکے اخیر میں حرف علت نہ ہو جیسے زید اور ملحق بالصحیح وہ ہے کہ اس کے اخیر میں واؤ یا یاء ماقبل ساکن ہو جیسے دلوٌ ظبیٌ **قولہ وان کان آخر الاسم** یعنی اگر اس اسم کے اخیر میں جو یائے متکلم کیطرف مضاف ہے الف ثابت رکھا جائیگا جیسے عصایَ اور رحایَ اسلئے کہ اس جگہ سبب ابدال کا متحقق نہیں **قولہ خلافا للهذیل** یعنی قبیلہ ہذیل غیر تثنیہ میں اس الف کو یاء سے بدل کر یاء متکلم میں ادغام کرتا ہے جیسے عصیّ اور دلیل یہ ہے کہ جسطرح یاء ماقبل یاء متکلم کے جب فتح ہوتا ہے تو وہ کسرہ سے بدل جاتا ہے اسی طرح جب ماقبل یاء متکلم کے الف ہو تو وہ بھی یاء سے بدل جائیگا قیاساً علی الفتح **قولہ وان کان آخر الاسم یاءً** یعنی اگر اس اسم کے آخر میں جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہے یاء ہو تو اسکو یاء متکلم میں ادغام کریں گے اور یاء ثانیہ کو فتح دینگے تاکہ دو ساکن کا جمع ہونا لازم نہ آئے **قولہ وان کان آخرہ واواً** الخ یعنی ایسا اسم جس کے آخر میں واؤ ہو اور اس کو یاء متکلم کی طرف مضاف کیا جائے اور نون . . . . کو اضافت کی وجہ سے گرا دیا۔ اور واؤ کو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کیا اور مناسبت یاء کی وجہ سے ضمہ میم کو کسرہ سے بدل لیا اور یائے متکلم کو التقائے ساکنین سے بچنے کیلئے فتح دینگے اسلئے کہ فتح اخف الحرکات ہے اور التقائے ساکنین محال **قولہ اخی وابی** یعنی اسماء ستہ میں حال اخ واب کا جبکہ یاء متکلم کیطرف مضاف ہوں یہ ہے کہ اخی اور ابی کہیں گے اور محذوف کو رد نہ کرینگے اسلئے کہ کثرت استعمال ان دونوں کا تخفیف کو چاہتا ہے لہذا لام کلمہ کو جو کہ نسیاً منسیاً کے درجہ میں محذوف ہو چکا ہے یاء متکلم کیطرف اضافت کرتے وقت رد نہ کرینگے لیکن مبرّد ان دونوں کو یاء متکلم کی طرف مضاف کرتے وقت اخیّ اور ابیّ کہتا ہے اور یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ کثرت استعمال سے ثقل کا ثقل زائل ہو جاتا ہے پس واؤ محذوف کو رد کرینگے اور اسکو یاء سے بدل کر یاء میں ادغام کرینگے **قولہ حمی وہنی** یعنی بوقت اضافت حم وہن کیطرف یاء متکلم کے حمی ہنی کہیں گے اور اس میں مبرد کی مخالفت جمہور کیساتھ مشہور نہیں ہے **قولہ وفیّ عند الاکثر** یعنی جب فوہ کی اضافت یاء متکلم کی طرف کریں تو فیّ کہیں گے اسلئے کہ اس کلمہ میں لام حلق کہ ہاء ہے نسیاً منسیاً کے درجہ میں خلاف قیاس محذوف ہو گئی ہے پس یاء متکلم کیطرف اضافت کرتے وقت محذوف کو رد نہ کریں گے اور واؤ کہ عین کلمہ ہے یاء میں ادغام کرینگے اور فاء کلمہ کو بوجہ مناسبت یاء کے کسرہ دینگے فیّ ہو گا اور یہ لغت اکثر کے نزدیک ہے ایک قوم کہتی ہے کہ فمی بولو اور دلیل پر یہ ہے کہ اوپر یہ مذکور ہو چکا ہے کہ کلمہ اصل میں فوہ تھا جیسا کہ اسکی جمع افواہ اسپر دلالت کرتی ہے ہاء کو خلاف قیاس حذف کرنے کے بعد واؤ کو میم سے بدل لیا اسلئے کہ وہ دونوں قریب المخرج ہیں پس فم ہو گیا پھر جب غیر حالت اضافت میں فم کہتے ہیں تو حالت اضافت الی یاء المتکلم کی صورت میں اسکے نظائر پر قیاس کر کے فمی کہیں گے **قولہ ذو لا یضاف** الخ یعنی ذو کہ اسماء ستہ میں سے ہے ضمیر کیطرف مضاف نہیں ہو گا اسلئے کہ ذو اس لئے وضع کیا گیا ہے کہ اسم جنس کیطرف مضاف ہو کر اسکو دوسری چیز کی صفت قرار دے پس اگر وہ ضمیر کیطرف مضاف ہو گا تو خلاف وضع لازم آئیگا اسلئے کہ ضمیر جنس نہیں ہے **قولہ قول القائل**۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ ذو ضمیر کیطرف مضاف نہیں ہوتا یہ غلط ہے کیونکہ اس مصرع (انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ) میں ذو کی اضافت ضمیر کیطرف ہو رہی ہے مصنف جواب دیتا ہے کہ شاعر کا اس قول ذو کی اضافت ضمیر کی طرف کر دینا شاذ ہے یعنی ایسا قلیل ہے کہ اسپر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے مطلب مصرع کا یہ ہے کہ فضیلت والے آدمیوں کو فضیلت والا ہی پہچانتا ہے یہ مصرع اس مشہور مثل کے موافق ہے قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری **قولہ واذا قطعت الخ** یعنی جب اسماء ستہ میں سے اسماء خمسہ مذکورہ کو اضافت سے قطع کریں گے (باقی صفحہ ۱۰۰ پر) ♦ ♦ ♦ ♦ ♦

وذو لا يُقطعُ عن الاضافة البتة هذا كلّهُ بتقدير حرفِ الجر اما ما يذكر فيه حرفُ الجرّ لفظًا فسيأتيكَ فِي القسم الثالث ان شاء اللهُ تعالى **الخاتمة في التوابع** اعلم اَنَّ التى مرّتْ مِن الاسماءِ المعربة كان اعرابها بالاصالة بان دخلتها العوامِلُ مِن المرفوعات والمنصوبات والمجرورات فقد يكونُ اعراب الاسم بتبعيةِ ماقبلهٖ ويُسمّى التابعَ لانهٗ يتبع ماقبله فى الاعراب وهو كُلُّ ثانٍ معرب باعراب سابقِهٖ من جهةٍ واحدةٍ والتوابعُ خمسةُ اقسامٍ النعتُ والعطفُ بالحروفِ والتاكيدُ والبدَلُ وعطفُ البيَانِ **فصلٌ** النعت تابعٌ يَدُلُّ على معنًى فى متبوعهٖ نحو جاءنى رجلٌ عالِمٌ اوفى متعلّق متبوعهٖ نحو جاءنى رجلٌ عالِمٌ ابوهُ ويُسمّى صفةً ايضًا

تو ان پر مطلقاً اعراب بحرکات جاری کریں گے جیسا کہ کہیں اخ اب تم من فم مصنف نے یہ بحث بہ مناسبت بہ سلسلہ استطراداً و تبعیت کے ذکر کی ہے **قولہ وذو لا یقطع** اور ذو کبھی بھی اضافت سے قطع نہیں کیا جاتا ہے چونکہ اسکی اضافت اسم جنس کی طرف ہے اسلئے وہ اضافت سے علیحدہ بھی نہ کیا جائیگا جیسا کہ کہیں جاءنی رجل ذو مال پس یہاں مال اسم جنس ہے اور بواسطہ ذو کے رجل کی صفت ہے **قولہ ہذا کلہ الخ** یعنی سب جو اضافت معنویہ اور لفظیہ بیان کیا ہے تقدیر حرف جر میں ہے سوال اس بات کے ذکر کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ چونکہ سابق سے مفہوم ہو رہا ہے جواب اگر مصنف یہ کلام ذکر نہ کرتا تو اما جو کہ تفصیل کے واسطے آتا ہے اور کم از کم دو عدیل میں مستعمل ہوتا ہے اور مصنف کے اس قول اما ما یذکر الخ (لیکن وہ جسمیں لفظاً حرف جر ذکر کیا جاتا ہے) بغیر عدیل کے رہ جاتا ہے اور اسکا عدیل ذکر حرف جر تقدیراً ہے لہذا کلام مذکور کا ذکر ضروری ہوا فائدہ مصنف نے اضافت لفظیہ میں تقدیر حرف جر کی تصریح نہیں کی جیسا کہ اضافت معنویہ میں تصریح کی ہے چونکہ تقدیر حرف جر ان تین حرف جر میں منحصر نہیں ہے بلکہ اسم فاعل و مفعول کا جیسا تقاضا ہوتا ہے ویسا ہی مقدر کر لیا جاتا ہے جیسے مثلاً بائع البلاد میں الی مقدر ہے اور جس وقت کسی حرف جر کا تقاضا نہیں ہوتا اس وقت لام کی تقدیر کر لی جاتی ہے چونکہ نحات جر کو بغیر جار کے پایہ بنا کردہ جانتے ہیں **قولہ الخاتمۃ الخ۔** جب مصنف مقاصد ثلثہ کے بیان سے فارغ ہو گیا جو کہ بیان معربات بالاصالۃ پر شامل ہے تو اب خاتمہ جس کا وعدہ کیا تھا۔ اس کو بیان کرتا ہے یہ خاتمہ بیان معربات بالتبعیۃ پر شامل ہے ۱۲۔ **قولہ التوابع الخ** یہ تابع کی جمع ہے اور وصفیت سے اسمیت کی طرف منقول ہے اسلئے کہ فاعل بمعنی صفت کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی بلکہ فاعل اسمی کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے جیسا کہ کاہل ما بین الکتفین کی جمع کواہل آتی ہے ۱۲ **قولہ فقد یکون الخ** اسمیں فا ربط تو تفسیر کیلئے ہے یا شرط محذوف کے جواب میں ہے یعنی اذا کان ذلک فنقول قد یکون اعراب الاسم حاصل مطلب یہ ہے کہ اسماء معربۃ (اسماء مرفوعات ومنصوبات اور مجرورات) ان کا اعراب دو قسم پر ہے بالاصالۃ اور بالتبعیۃ اعراب بالاصالۃ کا مطلب یہ ہے کہ خود ان اسماء معربہ پر ہی عوامل کو رافع ونواصب وجوار داخل ہوں اور اعراب بالتبعیۃ کا مطلب یہ کہ ان اسماء معربہ پر عوامل داخل نہ ہوں بلکہ ان اسماء کے ماقبل جو اسماء ہیں ان پر داخل ہوں تو اس طرح پر جس اسم کا اعراب ہوتا ہے اس کو تابع کہتے ہیں ماخوذ ہے تبع بمعنی پیروی کرنا چونکہ یہ بھی اسم اپنے ماقبل کی پیروی کرتا ہے اعراب (رفع و نصب و جر) میں اس وجہ سے ایسے اسم کو تابع کہتے ہیں۔ **قولہ کل ثان باعراب** یعنی تابع نحویوں کی اصطلاح میں ہر وہ ثانی ہے جو اپنے سابق کے اعراب میں موافق ہو اور دونوں کے اعراب کی ایک جہت ہو یعنی مثلاً اگر پہلے کلمہ پر اعراب بجہت فاعلیت سے آیا ہو تو دوسرے کلمہ پر بھی اسی جہت سے آئے اور اگر اس پر اعراب بجہت مفعولیت سے آیا ہو تو اس پر بھی جہت مفعولیت سے آئے غرض دونوں کلموں کے اعراب کی جہت ایک ہونی چاہیے جاءنی زید العالم کہ اسمیں العالم تابع ہے اس لئے کہ وہ بہ نسبت زید کے دوسرے درجہ میں ہے اور اعراب یعنی رفع میں اس کے موافق ہے پھر دونوں ایک ہی جہت سے مرفوع ہیں، اور وہ جہت فاعلیت ہے پس جسطرح زید فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔

۰۰۰۰۰ اسی طرح العالم بھی بوجہ زید کے ساتھ متحد ہونیکے اسی حیثیت سے مرفوع ہے پس دونوں کا رفع ایک ہی حیثیت اور ایک ہی جہت سے ہے پھر چونکہ یہاں ثانی سے مراد مؤخر ہے لہذا یہ تعریف تابع ثالث اور رابع کو بھی شامل ہوگی اس لئے کہ ہر ایک بہ لحاظ اپنے متبوع کے درجہ ثانی میں ہے باقی رہے فوائد وقیود سو وہ یہ ہیں کہ قولہ کل ثان بمنزلہ جنس ہے ہر اسم مؤخر کو شامل ہے اور قولہ باعراب سابقہ بمنزلہ فصل کے ہے کہ اس سے سوا خبر مبتدا اور مفعول ثانی باب علمت اور مفعول ثالث باب اعلمت کے سب خارج ہو گئے اور قولہ من جہۃ واحدۃ سے یہ بھی خارج ہو گئے اس لئے کہ مثلاً مبتدا کی خبر اگرچہ مبتدا کے اعراب میں موافق ہے مگر دونوں ایک جہت سے مرفوع نہیں بلکہ مبتدا مسند الیہ کی جہت سے مرفوع ہے اور خبر مسند ہونیکی جہت سے ایسے ہی باب علمت کا مفعول ثانی معلوم ہونے کے سبب سے منسوب ہے اور مفعول اول مفعول فیہ ہونیکی وجہ سے **قولہ النعت تابع الخ** یعنی نعت وہ تابع ہے جو اس معنے اور وصف پر جو متبوع یا متعلق متبوع میں ہو ہر حال میں دلالت (باقی صفحہ ۱۰۱ پر)

والقسم الاول يتبع متبوعه في عشرة اشياء في الاعراب والتعريف والتنكير والافراد والتثنية والجمع والتذكير والتانيث نحو جاءني رجل عالم ورجلان عالمان ورجال عالمون وزيد العالم وامرأة عالمة والقسم الثاني انما يتبع متبوعه في الخمسة الاول فقط اعني الاعراب والتعريف والتنكير كقوله تعالى من هذه القرية الظالم اهلها وفائدة النعت تخصيص المنعوت ان كانا نكرتين نحو جاءني رجل عالم وتوضيحه ان كانا معرفتين نحو جاءني زيد الفاضل وقد يكون لمجرد الثناء والمدح نحو بسم الله الرحمن الرحيم وقد يكون للذم نحو اعوذ بالله من الشيطان الرجيم وقد يكون للتاكيد نحو نفخة واحدة واعلم ان النكرة توصف بالجملة الخبرية نحو مررت برجل ابوه عالم وقام ابوه

کہ اس تعریف میں تابع بمنزلہ جنس کے ہے اور تعریف کے باقی الفاظ بمنزلہ فصل کے اس تعریف سے صفت کو تمام اور توابع سے تمیز حاصل ہوگی ہر حالت کی قید اس وجہ سے زائد کی گئی کہ بعض توابع مثل بدل اور تاکید اور معطوف کے اگرچہ گاہ بگاہ اس معنی پر کہ جو انکے متبوع میں ہیں دلالت کرتے ہیں مگر یہ دلالت ہمیشہ نہیں بلکہ بعض مادہ کے ساتھ خاص ہے مثلاً اعجبنی زید علمہ میں علمہ بدل ہے اور یہ اس معنی پر دلالت کرتا ہے کہ جو متبوع میں ہیں مگر یہ دلالت ہر حال میں نہیں بلکہ اسمیں خصوصیت مادہ کا لحاظ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر بجائے علمہ کے غلامہ کہیں تو اس وقت بدل کی دلالت متبوع کے معنی پر نہیں ہوگی بخلاف صفت کے کہ وہ ہر حال اور ہر مادہ میں معنی متبوع پر دلالت کرتی ہے **قولہ جاءنی رجل عالم الخ** عالم صفت ہے چونکہ رجل کے اندر معنی علم وجہل ہے اس پر یہ دلالت کرتا ہے **قولہ جاءنی رجل عالم ابوہ** عالم ابوہ رجل کی نعت ہے چونکہ عالم رجل کے متعلق یعنی اب رجل میں جو معنی علم ہے اس پر دلالت کرتا ہے **قولہ القسم الاول الخ** یعنی صفت کی قسم اول، اپنے موصوف کیساتھ ان دس صفتوں میں تابع ہوتی ہے جن میں سے ہر ترکیب میں چار کا موجود ہونا ضروری ہے اعراب میں سے ایک افراد اور تثنیہ اور جمع میں سے ایک اور تعریف اور تنکیر میں سے ایک اور تذکیر اور تانیث میں سے ایک **قولہ والقسم الثانی** یعنی صفت کی قسم ثانی اپنے موصوف کیساتھ اوصاف عشرہ مذکورہ میں سے ان پانچ میں تابع ہوگی جو کہ اولاً مذکور ہیں یعنی رفع اور نصب اور جر اور تعریف اور تنکیر اور ہر ترکیب میں ان پانچ میں سے دو وصف ایک ساتھ پائے جائیں گے اور ان دس وصفوں میں سے باقی میں افراد اور تثنیہ اور جمع اور تذکیر اور تانیث میں صفت مثل فعل کے ہوگی اسلئے کہ وہ اپنے مابعد کیطرف مسند ہونے میں فعل کے مشابہ ہے پس اس کے فاعل کو دیکھا جائے گا اگر وہ مفرد یا تثنیہ یا جمع ہو تو صفت کو مفرد لایا جائیگا جیسا کہ فعل کو مفرد لایا جاتا ہے وہکذا فی الاحکام الباقیۃ ١٢ **قولہ فائدۃ النعت** یعنی نعت کا فائدہ اگر دونوں یعنی موصوف اور صفت دونوں نکرہ ہوں تو منعوت میں تخصیص حاصل ہو جاتی ہے یعنی موصوف میں اشتراک کم ہو جاتا ہے جیسے جاءنی رجل عالم میں عالم اور رجل دونوں نکرہ ہیں رجل عالم اور غیر عالم سبھی میں برابر تھا جب عالم اسکی صفت ذکر کردی تو اس میں اشتراک کم ہو گیا اور اگر صفت و موصوف دونوں معرفہ ہوں تو اسکا فائدہ توضیح ہے جیسے جاءنی زید الفاضل توضیح سے مراد یہ ہے کہ معرفہ سے اجمال کو دور کیا جائے جیسا کہ مثال مذکور میں صفت سے پیشتر زید میں اجمال تھا کہ کونسا زید آیا فاضل یا غیر فاضل پس جب اسکی صفت فاضل لائے تو یہ احتمال جو زید میں تھا دور ہو گیا **قولہ قد یکون الخ** یعنی کبھی نعت کو محض تعریف کی غرض سے لاتے ہیں اور اس سے اشتراک یا اجمال کا دور کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے یہ اس جگہ ہوتا ہے کہ منعوت معرفہ ہو اور نعت مخاطب کے نزدیک نعت لانے کے قبل منعوت میں معلوم ہو جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم **قولہ قد یکون للذم** سابق طریقہ پر کبھی نعت ذم کیلئے ہوتی ہے جیسے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم نعت محض ذم کے واسطے ہے۔ **قولہ للتاکید** یعنی کبھی نعت کو مجرد تاکید کیلئے لاتے ہیں اور یہاں پر بھی یہی شرط ہے کہ نعت مخاطب کے نزدیک نعت لانے سے پہلے ضمناً منعوت میں معلوم ہو جیسا کہ نفخۃ واحدۃ کہ اسمیں وحدہ کے لانے سے قبل تاء وحدت پر دال ہے **قولہ ان النکرۃ توصف** یعنی کبھی جملہ خبریہ نکرہ کی صفت ہو جاتا ہے اگرچہ اسکا صفت ہونا قیاس کے خلاف ہے اسلئے کہ جملہ مستقل ہوتا ہے اور صفت کا موصوف کیساتھ ارتباط ضروری ہے مگر تاہم جملہ خبریہ تو نکرہ کی صفت ہو جاتا ہے اور جملہ انشائیہ نہیں ہو سکتا اسلئے کہ جملہ انشائیہ کو مشابہت مفرد کے ساتھ جو کہ صفت میں اصل ہے متحقق نہیں اسلئے کہ مفرد کیلئے خارج میں محکی عنہ پایا جاتا ہے اور جملہ انشائیہ کیلئے خارج میں محکی عنہ نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ وہ صدق اور کذب کیساتھ بھی متصف نہیں ہوتا پس وہ صفت نہیں ہوگا بخلاف جملہ خبریہ کے کہ وہ نکرہ کی صفت ہو جائیگا نہ کہ معرفہ کی اسلئے کہ جملہ من حیث انہا جملۃ اگرچہ نہ معرفہ ہے نہ نکرہ مگر چونکہ وہ ادوات تعریف سے خالی ہوتا ہے اسلئے وہ حکم میں نکرہ ہے اور اس کا نکرہ کی صفت ہونا صحیح ہے اور اس وقت اس میں ایک ضمیر کا ہونا لازم ہے تاکہ وہ موصوف کی طرف عائد ہو اور اسکے ذریعہ درمیان موصوف و صفت کے ارتباط پیدا ہو۔ ١٢

◆ ◆ ◆

والمضمر لا يوصف ولا يوصف به **فصل** العطف بالحروف تابعٌ ينسب اليه ما نُسب الى متبوعه وكلاهما مقصودان بتلك النسبة ويسمّى عطف النّسق وشرطه ان يكون بينه وبين متبوعه احد حروف العطف وسيأتي ذكرها في القسم الثالث ان شاء الله تعالى نحو قام زيدٌ وعمروٌ واذا عُطف على الضمير المرفوع المتصل يجب تاكيده بالضمير المنفصل نحو ضربتُ انا وزيدٌ الا اذا فُصل نحو ضربتُ اليومَ وزيدٌ واذا عطف على الضمير المجرور يجب اعادة حرف الجر نحو مررت بك وبزيدٍ واعلم انّ المعطوف في حكم المعطوف عليه يعني اذا كان الاول صفةً لشيءٍ او خبرًا او صلةً او حالاً فالثاني كذلك ايضا والضابطة فيه انه حيث

قولہ والمضمر لا یوصف ۔ یعنی ضمیر کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتی اسلئے کہ ضمیر متکلم اور مخاطب معرفہ کی تمام قسموں میں اعرف اور اوضح ہیں اور اوپر گذر چکا ہے کہ مقصود توصیف معرفہ سے اسکی توضیح ہے پس جب یہ دونوں اوضح ہیں تو اب ان دونوں کی توضیح کی حاجت نہیں باقی رہی ضمیر غائب اسکو طرداً للباب ان دونوں پر محمول کر لیا گیا ہے پس ثابت ہوا کہ ضمیر موصوف نہ ہوگی سوال ضمائر غائبہ موصوف واقع ہوتی ہے جیسے لا الہ الا ہو العزیز الحکیم کہ اسمیں العزیز الحکیم ہو کی صفت ہے جواب صفت نہیں بلکہ بدل ہے دوسرا جواب ہو ضمیر نہیں ہے بلکہ اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے اسوقت یہ بسکون واؤ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ **قولہ لا یوصف بہ** یعنی ضمیر کسی چیز کی صفت بھی نہ ہوگی اسلئے کہ صفت وہ ہے جو ان معنی پر کہ موصوف میں نہیں دلالت کرتی ہے اور ضمیر چونکہ ذات پر دلالت کرتا ہے اور اس معنی پر دلالت نہیں کرتی جو کہ ذات میں پائے جاتے ہیں لہذا وہ صفت نہ ہوگی **قولہ العطف بالحروف** یعنی عطف بالحروف وہ تابع ہے کہ جو چیز اسکے متبوع کیطرف منسوب ہے اسکی طرف بھی منسوب ہو اور دونوں اس نسبت سے مقصود ہوں مصنف کا قول تابع تمام توابع کو شامل ہے اور کلاہما الخ سے تمام توابع خارج ہو گئے نعت، تاکید، عطف بیان اسلئے خارج ہیں کہ یہ نسبت سے مقصود نہیں ہیں بلکہ ان کا متبوع فقط مقصود ہوتا ہے اور بدل اسوجہ سے کہ وہ خود بذات اپنے متبوع کے مقصود ہوتا ہے اسکا متبوع یعنی مبدل منہ صرف توطیہ و تمہید کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ مثال جاءنی زید اخوک میں اخوک بدل ہے اور وہی اس نسبت سے مقصود ہے سوال معطوف بلا، بل، ولکن، وام، واما، او تعریف سے خارج ہے کیونکہ ان حروف مذکورہ کے ساتھ تابع اور متبوع دونوں مقصود نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان دونوں میں سے ایک مقصود ہوتا ہے جواب متبوع کے مقصود بالنسبت ہونے عطف بالحروف کے اندر یہ ہے کہ تابع کیواسطے متبوع بطریق تمہید و توطیہ مذکور نہ ہو اور تابع کے مقصود بالنسبت ہونے سے یہ مراد ہے کہ تابع متبوع پر مثل فرع کے نہ ہو اس بیان سے ثابت ہوا کہ جو ان حروف کے ساتھ معطوف معطوف علیہ ہوتے ہیں اس معنے مذکور کے اعتبار سے دونوں مقصود با نسبت ہوتے ہیں **قولہ النسق** ۔ بفتح سین عرب کے قول ثغر نسق سے ماخوذ ہے یہ دانتوں کے استوار کے وقت بولتے ہیں چونکہ حروف عاطفہ تابع اور متبوع کو اعراب کے اعتبار سے مستوی کر دیتے ہیں اسوجہ سے اسکو عطف نسق کہتے ہیں اور نسق بسکون السین بمعنے نسقت الکلام کا مصدر ہے یہ اسوقت بولتے ہیں جبکہ بعض کلمات کو بعض پر عطف کرتے ہیں کما فی الصحاح نحو میر کی شرح میں ہے کہ نسق بالتحریک بمعنے ترتیب دینا اور اس تابع کو عطف نسق اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اسمیں معطوف معطوف علیہ کے بعد آتا ہے گویا کہ چند کلمات کو ترتیب دیا ہے ۔ **قولہ وشرطہ الخ** یعنی عطف کی شرط یہ ہے کہ تابع اور متبوع کے درمیان حروف عطف سے ایک حرف ہو ۔ اس قسم کے تابع میں بین التابع والمتبوع حرف عطف کے ہونیکو مصنف نے اسوجہ سے شرط قرار دیا ہے کہ حرف عطف کا ہونا بیان واقعی ہے اس سے مقصود کسی شئے کا اخراج نہیں ہے **قولہ حروف العطف الخ** حروف عطف جو قسم ثالث میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں واؤ، فا، ثم، حتی، او، اما، ام، لا، لکن، بل، تفصیل انکی قسم ثالث میں انشاء اللہ آوے گی **قولہ نحو قام زید وعمرو** اس مثال میں عمرو تابع ہے اور زید متبوع اور دونوں نسبت قیام سے مقصود ہیں انکے درمیان حروف عشرہ میں سے ایک حرف ہے اور وہ واؤ ہے **قولہ واذا عطف علی الضمیر** یعنی جب ضمیر مرفوع متصل پر کسی چیز کا عطف کریں گے تو اسکی تاکید ضمیر منفصل کیساتھ لائیں گے اس لیے کہ ضمیر مرفوع متصل مثل جزء کلمہ کے ہے پس اگر بغیر تاکید کے اس پر عطف کیا جائیگا تو کلمہ مستقل کا عطف جزء کلمہ پر لازم آئیگا اور وہ ناجائز ہے جیسے ضربت انا وزید کہ یہاں زید کا عطف ضمیر مرفوع پر کرتے کیلئے انا ضمیر منفصل سے تاکید لائی گئی ہے **قولہ الا اذا فصل الخ** مگر جب ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فاصلہ ہوگا تو اس وقت ترک تاکید جائز ہے اس لیے کہ فاصل قائم مقام تاکید کے ہو جائیگا اور اس کے ذریعہ عطف مذکور صحیح ہو جائیگا جیسے قولہ ضربت الیوم وزید کہ یہاں مثال مذکور میں الیوم فاصل ہے اور قائم مقام تاکید کے ہے **قولہ اذا عطف علی الضمیر المجرور الخ** ۔ یعنی جب ضمیر مجرور پر کسی چیز کا عطف کریں گے تو جار کو خواہ حرف ہو یا اسم معطوف پر اعادہ کریں گے اس لیے کہ جار اور ضمیر مجرور شدت اتصال کی وجہ سے مثل کلمہ واحدہ کے ہیں پس اگر جار کا اعادہ نہ کریں گے تو عطف کلمہ مستقلہ کا جزء کلمہ پر لازم آئے گا اور وہ جائز نہیں ہے جیسے مررت بک وبزید ۔ یہ مثال حرف (باقی بر صفحہ ۱۰۳ پر)

◆

يَجُوزُ اَنْ يُقَامَ الْمَعْطُوفُ مَقَامَ الْمَعْطُوفِ عَلَيْهِ جَازَ الْعَطْفُ وَحَيْثُ لَا فَلَا وَالْعَطْفُ عَلٰى مَعْمُولَيْ عَامِلَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ جَائِزٌ اِنْ كَانَ الْمَعْطُوفُ عَلَيْهِ مَجْرُورًا مُقَدَّمًا وَالْمَعْطُوفُ كَذٰلِكَ نَحْوُ فِي الدَّارِ زَيْدٌ وَالْحُجْرَةِ عَمْرٌو وَفِي هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ مَذْهَبَانِ اٰخَرَانِ وَهُمَا اَنْ يَجُوزَ مُطْلَقًا عِنْدَ الْفَرَّاءِ وَلَا يَجُوزُ مُطْلَقًا عِنْدَ سِيبَوَيْهِ ۔ فَصْلٌ اَلتَّاكِيدُ تَابِعٌ يَدُلُّ عَلٰى تَقْرِيرِ الْمَتْبُوعِ فِي مَا نُسِبَ اِلَيْهِ اَوْ عَلٰى شُمُولِ الْحُكْمِ لِكُلِّ فَرْدٍ مِنْ اَفْرَادِ الْمَتْبُوعِ

(بقیہ صفحہ ۱۰۲) جر کی ہے اور اسم خافض کی مثال یہ ہے جیسا کہ کہیں جاءنی اخوک وزید لیکن جاننا چاہیے کہ یہ اعادہ نثر اور حالت اختیار میں بصریوں کے نزدیک واجب ہے اور اسکا اضطرار کے وقت چھوڑ دینا جائز ہے اور کوفیوں نے ترک اعادہ کی مطلقاً اجازت دی ہے اور استشہاد میں مررت بک وزید اور مررت بنفسک وزید عرب کا قول پیش کرتے ہیں کہتے ہیں کہ عرب سے بلا تاکید اس قسم کی امثلہ مروی ہیں نیز حمزہ کی قراۃ میں وَالارحامِ بجر میم آیت کریمہ واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام میں ہے یہ عطف الارحام کا مجرور پر بغیر اعادہ جار خافض کے ہو رہا ہے یہ دلیل جواز کی ہے بصریین جواب دیتے ہیں کہ ان سے استدلال نہیں کرسکتے ہیں اسلئے کہ یہ شاذ ہے اور شاذ استدلال کے قابل نہیں ہے اور احتمال ہے کہ واو قسم کے واسطے ہو درایہ **قولہ ان المعطوف** الخ یعنی معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے یعنی جو چیز کہ معطوف علیہ کیلئے جائز ہوتی ہے اور جو چیز کہ معطوف علیہ کیلئے ممنوع ہوتی ہے معطوف کے لیے بھی جائز اور ممتنع ہوتی ہے خود مصنفؒ اس کا مطلب بیان کرتا ہے کہ اگر معطوف علیہ صفت کسی شئے کی ہو یا کسی شئے کیلئے خبر یا صلہ یا حال ہو تو اس طرح معطوف بھی ہو مزید توضیح کیلئے مصنفؒ اسکے واسطے ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ معطوف علیہ کی جگہ معطوف کو قائم کرکے دیکھا جائے اگر یہ قائم کرنا درست ہو تو عطف کرنا درست ہوگا ورنہ درست نہ ہوگا اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ ما زید بقائم ولا ذاہب عمرو میں ذاہب کو رفع واجب ہے اور جر اور نصب درست نہیں ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ اگر ذاہب کو منصوب یا مجرور پڑھیں گے تو اسکا عطف قائم پر ہوگا اور وہ اس وقت زید کی خبر ہوگا جیسا کہ معطوف علیہ اسکی خبر ہے پھر چونکہ معطوف علیہ میں ایک ضمیر ہے جو زید کی طرف عائد ہے اور معطوف یعنی ذاہب میں کوئی ضمیر نہیں جو زید کی طرف عائد ہو لہٰذا ذاہب کا زید کی خبر واقع . . . . ہونا ممتنع ہوگا پس لامحالہ ذاہب میں رفع متعین ہو جائیگا اور وہ خبر مقدم اور عمرو اس کا مبتدا مؤخر ہوگا اور عطف جملہ کا جملہ پر ہوگا نیز کہہ سکتے ہیں کہ ذاہب مبتدا کی قسم ثانی ہے اور عمرو اسکی خبر قائم مقام فاعل ہے۔ **قولہ والعطف الخ** جبکہ ایک حرف عطف سے دو عامل مختلف کے دو معمولوں پر دو اسموں کا عطف کیا جاوے تو آیا یہ عطف جائز ہے یا نہیں تو اس میں جمہور کے نزدیک تفصیل ہے جمہور کہتے ہیں کہ اگر معطوف علیہ مجرور مقدم ہو اور معطوف بھی مجرور مقدم ہو تو پھر عطف جائز ہے ورنہ نہیں جیسے مثلاً فی الدار زید والحجرۃ عمرو میں کہ فی الدار معطوف علیہ ایک مجرور ہے اور دوسرا زید معطوف علیہ مرفوع بالابتدا ہے اور الحجرۃ ایک معطوف مجرور ہے اور عمرو دوسرا معطوف مرفوع بالابتدا ہے یہ دونوں دو مختلف عاملوں کے دو معمول ہیں ایک حرف عطف کے ذریعہ سے عطف ہو رہا ہے اس عطف کو جمہور جائز قرار دیتے ہیں اور اگر اس طرح پر نہ ہو تو پھر درست نہیں جیسے زید فی الدار وعمرو الحجرۃ کہ یہ عطف جائز نہیں جمہور کہتے ہیں کہ اول قسم کا عطف اسی وجہ سے جائز ہے کہ عرب سے اس قسم کا عطف خلاف قیاس مسموع ہے جیسا کہ بعض اشعار عرب میں ہے اکل امرء تحسبین امرءً ونار توقد باللیل نارًا اور جو چیز خلاف قیاس مسموع ہوتی ہے وہ مورد سماع پر منحصر ہوتی ہے اس پر کسی دوسری چیز کو قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا ہے **قولہ فی ہذہ المسئلۃ** الخ مصنف کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں اور دو مذہب ہیں ایک فراء نحوی کا اور دوسرا سیبویہ کا فراء نحوی کہتا ہے کہ یہ عطف مطلقاً جائز ہے اور اسی مسموع پر قیاس کرتا ہے مگر یہ بھی کہتا ہے کہ اگر عاطف اور معطوف مجرور کے درمیان فصل واقع ہو جائے تو پھر عطف درست نہیں رہیگا جیسے ان زیدا فی الدار وعمرًا فی الحجرۃ یہ فراء کے نزدیک جائز ہے **قولہ عند سیبویہ الخ** یہ دوسرا مذہب ہے غرض یہ کہ سیبویہ اس عطف کو مطلقاً جائز نہیں کہتے اور ان مثالوں میں کہ جو عرب سے مسموع ہیں مثلاً فی الدار زیدٌ والحجرۃ عمرو تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسجگہ معطوف میں فی مقدر ہے تقدیر عبارت یہ ہے فی الدار زید وفی الحجرۃ عمرو پس اس وقت عطف جملہ [illegible] ہوگا دو عامل مختلف کے دو معمولوں پر نہ ہوگا **قولہ التاکید الخ** یہ لفظ ہمزہ اور واؤ دونوں کے ساتھ مستعمل ہے اس کے معنے مضبوط کرنا ہے مصنفؒ تاکید کو بعد عطف کے لایا ہے کیونکہ عاطف کیلئے فار تاکید زیادہ کیا جاتا ہے چنانچہ بولا جاتا ہے ثم واللہ فواللہ اور جیسے قولہ تعالیٰ کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون ولا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنہم بمفازۃ **قولہ تابع الخ** یعنی تاکید وہ تابع ہے جو متبوع کے ثابت کرنے پر اس شئے میں دلالت کرے جو متبوع کی طرف منسوب ہو یا حکم کے شمول پر دلالت کرے متبوع کے افراد سے ہر فرد کیلئے مطلب یہ ہے جو تابع ان دو غرضوں میں سے کسی ایک کیلئے مذکور ہو تو وہ تاکید ہوگا ایک غرض یہ ہے کہ جو شئے متبوع کیطرف منسوب کی گئی ان میں تجوز کا احتمال ہو تو اس کو دور کرکے اسی نسبت کو ثابت کردے دوسری غرض یہ ہوتی ہے کہ اگر متبوع ایسی شئے ہو جو افراد کثیرہ پر دال ہے اور اس میں شبہ ہو کہ اس متبوع کے تمام افراد مراد نہیں تو اگر تابع اس امر پر دلالت کرے کہ متبوع کے اس قدر افراد ہیں اور اس قدر نہیں تو اس کو بھی تاکید کہتے ہیں تابع ما بہ الاشتراک ہے تمام توابع کو شامل ہے **قولہ یدل علی تقریر** ۔ عطف بالحروف اور بدل کو خارج کرتا ہے کیونکہ ہر دو متبوع کی تقریر پر دال نہیں ہے اور فی ما نسب الیہ الخ کی قید سے نعت اور عطف بیان خارج ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ ہر دو متبوع کی تقریر پر دلالت کرتے ہیں لیکن ما نسب الیہ کی تقریر پر دال نہیں ہیں بلکہ تعیین ذات پر دال ہے اور مصنفؒ کا قول او علی شمول الحکم الخ ۔۔ سے مصنفؒ کل اور اجمع سے جو تاکید دی جاتی ہے اس کو تاکید میں داخل کرتا ہے

والتاكيد على قسمين لفظي وهو تكرير اللفظ الاول نحو جاءني زيد زيد وجاء جاء زيد ومعنوي وهو بالفاظ معدودة وهي النفس والعين للواحد والمثنى والمجموع باختلاف الصيغة والضمير نحو جاءني زيد نفسه والزيدان انفسهما او نفساهما والزيدون انفسهم وكذلك عينه واعينهما او عيناهما واعينهم جاءتني هند نفسها وجاءتني الهندان انفسهما او نفساهما وجاءتني الهندات انفسهن وكلا وكلتا للمثنى خاصة نحو قام الرجلان كلاهما وقامت المراتان كلتاهما وكل واجمع واكتع و ابتع وابصع لغير المثنى باختلاف الضمير في كل والصيغة في البواقي تقول جاءني القوم كلهم اجمعون اكتعون ابتعون ابصعون وقامت النساء كلهن جمع كتع بتع بصع واذا اردت تاكيد الضمير المرفوع المتصل بالنفس والعين يجب تاكيده بالضمير المنفصل نحو ضربت انت نفسك و لا يؤكد بكل واجمع الا ماله اجزاء وابعاض يصح افتراقها حسا كالقوم او حكما كما تقول اشتريت العبد كله

قولہ التاکید علی قسمین یعنی تاکید کی دو قسمیں ہیں ایک لفظی جو لفظ کی طرف منسوب ہے اور تکریر لفظ سے حاصل ہوتی ہے دوسرے معنوی جو معنے کی طرف منسوب ہے اور معنی کے لحاظ کرنیکے بعد حاصل ہوتی ہے وجہ تسمیہ ہر ایک کی ظاہر ہے **قولہ وہو تکریر اللفظ الاول**۔ یعنی تاکید لفظی لفظ اول کے مکرر لانے سے حاصل ہوتی ہے جیسے جاءنی زید زید پس یہاں زید ثانی زید اول کی تاکید لفظی ہے کہ زید کے مکرر لانے سے حاصل ہوتی ہے جاننا چاہئے کہ لفظی تکریر لفظ میں جاری ہوتی ہے خواہ اسم ہو یا نہ ہو خواہ مفرد ہو یا نہ ہو مگر اس کو تاکید اصطلاحی نہیں کہتے ہیں بلکہ اصطلاحی تاکید صرف اسماء میں جاری ہوتی ہے **قولہ و معنوی وہو بالفاظ معدودۃ** یعنی دوسری قسم معنوی اور تاکید معنوی گنے چنے الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ خاص الفاظ ہیں اور ان الفاظ کے غیر کے ساتھ نہیں ہوتی ہے وہ الفاظ یہ ہیں نفس عین کلا کلتا اجمع اکتع ابتع ابصع پس ان سے زیادہ اور الفاظ تاکید معنوی کے نہیں ہیں لیکن بعض نے کہا ہے کہ کلمہ جمیع اور عامہ سیبویہ کے نزدیک بمنزلہ کل کے ہیں اگرچہ اس سے اور نحوی غافل ہیں درایہ نیز یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ تاکید معنوی ان مذکورہ الفاظ کے سوا دوسرے لفظوں سے بھی حاصل ہوتی ہے جیسے ان لام ابتداء نون تاکید وغیرہ لہذا تمہارا ان الفاظ میں تاکید معنوی حصر کرنا محال ہے جواب یہاں پر تاکید معنوی سے مراد وہ تابع ہے جو مذکور ہوا اور مطلق تاکید مراد نہیں ہے ان الفاظ سے تاکید متبوع نہیں ہوتی ہے ۱۲ **قولہ وہی النفس والعین** یعنی تاکید معنوی کے الفاظ میں دو اول کے یعنی نفس اور عین عام ہیں مفرد اور تثنیہ اور جمع سب کیلئے آتے ہیں البتہ متبوع کے لحاظ سے ان کا صیغہ اور ضمیر بدلتی رہیں گی لیکن ہر متبوع کے لحاظ سے صیغہ کا بدلنا صرف واحد اور جمع میں ہوگا تثنیہ کے لیے بھی جمع کا صیغہ مستعمل ہوتا ہے اسکو کتاب میں غور سے مطالعہ کرو ۱۲ **قولہ او نفساہما** ابن کیسان بعض عرب سے نفساہما حکایت کرتا ہے انفسہما کی جگہ پر لیکن اولی ہے چونکہ دو تثنیوں کا جمع ہوتا جس جگہ پر دو کا اتصال لفظًا اور معنًا ہو عرب کے نزدیک مکروہ ہے **قولہ کلا وکلتا الخ** یعنی کلا اور کلتا دونوں کا استعمال مثنیٰ کے واسطے ہے خصوصیت سے اول تثنیہ مذکر کیلئے ہے اور ثانی تثنیہ مونث کیلئے عام اس سے کہ وہ تثنیہ اصطلاحی ہو خواہ مفرد کہ بواسطہ حرف عطف اسپر دلالت کرتا ہو دونوں قسم کے مثنیٰ کیلئے یہ آتا ہے جیسے قام زید و عمرو کلاہما مثنیٰ کی قید لگانے سے مفرد اور جمع سے احتراز ہو گیا کہ ان دونوں کی تاکید لفظ کلا اور کلتا سے نہیں کی جاتی ہے **قولہ کل الخ** یعنی یہ پانچوں لفظ غیر تثنیہ کی تاکید کے واسطے آتے ہیں یعنی واحد اور جمع کیلئے آتے ہیں ان میں صرف لفظ کل باختلاف ضمیر آتا ہے پس واحد مذکر میں کلہ اور واحد مونث میں کلہا اور جمع مذکر میں کلہم اور جمع مونث میں کلہن کہتے ہیں اور کل کے سوا باقی الفاظ باختلاف صیغہ آتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں اجمع وجمعاء و اجمعون وجمع اور یہی حاصل دیگر الفاظ کا ہے جیسا کہ اس کتاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے ۱۲ **قولہ اذا اردت الخ** یعنی جبکہ ضمیر مرفوع متصل کی لفظ نفس اور عین کے ساتھ تاکید کرینگے تو اولًا اسکی تاکید ضمیر منفصل کیساتھ لائینگے اسلئے کہ اگر ضمیر متصل کی تاکید اولًا ضمیر منفصل کیساتھ نہ لائیں گے تو بعض مواقع میں تاکید کا التباس فاعل کیساتھ ہوگا مثلًا جب ہم بلا تاکید لائے منفصل کے زید اکرمنی نفسہ کہیں گے تو یہ معلوم نہ ہوگا کہ نفسہ فاعل ہے یا فعل میں ضمیر مرفوع مستتر ہے اور وہ فاعل ہے اور نفسہ اس کی تاکید ہے پس اس التباس سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ اولًا ضمیر منفصل کیساتھ تاکید لائیں پھر لفظ نفس اور عین سے تاکید کریں باقی جن صورتوں میں التباس نہیں انمیں بھی ضمیر منفصل کیساتھ تاکید لانے کو ضروری قرار دیا گیا قولہ مثل ضربت انت نفسک الخ پس مثال مذکورہ میں تا ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لفظ نفسک سے ہے جو کہ بعد تاکید لانے ضمیر منفصل انت لائی گئی ہے **قولہ ولا یؤکد الخ** یعنی لفظ کل اور اجمع کیساتھ اس چیز کی تاکید کی جاتی ہے کہ جو (جزء رکھے) اور وہ جزء بھی ایسے کہ ان کا افتراق از روئے حس یا حکم کے صحیح ہو ۱۲ **قولہ کالقوم** جیسے قوم اور اسی کے مانند رجال ہے کہ افتراق اجزاء یعنی ہر دو کے افراد کہ زید عمرو بکر وغیرہ ہیں حسی درست ہوتے ہیں لہذا اکرمت القوم کلہ بول سکتے ہیں **قولہ اشتریت العبد کلہ** عبد کے اجزاء کا افتراق باعتبار اشتراء کے حکمًا صحیح ہے اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ کسی غلام کے نصف کو ایک شخص خریدے اور نصف آخر کو کوئی دوسرا شخص اور اکرمت العبد کلہ بولنا درست نہیں کیونکہ عبد کا افتراق باعتبار اکرام کے نہیں ہوسکتا نہ حسًا اور نہ حکمًا ۱۲

◆ ◆ ◆ ◆

ولا تقول اکرمت العبد کلہ واعلم ان اکتع وابتع وابصع اتباع لاجمع ولیس لہا معنی ھٰھنا بدونہ فلا یجوز تقدیمہا علی اجمع ولا ذکرہا بدونہ **فصل البدل** تابع ینسب الیہ ما نسب الی متبوعہ وہو المقصود بالنسبۃ دون متبوعہ واقسام البدل اربعۃ بدل الکل من الکل وہو ما مدلولہ مدلول المتبوع نحو جاءنی زید اخوک وبدل البعض من الکل وہو ما مدلولہ جزء مدلول المتبوع نحو ضربت زیدا راسہ وبدل الاشتمال وہو ما مدلولہ متعلق المتبوع نحو سلب زید ثوبہ وبدل الغلط وہو ما یذکر بعد الغلط نحو جاءنی زید جعفر ورأیت رجلا حمارا والبدل ان کان نکرۃ من معرفۃ یجب نعتہ کقولہ تعالی بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ ولا یجب ذلک فی عکسہ ولا فی المتجانسین

قولہ ان اکتع یعنی اکتع وابتع اور ابصع اجمع کے تابع ہونے کی حیثیت سے مذکور ہوتے ہیں بالاصالۃ مذکور نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ نہ تو اجمع پر مقدم ہوتے ہیں اور نہ انکا ذکر اجمع کے بغیر قوی ہے اسلئے کہ الفاظ مذکورہ کی دلالت معنی جمعیت پر بظاہر نہیں بخلاف اجمع کے کہ اسکی دلالت معنی مذکور پر زیادہ تر ہے نیز اجمع کے بدون انکے ذکر کرنے میں تابع کا ذکر بدون متبوع کے لازم آتا ہے اور یہ مستحسن نہیں فائدہ مسند الیہ کی تاکید چار فائدوں کیلئے ہوتی ہے کبھی تاکید سے مسند الیہ کے مفہوم اور مدلول کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اس طریقہ پر کہ گمان غیر کا جاتا رہے جیسے کہ جاءنی زید زید کہیں جب کہ متکلم غفلت سامع کا خیال کرتا ہے اور کبھی تاکید وہم مجاز دور کرنے کیلئے آتی ہے جیسے قطع اللص الامیر الامیر او نفسہ او عینہ کہیں تاکہ معلوم ہو کہ قطع کی اسناد امیر کی طرف مجازی نہیں اور کبھی تاکید توہم سہو کے دفع کرنے کیلئے آتی ہے جیسے جاءنی زید زید کہیں پس اس سے یہ وہم کہ جاءنی عمرو ہے اور زید کا ذکر بسبیل سہو ہے دور ہو جاتا ہے اور کبھی تاکید عدم شمول کے توہم کو دور کرنے کیلئے ہوتی ہے جیسے ما جاءنی القوم اجمعون پس اس تاکید سے یہ وہم نہیں ہوتا کہ بعض قوم نہیں آئی۔ اور اکثر کا حکم کل پر لگایا گیا ہے نیز یہ وہم بھی نہیں ہوتا کہ فعل بعض سے ہوا ہے مگر اسکے فعل کو تمام کا فعل شمار کیا گیا ہے اسلئے کہ وہ سب حکم میں شخص واحد کے ہیں (کذا قال العلامۃ التفتازانی فی مختصرہ) **قولہ البدل تابع الخ** یعنی بدل وہ تابع ہے کہ جو چیز اس تابع کے متبوع کی طرف منسوب کی گئی ہو وہی چیز تابع کی طرف منسوب ہو اور یہی مقصود بالنسبۃ ہو نہ اسکا متبوع ہو حاصل مطلب یہ کہ بدل وہ تابع ہے کہ جو اس چیز کی نسبت سے متبوع کی طرف ہے اس کی نسبت تابع کی طرف بھی ہو اور یہی مقصود ہو اور اس نسبت سے متبوع مقصود نہ ہو بلکہ وہ صرف اپنے تابع کیلئے توطیہ اور تمہید کے طور پر آیا ہو جیسے جاءنی زید اخوک کہ یہاں مجیٔ کی نسبت سے مقصود اخوک ہے اور زید کا ذکر صرف توطیہ اور تمہید کیلئے ہے پس تعریف مذکور میں تابع تمام توابع کو شامل ہے اور ہو المقصود بالنسبۃ سے نعت اور تاکید اور عطف بیان خارج ہو گئے کیونکہ یہ ما نسب الی المتبوع سے مقصود نہیں ہوتے اور قولہ دون متبوعہ کی قید سے عطف بالحروف کو خارج کر دیا کیونکہ اگرچہ عطف بحرف تابع مقصود بالنسبت ہوتا ہے لیکن اس میں متبوع بھی بالنسبت ہوتا ہے اس وجہ سے وہ خارج ہے **قولہ اقسام البدل اربعۃ** مصنف تعریف بدل سے فارغ ہونے کے بعد تقسیم بدل شروع کرتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ بدل چار قسم پر ہے وجہ ضبط یہ ہے کہ بدل دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کا مدلول مبدل منہ کا مدلول ہے یا نہیں اول بدل الکل من الکل ہے اور ثانی قسم پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو اسکا مبدل منہ کے مدلول کا بعض ہے یا نہیں اول بدل البعض من الکل ہے اور ثانی بدل اور مبدل منہ میں کلیت اور بعضیت کے غیر کا تعلق ہے یا نہیں اول بدل الاشتمال ہے اور ثانی بدل الغلط ہے بدل الکل اور بدل البعض اور بدل الاشتمال اور بدل الغلط ان میں اضافت بمعنے لام ہے **قولہ وہو مدلولہ الخ** یعنی بدل الکل میں تابع اور متبوع کے معنے از روئے ذات کے متحد ہوتے ہیں جیسے جاء زید اخوک کہ اس جگہ ذات زید اور اخوک ایک ہے **قولہ ما مدلولہ جزء مدلول المتبوع** یعنی بدل بعض مبدل منہ کا جزء ہوتا ہے جیسے ضربت زیدا راسہ کہ اسمیں راس زید کا جزء ہے **قولہ وہو ما مدلولہ متعلق المتبوع** یعنے بدل اشتمال وہ ہے کہ اسکے اور مبدل منہ کے درمیان کلیت اور جزئیت کے علاوہ کوئی اور تعلق اور علاقہ ہو تو خواہ مبدل منہ بدل پر مشتمل ہو جیسے یسئلونک عن الشہر الحرام قتال فیہ کہ یہاں شہر حرام قتال کو مشتمل ہے اور خواہ بدل مبدل منہ کو مشتمل ہو جیسے سلب ثوبہ کہ یہاں ثوب زید کو مشتمل ہے اور خواہ بدل اور مبدل منہ میں سے کوئی بھی دوسرے کو شامل نہ ہو جیسے اعجبنی زید علمہ کہ یہاں نہ زید علم کو مشتمل ہے اور نہ علم زید کو پھر بدل الاشتمال کو بدل اشتمال اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اول کلام بالاجمال آخر کلام پر دلالت کرتا ہے پس گویا اول بمنزلہ مشتمل کے ہے ثانی پر مثلاً جب ہم اعجبنی زید کہیں تو یہ معلوم ہوگا کہ ذات زید کی تعجب انگیز نہیں بلکہ اسکی کوئی شے تعجب خیز ہے پس اسوقت کلام کے یہ معنی ہونگے کہ اعجبنی شیٔ من زید اور معنی بالا بدل علم وغیرہ سب کو شامل ہیں اور یہ وجہ تسمیہ ایسی ہے کہ تمام اقسام بدل اشتمال کو شامل ہے **قولہ وہو ما یذکر بعد الغلط** یعنی بدل غلط وہ ہے کہ جسکا قصد مبدل منہ کو غلط ذکر کرنیکے بعد کیا جائے جیسے جاءنی زید حمار کہ اس میں حمار بدل غلط ہے اسلئے کہ متکلم جاءنی حمار کہنا چاہتا تھا غلطی سے اسکی زبان سے زید مذکور ہو گیا۔ اور اسنے اس غلطی کے تدارک کیلئے بعد زید کے حمار کہا **قولہ البدل ان کان** بدل اور مبدل منہ دونوں کیلئے جائز ہے کہ دونوں معرفہ ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں نکرہ ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مختلف ہوں یعنی مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ یا اسکا عکس یعنی مبدل منہ نکرہ ہو اور بدل معرفہ اسوجہ سے مصنف لکھتا ہے کہ جب بدل نکرہ ہو اور مبدل منہ معرفہ ہو (باقی بر صفحہ ۱۰۶ پر)

◆ ◆ ◆

فصلٌ عطفُ البیانِ تابعٌ غیرُ صفۃٍ یوضحُ متبوعہٗ وھو اشھرُ اسمَیْ شیٍٔ نحو قام ابو حفصٍ عُمَرُؓ وقامَ عبدُ اللہِ بنُ عُمَرَؓ ولا یلتبسُ بالبدلِ لفظًا فی مثلِ قولِ الشاعرِ شعر

انا ابنُ التارکِ البکریِّ بِشْرٍ
علیہِ الطیرُ ترقبُہٗ وُقوعًا

الباب الثانی فی الاسمِ المبنیِّ وھو اسمٌ وقعَ غیرَ مرکَّبٍ مع غیرہٖ مثلُ اب ت ث ومثلُ احد اثنان وثلثۃ وکلفظۃِ زید وحدہٗ فانہٗ مبنیٌّ بالفعلِ علی السکونِ معربٌ بالقوۃِ او شابہ مبنیَّ الاصلِ

تو اسوقت نعت لانا نکرہ کی واجب ہے اسلئے کہ نکرہ بہ نسبت معرفہ کے انقص ہے پس نکرہ کی صفت لائی گئے تاکہ مقصود غیر مقصود سے انقص نہ ہو اور اس کے عکس یعنی مبدل منہ نکرہ ہو اور بدل معرفہ یا دونوں نکرہ ہوں یا دونوں معرفہ تو پھر بدل کی نعت واجب نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں مقصود غیر مقصود سے انقص ہے یا برابر لازم آتا۔ **قولہ عطف البیان الخ** یعنے عطف بیان وہ تابع ہے کہ باوجود صفت نہ ہونیکے اپنے متبوع کی وضاحت کرے پھر اسکی صفت نہ ہونیکے یہ معنے ہیں کہ وہ مثل صفت کے اس معنے پر دلالت نہیں کرتا کہ جو ذات متبوع کیا تھ قائم ہیں عطف بیان کی تعریف میں اس قید سے باقی تین توابع خارج ہوگئے عطف بیان کی مثال اقسم باللہ ابو حفص عمرؓ ہے مثال مذکور میں عمر عطف بیان ہے کہ باوجودیکہ وہ ابو حفص کی صفت نہیں مگر اسکی وضاحت کرتا ہے تنبیہ جاننا چاہیے کہ اسم اور کنیت میں سے جو اشہر ہوتا ہے اس کو عطف بیان کیا جاتا ہے پس اسجگہ چونکہ اسم عمرؓ بہ نسبت ان کی کنیت ابو حفص کے اشہر تھا اسلئے عمر کو عطف بیان کیا گیا ہے **قولہ وہو اشہر اسمی الخ** یعنے شے کے جو دو نام ہوتے ہیں اس میں جو زیادہ مشہور ہوتا ہے اسکو عطف بیان بنایا جاتا ہے صاحب مفصل کی عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ثانی کی شہرت شرط نہیں ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ ہر دو کے اجتماع سے ایک قسم کی ایضاح حاصل ہو جاوے جو فقط ایک کے ذکر سے حاصل نہیں ہوتی ہے لہذا یہ بھی جائز ہے کہ اول اوضح اور یہ بھی جائز ہے کہ ثانی اوضح ہو۔ **قولہ ولا یلتبس** یعنے عطف بیان بدل کیا تھ مشتبہ نہیں ہوتا نہ لفظاً اور نہ معناً بعض نسخوں میں بجائے لا کے قد ہے اس وقت لفظاً کے بعد لا معنے مقدر ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ عطف بیان بدل کیا تھ لفظاً مشتبہ ہو جاتا ہے اور معنےً مشتبہ نہیں ہوتا جاننا چاہیے کہ فرق درمیان عطف بیان اور بدل کل کے باعتبار معنی کے بجمیع احوال میں اظہر من الشمس ہے اس لئے کہ بدل کل مقصود بالنسبۃ ہے اور عطف بیان مقصود بالنسبۃ نہیں پس اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں البتہ ان دونوں کے درمیان فرق باعتبار لفظ کے چونکہ مخفی تھا اسلئے مصنفؒ نے اس فرق کو بیان کیا کہ عطف بیان اور بدل میں فرق از روئے احکام لفظی کے مثل انا ابن التارک الخ میں واقع ہے اور مراد مثل سے ہر وہ ترکیب ہے کہ جس میں عطف بیان کا متبوع وہ معرف باللام ہو جو صفت معرف باللام کا مضاف الیہ ہے جیسے الضارب الرجل زید وانا ابن التارک البکری بشر پس مثال مذکور میں بشر عطف بیان اور البکری اسکا متبوع ہے جو کہ التارک صفت معرف باللام کا مضاف الیہ ہے اور اس وقت اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن جب ہم بشر کو البکری سے بدل قرار دیں تو قباحت لازم آئیگی اس لئے کہ بدل حکم میں تکریر عامل کے ہوتا ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوگا انا ابن التارک بشر اور یہ جائز نہیں اسلئے کہ ترکیب التارک بشر مثل الضارب زید کی ہے اور اسکا ناجائز ہونا ماقبل میں مذکور ہو چکا ہے بخلاف عطف بیان کے کہ اس میں چونکہ عامل مکرر نہیں ہوتا پس تقدیر عبارت التارک بشر نہ ہوگی بلکہ صرف التارک البکری ہوگی اور وہ جائز ہے اسلئے کہ وہ مثل الضارب الرجل کی ہے اور اسکا جائز ہونا پہلے گذر چکا ہے۔ **قولہ انا الخ** انا مبتدا ہے اور ابن التارک خبر اور التارک کے دو معنی ہیں ایک قاتل اور دوسرا معنے متحیر ہے جیسا کہ صاحب قاموس نے کہا ہے ہر صورت میں التارک البکری کی طرف مضاف ہے اور بشر البکری سے عطف بیان ہے اگر تارک کو بمعنی متحیر لیں تو اس وقت علیہ الطیر التارک کا مفعول ثانی ہوگا اور البکری مضاف الیہ مفعول اول ہے اور اگر بمعنے قاتل ہے و تامک ہے تو علیہ الطیر البکری سے حال ہے اور الطیر طائر کی جمع ہے اگر یہ محذوف کا فاعل ہے تو ترقبہ اس سے حال ہے ورنہ علیہ کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے اور وقوع بالضم واقع کی جمع ہے اور ضمیر ترقبہ سے حال ہے **قولہ الباب الثانی الخ** چونکہ مصنفؒ اسم معرب جس کیلئے پہلا منعقد ہوا تھا اس کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب مصنفؒ اسم مبنی کے بیان میں مشغول ہوتا ہے اور دوسرا باب اسی کے بیان میں قرار دیا مبنی اسم مفعول کا صیغہ ہے بروزن مرمی اور مبنی قرار عدم تغیر سے ماخوذ ہے مبنی کا آخر بھی مختلف عوامل کے آنے سے متغیر نہیں ہوتا اور ایک ہی حالت پر رہتا ہے یہ اصل میں مبنوی تھا بنیٌ سے واؤ اور یاء جمع ہوئے پہلا ساکن تھا واو کو یاء سے بدل کر پھر یا کو یاء میں ادغام کر دیا اور ضمہ کو یاء کی مناسبت کیوجہ سے کسرہ سے بدل دیا **قولہ وہو اسم وقع الخ** یعنی مبنی دو قسم پر ہے ایک وہ کہ اسم غیر مرکب ہو یعنی اسم اپنے تحقق عامل کے ساتھ نہ ملایا گیا ہو جیسے اسماء حروف تہجی اور جیسے اسماء عدد اور جیسے اسماء معدودہ زید عمرو بکر وغیرہ جب ان میں سے کوئی یا انکا مثل مرکب ہوگا تو معرب ہو جائیگا پس ثابت ہوا کہ قسم دوم مبنی کی مبنی بالفعل اور معرب بالقوہ ہے دوسری قسم وہ کہ اسکی مناسبت مبنی الاصل کے ساتھ منع اعراب میں موثر ہو پھر مبنی کی تعریف میں یہ قید کہ مناسبت موثرہ فی منع اعراب ہو ضروری ہے تاکہ تعریف دخول غیر سے مانع ہو جاوے ہم نے یہاں پر مشابہت کی تعبیر مناسبت سے کی ہے اسکی تحقیق اسم معرب کی تعریف میں گذر چکی ہے مناسبت موثرہ کے بعض اقسام کی طرف مصنفؒ بان یکون فی الدلالۃ سے اشارہ کرتا ہے **قولہ مثل اب ت ث** یہاں پر ان حروف سے مراد انکے اسماء یعنی الفؔ باءؔ تاءؔ ثاءؔ ہیں خود یہ حروف مراد نہیں (باقی بر صفحہ ۱۰۷ پر)

◆ ◆ ◆ ◆ ◆

بان یکون فی الدلالۃ علیٰ معناہ محتاجًا الیٰ قرینۃٍ کالاشارۃ نحو ھٰؤُلَاءِ ونحوِھ او یکون علیٰ اقلّ من ثلٰثۃِ احرفٍ او تضمّن معنی الحرفِ نحو ذا ومَنْ واَحَدَ عشرَ الیٰ تِسعۃَ عَشَرَ وھٰذا القسمُ لایصیرُ معربًا اصلًا وحکمُہٗ ان لایختلِفَ اٰخرہٗ باختلاف العوامل وحرکاتُہٗ

اس لیے کہ مبنی سے بحث ہے حروف سے بحث نہیں ہے اور جیسے اسماء عدد میں سے واحد اور اثنان و ثلثہ اور اربعہ اور جیسے لفظ زید تنہا یعنی عامل کے ساتھ نہ ہو چنانچہ یہ اسماء بالفعل مبنی ہیں یعنی موجودہ صورت میں کہ یہ عامل کے ساتھ واقع نہیں ہو رہے ہیں مبنی بر سکون ہیں اور بالقوہ معرب ہیں یعنی ان میں اعراب کی صلاحیت ہے کہ جب یہ عامل کے ساتھ واقع ہوں گے تو ان پر اعراب آجائیگا خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے اسماء جبکہ یہ تنہا ہوں یعنی عامل کیساتھ واقع نہ ہوں مبنی بر سکون ہیں اسلئے کہ جب یہ عامل کے ساتھ نہیں ہوتے تو ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ لیکن جب یہ عامل کے ساتھ واقع ہوتے ہیں تغیر آجاتا ہے جیسے جاء الفٌ میں الف اور جاء احدٌ میں واحد اور جاء زیدٌ میں زید اپنے عامل کیساتھ ہیں اور رأیتُ الفًا میں الفًا اور رأیتُ واحدًا میں واحدًا اور رأیتُ زیدًا میں زیدًا اپنے عامل رأیتُ کے ساتھ ہیں اور بنا بر مفعولیت منصوب ہیں بنا بر فاعلیت کے مرفوع ہیں پس اس وقت عامل کے آنے سے زید پر کبھی رفع آیا کبھی نصب لہذا اس وقت یہ معرب ہیں لیکن جب یہ عامل کے ساتھ نہیں ہوتے تو اس وقت یہ صرف ایک ہی حالت پر ہوتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اور مبنی بر سکون ہوتے ہیں **قولہ بان یکون فی الدلالۃ الخ** مشابہ کے متعلق ہے مصنفؒ یہاں سے اسم کے مبنی کے ساتھ مشابہت کی وجوہ بیان فرماتے ہیں مصنفؒ نے یہاں مشابہت کے تین وجوہ بیان کئے ہیں لیکن بروئے استقراء سات ہیں جن کو ہم آگے بیان کریں گے **قولہ کالاشارۃ الخ** یہ قرینہ کی مثال ہے یعنی جیسے قرینہ اور اشارہ حسیہ کو اس طرف اسم اشارہ ہولاء محتاج ہے پس یہ حروف کے ساتھ مشابہ ہوگیا جیسے حروف اپنے مدخول کے محتاج ہیں اسی طرح ہولاء اور ذا اور من اور تا وغیرہ اور اسماء اشارہ قرینہ اشارہ کی طرف محتاج ہیں **قولہ نحوہ الخ** ای نحو قرینۃ الاشارہ کقرینۃ الصلۃ یعنی اور مثل قرینہ اشارہ کے جیسے قرینہ صلہ جو موصولات میں ہوتا ہے کہ یہ صلہ کے محتاج ہیں جیسے الذی قام فلہ درہم (جو شخص کھڑا ہوا اس کیلئے ایک درہم ہے) اس میں الذی اسم موصول ہے اور قام جملہ فعلیہ اس کا صلہ ہے موصول صلہ سے مل کر مبتدا ہوا اور فلہ درہم جملہ اسمیہ اسکی خبر ہے **قولہ ان یکون علی اقل الخ** اس کا عطف یکون فی الدلالۃ پر ہے یا وہ تین حروف سے کم ہو یا معنے حروف کو متضمن ہو جیسے ذا اور من یہ دونوں تین حروف سے کم ہونے کی مثالیں ہیں چونکہ یہ حرف فی اور من کیساتھ میں مشابہ ہیں لہذا یہ مبنی ہیں اور جیسے احد عشر سے لیکر تسعۃ عشر تک یہ واو حرف عطف کے معنی کو متضمن ہونیکی مثالیں ہیں اس لیے احد عشر اصل میں احد و عشر تھا اور یہ واو حرف عطف کے معنی کو متضمن ہے اور معنے ایک اور دس یعنی گیارہ پس یہ معنی حرف کو متضمن ہونیکی وجہ سے مبنی ہے جیسے احد عشر سے لیکر تسعۃ عشر تک یہ تفصیل ہے احد عشر اثنا عشر ثلثۃ عشر اربعۃ عشر خمسۃ عشر ستۃ عشر سبعۃ عشر ثمانیۃ عشر تسعۃ عشر یہ سب اصل میں احد و عشر اثنان و عشر ثلثۃ و عشر اربعۃ و عشر خمسۃ و عشر ستۃ و عشر سبعۃ و عشر ثمانیۃ و عشر تسعۃ و عشر تھے ان سب کی واو کو حذف کرکے دونوں اسموں کو بمنزلہ ایک کلمہ کے کرلیا گیا ہے اور ان سب کے دونوں جز مبنی بر فتح ہیں اسلئے کہ واو حرف عطف کے معنے کو متضمن ہے لیکن اثنان و عشر میں واو اور نون دونوں کو حذف کردیا اور اس میں صرف دوسرا جز مبنی بر فتح ہے اور پہلا جز معرب ہے جیسے جاءنی اثنا عشر رجلًا اور رأیت اثنی عشر رجلًا اور مررت باثنی عشر رجلًا جاننا چاہیے کہ وجوہ مشابہت بنا بر استقراء سات ہیں اوّل یہ کہ اسم معنی مبنی اصل کو متضمن ہو جیسے این کہ ہمزہ استفہام کے معنی کو متضمن ہے دوم یہ کہ اسم اپنے معنی پر دلالت کرنے میں قرینہ کا محتاج ہو جیسے کہ اسم اشارہ اور اسم موصول اپنے معنے پر دلالت کرنے میں قرینہ اشارہ حسیہ اور صلہ کے محتاج ہیں سوم یہ کہ اسم مبنی اصل کے موقع میں واقع ہو جیسے کہ نزال اسم فعل انزل امر حاضر کے موقع میں واقع ہوتا ہے چہارم یہ کہ کوئی اسم ہمشکل اس اسم کے ہو جو مبنی اصل کے موقع میں واقع ہوتا ہے جیسے فجار (بمعنے الفجور) کہ انزال کے ہم شکل اور ہم وزن ہے اور نزال واقع میں انزل کے واقع ہوتا ہے جیسے گذر چکا ہے پنجم یہ کہ کوئی اسم موقع میں اسم کے واقع ہو جو اصل کے مشابہ ہے جیسے منادی مضموم یا زید اور یا رجل میں کہ وہ موقع میں کاف خطاب ادعوک کے واقع ہے اور کاف خطاب جو اسم ہے مشابہ کاف حرفیہ کے ہے ششم یہ کہ کوئی اسم مبنی اصل کی طرف مضاف ہو خواہ بواسطہ مضاف ہو خواہ بلا واسطہ جیسے یومئذ میں کہ اصل میں یوم اذ کان کذا تھا اس میں یوم بفتح میم بواسطہ اذ جملہ کان کذا کی طرف مضاف ہے اور مبنی ہے اور جملہ صاحب مفصل کے نزدیک مبنی اصل ہے ہفتم یہ کہ اسم کی بنا تین حرف سے کم ہو جیسا کہ گذر چکا۔ **قولہ وہذا القسم** یہ قسم جو مبنی اصل کے ساتھ مشابہ ہو وہ بالکل معرب نہیں ہوتی ہے نہ بالفعل نہ بالقوہ بخلاف پہلی قسم یعنی وہ اسم جو تحقیق عامل کیساتھ نہ ملایا گیا ہو وہ بالفعل تو مبنی ہوتا ہے اور بالقوہ معرب ہوتا ہے ۱۲۔ **قولہ حکمہ ان لایختلف** یہاں حکمہ کی ضمیر مبنی کی قسم ثانی کی طرف راجع ہے اور یہ حکم اس اسم مبنی کا ہے کہ جو مبنی اصل کے مناسب اور مشابہ ہے ورنہ اگر یہ حکم مبنی کی دونوں قسموں کا ہوگا تو لازم آئیگا کہ وہ اسم جو عدم ترکیب کے سبب سے مبنی ہے ترکیب کے بعد بھی مبنی رہیگا حالانکہ وہ ترکیب کے بعد معرب ہوتا ہے کما مر مصنفؒ نے باختلاف العوامل اس وجہ سے کہا ہے کہ مبنی کا آخر بلا اختلاف عوامل کے مختلف ہوجاتا ہے جیسے من الرجل من الرحمٰن ذیدان امثلہ میں من جو کہ استفہامیہ ہے مبنی ہے اور مختلف ہو رہا ہے لیکن عوامل کے اختلاف سے مختلف نہیں ہو رہا ہے اس وجہ سے یہ مبنی ہے معرب نہیں ہے حاصل یہ کہ اگر قید عوامل نہ زائد کی جاتی تو مبنی پر کلمہ مبنی صادق نہیں آتا ہے اسی وجہ سے مصنفؒ نے اس قید کا اضافہ کردیا۔ **قولہ حرکاتہ** یعنی مبنی کی حرکتیں مبنی کی حرکتوں کو القاب سے بھی تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ صاحب کافیہ نے تعبیر کیا ہے چنانچہ کہا ہے والقابہ اور معرب کی حرکات کو انواع سے تعبیر کرتے ہیں اسکی تحقیق ہم پہلے بیان کرچکے ہیں معرب کی حرکات کو انواع سے کیوں تعبیر کرتے ہیں اور مبنی کی حرکات کو القاب سے کیوں تعبیر کرتے ہیں ۱۲

* * *

تسمّی ضمًّا وفتحًا وکسرًا وسکونًا ووقفًا وھو علی ثمانیۃ انواعٍ المضمراتُ واسماءُ
الاشاراتِ والموصولاتُ واسماءُ الافعال والاصواتُ والمرکباتُ والکنایاتُ و
بعضُ الظروفِ فصلٌ المضمر اسمٌ وُضِعَ لیدلّ علی متکلّمٍ او مخاطَبٍ او غائبٍ
تقدّم ذکرہ لفظًا او معنًی او حکمًا وھو علی قسمین

قولہ تسمّی ضمًّا۔ ضم کو ضم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ضم کے معنے ملنے کے آتے ہیں اور اسکا حصول دونوں ہونٹوں کے ملنے سے ہوتا ہے اور فتح کو فتح اسوجہ سے کہتے ہیں کہ اسکے تلفظ کیوقت میں منہ کھل جاتا ہے اور فتح کے معنے کھلنے کے ہیں اور کسرہ کو کسرہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اسکے تلفظ کیوقت میں لب زیرین سکڑ ہوجاتا ہے اور مبنی کے سکون کو وقف کہتے ہیں چونکہ نفس اسکے تلفظ کیوقت میں ٹھہر جاتا ہے۔ مبنی کی حرکات کا ان مخصوص القاب کیساتھ نام رکھنا بصریوں کے نزدیک ہے کوفی معرب کی حرکات کا اطلاق مبنی کی حرکات پر کرتے ہیں اور مبنی کی حرکات کا اطلاق معرب کی حرکات پر کرتے ہیں یعنی ان کے یہاں اطلاق میں تخصیص نہیں ہے جاننا چاہیے کہ مصنف نے حرکات المبنی اسوجہ سے کہا ہے کہ وہ حرف جن پر کوئی اسم مبنی ہوتا ہے جیسے مثلاً یا زیدان میں الف اور لا رجلین میں یاء انپر ضم اور فتح وغیرہ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے اور متقدمین کے خلاف ہیں جو اطلاق آیا ہے وہ مجازًا ہے۔ **قولہ وھو علی ثمانیۃ الخ** ضمیر ھو اسم مبنی کیطرف راجع ہے خواہ وہ اسم غیر مرکب ہو یا غیر مشابہ مبنی الاصل ہو اور اسم مشابہ مبنی الاصل فقط کیطرف راجع نہیں ہے لہذا اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ اسم مبنی مطلقاً آٹھ قسموں پر ہے اور ضمیر مطلق اسم مبنی کیطرف اسوجہ سے راجع ہے کہ اگر اسم مشابہ مبنی الاصل کی طرف راجع کی جاوے تو اصوات اقسام سے خارج ہوجاتے ہیں حالانکہ وہ ان اقسام میں داخل ہیں اور ان کی بناء مشابہت کیوجہ سے نہیں ہے بلکہ انکی بناء غیر کیساتھ مرکب نہ ہونیکی بناء پر ہے اور ان آٹھ قسموں میں ضبط کیوجہ یہ ہے کہ اسم مبنی کی بناء یا عدم ترکیب ہے یا مبنی الاصل کیساتھ مشابہت ہے اول صوت کیونکہ بعض اصوات غیر مرکب ہیں جیسے ناق اور بعض اگرچہ مرکب ہوتے ہیں مگر وہ بھی غیر مرکب سے حکایت ہیں اور جو اسم مبنی کی مشابہت کیوجہ سے مبنی ہے یا وہ ماضی کیساتھ مشابہ ہے یا امر کے یا حرف کے اول اور ثانی اسماء افعال ہیں اور ثالث یعنی اسم جو مشابہ بالحروف یا مشابہ من حیث الصورۃ ہے یعنی حرف کے طریقہ پر موضوع ہے یا من حیث المعنے مشابہ ہے اول کنایات ہیں جیسے کم کذا وغیرہ اور ثانی یا حرف کے معنے کو شامل ہیں یا احتیاج میں حرف کے مناسب ہیں اول مرکبات ہے اور ثانی یا جملہ کیطرف محتاج ہے یا مبنی اول موصولات ہیں اور ثانی یا محتاج الیہ اسمیں مذکور رہے یا نہیں ثانی ظروف ہیں اور اول یا محتاج الیہ اسمیں باشارہ حسیہ ہے یا بالقرینہ مخاطب متکلم وغیبت اول اسماء اشارات اور ثانی مضمرات اگر کوئی کہے کہ اصوات اسماء نہیں ہیں کیونکہ معانی کیلئے موضوع نہیں بلکہ طبعاً معانی پر دال ہیں پھر اسکو اسم مبنی کے اقسام میں کیسے شامل کردیا جواب یہ ملحق باسماء ہیں چونکہ ان سے اسطرح فائدہ حاصل ہوتا ہے جس طرح اسماء سے اسوجہ سے انکے ساتھ اسم مبنی کا معاملہ کیا گیا اسکے بعد جاننا چاہیے کہ مصنفؒ نے اسم اسوجہ سے کہا تاکہ اس سے کاف خطاب جو ذالک اور ذینک وغیرہ میں ہے خارج ہوجائے اس لئے کہ یہ حرف ہے اور قولہ لیدل میں متکلم اور مخاطب اور غائب پر دلالت کرنیکے یہ معنے ہیں کہ یہ دلالت باعتبار مادہ ہو نہ باعتبار صیغہ پس لفظ متکلم اور لفظ مخاطب جو متکلم اور مخاطب پر دلالت کرتے ہیں تعریف سے خارج رہیں گے اسلئے کہ یہ ان پر باعتبار صیغہ دلالت کرتے ہیں نہ باعتبار مادہ یا کہا جائے کہ متکلم اور مخاطب پر دلالت کرنیکے یہ معنی ہیں کہ یہ دلالت بر سبیل کنایہ ہو پس لفظ متکلم اور مخاطب تعریف سے خارج رہیں گے کیونکہ یہ اگرچہ متکلم اور مخاطب پر دلالت کرتے ہیں لیکن بر سبیل کنایہ دلالت نہیں کرتی اسوجہ سے انکے ساتھ اسم مبنی الاصل کا معاملہ کیا گیا۔ **قولہ الاصوات۔** یہ یا تو بناء بر بدل مجرور ہوگا یا اس بناء پر کہ یہ اسماء پر معطوف ہے۔ مرفوع ہوگا اور الاصوات جو اس بناء پر کہ وہ الافعال پر معطوف ہے صحیح نہیں ہے۔ اسلئے کہ بحث اصوات کے شروع میں مصنفؒ نے الاصوات فرمایا ہے نہ اسماء الاصوات **قولہ بعض الظروف۔** یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے ظروف کے ساتھ بعض کا لفظ کیوں زائد کردیا جواب چونکہ اکثر اسماء ظروف مبنی نہیں ہیں اسوجہ سے مصنفؒ بیان واقع کیلئے لفظ بعض کا اضافہ کردیا اسپر اعتراض ہوتا ہے کہ بعض اسماء موصولہ جیسے ایٌّ وایّۃٌ اور بعض اسماء کنایات جیسے فلان فلانۃ بھی مبنی نہیں ہیں لہذا ان کو بھی بعض کے ساتھ مقید کرنا چاہیے تھا جواب مصنف نے بعض کی قید کو یہاں پر اسوجہ سے ترک کردیا کہ للاکثر حکم الکل ہوتا ہے لہذا جب اکثر مبنی ہیں تو گویا کل مبنی ہیں لیکن مصنفؒ کو مناسب تھا کہ بعض المرکبات فرماتے اسلئے کہ مرکبات دو قسم پر ہیں ایک مبنی جیسے احد عشر اور ثلثۃ عشر وغیرہ دوسرے معرب جیسے بعلبک۔ **فائدہ** جاننا چاہیے کہ اسماء اشارہ اور اسماء موصولہ کو باوجودیکہ وہ معرفہ کی اقسام میں سے ہیں مبہمات کہتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ اسم اشارہ کسی چیز کی طرف اشارہ کے بغیر مخاطب کے نزدیک مبہم ہے **قولہ المضمر۔** یہ اضمار بمعنے پوشیدہ رکھنے سے ہے مصنفؒ نے اسکو تمام مبہمات پر اس لئے مقدم کیا کہ اس کے تمام افراد بغیر کسی اختلاف کے مبنی ہیں اور اسکے مبنی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ یہ احتیاج میں حروف (جو مبنی الاصل ہیں) کی طرف مشابہ ہیں حروف اپنے معنے پر دلالت کرنے میں متعلق کے محتاج ہیں اور ضمیر اگر غائب کی ہے تو تقدیم ذکر کی طرف محتاج ہے جیسے ضرب زید غلامہ میں اور اگر ضمیر متکلم یا مخاطب کی ہے تو تکلم اور خطاب کیطرف محتاج ہے۔ **قولہ اسم وضع الخ** یعنی مضمر وہ اسم ہے کہ جس کو متکلم کے لئے یا مخاطب کیلئے یا اس غائب کے لئے کہ جس کا ذکر پہلے لفظًا یا معنًا یا حکمًا ہوچکا ہے پھر دلالت کرنے کیلئے وضع کیا گیا ہو پس قولہ تقدم ذکرہ غائب کی صفت ہے (باقی صفحہ ۱۰۹ پر)

مُتَّصِلٌ وهو ما لا يستعمل وحده اما مرفوعٌ نحو ضَرَبْتُ الى ضَرَبْنَ او منصوبٌ نحو ضَرَبَنِي الى ضَرَبَهُنَّ واِنَّنِي الى اِنَّهُنَّ او مجرورٌ نحو غُلامي ولي الى غلامِهِنَّ ولهُنَّ ومُنفَصِلٌ وهو ما يُستعمل وحده اما مرفوعٌ نحو اَنَا الى هُنَّ او منصوبٌ نحو اِيَّايَ الى اِيَّاهُنَّ فذلكَ سِتُّونَ ضميرا واعلم انّ المرفوعَ المتّصلَ خاصةً يكون ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۸) اور قولہ لفظاً او معناً او حکماً یہ اس کے ذکر یعنی مرجع کی تفصیل ہے لفظاً سے مراد یہ ہے کہ مرجع مطابقۃً مذکور ہو جیسے زید ضربتہ اور معناً سے مراد یہ ہے کہ وہ تضمناً یا التزاماً مذکور ہو اول کی مثال جیسے اعدلوا ہو اقرب للتقوی۔ اور ثانی کی مثال جیسے ولابویہ لکل واحد منہما السدس اسلئے کہ ذکر میراث کا وارث پر التزاماً دلالت کرتا ہے اور تقدم حکمی ضمیر شان اور ضمیر قصہ میں ہوتا ہے قل ہو اللہ احد اور حکمی انہا امرأۃ صالحۃ پھر ضمیر شان وہ ضمیر ہے کہ جس کو بلا مرجع کے ذکر کیا جاتا ہے جبکہ کسی چیز کی عظمت اور فخامت کا بیان مقصود ہوتا ہے اور اسکی تفسیر اس کے بعد سے کی جاتی ہے اور یہی حال ضمیر قصہ کا ہے مگر فرق یہ ہے کہ ضمیر شان ضمیر مذکر اور ضمیر قصہ ضمیر مونث ہوتی ہے اور اگر کوئی کہے کہ جب اس ضمیر کا مرجع اس سے پہلے مذکور نہیں ہوتا تو اس کے لانے سے کیا فائدہ ہے جواب یہ ہے کہ جب ضمیر کو بلا مرجع کے ذکر کریگے تو سامع کو طلب اور شوق اس کے مرجع کا پیدا ہوگا پھر وہ جب طلب اور شوق کے بعد اسکی تفسیر کو پائیگا تو وہ واقع النفس ہو جائیگا اسکے بعد جاننا چاہیے کہ مصنف نے اسم اس وجہ سے کہا کہ اس سے ان خطاب جو ذلک اور ذینک وغیرہ میں ہے خارج ہو جائے اسلئے کہ یہ حرف ہے قولہ لیدل یعنی متکلم اور مخاطب اور غائب پر دلالت کرنے کے معنی یہی باعتبار مادہ ہو نہ باعتبار صیغہ پس لفظ متکلم اور لفظ مخاطب جو متکلم اور مخاطب پر دلالت کرتے ہیں تعریف سے خارج رہیں گے اسلئے کہ یہ اس پر باعتبار صیغہ دلالت کرتے ہیں نہ باعتبار مادہ کہا جائے کہ متکلم اور مخاطب پر دلالت کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ دلالت بر سبیل کنایہ ہو پس لفظ متکلم اور مخاطب تعریف سے خارج رہیں گے کیونکہ یہ اگرچہ متکلم اور مخاطب پر دلالت کرتے ہیں لیکن بر سبیل کنایہ یہ دلالت نہیں کرتے (حاشیہ صفحہ ہذا) **قولہ متصل۔** ہر سہ اعراب کیساتھ یعنی اس کو مرفوع اور مجرور اور منصوب ہر تینوں طریقوں پر پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ بار بار گذرا اور منفصل کا اس پر عطف ہے اس وجہ سے اسکو متصل کیطرح ہر سہ طریقہ پر پڑھیں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ضمیر دو قسم پر ہے متصل اور منفصل ضمیر متصل وہ ہے کہ جو بذاتہ غیر مستقل ہو یعنی اس کا تلفظ بقاعدہ لغت بدون ملائے کلمہ سابق کے بدون ملائے ہوئے عامل نہ ہو سکتا ہو جیسے ضربتُ میں یا اور ضمیر منفصل وہ ہے جو بذاتہ مستقل ہو کہ اسکا تلفظ بدون لائے کلمہ سابق کے بقاعدہ لغت کر سکتے ہوں جیسے ہو ہی وغیرہ مصنف کی عبارت ما لا یستعمل وحدہ اور ما یستعمل وحدہ کا یہی مطلب ہے اس عبارت میں وحدہ منفرداً کی تاویل میں ہو کر ضمیر لا یستعمل اور یستعمل سے حال ہے یا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے اور وہ جملہ ہو کر حال ہے۔ **قولہ اما مرفوع۔** یعنی ضمیر متصل مرفوع اور منصوب اور مجرور تینوں قسم کی ہوتی ہیں اور ضمیر منفصل دو قسم کی ہوتی ہے مرفوع اور منصوب اور مجرور نہیں ہوتی چونکہ اصل ضمیر میں اتصال ہے اور مانع اتصال سے ضمیر مجرور میں کوئی چیز نہیں ہے لہذا وہ ہمیشہ متصل ہوگی اور منفصل نہ ہوگی۔ لہذا کل ضمیر کی پانچ قسمیں ہوئیں اور احتمال عقلی کے اعتبار سے ہر قسم کی اٹھارہ اٹھارہ ضمیریں ہونی چاہئیں۔ کیونکہ فاعل اٹھارہ قسم پر ہے لہذا کل ضمیریں ۹۰ ہوئیں جن سے بعض بوجہ اشتراک ساقط ہیں۔ جاننا چاہیے کہ ضمیر مرفوع وہ ضمیر ہے جو حالت رفع میں واقع ہو یہ دو قسم پر ہے متصل اور منفصل ضمیر مرفوع متصل یہ ضمیر ہمیشہ فعل معروف کا فاعل ہوتی ہے یا فعل مجہول کا نائب فاعل۔ کی تفصیل یہ ہے کہ صیغہ واحد غائب میں ایک لفظ پوشیدہ ہوتا ہے جس کو تعبیر ہو سے کیا جاتا ہے جس وقت کہ فاعل مظہر نہ ہو ایسے ہی واحد مونث غائب میں اس کو ہی سے تعبیر کرتے ہیں تثنیہ مذکر غائب کیلئے الف ہے اور جمع مذکر غائب کیلئے واؤ تثنیہ مونث غائب کے لیے بھی الف اور جمع مونث غائب کے لئے نون مفتوح اور واحد مذکر حاضر کے لئے تاء مفتوح اور تثنیہ مذکر حاضر اور تثنیہ مونث حاضر کے لئے تُما ہے اور جمع مذکر حاضر کے لئے تُم اور واحد مونث حاضر کے لیے ت مکسور اور جمع مونث حاضر کے لئے تُنَّ اور واحد متکلم کے لئے تاء مضموم اور جمع متکلم کیلئے نا جیسا کہ ماضی معروف اور مجہول کی گردان پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اور مضارع واحد مذکر غائب اور واحد مونث غائب اور واحد مذکر حاضر اور واحد متکلم اور جمع متکلم میں ضمیر پوشیدہ ہوتی ہے جن کو علی الترتیب ہو ہی انت انا نحن سے تعبیر کرتے ہیں تثنیہ مذکر غائب اور تثنیہ مونث و مذکر حاضر اور تثنیہ مونث غائب میں الف اور جمع مذکر غائب اور حاضر میں واؤ اور جمع مؤنث غائب و حاضر میں نون مفتوح اور واحد مونث حاضر میں یاء جس کا ما قبل مکسور اصل کے اعتبار سے ہے حاصل یہ کہ ضمیر مرفوع متصل ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل ہوتی ہے اور مبتدا یا خبر یا فاعل سے بدل یا تاکید فاعل نہیں ہوتی ہے بخلاف مرفوع منفصل کے کہ وہ مبتدا اور خبر اور بدل اور تاکید وغیرہ فاعل یا نائب سے ہوتا ہے ضمیر منصوب وہ ضمیر ہے جو حالت نصب میں واقع ہو۔ خواہ ناصب فعل ہو یا حرف خواہ متصل ہو یا منفصل گردان کتاب میں مذکور ہے۔ اور ضمیر مجرور وہ ضمیر ہے (باقی بر صفحہ ۱۱۰ پر)

مستترًا فی الماضی للغائب والغائبۃ کضرب ای ھو وضربت ای ھی وفی المضارع المتکلم مطلقًا نحو اضربُ ای انا ونضرب ای نحن وللمخاطب کتضرب ای انت وللغائب والغائبۃ کیضربُ ای ھُو وتضربُ ای ھِی وفی الصِّفۃ اعنی اسم الفاعل والمفعول و غیرھما مطلقًا ولایجوز استعمالُ المنفصِل الا عند تعذّرِ المتصلِ کایّاکَ نعبدُ و وماضربکَ الا انا وانا زید وما انت الا قائمًا

جو حالت جر میں واقع ہو یہ فقط متصل ہوتی ہے کبھی یہ اسم کا مضاف الیہ ہوتی ہے اور کبھی اس پر حرف جر داخل ہوتا ہے۔ گردان اسکی بھی کتاب میں مذکور ہے نیز جاننا چاہیئے کہ نحویوں کے نزدیک ضمیر متکلم اعرف المعارف ہونیکی وجہ سے ضمیر مخاطب پر مقدم ہے اور وہ ضمیر غائب پر مقدم ہے بخلاف صرفیوں کے کہ ان کے یہاں ضمیر غائب تمام ضمائر پر مقدم ہے پھر ضمیر مخاطب کا درجہ ہے پھر ضمیر متکلم کا جیسا کہ صرف و نحو کی ابتدائی کتابوں میں مذکور ہے

نقشہ ضمائر سنون

	متکلم وحدہ مذکر و مؤنث	متکلم مع الغیر مذکر و مؤنث	واحد مذکر حاضر	تثنیہ مذکر و مؤنث حاضر	جمع مذکر حاضر	واحدہ مؤنث حاضر	جمع مؤنث حاضر	واحد مذکر غائب	تثنیہ مذکر غائب	جمع مذکر غائب	واحدہ مؤنث غائبہ	جمع مؤنث غائبہ
مرفوع متصل	ضَرَبْتُ تُ اضرب مستتر	ضَرَبْنَا نَا نضرب مستتر	ضربتَ تَ تضرب مستتر	ضربتما تما تضربان ا	ضربتم تم تضربون وْ	ضربتِ تِ تضربین ی	ضربتنّ تنّ تضربن ن	ضرب مستتر یضرب مستتر	ضربا اَ یضربان ا	ضربوا وْا یضربون و	ضربت مستتر تضرب مستتر	ضربنَ ن یضربن ن
مرفوع منفصل	انا	نحنُ	اَنتَ	انتما	اَنتم	اَنتِ	اَنتنّ	ھُوَ	ھُما	ھم	ھیَ	ھُنَّ
منصوب متصل	ضربنی ی	ضربنا نا	ضربک ک	ضربکما کما	ضربکم کم	ضربک ک	ضربکن کن	ضربہ ہ	ضربہما ہما	ضربہم ہم	ضربہا ہا	ضربہن ہن
منصوب منفصل	ایّای	ایّانا	ایّاک	ایّاکما	ایّاکم	ایّاک	ایّاکنّ	ایّاہ	ایّاہما	ایّاہم	ایّاہا	ایّاہن
مجرور متصل	لی ی	لنا نا	لک ک	لکما کما	لکم کم	لک ک	لکن کن	لہ ہ	لہما ہما	لہم ہم	لہا ہا	لہن ہن

قولہ مستتر الخ۔ جاننا چاہیے کہ ضمیر دو قسم پر ہے بارز اور مستتر بارز وہ ضمیر ہے جو حقیقۃً ملفوظ ہو اور مستتر وہ ضمیر ہے جو حقیقۃً ملفوظ نہ ہو یعنی اس کیلئے واقع میں کوئی لفظ نہ ہو بلکہ وہ لفظ حکمی ہوتا ہے جاننا چاہیے کہ ضمیر مستتر محض ضمیر متصل ہوتی ہے اور منفصل نہیں ہوتی مصنفؒ یہاں سے بتانا چاہتا ہے کہ ضمیر متصل کون کونسے صیغوں میں مستتر ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ خاص ضمیر متصل ماضی کے صیغہ واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائبہ میں جبکہ وہ دونوں کسی اسم ظاہر کیطرف مسند نہ ہوں مستتر ہوتی ہے جیسے زید ضرب و ہند ضربت اور مضارع متکلم کے صیغوں میں مطلقاً مستتر ہوتی ہے خواہ واحد یا زائد یہ مذکر یا مؤنث اور مضارع مخاطب مذکر میں اور مضارع غائب اور غائبہ میں مستتر ہوتی ہے جیسے اضرب نضرب تضرب زید یضرب اور ہند تضرب ان سب میں ضمیریں مستتر ہیں اسیطرح ضمیر مرفوع متصل جبکہ وہ اسم ظاہر کیطرف مسند نہ ہو صیغہ صفت میں مطلقاً مستتر ہوتی ہے خواہ وہ اسم فاعل ہو یا اسم مفعول یا صفت مشبہ یا اسم تفضیل اور خواہ مذکر ہو یا مؤنث یا واحد یا زائد ہو جس وقت کہ اسم ظاہر کیطرف مسند نہ ہو جیسے اقائم الزیدان اور اگر کوئی کہے کہ الف ضاربان میں اور واؤ ضاربون میں ضمیر ہے پس صفت میں مطلقاً ضمیر مستتر نہ ہوا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو ضمیر کہنا درست نہیں اسلئے کہ ضمیر متغیر نہیں ہوتی اور یہ دونوں متغیر ہوتے ہیں ۱۲ **قولہ ولا یجوز استعمال الخ۔** یعنی ضمیر منفصل کا استعمال جائز نہیں ہے مگر اسجگہ کہ ضمیر مستتر کا لانا متعذر ہو اسلئے کہ ضمیر کو اختصار کیلئے وضع کیا ہے اور متصل منفصل سے اختصار میں اکمل ہے **قولہ ایاک نعبد** مصنفؒ ان امثلہ سے وجوہ تعذر کی طرف اشارہ کرتا ہے لہذا ایاک نعبد سے اشارہ کرتا ہے کہ تعذر کبھی تو ضمیر کو بقصد حصر اسکے عامل پر مقدم کر لینے سے ہوتا ہے جیسے ایاک نعبد میں کہ اگر ضمیر اسکے عامل کیساتھ متصل کیجاوے اور تقدیم کو چھوڑ دیا جائے تو حصر مقصود فوت ہو جائیگا ۱۲ **قولہ ما ضربک الا انا الخ۔** اس دوسری وجہ کو بیان کرتا ہے جسکا مطلب یہ ہوا کہ کبھی تعذر متصل کا ضمیر اور اسکے عامل میں فصل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے بشرطیکہ یہ فصل کسی غرض کیلئے ہو جیسے ما ضربک الا انا اسلئے کہ اگر ضمیر متصل ہو گی تو غرض فوت ہو جائیگی ۱۲ **قولہ انا زید الخ** اس سے تیسری وجہ کیطرف اشارہ کرتا ہے یعنی کبھی تعذر متصل کا اسلئے ہوتا ہے کہ عامل عرف معنوی ہے اس وقت اتصال ممتنع ہے **قولہ و ما انت الا قائما۔** اس سے چوتھی وجہ کیطرف اشارہ کرتا یعنی کبھی تعذر متصل کا اسلئے ہوتا ہے کہ عامل حرف ہے اور ضمیر مرفوع ہے اور ضمیر مرفوع کا اتصال حرف کے ساتھ متعذر رہے

◆ ◆ ◆

واعلم انّ لهم ضميرًا يقع قبل جملةٍ تفسره ويسمّٰى ضمير الشان فى المذكر وضمير القصّة فى المؤنث نحو قُل هُوَ الله احد وانها زينب قائمةٌ ويدخل بين المبتداء والخبر صيغةٌ مرفوعٍ منفصلٍ مطابقٍ للمبتدأ اذا كان الخبر معرفةً او افعل من كذا يُسمّٰى فصلًا لانه يفصل بين الخبر والصّفة نحو زيد هو القائم وكان زيدٌ هو افضل من عمرٍو وقال الله تعالى كنتَ انت الرّقيبَ عليهم **فصلٌ** اسماءُ الاشارة ما وُضِعَ ليدلّ على مشارٍ اليه وهى خمسة الفاظٍ لستّةِ معانٍ وذلك ذا للمذكر۔

قولہ اعلم ان لہم ضمیر ہم کا مرجع یا نحاۃ ہیں یا اہل عرب حاصل مسئلہ یہ ہے کہ جملہ اسمیہ اور فعلیہ سے پہلے ایک ضمیر غائب کی ہوتی ہے اس کو ضمیر شان اور قصہ کہتے ہیں اور یہ ضمیر اگر مفرد مذکر ہو تو ضمیر شان ہے جیسے ہو زید قائم اور قل ہو اللہ احد ای الشان زید قائم الشان اللہ احد اور اگر مفرد مونث ہے تو ضمیر قصہ ہے جیسے انہا زینب قائمۃ اس ضمیر غائب کی تفسیر اسکے بعد والے جملہ سے ہوتی ہے اور رہا تا چاہیے کہ ضمیر شان اور ضمیر قصہ متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل بارز بھی اور مستتر بھی علی حسب العوامل پس اگر عامل انفصال کو مقتضی ہو بایں طور کہ ضمیر مذکور کا عامل معنوی ہو تو ضمیر منفصل ہوگی اور اگر عامل اتصال کو مقتضی ہو بایں طور کہ اگر اس کا عامل لفظی ہو تو ضمیر مذکور متصل ہوگی اور عامل استتار ضمیر کی صلاحیت رکھتا ہے تو ضمیر مستتر ہوگی ورنہ بارز **قولہ ویدخل بین المبتداء الخ** یعنی مبتداء اور خبر کے درمیان صیغہ مرفوع متصل کا واقع ہوتا ہے جو افراد و تثنیہ و جمع و تذکیر و تانیث تکلم و خطاب و غیبت میں مبتداء کے مطابق ہوتا ہے فائدہ مصنف نے ضمیر مرفوع نہ کہا اور صیغہ مرفوع متصل کہا اسلئے کہ بعض اس کو نسبت غیر مستقل پر دلالت کرنے کی وجہ سے حرف کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ اسم ہے پس مصنف نے اس میں توقف کیا اور دونوں مذہبوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی **قولہ اذا کان** چونکہ صیغہ مرفوع متصل کے مبتداء اور خبر کے درمیان لانا چونکہ شرط کیساتھ مشروط ہے تو مصنف اذا کان سے اس شرط کو بیان کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے کہ صیغہ مرفوع منفصل لانیکی شرط یہ ہے کہ خبر یا تو معرفہ ہو اسلئے کہ اگر نکرہ ہوگی تو خبر اور نعت کے درمیان التباس نہ ہوگا کہ اسکے ازالہ کیلئے صیغہ مرفوع منفصل لانیکی ضرورت ہو یا خبر اسم تفضیل مستعمل بمن ہو اسلئے کہ یہ بھی حکم میں معرفہ کی ہے پس دونوں صورتوں میں صیغہ مذکور لانے کی ضرورت ہے تاکہ خبر کے ساتھ ملتبس نہ ہو مصنف کے قول افعل من کذا سے مراد وہ اسم تفضیل ہے جس کا استعمال من کے ساتھ ہو رہا ہے **قولہ یسمی فصلا** یعنی اس صیغہ کا نام فصل ہے جسکے معنی فرق کے ہیں چونکہ اس کے لانے سے خبر اور نعت کے درمیان فرق ہوتا ہے اس وجہ سے یہ نام رکھدیا۔ کوفیہ اس کو عماد کہتے ہیں چونکہ عماد کی طرح اپنے مابعد کو خبر ہونے کیلئے محافظ ہے **قولہ نحو زید الخ۔** مصنف امثلہ متعددہ لاکر اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس صیغہ کا داخل ہونا دو طرح پر ہے ایک عوامل لفظی کے داخل ہونے سے پیشتر جیسے زید ہو القائم دوسرے عوامل لفظی کے داخل ہونیکے بعد اسکی دو مثال دیا ہے ایک اسم تفضیل کی اور ایک معرفہ خبر کی یا ثالث مثال مزید توضیح یا تبرک کیلئے لکھی جائے **قولہ ما وضع** یعنی اسم اشارہ وہ اسم ہے جو مشار الیہ پر دلالت کرنے کے واسطے وضع کیا گیا اس میں کلمہ ما جنس ہے اور لیدل الخ فصل ہے اس سے محدود کے ماسوائے اسماء تعریف اسم اشارہ سے خارج ہوگئی سوال لیدل علی مشار الیہ سے محدود کے سوائے تمام اسماء اسوقت خارج ہوتے ہیں جب کہ مشار الیہ سے مراد اصطلاحی معنے ہوں لیکن اس وقت دور لازم آتا ہے اور اگر اس سے لغوی معنے مراد ہوں تو یہ تعریف درست نہیں رہتی ہے کیونکہ ضمیر غائب اور لام ذہنی اس میں داخل ہو جاتے ہیں جواب اول مراد ہے اور یہ تعریف لفظی ہے اور تعریف لفظی معرف سے اجلی لفظ کے ساتھ کرنا درست ہے اور اگر ثانی مراد ہیں تب بھی تعریف درست رہتی ہے چونکہ یہاں پر قید حیثیت کا اعتبار کر لیا جائیگا کیونکہ ضمیر غائب اگرچہ مشار الیہ بمعنے لغوی کے واسطے موضوع ہے لیکن وہ مراد اس سے نہیں ہوتا بلکہ اسکے ساتھ غائب تقدم ذکرہ سے کنایہ کیا جاتا ہے [illegible] مشار الیہ سے مراد باشارۃ مشار الیہ حسیۃ یعنی اس سے مشار الیہ کی طرف جوارح اور اعتقاد سے اشارہ ہوا اور ضمیر غائب لام ذہنی سے اشارہ ان کے مرجع کی طرف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جیسا اشارہ ذہنیہ ہوتا ہے اعتراض ذلکم اللہ اس میں اشارہ حسیہ نہیں پایا جاتا ہے بلکہ یہاں اشارہ ذہنیہ ہے لہذا تعریف درست نہیں اور یہ جواب مذکور غلط ہے جواب یہ مجاز پر محمول ہے اس میں غیر محسوس کو محسوس مشاہد کے بمنزلہ قرار دیا ہے۔ رہا یہ امر کہ اسم اشارہ مبنی کیوں ہوتا ہے تو اس کی تو وجہ یہ ہے کہ بعض اسماء اشارہ کی وضع چونکہ حرف کی وضع کے مانند ہے جیسے ذا لہذا جو حروف کی وضع پر نہیں وہ ان پر محمول ہیں اسوجہ سے سب مبنی ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ حروف کے ساتھ مشابہ ہیں کہ جس طرح سے حروف محتاج ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی قرینہ اشارہ کی طرف محتاج ہوتے ہیں۔ **قولہ خمسۃ الفاظ۔** مصنف کہتا ہے کہ اسماء اشارات کل پانچ لفظ ہیں چھ معنوں کے واسطے کیونکہ مشار الیہ یا تو مذکر ہے یا مؤنث ہر صورت میں تین حال سے خالی نہیں یا تو مفرد ہے یا مثنی یا مجموع تو یہ کل چھ معنے ہوئے لیکن اولا جمع مذکر اور جمع مؤنث دونوں میں مشترک ہیں اسوجہ سے پانچ لفظ چھ معنوں کے واسطے ہو گئے **قولہ ذا للمذکر** یعنی ذا مشار الیہ واحد مذکر کیلئے موضوع ہے کوفی کہتے ہیں کہ اصل میں مفرد مذکر کیواسطے اسم اشارہ فقط ذال ہے۔ الف زیادہ کر دیا گیا۔ اور اخفش کہتا ہے کہ ذیّ بالتشدید تھا۔ لام کو حذف کر دیا

(باقی بر صفحہ ۱۱۲ پر)

وَذَانِ وَذَیْنِ لِمُثَنَّاہُ وَتَا وَتِی وَذِی وَتِہٖ وَذِہٖ وَتِہِیْ وَذِہِیْ لِلْمُؤَنَّثِ وَتَانِ وَتَیْنِ لِمُثَنَّاہُ وَاُولَاءِ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ لِجَمْعِہِمَا وَقَدْ یَلْحَقُ بِاَوَائِلِہَا ہَاءُ التَّنْبِیْہِ نَحْوُ ہٰذَا وَہٰذَانِ وَہٰؤُلَاءِ وَیَتَّصِلُ بِاَوَاخِرِہَا حَرْفُ الْخِطَابِ وَہُوَ اَیْضًا خَمْسَۃُ اَلْفَاظٍ لِسِتَّۃِ مَعَانٍ نَحْوُ کَ کِ کُمَا کُمْ کُنَّ فَذٰلِکَ خَمْسَۃٌ وَعِشْرُوْنَ الْحَاصِلُ مِنْ ضَرْبِ خَمْسَۃٍ فِیْ خَمْسَۃٍ وَہِیَ ذَاکَ اِلٰی ذَاکُنَّ وَذَانِکَ اِلٰی ذَانِکُنَّ وَکَذٰلِکَ الْبَوَاقِیْ وَاعْلَمْ اَنَّ ذَا لِلْقَرِیْبِ وَذٰلِکَ لِلْبَعِیْدِ وَذَاکَ لِلْمُتَوَسِّطِ۔

لہٰذا ذی رہ گیا جیسے کہ پھر یار کو الف سے بدل دیا تاکہ حرف کی صورت نکل جاوے بعض کہتے ہیں کہ ذا کی اصل ذوَی ہے۔ عین کے فتح کے ساتھ اس اصل پر یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ عین اور لام دونوں کی جگہ یار کے ہونیسے عین کی واؤ اور لام کی جگہ یار کا ہونا زیادہ ہے اسکے بعد لام کلمہ یعنی یٰ کو حذف کر دیا اور عین کلمہ یعنی واؤ کو الف سے بدل دیا چونکہ واؤ متحرک ہے اور اسکا ماقبل مفتوح ہے لہٰذا ذا ہو گیا **قولہ ذان فذین لمثناہ** ۔ یعنی ذین مشار الیہ مثنیٰ مذکر کے واسطے ہے۔ ذان حالتِ رفع میں آتا ہے اور ذین حالتِ نصب اور جر میں آتا ہے۔ اسمیں اختلاف ہو رہا ہے۔ کہ یہ معرب ہیں یا مبنی بعض کہتے ہیں کہ یہ معرب ہیں چونکہ ذان کا الف حالت نصب اور جر میں یار سے بدل جاتا ہے جس طرح پر کہ اور مثنیٰ اسماء بدلتے ہیں اور بعض انکو مبنی کہتے ہیں چونکہ بنار علت انمیں بھی پائی جاتی ہے۔ بلکہ زجاج تو تمام اسماء مثنیٰ کو مبنی کہتا ہے اور علت بیان کرتا ہے کہ تمام اسماء مثنیٰ حرف کے معنی کو شامل ہیں جیسے زیدان کہ اصل میں زید وزید تھا جاننا چاہیے کہ حق یہ ہے کہ ذان اور ذین کا اختلاف عوامل کے اختلاف کے سبب سے نہیں ہے بلکہ ذان تثنیہ مرفوع کے واسطے موضوع ہے۔ اور ذین تثنیہ منصوب مجرور کیواسطے موضوع ہے اور ان کا معرب کی صورت پر واقع ہونا اتفاقیہ ہے اعراب کے قصد کی وجہ سے نہیں ہے بعض صفت میں تینوں حالتوں میں ذان ہی آتا ہے اسی سے قولہ تعالیٰ ان ھذان لساحران کو کہا ہے۔ **قولہ تا وتی الخ** جاننا چاہیے کہ واحد مؤنث کیطرف اشارہ کرنیکے واسطے کئی لفظ موضوع ہیں جنکو کتاب میں شمار کرایا ہے لیکن انمیں سے اصل کونسا ہے۔ اسمیں اختلاف ہو رہا ہے بعض کہتے ہیں کہ ذی اصل ہے کیونکہ یہ ذا جو واحد مذکر کیلئے آتا ہے اسکے مقابلہ میں آتا ہے اور بعض تا کو اصل قرار دیتے ہیں کیونکہ مثنیٰ اسی کو بنایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں اصل ہیں تہ اور ذہ میں الف اور یا کو ہا سے بدل دیا ہے اور ذہی اور تہی میں الف اور یار کو ہا سے بدلنے کے بعد یا تحتانیہ مزید کیگئی ہے **قولہ اولاء الخ** ۔ دو طریقہ پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی مد اور قصر کے ساتھ اگر تم اس کو مقصور پڑھتے ہو تو یار کے ساتھ لکھو اور اگر ممدود پڑھتے ہو تو کسرہ کیساتھ پڑھو جیسے ھٰؤلاء اور یہ جمع کیواسطے آتا ہے خواہ وہ جمع مذکر ہو یا مؤنث خواہ عاقل ہو یا غیر عاقل **قولہ وقد یلحق باوائلہا ہاء التنبیہ** ۔ یعنی اسماء اشارہ کے اول میں ہا تنبیہ داخل کر دیتے ہیں اسلیئے کہ اشارہ سے مقصود مخاطب کو تنبیہ کرنا ہے پس ہا تنبیہ کو اسکے اول میں لایا جاتا ہے تاکہ مخاطب مقصود سے غافل نہ ہو جیسے ھذا ھذان ھذین ھاتا ھاتی ھاتان ھاتین ھؤلاء جاننا چاہیے کہ لحوق سے مراد مصنف کی یہاں پر دخول ہے بر سبیل مجاز کیونکہ لحوق کے معنے آخر میں ذکر کرنیکے ہیں۔ **قولہ ویتصل باواخرہا** ۔ یعنی اسماء اشارہ کیساتھ حروف خطاب بھی متصل ہوتے ہیں تاکہ وہ مخاطب کے مفرد اور تثنیہ اور جمع اور مذکر اور مؤنث ہونے پر دلالت کرے اور یہ حرف خطاب کاف ہے اسکے حرف ہونے پر یہ دلیل ہے کہ اسم ظاہر کا اسکی جگہ میں واقع ہونا ممتنع ہے اگر یہ اسم ہوتا تو اسم ظاہر کا اسکی جگہ میں واقع ہونا درست ہوتا دوسرے اسوجہ سے کہ یہ مستقل بالمفہوم نہیں ہے۔ چنانچہ ذاک ترجمہ یہ ہے اور ذلک ترجمہ وہ ہے **قولہ وھی ایضاً خمسۃ الفاظ** ۔ یعنی حروف خطاب پانچ لفظ ہیں چھ معنے کیواسطے قیاس اس امر کو مقتضی ہے کہ حروف خطاب چھ لفظ ہوتے ہیں مگر چونکہ تثنیہ مذکر و مؤنث دونوں کیلئے آتا ہے تو اس وجہ کل پانچ لفظ رہ گئے ک مفرد مذکر کیلئے اور کما مثنیٰ مذکر مؤنث کیلئے اور کم جمع مذکر کیلئے اور کن جمع مؤنث کیلئے اور اسماء اشارہ بھی پانچ ہیں لہٰذا پانچ کو پانچ میں ضرب دینے سے پچیس قسمیں ہونگی جیسا کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہے۔

اقسام مشار الیہ [illegible]	جبکہ مخاطب واحد مذکر ہو	جبکہ مخاطب تثنیہ مذکر و مؤنث ہو	جبکہ مخاطب جمع مذکر ہو	جبکہ مخاطب واحد مؤنث ہو	جبکہ مخاطب جمع مؤنث ہو
جبکہ مشار الیہ واحد مذکر ہو	ذاک	ذاکما	ذاکم	ذاک	ذاکن
جبکہ مشار الیہ تثنیہ مذکر ہو	ذانک	ذانکما	ذانکم	ذانک	ذانکن
جبکہ مشار الیہ واحد مؤنث ہو	تاک	تاکما	تاکم	تاک	تاکن
جبکہ مشار الیہ تثنیہ مؤنث ہو	تانک	تانکما	تانکم	تانک	تانکن
جبکہ مشار الیہ جمع مذکر مؤنث ہو	اولئک	اولئکما	اولئکم	اولئک	اولئکن

قولہ واعلم ان ذا ۔ یعنی مشار الیہ قریب کے لیئے ذا بولا جاتا ہے اسلیئے کہ وہ قلیل الحروف ہے اور مشار الیہ بعید کے لیے ذالک لایا جاتا ہے اس لیے کہ وہ کثیر الحروف ہے اور ذاک متوسط کیلئے مستعمل ہوتا ہے اسلیئے کہ وہ ان دونوں سے قلت اور کثرت حروف میں متوسط ہے جاننا چاہیے کہ جمہور نحاۃ کے نزدیک جو اسم اشارہ کاف اور لام یا قائم مقام لام کے جو تشدید ہے خالی ہو تو وہ مشار الیہ قریب کیلئے ہے جیسے ذا اور اگر وہ حرف کاف کے ساتھ ہو تو وہ مشار الیہ متوسط کیلئے ہے جیسے ذاک اور تاک اور ذانک تخفیف نون اور ذانک بغیر لام اور اگر وہ کاف اور لام یا قائم مقام لام کے ساتھ ہو تو مشار الیہ بعید کیلئے ہے جیسے ذلک اور تلک اور ذانک بتشدید نون اور تانک بتشدید نون اور اولالک بلام مصنف نے ذکر کو مؤخر کر دیا حالانکہ قیاس اسکو مقتضی ہے کہ اسکو وسط میں ذکر کرتا جیسا کہ بعض نحوں میں واقع بھی ہے چونکہ اسکا معرفت دونوں کی معرفت پر موقوف ہے۔ اور موقوف کا ذکر موقوف علیہ کے بعد ہوتا ہے۔

فصل الموصول اسمٌ لا یصلح ان یکون جزءًا تامًا من جملۃٍ الا بصلۃٍ بعدہٗ والصلۃ جملۃٌ خبریۃٌ ولا بدّ من عائدٍ فیھا یعود الی الموصول مثالہ الّذی فی قولنا جاءَ الّذی ابوہٗ قائمٌ او قامَ ابوہٗ والذی للمذکر واللذان والّذین لمثناہ والّتی للمؤنث واللتانِ واللتین لمثناھا و الذین والأُلیٰ لجمعِ المذکرِ واللّاتی واللّواتی واللّاءِ واللّائی لجمعِ المؤنث وما ومن وایٌّ وایّۃٌ وذو بمعنی الذی فی لغت بنی طی کقول الشاعر شعر

فانّ الماءَ ماءُ ابی وجدّی ۔ وبیری ذو حفرتُ وذو طویتُ

ای الذی حفرتہٗ والذی طویتہٗ والالفُ واللامُ بمعنی الذی صلتہٗ اسمُ الفاعلِ واسمُ المفعول نحو جاءنی الضاربُ زیدًا ای الذی یضربُ زیدًا او جاءنی المضروبُ غلامُہٗ ۔

قولہ الموصول الخ جاننا چاہیئے کہ اسم موصول مبنی ہے چونکہ حروف کے مشابہ ہے کہ جس طرح حرف محتاج ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی صلہ کیطرف محتاج ہیں **قولہ اسم الخ** یعنی اسم موصول وہ اسم ہے جسکا بغیر صلہ کے جزو تام ہونا درست نہ ہو جو کہ اس اسم موصول کے بعد ہوتا ہے ۔ اس تعریف میں اسم جنس کے مانند ہے اور لا یصلح الخ بمنزلہ فصل کے ہے اس سے وہ تمام اسماء نکل گئے جو بغیر صلہ کے جزو تام ہوتے ہیں جیسے زید رجل جزءًا تامًا کہہ کر مصنف نے اس امر کیطرف اشارہ کر دیا کہ اسم موصول بغیر صلہ کے جملہ کا جزو ہو سکتا ہے لیکن جزو تام نہیں ہو سکتا ہے جزو تام سے مراد مبتدا و خبر فاعل وغیرہ ہوتا ہے ۔ **قولہ والصلۃ جملۃ الخ** چونکہ اسم موصول کی تعریف میں لفظ صلہ مذکور ہے اسوجہ سے مصنف صلہ کی تعریف کرتا ہے کہ صلہ کیا ہوتا ہے تاکہ تعریف مجہول سے لازم نہ آئے تو کہتا ہے کہ صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے ۔ یعنی اسم موصول کی تعریف جسکو بتائی جا رہی ہے وہ صلہ کے معنے جانتا ہے کہ وہ جملہ خبریہ ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ اسکو نہیں جانتا تو تعریف مجہول بالمجہول ہو جائیگی جو درست نہیں ہے رہا یہ امر کہ صلہ کیلئے جملہ ہونا کیوں ضروری ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ صلہ موصول کے بیان کیواسطے ہوتا ہے ۔ یعنی موصولات اس غرض سے موضوع ہوتے ہیں کہ یہ جملہ کو معرفہ کی صفت بنانے کیواسطے ذریعہ ہو جاتے ہیں اور جب یہ اس غرض کیلئے موضوع ہیں تو یہ غرض بلا اسکے پوری نہ ہوگی اسوجہ سے صلہ کیواسطے جملہ ہونا ضروری ہے اور صلہ موصول کا جملہ خبریہ ہوتا ہے نہ کہ انشائیہ اس وجہ سے کہ صلہ کیلئے ثبوت بنفسہا لازم ہے اور جملہ انشائیہ اس سے خالی ہوتا ہے اور صلہ میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو موصول کیطرف لوٹتی ہے ۔ **قولہ لا بد من عائد الخ** عائد اسم فاعل ہے بمعنے لوٹنے والا مصدر عود ہے بمعنے لوٹنا یعنی صلہ میں ایک عائد کا ہونا جو اکثر ضمیر ہوتا ہے اور موصول کی طرف لوٹتا ہے ضروری ہے اسلئے کہ صلہ ایک جملہ مستقلہ ہوتا ہے اور صلہ سے موصول سے مرتبط ہوتا ہے لہذا صلہ میں ضمیر کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ صلہ کا موصول سے ربط پیدا کرے اور جملہ اجنبی نہ رہے کیونکہ صلہ بغیر عائد کے موصول سے اجنبی رہیگا جیسے جاء الذی ابوہ قائم یعنی الذی وہ شخص آیا جسکا باپ کھڑا ہونے والا ہے اس مثال میں الذی موصول ہے اور ابوہ قائم جملہ اسمیہ خبریہ اسکا صلہ ہے اور اسی صلہ میں ابوہ کی ضمیر عائد ہے جو الذی کیطرف لوٹ رہی ہے موصول اپنے صلہ سے ملکر جاء کا فاعل ہے اور جملہ کا جزو تام یعنی فاعل ہے یہ جملہ اسمیہ کے صلہ ہونیکی مثال ہے اور جیسے جاء الذی قام ابوہ (آیا وہ شخص جسکا باپ کھڑا ہوا) اسمیں قام ابوہ جملہ فعلیہ خبریہ الذی موصول کا صلہ ہے اور اس جملہ فعلیہ میں ابوہ کی ضمیر عائد ہے جو الذی موصول کیطرف لوٹ رہی ہے اور موصول اپنے صلہ سے مل کر جملہ کا جزو تام یعنی فاعل ہو رہا ہے جملہ فعلیہ کے صلہ ہونے کی مثال ہے یاد رکھنا چاہیئے کہ عائد اکثر ضمیر ہوتا ہے لیکن کبھی اسم ظاہر اسم ضمیر کی جگہ میں عائد ہو جاتا ہے جیسے جاءنی الذی ضرب زیدا اسمیں زید جو اسم ظاہر ہے ضمیر کی جگہ میں عائد ہے اسلئے کہ الذی سے مراد زید ہی ہے ورنہ اگر زید جو ضرب کا فاعل ہے نہ ہوتا تو ضرب میں ضمیر ہوتی جو الذی کیطرف لوٹتی اور اسوقت جملہ اسطرح ہوتا جاءنی الذی ضرب ۔ **قولہ مثالہ الخ** مصنف اسم موصول کی مثال بیان کرتا ہے چونکہ تمثیل شے سے شئ کی وضاحت ہو جاتی ہے لہذا جاء الذی ابوہ قائم میں الذی اسم موصول ہے جو اپنے صلہ ابوہ قائم یا قام ابوہ سے ملکر جاء کا فاعل بن رہا ہے ۔ مصنف نے صلہ میں دو قسم کے جملہ خبریہ ذکر کئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ صلہ جملہ خبریہ فعلیہ اور اسمیہ دونوں واقع ہو سکتے ہیں **قولہ الذی للمذکر الخ** یعنی موصولات میں الذی واحد مذکر کیلئے اور التی واحد مؤنث کیلئے اور اللذان اور اللتان حالت رفعی میں تثنیہ مذکر و مؤنث کیلئے اور اللذین اور اللتین حالت نصبی اور جری میں تثنیہ میں مذکر و مؤنث کیلئے اور الاُلیٰ بروزن عُلیٰ جمع مذکر اور جمع مؤنث دونوں کے لئے ہے اور الذین جمع مذکر کے لئے اور اللاتی ہمزہ اور یاء کے ساتھ اور اللاء (بدون یاء کے ہمزہ سے) اور اللائی . . . . . . (بدلے ہمزہ کے یاء کے ساتھ) یہ تینوں جمع مؤنث کیلئے ہیں اور ما اور من مذکر اور مؤنث دونوں کیلئے مطلقًا آتا ہے لیکن اول غیر ذوی العقول کیلئے اور ثانی ذوی العقول کیلئے ہے اور ایّ مذکر کیلئے اور ایّۃ مؤنث کیلئے ہے **قولہ وذو الخ** یعنی لغت بنی طی میں ذو اسم موصول آتا ہے جو معنے میں الذی کے ہوتا ہے کما فی قول الشاعر وبیری ذو حفرت وذو طویت ای الذی حفرتہ والذی طویتہ لغت بنی طی کی تخصیص اسلئے کی کہ دوسروں کی لغت میں اسم موصول نہیں ہوتا سمجھنا چاہیئے کہ کلمہ ذو دو معنے کیلئے آتا ہے ایک یعنی صاحب جیسے ذو مال یعنی صاحب مال یہ معرب ہے اور اسماء ستہ مذکورہ میں سے ہے دوسرے بمعنی الذی اور التی اور یہ صرف لغت بنی طے میں ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہے اور یہ مبنی ہوتا ہے اور واحد تثنیہ جمع مذکر و مؤنث اور غائب حاضر سب کیلئے آتا ہے سب حالتوں میں یکساں رہتا ہے متغیر نہیں ہوتا جیسے جاءنی ذو قام و رأیت ذو قام و مررت بذو قام **قولہ فان الخ** اس شعر کا قائل سنان بن فحل ہے جو قبیلہ طی کا ہے ماء بمعنی پانی اب باپ مع اباء جد دادا جمع اجداد بئر کنواں جمع آبار حفرت واحد متکلم من الحفر بمعنے کھودنا اور طویت طی سے بمعنے منہ باندھنا شعر کا مطلب ہے کہ وہ پانی جسمیں نزاع ہے میرے باپ دادا کا پانی ہے یعنی میں اسکا بیٹا وارث ہوا ہوں اور متنازعہ فیہا کنواں وہ ہے جسکو میں نے کھودا ہے اور میں نے ہی اسکی منہ باندھی ہے **قولہ والالف واللام الخ** یعنی ایک اسم موصول الف لام ہے (باقی بر صفحہ ۱۱۴ پر)

* * *

وَیجوز حذفُ العائدِ مِنَ اللفظِ ان کان مفعولاً نحو قام الذی ضَرَبتُ ای الذی ضربتُہٗ واعلم اَنَّ ایّاً وایّۃً معربۃٌ الا اذا حُذِفَ صدرُ صِلَتِہا کقولہ تعالی ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِن کُلِّ شِیْعَۃٍ اَیُّہُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ عِتِیّاً ای ہو اشدُّ فصل اسماءُ الافعال ہُوَ کُلُّ اسمٍ بمعنی الاَمرِ والماضی

یہ اسم فاعل یا مفعول پر داخل ہوتا ہے اور اپنے مدخول کے اعتبار سے بمعنے الذی یا التی یا اللذان یا اللتان یا الذین یا **اللائی** کے ہوتا ہے اور یہ اسم فاعل یا مفعول اسکا صلہ ہوتا ہے اسلئے کہ یہ لام ذو جہتین ہے **من صورۃ** یہ تو لام حرفی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور حقیقت میں اسم ہے پس اسکا صلہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ صورۃ مفرد ہو اور حقیقت میں جملہ تاکہ ذو جہتین ہو جائے اور وہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہے جیسے جاءنی الضارب زیدا میرے پاس وہ شخص آیا جو زید کو مارنے والا ہے اس میں الضارب پر الف لام بمعنے الذی ہے۔ یعنی جاءنی الذی یضرب زیدا اور جیسے جاءنی المضروب غلامہ میرے پاس وہ شخص آیا جس کا غلام مارا گیا ہے یعنے جاءنی الذی یضرب غلامہ بصیغہ مضارع مجہول **قولہ صلتہ** یہ الالف واللام کی صفت ہے اور اسکی ضمیر مفرد الف ولام کی طرف لوٹ رہی ہے اس لحاظ سے کہ وہ ایک اسم موصول ہے مصنف نے صلۃ اسم الفاعل واسم المفعول کہا اسلئے کہ الف لام اسم موصول کا صلہ یہی دونوں آتے ہیں اور صفت مشبہ اور اسم تفضیل نہیں ہوتے ہیں۔ **قولہ یجوز حذف الخ** یعنے وہ ضمیر جو صلہ میں موصول کیطرف لوٹتی ہے جب کہ وہ مفعول واقع ہو تو اسکا کلام سے تلفظ میں حذف [illegible] جائز ہے اسلئے کہ وہ فضلہ ہے لیکن جب حذف مذکور پر کوئی مانع موجود ہو تو اس وقت ضمیر مفعول کا حذف کرنا ناجائز ہے اور اگر وہ ضمیر فاعل ہے تو اس کا حذف کرنا جائز نہیں ہے اور ضمیر مرفوع اگر مبتدا ہے تو حذف درست ہے جبکہ اسکی خبر جملہ اور ظرف نہ ہو اور ای کے بعد ضمیر مرفوع کا حذف کرنا درست ہے اور ضمیر مرفوع کا صلہ میں سے حذف کرنا طول صلہ کے سبب سے بھی درست ہے جیسے اس آیت ہو الذی فی السماء الہ و[illegible] ارض الہ میں اور ضمیر مجرور کو بھی حذف کرنا درست ہے جبکہ حرف جر متعلق مجرور کے متعین ہو جیسے قول تعالی انسجد لما تامرنا اے بہ ایسے ہی اس ضمیر مجرور کو بھی حذف کرتے ہیں جسکی طرف صیغہ صفت . . . کی اضافت کی جائے اور وہ فی الحقیقت مفعول بہ ہو جیسے الذی انا ضارب زید کہ اصل میں ضاربہ زید تھا واللہ اعلم **قولہ معربۃ الخ** یعنی ای اور ایۃ تمام صورتوں میں معرب ہوتے ہیں مگر صرف ایک صورت میں مبنی ہوتے ہیں اور وہ یہ کہ ان کے صلہ کا جزء اول محذوف ہو اور یہ مضاف ہوں پھر جاننا چاہیے کہ ای اور ایۃ کی چار حالتیں ہیں اسلئے کہ ہر ایک انمیں سے یا تو مضاف ہوگا یا غیر مضاف ہوگا بر تقدیر ثانی وہ معرب ہیں خواہ ان کا صدر صلہ مذکور ہو یا نہ ہو اور بر تقدیر اول اگر صدر صلہ مذکور نہ ہو تو مبنی ہونگے جیسے قولہ تعالی ثم لننزعن من کل شیعۃ ایہم اشد علی الرحمن عتیا الخ ای ایہم ہو اشد پس **ایٌّ** اس قرات میں کہ ایہم کو مرفوع پڑھیں مبنی ہے اسلئے کہ مثال مذکور میں ای کا صدر صلہ مذکور نہیں نیز وہ مضاف ہے اور اس صورت میں ای اور ایۃ کے مبنی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جب انکے صلہ کا صدر یعنی جزء اول حذف ہو گیا تو اسوقت انکی حرف کے ساتھ احتیاج الی الغیر میں مشابہت اور زیادہ قوی ہو گئی پس مبنی ہونگے اور بالخصوص ضم پر مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صدر جملہ کے حذف کرنے میں اسکی مشابہت غایت کے ساتھ ہو جاتی ہے یعنی جس طرح پر لہ غایت سے مضاف الیہ کو حذف کر دیتے ہیں حالانکہ وہ اسکے لئے مبین ہے اسی طرح پر یہاں اس چیز کو حذف کر دیتے ہیں۔ جو کہ ای اور ایۃ کو واضح کرتی ہے نقشہ ای اور ایۃ کے معرب ومبنی ہونیکا۔

معرب یا مبنی	مرفوع	منصوب	مجرور
معرب	جاءنی ایٌّ ہُوَ قائمٌ	رأیتُ ایّاً ہُوَ قائمٌ	مررتُ ایٍّ ہُوَ قائمٍ
معرب	جاءنی ایٌّ قائمٌ	رأیتُ ایّا قائمٌ	مررتُ بایٍّ قائمٌ
معرب	جاءنی ہُوَ ایہم قائمٌ	رأیتُ ایہم ہو قائمٌ	مررتُ بایہم ہو قائمٌ
مبنی	جاءنی ایہم ہُوَ قائمٌ	رأیتُ ایہم قائمٌ	مررتُ بایہم قائمٌ
معرب	جاءتنی ایّتہا ہی قائمۃٌ	رأیتُ ایّتہا ہی قائمۃٌ	مررتُ بایّتہا ہی قائمۃٌ
معرب	جاءتنی ایّۃٌ قائمۃٌ	رأیتُ ایّۃ قائمۃٌ	مررتُ بایّۃ قائمۃٌ
معرب	جاءتنی ایّتہن قائمۃٌ	رأیتُ ایّتہن ہی قائمۃٌ	مررتُ بایّتہن قائمۃٌ
مبنی	جاءتنی ایّتہن قائمۃٌ	یت ایّتہن قائمۃٌ	مررتُ بایّتہن قائمۃٌ

قولہ اسماء الافعال

مصنف نے اسماء افعال کو اصوات پر اسوجہ سے مقدم کیا ہے کہ اسماء افعال کی وجہ بناء اصوات کی وجہ بناء سے زیادہ قوی ہے جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا۔ **قولہ وہو کل اسم الخ** جاننا چاہیے کہ مصنف کا قول اسماء الافعال مبتدا ہے اور ہو ضمیر فصل ہے بعض کے نزدیک اسکے لیے اعراب سے محل نہیں ہے اور بعض کے نزدیک یہ مبتدا ہے تا پھر اپنی خبر سے ملکر خبر مبتدا کی ہو جاتی ہے یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ ہو ضمیر مفرد اور اسماء جمع کی طرف لوٹنا درست نہیں ہے جواب دیا جاتا ہے کہ ضمیر اسماء الافعال کی طرف کل واحد کی تاویل کے ساتھ لوٹ رہی ہے دوسرا جواب ضمیر اسماء الافعال کی طرف نہیں لوٹ رہی ہے۔ بلکہ اسکے ضمن میں جو مفرد ہے یعنی اسم فعل اسکی طرف لوٹ رہی ہے چونکہ جمع کے ضمن میں مفرد ہوتا ہے اسوجہ سے ضمیر بلا مرجع کے نہ رہی ضمیر مفرد کی طرف اسوجہ سے لوٹاتے ہیں کہ تعریف شئے کی ماہیت اور جنس کی ہوتی ہے نہ کہ افراد کی اور اگر اسماء جمع کیطرف لوٹائی جاوے تو تعریف افراد کی ہونا لازم آئیگا اب سوال ہوتا ہے کہ مصنف اسماء جمع کیوں لایا اسم الفعل مفرد کیوں ذکر نہ کیا تو جواب یہ ہے کہ صیغہ جمع یہاں پر اسوجہ سے لایا تاکہ باب اسماء الافعال کے تمام مسائل پر شامل ہو جاوے تعریف کا حاصل یہ ہے کہ فعل وہ اسم ہے جو معنے میں امر یا ماضی کے ہو مصنف کی عبارت میں وبمعنی ادب ہے اور امر یا ماضی کے معنے میں ہونے

(باقی بر صفحہ ۱۱۵ پر)

نحو رُوَيْدَ زيدًا اي أَمْهِلْهُ وهَيْهَاتَ زيدٌ اي بَعُدَ او كان على وزن فَعَالِ بمعنى الامر وهو من الثلاثي قياسٌ كنَزَالِ بمعنى اُنْزُلْ وتَرَاكِ بمعنى اُتْرُكْ ويلحق به فَعَالِ مصدرًا معرفةً كفَجَارِ بمعنى الفجورِ او صفةً للمؤنثِ نحو يا فَسَاقِ بمعنى فاسقةٍ ويا لَكَاعِ بمعنى لاكِعَةٍ او علمًا للاعيان المؤنثةِ كقَطَامِ وغَلَابِ وحَضَارِ وهٰذه الثلثةُ ليست من اسماء الافعالِ وانما ذُكِرَتْ هٰهُنا للمناسبةِ **فصل الاصوات** كلُّ لفظٍ حُكِيَ به صوتٌ كغاقِ لصوتِ الغرابِ او صُوِّتَ به البهائمُ كنَخٍّ لاناخةِ البعيرِ **فصل المركبات**

سے مراد ہے۔ کہ وضع کے اعتبار سے ہو لیکن یہ وضع ثانوی ہوگی۔ اسم کی قید سے خود ماضی اور امر نکل گیا اور وضع کی قید سے ضارب نکل گیا جو کہ زید ضارب اس میں ہے کیونکہ ضارب اگرچہ ماضی پر دلالت کرتا ہے مگر قرینہ سے دلالت کرتا ہے وضع سے اور اسماء افعال کے صیغے افعال کے صیغوں کے مغائر ہیں دلیل اس پر یہ ہے کہ بعض اسماء افعال تنکیر کے وقت منون ہوتے ہیں جیسے صہ صہٍ اور بعض پر لام داخل ہوتا ہے اور بعض مصدر ظرف اور جار مجرور سے منقول ہیں رہا یہ امر کہ اسماء افعال مبنی کیوں ہیں تو انکے مبنی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ یہ موضع میں مبنی الاصل کے واقع ہیں جیسے رویدَ زیدًا امہل رویدَ امہل کی جگہ واقع ہے اور ہیہات بعُد کی جگہ میں اور بعض حرف کی صورت پر واقع ہیں اعتراض مصنف نے جو اسماء افعال کی تعریف کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماء افعال ماضی اور امر کے معنے میں محصور ہیں حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ مضارع کے معنے میں بھی آتے ہیں جیسے اف اتضجر کے معنے میں ہیں جواب جو مضارع کے معنے ہیں اصل ہیں ماضی کے معنے میں ہے مجازًا مستقبل سے اسکو تعبیر کیا گیا ہے۔ **قولہ کرویدَ زیدًا ای امہلہ الخ** یہ اس اسم کی مثال ہے جو امر کے معنے میں ہے یہ مصدر سے منقول ہے اور متعدی ہے امہلہ ہیہات زید ای بَعُدَ میں اسم فعل کی مثال ہے جو ماضی کے معنی میں ہے اور یہ لازم ہے جاننا چاہیے کہ اسماء افعال کے اعراب میں نحاۃ کا اختلاف ہے اور ان میں دو مذہب ہیں ایک یہ ہے کہ اسماء افعال ابتداء کی بناء پر محل رفع میں ہیں لہذا یہ اپنے فاعل سے ملکر جملہ کی خبر کے قائم مقام ہیں اور ثانی مذہب یہ ہے کہ بناء بر مصدریت کے محل نصب میں ہیں لہذا رویدَ ارودا کے محل میں ہے بعض شارحین کہتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ انکے لیے محل اعراب نہیں چونکہ یہ بمعنے امر اور ماضی ہوگئے ہیں لہذا انکا حکم لیں گے **قولہ او کان علیٰ** تمام اسماء افعال میں سے ایک صیغہ فعال کا ہے جو کہ معنے میں امر کے ہوتا ہے اور وہ ثلاثی مجرد سے قیاسی ہے جیسے نزال بمعنے انزل اور تراک بمعنی اترک اور غیر ثلاثی مجرد سماعی ہے اور اسکے مبنی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ **قولہ ویلحق بہ الخ** اور اسی فعال بمعنے امر کے ساتھ یہ تینوں قسم کے فعال یعنی جو بشکل مصدر معرفہ اور اسم فاعل اور مؤنث شخص کا علم ہوتا ہے لاحق ہے حاصل یہ کہ جسطرح فعال بمعنی امر کے مبنی ہونے پر اتفاق ہے ایسے ہی وہ افعال بھی بالاتفاق مبنی ہے جو کہ مصدر معرفہ سے معدول ہے جیسے فجار الفجور اور حماد الحمد سے معدول ہیں نیز وہ افعال بھی مبنی ہے جو صفت مؤنث سے معدول ہے جیسے فساق فاسقہ سے اور لکاع لاکعۃ سے معدول ہیں اور وجہ ان معدولین کے مبنی ہونے کی یہ ہے کہ یہ دونوں فعال بمعنے امر کے ساتھ عدل اور وزن میں مشابہت رکھتے ہیں **قولہ او علمًا للاعیان الخ** یعنی وہ افعال کہ اعیان مؤنث کا علم ہے جیسے قطام وحذام اور حضار اور انکی نظائر اس میں اختلاف ہے پس یہ فعال اہل حجاز کے نزدیک مبنی ہے اسلئے کہ فعال بمعنے امر کے ساتھ عدل اور وزن میں مشابہ ہے اور بنی تمیم کے نزدیک فعال معرب ہے لیکن وہ فعال کہ جس کے آخر میں راء ہے اکثر بنی تمیم کے نزدیک مبنی ہے اسلئے کہ راء حرف ثقیل مکرر ہے پس اگر اس پر اعراب مختلف جاری کریں گے تو اثقل ہو جائیگا لہذا مبنی ہوگا **قولہ ہذہ الثلثۃ الخ** یہ تین بھی فعال مصدر معرفہ اور فعال صفت اور فعال علم للاعیان المؤنثۃ حقیقت میں اسماء افعال سے نہیں ہیں اب سوال ہوتا ہے کہ پھر انکو اسماء افعال کے فصل میں کیوں ذکر کیا تو مصنف جواب دیتا ہے کہ انکو اس فصل میں اسوجہ سے ذکر کیا ہے کہ انکو فعال بمعنی امر کیساتھ عدل اور وزن میں مناسبت ہے اس مناسبت کی وجہ سے انکو اس فصل میں ذکر کیا گیا ہے ان تینوں کی فعال بمعنے امر کے ساتھ وزن میں مناسبت ظاہر ہے لیکن عدل میں مناسبت یہ ہے کہ فعال بمعنے مبالغہ کیلئے امر سے معدول ہے پس مثلاً صیغہ نزال انزل سے امر میں مبالغہ کیلئے معدول ہے اسیطرح فعال مصدری اور فعال صفتی اور فعال علمی بھی معدول ہیں پس فجار معدول الفجرۃ یا الفجور سے ہے اور فساق معدول فاسقہ سے اور قطام قاطمہ سے اور غلاب غالبۃ سے معدول ہے **قولہ الاصوات** اصوات صوت کی جمع ہے اسکے معنے آواز کے آتے ہیں کبھی مصدر بمعنے تصویت یعنی آواز دینے میں استعمال کیا جاتا ہے اور وجہ اصوات کے مبنی ہونیکی یہ ہے کہ ترکیب میں واقع نہیں ہوتے ہیں اور اگر ترکیب میں واقع ہوں تو انہیں تصرف نہیں کرتے تاکہ حکایات مقصود باقی رہیں اعتراض اسکی کیا وجہ ہے کہ اصوات تو ترکیب کے وقت مبنی ہوتے ہیں اور حروف کے اسماء جیسے باء کا اسم اور تاء کا اسم وغیرہ معرب ہوتے ہیں باوجودیکہ بات کے اسم ہیں لہذا مبنی ہونا چاہیے جواب حروف کے اسماء حقیقت میں اپنے مسمیات کیواسطے اسیطرح موضوع ہیں جس طرح رجل اپنے مسمٰی کے مقابلہ میں تو جسطرح رجل ترکیب کے نہ ہونیکے وقت مبنی ہے اور ترکیب کے وقت معرب ہے اسی طرح یہ بھی ہیں اور اصوات مسمیات کیلئے موضوع نہیں ہیں تو ترکیب کے وقت ان کو لیا جاتا ہے بلکہ یا اصوات کی حکایت ہوتا ہے یا حیوانات کو اس سے آواز دی جاتی ہے **قولہ کل لفظ الخ** یعنی صوت وہ لفظ ہے جس سے کسی کی آواز کو نقل کیا جائے جیسے غاق کہ اس سے کوے کی آواز نقل کرتے ہیں یا وہ لفظ ہے کہ اس سے بہائم میں کسی کو آواز دی جائے جیسے نخ کہ اس سے اونٹ کو بٹھاتے ہیں جاننا چاہیے کہ بہائم کا لفظ یہاں بطور تمثیل ہے ورنہ تو وہ الفاظ جن سے بچوں کو اور پاگلوں کو آواز دی جاتی ہے وہ بھی صوت کی قسم ثانی میں داخل ہیں نیز جاننا چاہیے کہ صوت کی ایک تیسری قسم ہے اور وہ لفظ ہے جسکو انسان ابتداءً بلا غرض کے مستعمل کرتا ہے جیسے واہ انسان کی تعجب کی آواز ہے اور آہ انسان کی دردمندی کی آواز ہے مصنف نے اس قسم کو اسوجہ سے ترک کر دیا کہ اسکا حکم دلالۃً معلوم ہوجاتا ہے اسطرح پر کہ جب مذکور قسمیں اسم مبنی میں داخل ہیں جو کہ انسان کی آواز نہیں تو جو انسان کی آواز ہے جسکا تعلق غیر کیساتھ نہیں وہ بطریق اولیٰ اسم مبنی میں داخل ہونی چاہیے نیز کہا جاسکتا ہے کہ کلام مصنف کے حذف پر محمول ہے تقدیر عبارت یہ ہے صُوِّتَ بہ البہائم او غیرہا اس صورت میں بہائم کے ذکر کو علی التمثیل کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

كلُّ اسمٍ رُكِّبَ من كلمتين ليست بينهما نسبةٌ فإن تضمّنَ الثاني حرفًا يجب بناؤهما على الفتحِ كأحدَ عشرَ إلى تسعةَ عشرَ إلا اثني عشر فإنها معربةٌ كالمثنى وإن لم يتضمن ذلك ففيها لغاتٌ أفصحُها بناء الأول على الفتح وإعرابُ الثاني غير منصرف كبعلبكَّ نحو جاءني بعلبكُّ ورأيتُ بعلبكَّ ومررتُ ببعلبكَّ **فصلٌ** الكنايات هي أسماءٌ تدل على عددٍ مبهمٍ وهي كم وكذا أو حديثٍ مبهمٍ

قولہ کل اسم الخ یہاں پر اعتراض ہوتا ہے کہ کل اسم کا حمل المرکبات پر درست نہیں ہے کیونکہ اگر حمل کریں تو لازم آئیگا کہ ہر اسم مرکبات ہو۔ اور ہر اسم کا مرکبات ہونا محال ہے لہذا مصنف کی عبارت غلط ہے جواب المرکبات میں لام جنس کا ہے اور جمع کے معنے مرکبات میں باطل ہے المرکبات کل اسم المرکب کے معنے میں ہے پھر اس پر اعتراض پڑتا ہے کل اسم جزئی ہے المرکب کلی ہے اور جزئی کا حمل کلی پر درست نہیں ہے۔ جواب یہ حمل بطریق مجاز ہے کیونکہ جب المرکب کل اسم پر صادق ہوتا ہے تو کل اسم کا حمل اس پر بطور مجاز کر دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ المرکبات میں لام عہد کیلئے ہو تقدیر عبارت یہ ہو۔ ہذا فصل المرکبات المذکورۃ فی حصر المبنیات اور اس وقت کل اسم مبتدا محذوف الخبر ہے یعنی کل اسم کذا فہو مرکب یعنی جو اسم ایسا ہو وہ مرکب ہے اور یہ ہو سکتا ہے کل اسم مبتدا محذوف کی خبر ہو یعنی المرکب کل اسم مرکب واللہ اعلم تعریف کا حاصل یہ ہے کہ مرکب ہر وہ اسم ہے کہ جو دو کلموں سے مرکب ہو اور ان کے درمیان کوئی نسبت نہ ہو یعنی ترکیب اسنادی اور اضافی اور توصیفی نہ ہو مصنف نے بجائے اسمین کے کلمتین اس وجہ سے کہا کہ تاکہ بخت نصر اور سیبویہ مرکب کی تعریف میں داخل ہو جاویں جو کہ اسمین کہنے پر خارج ہو جاتے ہیں چونکہ بخت نصر میں ثانی جز فعل اور سیبویہ میں ثانی جزو صورت ہے **قولہ فان تضمن**۔ یعنی پس اگر جزء ثانی کسی حرف کو متضمن ہو تو اسکے دونوں جزء مبنی ہونگے جزء اول تو اسلئے کہ وہ جزء ثانی کا محتاج ہے پس احتیاج میں حرف کے مشابہ ہے اور جزء ثانی اس لیے کہ وہ حرف کو جو کہ مبنی اصل ہے جیسے خمسۃ عشر وحادی عشر اور اسکے اخوات یعنی تسعۃ عشر وغیرہ کہ یہ سب مبنی ہیں اسلیے کہ انکا جزء ثانی حرف کو متضمن ہے مگر اثنا عشر اور اثنتا عشر کہ ان دونوں کا جزء ثانی فقط مبنی ہے اور جزء اول مبنی نہیں بلکہ معرب ہے حالانکہ مبنی ہونے کی علت اسمیں بھی پائی جاتی ہے۔ یعنی اسکا وسط کلمہ میں واقع ہونا جو کہ محل اعراب کا نہیں لیکن باوجود علت بناء کے جزء اول معرب ہے اور وجہ معرب ہونیکی یہ ہے کہ نون کے ساقط ہونے کی وجہ سے وہ مضاف کے ساتھ مشابہ ہے اور ترکیب اضافی مبنی ہونے کو واجب نہیں کرتی باقی رہا یہ امر کہ اثنا عشر سے نون کے حذف ہونے کی علت کیا ہے سو اس کا جواب ہے کہ جب بوجہ ترکیب کے واؤ کو انفصال کی خبر دیتا ہے حذف کیا گیا تو حذف نون بھی واجب ہو گیا تاکہ بادی النظر میں یہ معلوم ہو کہ یہاں انفصال نہیں اگر کوئی کہے کہ حذف نون سے اسکی مشابہت مضاف کے ساتھ کیوں ہوتی ہے تو جواب یہ ہے کہ نون تثنیہ اور جمع کا حذف معہود نہیں ہے مگر ساتھ اضافت کے پس جب اثنا عشر میں نون محذوف ہوا تو گویا کہ وہ مضاف ہے اور ترکیب اضافی مبنی ہونے کو واجب نہیں کرتی کما مر **قولہ وان لم یتضمن**۔ یعنی اگر جزء ثانی متضمن حرف کو نہ ہو تو وہ معرب ہوگا اور جزء اول افصح لغت کی بنا پر مبنی ہوگا اسلئے کہ وہ وسط کلمہ میں واقع ہے اور ثانی معرب غیر منصرف ہوگا **قولہ فیہ لغات** اس اسم مرکب میں چار لغت ہیں ایک ہر دو جزء کا اعراب مضاف ومضاف الیہ کے مانند اور جزء ثانی غیر منصرف لہذا اول کا رفع ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصب فتح کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ غرضیکہ جیسا عامل تقاضا کریگا ویسا ہی اعراب اس مرکب پر آجائیگا اور ثانی پر ہمیشہ نصب رہیگا چونکہ غیر منصرف میں جر نصب کے تابع ہے جیسے ہذا بعلبک ورأیت بعلبک ومررت ببعلبک دوسرا لغت پہلے جزء کا اعراب بحسب احوال ہوگا یعنی حالت رفع میں ضمہ آویگا اور حالت نصب میں فتح اور حالت جر میں کسرہ اور ثانی منصرف بحالت اسکا اعراب جر یعنی کسرہ کے ساتھ ہوگا جیسے ہذا بعلبک ورائت بعلبک ومررت ببعلبک تیسرا لغت ہر دونوں جزء مبنی فتح پر خمسۃ عشر کے ساتھ مشابہ ہونے کے سبب سے اس میں یہ ہر دو کلمہ ہیں جو کہ ایک دوسرے کے بعد آئے ہیں جیسے ہذہ بعلبک ورائت بعلبک ومررت ببعلبک چوتھا لغت وہ ہے جو کتاب میں مذکور ہے ہذہ بعلبک رائت بعلبک انظر الی بعلبک واللہ اعلم **قولہ غیر منصرف**۔ یہ یا تو مبتداء محذوف کی خبر ہونیکی بنا پر مرفوع ہے اے ہو یعنی جزء ثانی غیر منصرف ہے یا الجزء الثانی کی صفت ہونیکی بناء پر مجرور ہے یا مفعول مطلق ہونیکی بنا پر منصوب ہے مفعول مطلق ہونا مصدر مضاف کی تقدیر کے ساتھ ہے اعراب الثانی اعراب غیر منصرف **قولہ الکنایات** کنایات کنایہ کی جمع ہے یہ مصدر ہے جسکے معنے کسی شے کو کسی غرض کی وجہ سے ایسے لفظ سے تعبیر کرنا کہ اسپر وہ دلالت کرنے میں صریح نہ ہو لیکن یہاں پر اسکے یہ معنے مصدری مراد نہیں ہیں بلکہ حاصل مصدر مراد ہے یعنی ما یکنی بہا یعنی وہ اسماء جن سے کنایہ کیا جاتا ہے اور وہ بھی سب مراد نہیں ہیں بلکہ بعض ہیں چونکہ بعض اسماء کنایہ معرب ہیں جیسے فلان وفلانۃ کہ اعلام سے کنایہ ہے اور ہن وہنۃ سے اجناس کنایہ کیجاتی ہیں اسم کنایہ اصطلاح میں وہ اسم ہے جو عدد مبہم پر دلالت کرے یا مبہم بات پر **قولہ وہی کم کذا الخ** یعنی کم وکذا عدد سے کنایہ کیلئے آتے ہیں اور جاننا چاہیے کہ کم کی دو قسمیں ہیں استفہامیہ اور خبریہ کم استفہامیہ تو اسلئے مبنی ہے کہ وہ متضمن معنے حرف استفہام کو ہے اور کم خبریہ بناء میں اسپر محمول ہے اور کذا کاف تشبیہ اور ذا اسم اشارہ سے مرکب ہے اور وہ دونوں مبنی ہیں پس جو چیز کہ ان دونوں سے مرکب ہے وہ بھی مبنی ہوگی اور اگر کوئی کہے کہ زید بھی تین حرف سے مرکب ہے اور وہ تینوں مبنی اصل ہیں پس چاہیے کہ ان سے مرکب یعنی زید بھی مبنی ہو اور جواب یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے کذا دو اسم مبنی سے مرکب ہے لہذا وہ مبنی ہوگا بخلاف زید کہ وہ تین حرف سے مرکب ہے پس ترکیب کے بعد اسکا حکم نہ ہوگا جو کہ ترکیب سے پہلے حرف ہجا کا ہے ٭

وهو كَيْتَ وذَيْتَ واعلم انّ كم على قسمين استفهامية وما بعدها منصوب مفرد على التمييز نحو كم رجلاً عندك وخبرية وما بعدها مجرور مفرد نحو كم مالٍ انفقتہ او مجموع نحو كم رجالٍ لقيتهم ومعناه التكثير وتدخل من فيهما تقول كم من رجلٍ لقيتہ وكم من مالٍ انفقتہ وقد يحذف التمييز لقيام قرينةٍ نحو كم مالُك اى كم ديناراً مالك وكم ضربتَ اى كم ضربةٍ ضربتَ واعلم انّ كم فى الوجهين يقع منصوباً اذا كان بعده فعل غير مشتغل عنه بضميره نحو كم رجلاً ضربتُ وكم غلامٍ ملكتُ مفعولاً به ونحو كم ضربةً ضربتَ وكم ضربةٍ ضربتُ مصدراً وكم يوماً سرتَ وكم يومٍ صمتُ مفعولاً فيه

قولہ وہو کیت وذیت۔ یعنی کیت وذیت حدیث اور کلام سے کنایہ کے لئے آتے ہیں اور یہ دونوں مبنی ہیں۔ اور وجہ ان کے مبنی ہونے کی یہ ہے کہ یہ جملہ کی جگہ واقع ہوتے ہیں اور جملہ من حیث انہا جملۃ الخ پر نہ معرب ہے اور نہ مبنی مگر بوقت تقسیم اس کو مبنی میں داخل کرتے ہیں نیز جملہ صاحب مفصل زمخشری کے نزدیک مبنی ہے **قولہ وما بعدہا منصوب الخ** یعنی کم استفہامیہ کی تمیز منصوب اور مفرد ہوتی ہے جیسے کم دیناراً عندک اور کم خبریہ کی تمیز کبھی مجرور مفرد ہوتی ہے جیسے کم رجلٍ عندی اور کبھی مجرور مجموع ہوتی ہے کم رجالٍ عندی اسلئے کہ کم اعداد میں سے ہے اور اعداد کے لیے تین مرتبے ہیں قلیل اور کثیر اور وسط پس مناسب یہ ہے کہ کم تمیز عدد کے مراتب ثلاثہ کی تمیز کی طرح پر ہو پھر چونکہ کم استفہامیہ کی خبریہ سے اولیٰ درجہ استفہام کے بعد ہے لہٰذا انسب یہ ہے کہ کم استفہامیہ میں عدد وسط کا لحاظ رکھیں اسلئے کہ خیر الامور اوسطہا یعنی اسکی تمیز تو منصوب مفرد کریں جیسا کہ عدد وسط کی تمیز کو منصوب مفرد کرتے ہیں اسکے بعد کم خبریہ باقی رہا اور عدد کے دو مرتبہ باقی ہیں پس ان دونوں مرتبوں کی تمیز کا لحاظ کم خبریہ کی تمیز میں ہوگا اور یہی وجہ ہے کم خبریہ کی تمیز کو کبھی مجرور مفرد کرتے ہیں اور کبھی مجرور مجموع تاکہ کم استفہامیہ اور کم خبریہ کی تمیز عدد کے مراتب ثلاثہ کی تمیز کو شامل ہو جائے۔ **قولہ وتدخل من الخ۔** یعنی من بیانیہ کم استفہامیہ اور کم خبریہ دونوں کی تمیز کے شروع میں آتا ہے اور اس وقت اسکی تمیز مجرور ہوتی ہے اور اس وقت قرینہ سے معلوم ہوگا کہ کم استفہامیہ ہے یا کم خبریہ جیسے کم من رجلٍ لقیتہ اور کتنے آدمیوں سے تو نے ملاقات کی یہاں کم استفہامیہ کی تمیز پر من داخل ہے اور جیسے کم من مالٍ انفقتہ بہت مال میں نے خرچ کیا یہاں کم خبریہ کی تمیز پر من داخل ہے۔ لیکن جب کم اور اسکی تمیز کے درمیان فعل متعدی ہو تو اس وقت دونوں کی تمیز پر من کا داخل ہونا واجب ہے تاکہ اسکی تمیز اس فعل متعدی کے مفعول سے ملتبس نہ ہو جائے جیسے ارشاد باری تعالیٰ کم اَھلکنا من قریۃٍ (یعنے بہت سے شہروں کو ہم نے ہلاک کر دیا) **قولہ وقد یحذف۔** یعنی جس جگہ پر کم کی تمیز کے حذف پر قرینہ موجود ہو تو اس جگہ تمیز کو بھی حذف کر دیتے ہیں جیسے کم مالک وکم ضربت اول میں حذف تمیز کا قرینہ یہ ہے کہ معرفہ پر داخل نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ یہاں تمیز محذوف ہے اے کم درہما اور درہم مالک اور مثال ثانی میں حذف تمیز کا قرینہ یہ ہے کہ کم فعل پر نہیں ہوتا پس اس میں بھی تمیز محذوف ہے اے کم مرۃ اور کم مرۃ ضربت **قولہ واعلم ان کم۔** جاننا چاہیے کہ کم استفہامیہ اور خبریہ دونوں محلاً منصوب اور مجرور اور مرفوع ہوتے ہیں مصنف رحمہ اللہ نے اعلم سے ہر ایک کا موقعہ بتلاتے ہیں کہ کم دونوں صورتوں میں استفہامیہ ہو یا خبریہ منصوب ہوتا ہے جبکہ اسکے بعد ایک ایسا فعل یا شبہ فعل ہو جو اسکی (یعنی کم کی) ضمیر یا اسکے یعنی کم کے متعلق ضمیر کی سبب سے کم میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو مطلب یہ ہے کہ وہ فعل یا شبہ فعل کم کی ضمیر یا اسکے ضمیر کے متعلق میں عمل نہ کر رہا ہو تو اس وقت کم فعل مذکور کے عمل کے موافق محلاً منصوب ہوگا اور پھر فعل کا یہ عمل تمیز کے اعتبار سے ہوگا مثلاً اگر کم کی تمیز میں مفعول بہ ہونے کی صلاحیت ہے تو کم فعل مذکور کا مفعول بہ ہوگا اور اگر اس میں مفعول مطلق ہونے کی صلاحیت ہے تو کم فعل مذکور کا مفعول مطلق ہوگا علیٰ ہذا القیاس وہ مفعول فیہ بھی ہوگا جیسے کم رجلاً ضربت کتنے آدمی کو تو نے مارا کم استفہامیہ کے مفعول بہ ہونے کی مثال ہے۔ اسمیں کم بنا بر مفعول بہ ضربت کا معمول منصوب ہے اسلئے کہ اس کی تمیز رجلاً میں مفعول بہ ہونے کی صلاحیت ہے اور جیسے کم غلام ملکت بہت سے غلام کا مالک ہوا میں کم خبریہ کے مفعول بہ ہونے کی مثال ہے **قولہ مفعولاً بہ یکون۔** فعل محذوف کا خبر ہے اسیطرح مصدراً اور مفعولاً فیہ میں تقدیر عبارت اسطرح ہے کہ دیکون کم فی ہذین المثالین مفعولاً بہ اگر اذ تکلمی ہو سکتا ہے کہ مفعول بہ کم رجلاً اور کم غلام میں سے ہر ایک سے حال ہو یعنی جیسے کم رجلاً ضربت اور کم غلام ملکت درانحالیکہ کم ان دونوں مثالوں میں مفعول بہ ہے اسیطرح مصدراً کم ضربۃً اور کم ضربۃٍ میں سے ہر ایک سے حال ہو سکتا ہے اسی طرح مفعولاً فیہ کم یوماً اور کم یومٍ میں سے ہر ایک سے حال ہو سکتا ہے اور جیسے کم ضربۃً ضربت کم استفہامیہ کے مفعول مطلق ہونے کی مثال ہے اور کم میں ضربۃً تمیز ہے جو اپنی تمیز سے مل کر ضربت فعل کا مفعول مطلق ہے اسلئے کہ تمیز ضربۃ میں مفعول مطلق ہونے کی صلاحیت ہے اور جیسے کم ضربۃٍ ضربت کم خبریہ کے مفعول مطلق ہونے کی مثال ہے **قولہ مصدراً** اس سے مفعول مطلق مراد ہے اسکی ترکیب گذر چکی ہے اور جیسے کم یوماً سرت کم استفہامیہ کے مفعول فیہ ہونے کی مثال ہے اسمیں کم یوماً مفعول فیہ سرت کا ہے اسلئے کہ کم کی تمیز یوماً میں مفعول فیہ ہونے کی صلاحیت ہے اور جیسے کم یومٍ صمت کم خبریہ کے مفعول فیہ ہونے کی مثال ہے **قولہ مفعولاً فیہ۔** اسکی ترکیب گذر چکی ہے۔

◆ ◆ ◆

ومجرورًا اذا كان قبله حرف جرّ او مضاف نحو بكم رجلًا مررتَ وعلى كم رجلٍ حكمتَ و غلامَ كم رجلًا ضربتَ ومالَ كم رجلٍ سلبتَ ومرفوعًا اذا لم يكن شيءٌ من الامرين مبتدأ ان لم يكن ظرفًا نحو كم رجلًا اخوك وكم رجلٍ ضربتُه وخبرًا ان كان ظرفًا نحو كم يومًا سفرُك وكم شهرٍ صومي **فصل** الظروف المبنية على اقسام منها ما قُطع عن الاضافة بان حُذف المضاف اليه كقبلُ وبعدُ وفوقُ وتحتُ قال الله تعالى لله الامر من قبلُ ومن بعدُ اى من قبل كلّ شيءٍ ومن بعد كلّ شيءٍ هذا اذا كان المحذوف منويًّا للمتكلم والّا لكانت معربة وعلى هذا قُرئ لله الامر من قبلٍ ومن بعدٍ وتسمّى الغايات ومنها حيثُ بُنيت تشبيهًا لها بالغايات لملازمتها الاضافة الى الجملة في الاكثر قال الله تعالى سنستدرجهم من حيثُ لا يعلمون وقد يُضاف الى المفرد كقول الشاعر اما ترى حيثَ سهيلٍ طالعًا ۞ اى مكان سهيلٍ فحيث هٰهنا بمعنى مكان

قولہ مجرورا اذا کان یعنی اگر کم استفہامی یا خبری کے قبل حرف جر ہو یا مضاف ہو تو وہ مجرور ہوتا ہے جیسے بکم درہما اشتریت غلام کم رجل اکرمت اور اگر کوئی کہے کہ کم کیلئے تو صدارت کلام ضروری ہے پس اس پر حرف جر کیوں کر داخل ہوگا یا مضاف اس پر کس طرح مقدم ہوگا جواب یہ ہے کہ چونکہ عمل جار کا ضعیف ہے لہٰذا اس کا مجرور سے موخر ہونا ممتنع ہے پس بنا بریں علیہ کم پر جار کے مقدم ہونے کو نحاۃ نے جائز رکھا اور جار مجرور کو حکم میں کلمہ واحد کے کر کے کم مستحق صدارت ہی رکھنا تاکہ مجرور اپنے مرتبہ سے ساقط نہ ہو۔ **قولہ ومرفوعا الخ** یعنی جب ان دونوں وجہوں میں سے جو اوپر مذکور ہوئیں کوئی وجہ نہ ہو۔ تو اس وقت کم بنا بر مبتدا ہونے کے مرفوع ہوگا بشرطیکہ ظرف نہ ہو جیسے کم رجلا اخوک اور بنا بر خبر ہونے کے مرفوع ہوگا اگر وہ ظرف ہوگا جیسے کم یوما سفرک **قولہ منہا ما قطع عن الاضافۃ** ظروف میں سے بعض وہ ظروف ہیں جو مبنی ہیں اور وہ وہ ہیں جو اضافت سے قطع کئے گئے جیسے قبل و بعد اور تفصیل یہ ہے کہ قبل اور بعد لازم الاضافت ہیں پس دیکھنا یہ ہے کہ انکا مضاف الیہ مذکور رہے یا محذوف اگر مذکور ہو تو اسوقت یہ معرب ہونگے اور محذوف ہو تو دو صورتیں ہیں مضاف الیہ نسیا منسیا کے درجہ میں ہوگا۔ یا محذوف منوی ہوگا اگر نسیا منسیا ہو تو دونوں معرب ہوں گے اور محذوف منوی ہو تو اس وقت مبنی ہونگے کیونکہ اس صورت میں مضاف الیہ کی طرف محتاج ہونے میں انکی مشابہت حرف کے ساتھ ہے **قولہ وتسمی الغایات** یعنی وہ ظرف جو اضافت سے قطع کئے گئے ہیں ان کو غایات کہا جاتا ہے غایات غایت کی جمع ہے غایت کے معنی منتہی کے ہیں انکو غایات اسوجہ سے کہتے ہیں کہ انکے بولنے کے بعد یہ توقع ہوتی ہے کہ ان کا تکلم انکے مضاف الیہ پر ختم ہوگا جب انکے مضاف الیہ کے بلا عوض حذف کر دیا تو خلاف توقع کے ان کا تکلم ان پر ختم ہوگیا تو گویا کہ یہ نطق میں غایت ہوگئے اس وجہ سے ان کا نام غایات رکھدیا بخلاف ان کے جن کے مضاف الیہ کو حذف کر کے عوض . . . . تنوین وغیرہ لے آتے ہیں جیسے کل بعض اذ وغیرہ تو انکو غایات نہیں کہا جائے گا چونکہ وہاں انپر غایات تکلم کی نہیں ہوتی ہے بلکہ مضاف الیہ پر ہوتی ہے چونکہ مضاف الیہ کا عوض وہاں پر موجود ہے جاننا چاہیے کہ قبل و بعد کے انکے مشابہ ہیں جیسے امام بفتح اول اور قدام بالضم والتشدید اول ہر دو بمعنی پیش اور وراء بالمد بمعنے پیچھے اور آگے اور خلف بمعنے پیچھے اور اعلی اور دون اور اول بمعنے قبل وغیرہ یہ سب بھی مبنی علی الضم ہیں انکی بناء کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرف کے معنے کو کم استفہام کے معنے کو شامل ہے نیز جاننا چاہیے کہ لفظ لیس اور لا غیر اور لیس غیر باوجود یکہ ظرف نہیں ہیں لیکن حذف مضاف الیہ اور مبنی بر ضم ہونے میں ظروف مقطوع الاضافت کے قائم مقام ہیں بعد ان کے دونوں کا ظروف مذکورہ کے قائم مقام ہونا ان کے زیادہ ابہام میں مشابہ ہونیکی وجہ سے ہے اور لفظ حسب کو لفظ غیر کے ساتھ کثرت استعمال اور عدم تعریف بالاضافت میں مشابہ ہونیکی وجہ سے قائم مقام ظروف مذکورہ کے کیا گیا ہے۔ **قولہ ومنہا حیث** یعنی ظروف مبنیہ میں سے حیث ہے۔ یہ جمہور نحاۃ کے نزدیک مکان کے لیے آتا ہے لیکن اخفش کے نزدیک کبھی زمان کے لیے بھی آجاتا ہے اور وہ اکثر جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے اور جملہ من حیث ہی جملہ اگرچہ مضاف اور مضاف الیہ نہیں ہوتا مگر بتاویل مصدر ہو کر مضاف الیہ ہو جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ مضاف الیہ دراصل مصدر ہے جو کہ مذکور نہیں اور جب حیث کا مضاف الیہ مذکور نہ ہوا تو وہ مضاف الیہ کا محتاج ہوگا اور عدم ذکر مضاف الیہ میں اسکی مشابہت غایات یعنی ظروف مقطوعۃ عن الاضافۃ کے ساتھ ہوگی لہٰذا مبنی ہوگا جیسے مثلاً اجلس حیث زید جالس کے معنے اجلس مکان جلوس زید کے ہیں۔ **قولہ قد یضاف الی المفرد** اور حیث کبھی مفرد کیطرف بھی مضاف ہو کر مستعمل ہوتا ہے اور اسوقت وہ معرب یا مبنی ہوگا اس میں اختلاف ہو رہا ہے بعض بناء کے قائل ہیں اور بعض معرب ہونے کے قائل چونکہ بناء کی علت اضافت الی الجملہ تھی اور وہ زائل ہوگئی۔ لیکن مشہور اسکا مبنی ہونا ہے چونکہ مفرد کیطرف اضافت بطور شذوذ کے ہے تو قابل اعتبار نہیں اسوجہ سے اضافت متغیر نہ ہوگی **قولہ اما تری الخ** مصنف حیث کے مفرد کیطرف مضاف ہونے کی استشہاد میں شعر لایا ہے پورا شعر یہ ہے سہ اما تری حیث سہیل طالعا ۞ نجما یضئ کالشہاب ساطعا۔ (باقی بر صفحہ ۱۱۹ پر) ۞

وَشَرطُهٗ اَنْ يُّضَافَ اِلَى الجملة نحو اِجْلِسْ حَيْثُ يَجْلِسُ زَيْدٌ وَمِنْهَا اِذَا وهِيَ لِلْمُسْتَقْبَلِ وَاِذَا دَخَلَتْ عَلَى الماضِي صار مستقبلا نحو اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وفيها معنى الشرطِ ويجوز اَنْ تَقَعَ بعدها الجملةُ الاسمية نحو اٰتيكَ اِذَا الشمسُ طالعةٌ والمختارُ الفعلية نحو اٰتيكَ اذا طَلَعَتِ الشمسُ وقد تكون للمفاجاةِ فيُختار بعدها المبتدأ نحو خَرَجْتُ فاذا السبعُ واقفٌ ومنها اِذْ وهي للماضي وتقعُ بعدها الجملتان الاسمِيةُ والفعليةُ نحو جئتُكَ اذ طَلَعَتِ الشمس واذ الشمسُ طالعةٌ ومنها اَيْنَ واَنّٰى للمكانِ بمعنى الاستفهامِ نحو اين تمشي واَنّٰى تقعدُ وبمعنى الشرطِ نحو اَيْنَ تجلِسْ اجلِسْ واَنّٰى تقُمْ اَقُمْ ومنها متٰى للزمانِ شرطا واستفهاما نحو متٰى تصُمْ اصُمْ ومتٰى تسافِر

اس میں حیث سہیل مفرد کی طرف مضاف ہے یہ سبب ہے جبکہ سہیل بروایت جر ہو۔ بعض روایتوں میں سہیل مرفوع آیا ہے۔ اسوقت سہیل مبتدا محذوف الخبر ہے چونکہ خبر پر حال دلالت کرتا ہے اسوجہ سے حذف کر دیا گیا اسوقت حیث جملہ کیطرف مضاف ہو جاویگا استشہاد اس سے باطل ہوگا اور تقدیر عبارت ہو گی حیث سہیل موجود جاننا چاہیے کہ حیث میں اختلاف ہے آیا کہ لازم الظرفیۃ ہے یا نہیں ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ لازم الظرفیۃ نہیں اور جب یہ لازم الظرفیۃ نہیں تو لہذا مفعول بہ وغیرہ واقع ہوسکتا ہے چنانچہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شعر میں حیث تری مفعول بہ ہے معنے مکان سہیل کے ہوں گے جیسا کہ آئیہ کریمہ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اسکا اس شعر میں مفعول بہ ہونا اسوقت ہوگا کہ نجم بجر کہ دوسرے مصرع میں ہے جر کے ساتھ سہیل سے بدل ہو دوسری جماعت کہتی ہے کہ سہیل لازم الظرفیۃ ہے لہذا اس شعر میں اپنی ظرفیۃ پر باقی ہے اور نجم تری کا مفعول بہ ہے اور تری رویت البصر سے ماخوذ ہے نہ رویت قلبی سے اور اس وقت طالعاً سہیل سے حال ہوگا اور ساطعاً نجماً سے اما حرف تنبیہ ہے تری رؤیت سے ماخوذ ہے . . . . یعنے دیکھنا حیث بمعنے جگہ سہیل ایک ستارہ کا نام ہے طالعا طلوع سے یعنے نکلنا نجم ستارہ یضیئ اضاءۃً یعنے روشن کرنا سے الشہاب شعلہ ساطعا اسم فاعل سطوع بمعنے چمکنا سے **قولہ وشرطہ الخ** حیث کی شرط یعنی حیث کے بنار کی شرط استعمال غالب میں یہ ہے کہ وہ جملہ کیطرف مضاف ہو خواہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ اول کی مثال اجلس حیث یجلس زید ثانی کی مثال اجلس حیث زید جالس حیث کی شرط یہ اسوجہ سے ہوتی ہے کہ حیث اس مکان کیلئے موضوع ہے جسمیں نسبت واقع ہو لہذا حیث جملہ کی طرف مضاف ہے چونکہ جملہ بغیر اسکے معنے کی تعیین نہیں ہوتی جیسے اسم موصول کہ بلا صلہ کے معنے تام نہیں ہوتے ہیں اور حیث کے معنے کی تعیین بغیر جملہ اسوجہ سے نہیں ہوتی کہ حیث ایسے مکان کے واسطے موضوع ہے جس میں نسبت واقع ہوتی ہے **قولہ منہا اذا الخ** یعنے ظروف مبنیہ میں سے اذا ہے اور وہ زمانہ مستقبل کیلئے ہے اور جب یہ ماضی پر داخل ہوتا ہے تو ماضی اکثر مستقبل کے معنے میں ہو جاتی ہے جیسے اذا جاء نصر اللہ اور کبھی مستقبل کے معنے میں نہیں ہوتی ہے جیسے اذا بلغ مغرب الشمس اور اذا کے مبنی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے **وفیہا معنے الشرط** یعنی اور اذا میں معنے شرط کے پائے جاتے ہیں۔ یعنی ایک جملہ کا مضمون دوسرے مضمون جملہ پر مرتب ہونا لہذا اس کے بعد جملہ فعلیہ کا لانا مختار ہے کیونکہ فعل کو شرط کیساتھ مناسبت ہے البتہ اس کے بعد جملہ اسمیہ کا واقع ہونا جائز ہے لہذا آتیتک اذا الشمس طالعۃ بولنا درست ہوگا کیونکہ یہ معنے شرط کیلئے موضوع نہیں ہے اور اسمیں شرط کے معنے بھی راسخ نہیں ہے بلکہ کبھی شرط کے معنے کو متضمن ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا **قولہ وقد یکون للمفاجاۃ** یعنی کبھی اذا حرف مفاجاۃ کے لئے آتا ہے **مفاجاۃ** فجارۃ مہموز اللام سے باب مفاعلہ کا مصدر ہے بمعنے کسی چیز کو اچانک لے لینا یا کسی چیز کو اچانک پالینا یعنی اذا کبھی کسی چیز کے اچانک ہوتے یا ملنے پر دلالت کرنے کے لیے آتا ہے اور اسوقت اسمیں معنے شرط کے نہیں ہوتے لہذا اسکے بعد مبتدا کا ہونا مختار ہے تاکہ اذا مفاجاتیہ اور شرطیہ میں فرق ہو جائے لفظ یختار سے مصنف اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اذا مفاجاتیہ کے بعد مبتدا کا لانا واجب نہیں ہے بلکہ اولی اور مختار ہے قول مصنف فیختار میں فا ریا عطف کیلئے یا شرط محذوف کے جواب میں ہے اے اذا کان للمفاجاۃ **قولہ ومنہا اذ** یعنی ظروف مبنیہ میں سے اذ ہے اور وہ ماضی کیلئے آتا ہے اگرچہ مستقبل پر داخل ہو پھر اذ کے مبنی ہونے کی وجہ یا تو وہی ہے جو حیث میں مذکور ہوئی یا اسکی وضع کا مثل وضع حرف کے ہونا اسکے مبنی ہونیکا سبب ہے اور چونکہ اذ معنے شرط کو متضمن نہیں ہوتا لہذا اسکے بعد دونوں قسم کے جملے یعنی اسمیہ اور فعلیہ کا واقع ہونا درست ہوتا ہے **قولہ منہا این الخ** یعنی ظروف مبنیہ میں سے این اور انی ہیں جو مکان کے لیے اور استفہام وشرط کیلئے آتے ہیں این اور انی کے مبنی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں معنے حرف شرط اور استفہام کو متضمن ہوتے ہیں قول مصنف للمکان یہ این یا انی کی صفت ہے اے این وانی الکائنتان للمکان یا مبتدا محذوف کی خبر ہے اے ہما کائنتان للمکان اور بمعنے الاستفہام اور بمعنے الشرط حال ہے جب یہ استفہام کے لیے ہوتا ہے تو اس کا ترجمہ کہاں اور شرط کے لئے جب ہو تو اسکے معنے جہاں ہے اور انی کیف کے معنے میں بھی آتا ہے جیسے آیت کریمہ فأتوا حرثکم انی شئتم یعنے کیف شئتم **قولہ منہا متی** اسماء ظروف مبنیہ میں سے ایک متی ہے جو زمان کے ساتھ مختص ہے۔ شرط اور استفہام کے لیے آتا ہے شرط کی مثال متی تصم اصم جس وقت تو روزہ رکھے گا میں رکھوں گا

(باقی بر صفحہ ۱۲۰ پر)

◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆

ومنها كيف للاستفهام حالاً نحو كيف انت اى فى اىّ حالٍ انت ومنها ايّان للزمان استفهاماً نحو ايّان يومُ الدّين ومنها مذ ومنذ بمعنى اول المدّة ان صلح جواباً لمتى نحو ما رأيتُه مذ ومنذُ يومُ الجُمُعةِ فى جواب من قال متى ما رأيت زيداً اى اوّلُ مدة انقطاع رؤيتى اياه يومُ الجمعة وبمعنى جميع المدّة ان صلح جواباً لكم نحو ما رأيتُه مذ ومنذ يومان فى جواب مَنْ قال كم مدةً ما رأيتَ زيداً اى جميع مدة ما رأيتُه يومانِ ومنها لَدَى ولَدُنْ بمعنى عِندَ نحو المالُ لَدَيك والفرقُ بينهما انّ عند لا يشترط فيه الحضور ويشترط ذلك فى لدى ولدن وجاء فيه لغاتٌ اُخر لَدْنِ ولُدْن ولَدَنْ ولَدُ ولُدْ ولِدْ۔

اور استفہام زمانی کی مثال متی تسافر کب سفر کریگا اسکے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ استفہام اور شرط کے معنے کو شامل ہے قول مصنف شرطاً واستفہاماً یا بنابر تمیز منصوب ہے یا بنابر حال **قولہ ومنہا کیف** یعنی ظروف مبنیہ میں سے ایک کیف ہے جو حالت دریافت کرنے کیلئے آتا ہے جیسے کیف انت یعنی تو کیسا ہے اچھا یا بیمار وغیرہ حال سے مراد صفت ہے اور کیف ما کے ساتھ مل کر شرط کے واسطے بھی آتا ہے۔ بصریین کے مذہب پر بطریق ضعف کے اور کوفیوں کے نزدیک کیف مطلقاً ظروف مکان ہے چونکہ جیسے اسماء ظروف عمل کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی عمل کرتا ہے جیسے کیف زید ضاحکا سیبویہ کہتا ہے۔ کہ اسم صریح ہے ظرف نہیں ہے۔ چونکہ اسکے جواب میں صحیح یا سقیم یا انکا مثل واقع ہوتا ہے اگر یہ اسم ظرف ہوتا تو ان کا واقع ہونا جواب میں درست نہ ہوتا بلکہ کسی ظرف سے جواب دیا جاتا اور یہ مبنی اسوجہ سے ہے کہ یہ حرف استفہام کے معنے کو شامل ہے۔ **قولہ ومنہا ایان** یعنی ایان استفہام کے لیے خاص ہے اسمیں شرط کے معنے نہیں آتے ہیں جیسے ایان یوم الدین جزا کا دن کب ہے ایان اور متے میں فرق یہ ہے کہ ایان صرف زمانہ مستقبل کیلئے اور امور عظام دریافت کرنیکے لئے آتا ہے جیسے ایان یوم الدین پس ایان یوم قیام زید اور ایان قدم الحاج نہیں بولا جاویگا بخلاف متے کے کہ وہ عام ہے زمانہ ماضی ومستقبل کیلئے آتا ہے۔ اور ایسے ہی امور عظام وغیرہ عظام سبکے دریافت کیلئے آتا ہے۔ یہ چونکہ استفہام کے معنے کو شامل ہے اسوجہ سے مبنی ہے اس میں مشہور لغت ہمزہ اور نون دونوں کا فتحہ ہے۔ اور ہمزہ اور نون دونوں کا کسرہ بھی آیا ہے۔ **قولہ مذ ومنذ الخ** جاننا چاہیے کہ کسی کلمہ کی تصغیر اسکی اصل پر دلیل ہوتی ہے مذ کی تصغیر منیذ آتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ مذ کی اصل منذ ہے اور مذ اسکی فرع ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو جاننا چاہیے کہ یہاں ایک اعتراض پڑتا ہے کہ مذ فرع منذ کی ہے اور فرع کو اصل کے بعد ذکر کیا جاتا ہے اسوجہ سے چاہیے تھا کہ منذ کو پہلے ذکر کرتا اور مذ کو بعد میں لیکن مصنف نے مذ کو پہلے ذکر کیا ہے جواب چونکہ مذ منذ سے خفیف ہے مصنف نے خفت کا لحاظ کر کے مذ کو منذ سے پہلے ذکر کر دیا مذ اور منذ کا استعمال دو طرح پر ہوتا ہے ایک بطور حرف جر اور ایک بطور اسم کے جسوقت یہ حرف جر ہوں تو انکا مبنی ہونا ظاہر ہے اور جسوقت یہ اسم ہوں تو یہ اس وجہ سے مبنی ہیں کہ یہ اس مذ اور منذ کے ساتھ مشابہ ہیں جو حروف جر ہیں دوسرے اسوجہ سے کہ مذ کی وضع حرف کی وضع کے مانند ہے اور منذ اس پر محمول ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ غایات کے ساتھ مشابہ ہیں کہ جسطرح غایات مقطوع عن الاضافۃ ہوتے ہیں اسی طرح یہ ہیں مگر چونکہ یہ مقطوع عن الاضافۃ المعنویہ ہیں اسوجہ سے یہ ہمیشہ مبنی ہوتے ہیں بخلاف غایات کے **قولہ بمعنے اول المدۃ** مذ اور منذ جب کہ یہ اسم ہوتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کے دو معنے آتے ہیں ایک انکے معنے اول مدۃ کے ہیں یعنی کسی فعل کی شروع مدۃ یعنی فعل کی امید ہونے کا زمانہ بتاتے ہیں اور دوسرے معنے جمیع مدۃ کے ہیں یعنی فعل کا وجود جتنے زمانہ میں ہوا ہو اسکو بتاتے ہیں رہا یہ امر کہ اول مدۃ کے معنے میں کب ہوتا ہے اور جمیع مدۃ کے معنے میں کب تو اس کا قرینہ تو مصنف نے بیان کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مذ اور منذ جس جگہ استعمال ہوا ہے آیا کہ وہ متے اور کم ان دونوں میں سے کسی کے جواب بننے کی قابلیت رکھتا ہے اگر وہ متی کا جواب ہو سکتا ہے تو وہاں اول مدۃ کے معنے میں مستعمل ہے اور اگر وہ کم کا جواب بن سکتا ہے تو وہ جمیع مدۃ کے معنے میں ہے جیسا کہ کتاب کی امثلہ سے ظاہر ہے دوسرا قرینہ یہ ہے کہ جب اول مدۃ کے معنی میں آتے ہیں تو اسوقت انکے بعد مفرد معرفہ بغیر فصل کے واقع ہوتا ہے اسلئے کہ اول مدۃ امر واحد معین ہے جیسے ما رأیتہ مذ یوم الجمعۃ اور جمیع مدۃ کے لیے آتے ہیں تو اسوقت انکے بعد عدد کا وہ مجموعہ متصل ہوتا ہے کہ جسکا قصد کیا گیا ہے خواہ معدود ہو یا تثنیہ یا جمع جیسے ما رأیتہ مذ یومان اور منذ ثلاثۃ ایام یعنی اسکو میرے نزدیک دیکھنے کی تمام مدۃ یہ ہے جاننا چاہیے کہ مذ اور منذ میں سے ہر ایک ترکیب میں مبتدا ہوتا ہے اسلیے کہ دونوں بتاویل اضافت اور معنی میں۔ اول مدۃ یا جمیع مدۃ کے ہیں اور مابعد اسکا خبر ہے بخلاف زجاج نحوی کے کہ اسکے نزدیک مذ اور منذ خبر مقدم اور اسکا مابعد مبتدا مؤخر ہیں زجاج کی دلیل یہ ہے کہ دونوں نکرہ ہیں لہذا مبتدا نہیں ہو سکتے ہیں جمہور کہتے ہیں کہ دونوں مؤول بمعرفہ ہیں۔ **قولہ منہا لدی** یعنے ظروف مبنیہ میں سے لدی اللام اور لدن ہیں اور اسمیں چند لغت ہیں جیسا کہ مصنف آگے بیان کرتا ہے ان ظروف کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انمیں سے بعض تو قلت بناء میں مشابہ حرف کے ہیں اور باقی ان پر محمول ہیں مصنف کہتا ہے کہ لدی اور لدن عند کے معنے میں ہیں لیکن جاننا چاہیے کہ ان دونوں میں دو فرق ہیں ایک فرق جسکو مصنف نے بیان کیا یہ ہے کہ عند میں حضور شرط نہیں یعنی شے کا مدخول عند کے پاس ہونا ضروری نہیں ہے المال عندک اسوقت بھی بول سکتے ہیں جبکہ مخاطب کے ساتھ مال نہ ہو بلکہ اس کے خزانہ میں ہو اور لدی نہیں بول سکتے بلکہ اسمیں حضور شرط ہے دوسرا فرق یہ ہے کہ لدن اور اس کے لغات کو ابتداء کے معنے لازم ہیں اسوجہ سے انکے ساتھ لفظ من کا ہونا لازم ہوتا ہے لفظاً ہو یا تقدیراً اور عند میں ابتداء کے معنے لازم نہیں اسوجہ سے وہاں من کا ہونا ضرور نہیں ہے ❁ ❁ ❁

ومنها قطُّ للماضي المنفي نحو رأيتُه قطُّ ومنها عوضُ للمستقبل المنفي نحو لا اضربُه عوضُ واعلم انّه اذا اُضيفَ الظروفُ الى الجملة او الى اذ جاز بناؤُها على الفتح كقوله تعالى هذا يومَ ينفعُ الصّٰدقينَ صدقُهم وكيومئذٍ وحينئذٍ وكذلكَ مثل وغير معَ ما وانْ وانَّ تقول ضربتُه مثلَ ما ضربَ زيدٌ وغيرَ انّ ضربَ زيدٌ ومنها امسِ بالكسر عند اهلِ الحجاز والخاتمة في سائرِ احكام الاسم ولواحقه غير الاعراب والبناء وفيها فصول فصل اعلم انّ الاسم على قسمين معرفةٌ ونكرةٌ المعرفة اسمٌ وضع لشيءٍ معين وهي ستة اقسامٍ المضمراتُ والاعلام والمبهمات اعني اسماء الاشاراتِ والموصولاتُ والمعرفُ باللام والمضاف الى احدها اضافةً معنويةً والمعرف بالنداء

قولہ منہا قط الخ یعنی ظروف مبنیہ میں سے قط ہے اور وہ ماضی منفی میں استغراق نفی کے لیے آتا ہے جیسے ما ضربتہ قط یعنی میں نے اس کو کبھی نہیں مارا اور قط کبھی مخفف آتا ہے پس حرف کے ساتھ قلت بنا میں مشابہ ہوگا لہذا مبنی ہوگا **قولہ منہا عوض** ۔ یعنی مستقبل منفی میں استغراق نفی کے لیے آتا ہے جیسے لا اکلہ عوض یعنی میں اسکو کبھی نہیں کھاؤنگا اور چونکہ مضاف الیہ عوض کا محذوف معنوی ہوتا ہے۔ لہذا یہ بھی مبنی ہوگا **قولہ اذا اضیف الظروف** یعنی وہ ظروف جو جملہ یا کلمہ اذا کی طرف مضاف ہوتے ہیں تخفیف کی وجہ سے انکا مبنی فتحہ پر ہونا جائز ہے جیسے یوم ینفع الصادقین صدقھم کہ یہاں یوم جملہ کیطرف مضاف ہے اور مبنی فتحہ پر ہے اسی طرح ومن خزی یومئذ کہ اس میں یوم اذا کی طرف مضاف ہے اور مبنی بر فتحہ ہے تنبیہ قولہ جاز سے معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح ان ظروف کا جو کہ جملہ یا اذ کیطرف مضاف ہیں مبنی بر فتحہ پڑھنا جائز ہے اسی طرح ان کو معرب بھی پڑھ سکتے ہیں پس اول میں یوم کو بنا بر خبر مبتدا کے مرفوع اور ثانی میں خزی کے مضاف الیہ ہونے کی بنا پر مجرور پڑھ سکتے ہیں **قولہ کذلک مثل الخ** یعنی اسی طرح لفظ مثل اور غیر جبکہ ما اور ان مصدریہ اور ان مشبہ کے ساتھ واقع ہوں جو اعراب اور بنا میں ظروف مذکورہ کے مثل ہونگے اسلئے کہ یہ جملہ کی طرف مضاف ہونے میں ظروف مذکورہ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں لہذا ان دونوں کا مبنی بر فتحہ ہونا بھی جائز ہے اور معرب ہونا بھی جیسے قیامی مثل ما قام زید و مثل ان قام زید و قیامی غیر ما قام زید **قولہ امس الخ** امس کل گذشتہ کے معنے میں ہے بعض کے نزدیک کسرہ پر مبنی ہے اور معرفہ ہے اور بعض کے نزدیک معرب اور معرفہ ہے اور جب مضاف ہوتا ہے یا لام اس پر داخل ہوتا ہے یا نکرہ کیا جاتا ہے تو بالاتفاق سب کے نزدیک معرب ہوتا ہے بولا جاتا ہے مضی امسنا معنی الامس المبارک کل غد صار امسا **قولہ الخاتمۃ فی سائر الاحکام** ۔ سائر سور سے مشتق ہے (جھوٹا) جو چیز کھائی گئی اس کا بقیہ لہذا سائر بمعنے باقی ہے غیر الاعراب والبناء الاحکام کی صفت ہے۔ **قولہ اعلم ان الاسم الخ** چونکہ معرفہ مطلوب اصلی اور کثیر الاستعمال ہے لہذا مصنف نے معرفہ کو نکرہ پر مقدم کیا۔ **قولہ المعرفۃ اسم** ۔ یعنی معرفہ وہ اسم ہے جو وضع جزی اور وضع کلی کے ساتھ کسی شی معین کے لیے وضع کیا گیا ہو قولہ وضع شی جنس ہے معرفہ اور نکرہ دونوں کو شامل ہے قولہ معین فصل ہے نکرہ کو خارج کرتی ہے اور وضع جزئی وہ ہے جس میں موضوع لہ جزئی بعینہ کا لحاظ کیا جائے جیسے زید اور بکر اور وضع کلی سے مراد یہ ہے کہ جس میں موضوع لہ کو عنوان عام کے ساتھ لحاظ کیا جائے جیسے مضمرات پس انا میں مثلاً واضع نے اول مراد کلی یعنی متکلم واحد کے مفہوم کا لحاظ کیا اور اس کو افراد کے ملاحظہ کیلئے آلہ بنایا اور پھر اس مفہوم کلی کے افراد میں سے ہر ہر فرد کے لئے بخصوصہ انا کو وضع کیا۔ **قولہ وہی ستۃ اقسام الخ** ۔ یعنی معرفہ چھ قسم پر ہے اول مضمرات دوم اعلام یہ علم کا جمع ہے سوم مبہمات یعنی اسماء اشارات اور موصولات انکو مبہمات اس لیے کہتے ہیں کہ اسم اشارہ بغیر اشارہ حسیہ کے مخاطب کے نزدیک مبہم ہوتا ہے متکلم جب تک مشار الیہ کیطرف اشارہ حسیہ نہ کرے اس وقت تک مخاطب نہیں سمجھ سکتا کہ متکلم کی اسم اشارہ سے کیا مراد ہے۔ کیونکہ متکلم کے پاس چند اشیاء ہیں۔ جن میں سے ہر ایک مشار الیہ کا احتمال رکھتی ہے اور موصول بغیر صلہ کے مبہم رہتا ہے چہارم معرف باللام خواہ وہ لام عہدی ہو جیسے ادخل السوق پس السوق پر لام عہد ذہنی ہے (یعنی میں داخل ہونگا اس بازار میں جو میرے اور تیرے درمیان معہود ذہنی ہے) اور جیسے قولہ باری تعالی کما ارسلنا الی فرعون رسولا فعصی فرعون الرسول اس آیت میں الرسول پر لام عہد خارجی ہے خواہ لام جنسی ہو جیسے الرجل خیر من المراۃ (ماہیت مرد بہتر ہے ماہیت عورت سے) خواہ لام استغراقی ہو جیسے ان الانسان لفی خسر جمیع الانسان (تحقیق کہ تمام انسان ٹوٹے میں ہیں) پنجم وہ اسم جو امور مذکورہ میں سے کسی ایک کی طرف اضافت معنویہ کے ساتھ مضاف ہو جیسے غلامہ اور غلام زید اور غلام الذی عندی ششم معروف بحرف ندا جیسے یا رجل۔

◆

والعَلَمُ ما وُضِعَ لشيءٍ مُعَيَّنٍ لا يتناوَلُ غيرَهُ بوضعٍ واحدٍ وأعرفُ المعارفِ المضمرُ المتكلّمُ نحو انا ونحنُ ثم المخاطَبُ نحو انتَ ثم الغائبُ نحو هُوَ ثم العَلَمُ ثم المبهماتُ ثم المعرّفُ باللام ثم المعرفُ بالنداءِ والمُضافُ في قوةِ المضافِ اليه والنكرةُ وُضِعَ لشيءٍ غيرِ مُعيّنٍ كرجلٍ وفرسٍ **فصل** اسماءُ العددِ ما وُضِعَ ليدُلَّ على كميةِ آحادِ الاشياءِ واصولُ العددِ اثنتا عشرةَ كلمةً واحدةٌ الى عشرةٍ ومائةٌ والفٌ واستعمالُهُ من واحدٍ الى اثنين على القياسِ اعني للمذكرِ بدونِ التاءِ وللمؤنثِ بالتاءِ تقولُ في رجلٍ واحدٌ وفي رجلَين اثنانِ وفي امرأةٍ واحدةٌ وفي امرأتين اثنتانِ وثنتانِ ومن ثلثةٍ الى عشرةٍ على خلافِ القياسِ اعني للمذكرِ بالتاءِ تقولُ ثلثةُ رجالٍ الى عشرةِ رجالٍ وللمؤنثِ بدونها تقولُ ثلثُ نسوةٍ الى عشرِ نسوةٍ۔

قولہ والعلم اسم وضع۔ علم وہ اسم ہے جو متعین کے لیے وضع کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ وضع واحد کیساتھ اس شے کے غیر کو نہ شامل ہو۔ خواہ مفرد ہو جیسے زید خواہ مرکب ہو جیسے عبد اللہ خواہ کسی کا نام ہو جیسے خالد خواہ لقب جیسے صدیق خواہ کنیت ہو جیسے ابوبکر خواہ وہ معنی کسی ذات کیلئے وضع کیا گیا ہو جیسے خالد خواہ وہ کسی معنی حدث کیلئے وضع کیا گیا ہو جیسے سبحان جو تسبیح مصدر کا علم ہے اور خواہ وہ منقول ہو جیسے افضل خواہ وہ مرتجل جیسے عمران اور خواہ اس سے مراد محض لفظ ہو جیسے سعید کرز قولہ ما وضع لشئ معین جنس ہے تمام معارف کو شامل ہے قولہ لایتناول غیرہ فصل ہے اس سے علم کے سوا تمام معارف خارج ہو گئے ہیں اس سے تعریف میں اعلام مشترکہ داخل ہو گئے ہیں جیسے زید جب دو شخصوں کا نام ہو تو اس وقت اگرچہ غیر کو شامل ہیں لیکن نہ ایک وضع سے بلکہ دو وضع سے بخلاف انا کے اور ہذا اور الرجل کے کہ یہ ایک ہی وضع سے امور متعددہ کو شامل ہیں۔ جیسا کہ نحو کی بڑی کتابوں سے تم کو معلوم ہو جائیگا **قولہ اعرف المعارف** یعنی اعرف المعارف ضمیر متکلم ہے۔ اس لئے کہ اس میں التباس سب سے کم ہے اس کے بعد اور ضمیر مخاطب جیسا کہ ظاہر ہے پھر اختلاف ہو رہا ہے کہ ضمیر غائب اور علم میں اعرف کون ہے بعض ضمیر غائب کو علم سے اعرف کہتے ہیں اور بعض علم کو ضمیر غائب سے اعرف مانتے ہیں لیکن مصنف کے نزدیک اول مذہب حق ہے۔ اس وجہ سے کہتا ہے ثم الغائب ثم العلم **قولہ تعریف المضاف الخ** یعنی مضاف مراتب تعریف میں مضاف الیہ کی قوت میں ہے کیونکہ مضاف الیہ سے تعریف کو حاصل کرتا ہے لہذا اس کے مرتبہ میں ہوگا یہ سیبویہ کا مذہب ہے اور مبرد کے نزدیک تعریف مضاف مضاف الیہ سے انقص ہوتی ہے۔ چونکہ وہ مضاف الیہ سے تعریف حاصل کرتا ہے کاسب اور مکسوب ایک درجہ میں نہیں ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اسم جو مضمر کی طرف مضاف ہوتا ہے موصوف ہوتا ہے اور ضمیر موصوف نہیں ہوتی ہے جاننا چاہیے کہ معارف میں یہ ترتیب جو مصنف نے ذکر کی ہے۔ اکثر نحات کی رائے کے اعتبار سے ہے کوفیوں کا مذہب اسمیں یہ ہے کہ اعرف المعارف علم ہے پھر مضمر پھر مبہم اور سب کے بعد معرف باللام ابن کیسان کہتا ہے کہ اعرف مضمر ہے پھر علم پھر اسم اشارہ اسکے بعد ذو لام سب کے بعد اسم موصول ابن سراج کے نزدیک اسم اشارہ اعرف ہے۔ پھر ضمیر پھر علم پھر ذو لام اسکے بعد موصول اور ابن مالک کے نزدیک اعرف ضمیر متکلم پھر ضمیر مخاطب پھر علم پھر ضمیر غائب پھر اسم اشارہ ومنادی پھر اسم موصول اور ذو لام اور مضاف الیہ کی حیثیت پر ہے۔ **قولہ النکرۃ الخ** یعنی نکرہ وہ اسم ہے کہ جسکو غیر معین شے کیلئے وضع کیا گیا ہے تعریف نکرہ سے غیر معین کی قید سے معرفہ خارج ہو گیا نکرہ کی علامات یہ ہیں کہ وہ لام تعریف کو قبول کرتا ہے اور رب اور کم خبریۃ کا دخول اس پر صحیح ہوتا ہے اور اسکا حال وتمیز اور لا بمعنی لیس کا اسم واقع ہونا درست ہوتا ہے **قولہ اسماء العدد الخ** یعنی اسماء عدد وہ الفاظ ہیں جنکو افراد اشیا کی مقدار بیان کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے مثلاً ثلثۃ رجال میں ثلثۃ اسماء عدد ہے اور رجل کے تین فرد پر دلالت کرتا ہے۔ تعریف میں وضع کی قید سے رجل رجلان خارج ہو گیا کیونکہ ان سے حرف کی تعداد مراد نہیں بلکہ کمیت ہے مع ذات مقصود ہے **قولہ اصول العدد** یعنی اصل اسماء عدد کے بارہ کلمے ہیں ایک (واحد) سے دس (عشرۃ) تک اور مائۃ اور الف۔ اب باقی رہے دیگر مراتب اعداد کے سو وہ ان بارہ کلموں سے ماخوذ ہیں **قولہ استعمالہ الخ** اب یہاں سے مصنف ہر ایک کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ واحد مذکر کے لیے اور لفظ اثنان تثنیہ مذکر کے لیے اور واحدۃ اور اثنتان اور ثنتان مؤنث کے لیے ہیں اور یہ قیاس کے موافق مذکر کے لیے یہ مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث ہیں لیکن تین سے دس تک اعداد خلاف قیاس آئے ہیں مذکر کے لیے علامت تانیث لائی جاتی ہے جیسے ثلثۃ رجال اور مؤنث کے لیے علامت تانیث نہیں لائی جاتی جیسے ثلاث نسوۃ اور دلیل اسکی یہ ہے کہ جمع باعتبار جماعت کے مؤنث ہے پس عدد میں اس کی علامت تانیث کو لائیں گے تاکہ ممیز اور تمیز میں مناسبت باقی رہے پھر جب

(باقی بر صفحہ ۱۲۳ پر)

وبعد العشرة تقول احد عشر رجلًا واثنا عشر رجلًا وثلثة عشر رجلًا الى تسعة عشر رجلًا واحدى عشرة امرأةً واثنتا عشرة امرأةً وثلث عشرة امرأةً الى تسع عشرة امرأةً وبعد ذلك تقول عشرون رجلًا وعشرون امرأةً بلا فرقٍ بين المذكر والمؤنث الى تسعين رجلًا وامرأةً واحدٌ وعشرون رجلًا واحدى وعشرون امرأةً واثنان وعشرون رجلًا واثنتان وعشرون امرأةً وثلثة وعشرون رجلًا وثلث وعشرون امرأةً الى تسعةٍ وتسعين رجلًا وتسعٍ وتسعين امرأةً ثم تقول مائة رجلٍ ومائة امرأةٍ والف رجلٍ والف امرأةٍ ومائتا رجلٍ ومائتا امرأةٍ والفا رجلٍ والفا امرأةٍ بلا فرقٍ بين المذكر والمؤنث

مذکر میں تین سے لے کر دس تک علامت تانیث کی نہ لائیں گے تاکہ مذکر اور مونث کے درمیان فرق ہو اب اگر کوئی کہے کہ برعکس کیوں نہیں کیا گیا جواب یہ ہے کہ بوجہ اصالت اور شرافت کے مذکر مقدم ہے پس اولاً اسکے حال پر نظر کی گئی اور علامت تانیث اسکو دی گئی اسکے بعد مونث کا لحاظ کیا اور مذکر اور مونث میں فرق کرنے کیلئے اس میں علامت مونث کی نہیں لائے **قوله بعد العشرة** یعنی دس کے بعد عدد میں ترکیب کیساتھ عطف ذکر کیا جائے گا اور گیارہ اور بارہ میں مطابق قیاس کے مذکر کے لیے احد عشر اور اثنا عشر اور مونث کیلئے احدی عشرۃ اور اثنتا عشرۃ اور ثنتا عشرۃ کہا جائیگا اور تیرہ سے لیکر انیس تک پہلا جز خلاف قیاس ہوگا جیسا کہ ترکیب سے پیشتر تھا تاکہ فرع اور اصل میں موافقت رہے اور دوسرا جز موافق قیاس کے ہوگا چنانچہ مذکر کیلئے ثلثۃ عشر تا تسعۃ عشر اور مونث کیلئے ثلث تسع عشرۃ کہا جائیگا ۔ اور جاننا چاہیے کہ بنی تمیم ترکیب کے وقت عشرۃ کے شین کو کسرہ دیتے ہیں تاکہ تتابع اربع فتحات کی ترکیب کیساتھ لازم نہ آئے لیکن اہل حجاز شین کو کبھی ساکن کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ تا علیحدہ کلمہ ہے پس توالی چار فتحوں کی کلمۂ واحد میں نہیں آتی قوله عشرون واخواتها یعنی عشرون اور اسکے نظائر ثلاثون وغیرہ میں مذکر اور مونث دونوں مساوی ہیں جیسے عشرون رجلا وعشرون امرأۃ **قوله بعد ذلک** بیس کے بعد جب کہ احاد واثنان کیساتھ عشر متصل ہو کر تذکیر و تانیث میں موافق قیاس کے ہوگا اور اسکا فرق میں بخلاف قیاس اور ترکیب بندیہ عطف ہوگا اور عقود یعنی دہائیوں کا عطف عدد زائد یعنی دہائیوں پر ہوگا اور یہ حکم ننانوے تک ہے پس اکیس سے لیکر ننانوے تک جتنے عدد اکائی و دہائی سے مرکب ہیں ان سب میں دہائیوں کا عطف اکائیوں پر ہوگا جیسا کہ نقشہ مندرجہ ذیل سے واضح ہوتا ہے ۔

عربی کی گنتی ایک سے سو تک

عدد	اعداد المذکر	تمیز المذکر	عدد	اعداد المونث	تمیز المونث	عدد	اعداد المذکر	تمیز المذکر	عدد	اعداد المونث	تمیز المونث
۱	اَحَدٌ		۱	احدیٰ		۱۲	اثنان عشر	رجلاً	۱۲	اثنتا عشرة	امراة
۲	اثنان		۲	اثنتان		۱۳	ثلثة عشر	رجلاً	۱۳	ثلث عشرة	امراة
۳	ثلثة	رجال	۳	ثلث	نسار	۱۴	اربعة عشر	رجلاً	۱۴	اربع عشرة	امراة
۴	اربعة	رجال	۴	اربع	نسار	۱۵	خمسة عشر	رجلاً	۱۵	خمس عشرة	امراة
۵	خمسة	رجال	۵	خمس	نسار	۱۶	ستة عشر	رجلاً	۱۶	ست عشرة	امراة
۶	ستة	رجال	۶	ست	نسار	۱۷	سبعة عشر	رجلاً	۱۷	سبع عشرة	امراة
۷	سبعة	رجال	۷	سبع	نسار	۱۸	ثمانية عشر	رجلاً	۱۸	ثمان عشرة	امراة
۸	ثمانية	رجال	۸	ثمان	نسار	۱۹	تسعة عشر	رجلاً	۱۹	تسع عشرة	امراة
۹	تسعة	رجال	۹	تسع	نسار	۲۰	عشرون	رجلاً	۲۰	عشرون	امراة
۱۰	عشرة	رجال	۱۰	عشرة	نسار	۲۱	احد وعشرون	رجلاً	۲۱	احدى وعشرون	امراة
۱۱	احد عشر	رجلاً	۱۱	احدی عشرة	امراة	۲۲	اثنان وعشرون	رجلاً	۲۲	اثنتان وعشرون	امراة

عدد	اعداد المذکر	تمیز المذکر	عدد	اعداد المؤنث	تمیز المؤنث
۲۳	ثلثة وعشرون	رجلاً	۲۳	ثلث وعشرون	امراة
۲۴	اربعة وعشرون	رجلاً	۲۴	اربع وعشرون	امراة
۲۵	خمسة وعشرون	رجلاً	۲۵	خمس وعشرون	امراة
۲۶	ستة وعشرون	رجلاً	۲۶	ست وعشرون	امراة
۲۷	سبعة وعشرون	رجلاً	۲۷	سبع وعشرون	امراة
۲۸	ثمانية وعشرون	رجلاً	۲۸	ثمان وعشرون	امراة
۲۹	تسعة وعشرون	رجلاً	۲۹	تسع وعشرون	امراة
۳۰	ثلثون	رجلاً	۳۰	ثلثون	امراة
۳۱	احد وثلثون	رجلاً	۳۱	احدی وثلثون	امراة
۳۲	اثنان وثلثون	رجلاً	۳۲	اثنتان وثلثون	امراة
۳۳	ثلثة وثلثون	رجلاً	۳۳	ثلث وثلثون	امراة
۳۴	اربعة وثلثون	رجلاً	۳۴	اربع وثلثون	امراة
۳۵	خمسة وثلثون	رجلاً	۳۵	خمس وثلثون	امراة
۳۶	ستة وثلثون	رجلاً	۳۶	ست وثلثون	امراة
۳۷	سبعة وثلثون	رجلاً	۳۷	سبع وثلثون	امراة
۳۸	ثمانية وثلثون	رجلاً	۳۸	ثمان وثلثون	امراة
۳۹	تسعة وثلثون	رجلاً	۳۹	تسع وثلثون	امراة
۴۰	اربعون	رجلاً	۴۰	اربعون	امراة
۴۱	احد واربعون	رجلاً	۴۱	احدی واربعون	امراة
۴۲	اثنان واربعون	رجلاً	۴۲	اثنتان واربعون	امراة
۴۳	ثلثة واربعون	رجلاً	۴۳	ثلث واربعون	امراة
۴۴	اربعة واربعون	رجلاً	۴۴	اربع واربعون	امراة
۴۵	خمسة واربعون	رجلاً	۴۵	خمس واربعون	امراة
۴۶	ستة واربعون	رجلاً	۴۶	ست واربعون	امراة
۴۷	سبعة واربعون	رجلاً	۴۷	سبع واربعون	امراة
۴۸	ثمانية واربعون	رجلاً	۴۸	ثمان واربعون	امراة
۴۹	تسعة واربعون	رجلاً	۴۹	تسع واربعون	امراة
۵۰	خمسون	رجلاً	۵۰	خمسون	امراة
۵۱	احد وخمسون	رجلاً	۵۱	احدی وخمسون	امراة
۵۲	اثنان وخمسون	رجلاً	۵۲	اثنتان وخمسون	امراة
۵۳	ثلثة وخمسون	رجلاً	۵۳	ثلث وخمسون	امراة
۵۴	اربعة وخمسون	رجلاً	۵۴	اربع وخمسون	امراة
۵۵	خمسة وخمسون	رجلاً	۵۵	خمس وخمسون	امراة

عدد	اعداد المذکر	تمیز المذکر	عدد	اعداد المؤنث	تمیز المؤنث
۵۶	ستة وخمسون	رجلاً	۵۶	ست وخمسون	امراة
۵۷	سبعة وخمسون	رجلاً	۵۷	سبع وخمسون	امراة
۵۸	ثمانية وخمسون	رجلاً	۵۸	ثمان وخمسون	امراة
۵۹	تسعة وخمسون	رجلاً	۵۹	تسع وخمسون	امراة
۶۰	ستون	رجلاً	۶۰	ستون	امراة
۶۱	احد وستون	رجلاً	۶۱	احدی وستون	امراة
۶۲	اثنان وستون	رجلاً	۶۲	اثنتان وستون	امراة
۶۳	ثلثة وستون	رجلاً	۶۳	ثلث وستون	امراة
۶۴	اربعة وستون	رجلاً	۶۴	اربع وستون	امراة
۶۵	خمسة وستون	رجلاً	۶۵	خمس وستون	امراة
۶۶	ستة وستون	رجلاً	۶۶	ست وستون	امراة
۶۷	سبعة وستون	رجلاً	۶۷	سبع وستون	امراة
۶۸	ثمانية وستون	رجلاً	۶۸	ثمان وستون	امراة
۶۹	تسعة وستون	رجلاً	۶۹	تسع وستون	امراة
۷۰	سبعون	رجلاً	۷۰	سبعون	امراة
۷۱	احد وسبعون	رجلاً	۷۱	احدی وسبعون	امراة
۷۲	اثنان وسبعون	رجلاً	۷۲	اثنتان وسبعون	امراة
۷۳	ثلثة وسبعون	رجلاً	۷۳	ثلث وسبعون	امراة
۷۴	اربعة وسبعون	رجلاً	۷۴	اربع وسبعون	امراة
۷۵	خمسة وسبعون	رجلاً	۷۵	خمس وسبعون	امراة
۷۶	ستة وسبعون	رجلاً	۷۶	ست وسبعون	امراة
۷۷	سبعة وسبعون	رجلاً	۷۷	سبع وسبعون	امراة
۷۸	ثمانية وسبعون	رجلاً	۷۸	ثمان وسبعون	امراة
۷۹	تسعة وسبعون	رجلاً	۷۹	تسع وسبعون	امراة
۸۰	ثمانون	رجلاً	۸۰	ثمانون	امراة
۸۱	احد وثمانون	رجلاً	۸۱	احدی وثمانون	امراة
۸۲	اثنان وثمانون	رجلاً	۸۲	اثنتان وثمانون	امراة
۸۳	ثلثة وثمانون	رجلاً	۸۳	ثلث وثمانون	امراة
۸۴	اربعة وثمانون	رجلاً	۸۴	اربع وثمانون	امراة
۸۵	خمسة وثمانون	رجلاً	۸۵	خمس وثمانون	امراة
۸۶	ستة وثمانون	رجلاً	۸۶	ست وثمانون	امراة
۸۷	سبعة وثمانون	رجلاً	۸۷	سبع وثمانون	امراة
۸۸	ثمانية وثمانون	رجلاً	۸۸	ثمان وثمانون	امراة

	اعداد المذکر	تمیز المذکر		احداد المونث	تمیز للمونث		اعداد المذکر	تمیز المذکر		اعداد المؤنث	تمیز المؤنث
۸۹	تسعۃ وثمانون	رجلاً	۸۹	تسع وثمانون	امراۃ	۹۵	خمسۃ وتسعون	رجلاً	۹۵	خمس وتسعون	امراۃ
۹۰	تسعون	رجلاً	۹۰	تسعون	امراۃ	۹۶	ستۃ وتسعون	رجلاً	۹۶	ست وتسعون	امراۃ
۹۱	احد وتسعون	رجلاً	۹۱	احدیٰ وتسعون	امراۃ	۹۷	سبعۃ وتسعون	رجلاً	۹۷	سبع وتسعون	امراۃ
۹۲	اثنان وتسعون	رجلاً	۹۲	اثنتان وتسعون	امراۃ	۹۸	ثمانیۃ وتسعون	رجلاً	۹۸	ثمان وتسعون	امراۃ
۹۳	ثلثۃ وتسعون	رجلاً	۹۳	ثلث وتسعون	امراۃ	۹۹	تسعۃ وتسعون	رجلاً	۹۹	تسع وتسعون	امراۃ
۹۴	اربعۃ وتسعون	رجلاً	۹۴	اربع وتسعون	امراۃ	۱۰۰	مائۃ	رجل ورجال	۱۰۰	مائۃ	امراۃ ونساء

فاذا زاد علی المائۃِ والالفِ یُستعمل علی قیاسِ ما عرفت ویُقدَّمُ الالفُ علی المائۃِ و المائۃُ علی الاحادِ والاحادُ علی العشرات تقول عندی الفٌ ومائۃٌ واحدٌ وعشرون رجلاً و الفانِ ومائتانِ واثنان وعشرون رجلاً واربعۃ الافٍ وتسعمائۃٍ وخمس واربعون امرأۃً وعلیکَ بالقیاسِ واعلم ان الواحدَ والاثنین لا ممیّزَ لهما لانّ لفظَ الممیّزِ یغنی عن ذکرِ العدد فیهما تقول عندی رجلٌ ورجلان واما سائرُ الاعداد فلا بُدّ لها من ممیّزٍ فتقول ممیز الثلثۃ الی العشرۃ مخفوضٌ مجموعٌ تقول ثلثۃُ رجالٍ وثلثُ نسوۃٍ الا اذا کان الممیز لفظَ المائۃِ فحینئذٍ یکونُ مخفوضاً مفرداً تقول ثلث مائۃٍ وتسع مائۃٍ والقیاسُ ثلثُ مِات او مِئین وممیّزُ احد عشر الی تسعۃٍ وتسعین منصوبٌ مفردٌ تقول احد عشر رجلاً واحدیٰ عشرۃَ امرأۃً وتسعۃٌ وتسعون رجلاً وتسع وتسعون امرأۃً

قولہ ثم تقول الخ یعنی مائتہ اور الف اور مائتان اور الفان مذکر اور مونث میں برابر ہیں **قولہ فاذا زاد علی الخ** یعنی پھر جب مائتہ پر کوئی اعداد زائد ہوگا تو اس پر زائد بعطف اسی صورت سے ہوگا یعنی واحد اور اثنان میں جیسے۔ مثلاً مائتہ وواحد ومائتہ واثنان اور ثلاثہ سے لیکر تسعہ تک خلاف قیاس مائتہ وثلاثۃ رجال ومائتہ ثلاث نسوۃ کہتے ہیں اور علی ہذا القیاس بقاعدہ مذکورہ بالا مائتہ احد عشر ومائتہ احدیٰ عشرۃ کہتے ہیں اور یہی حال مائتہ اور الف کے تثنیہ اور جمع کا ہے اور ان سب صورتوں میں عدد زائد کا عطف مائتہ پر ہوتا ہے لیکن اسکا برعکس بھی جائز ہے مثلاً واحد ومائتہ رجل بھی کہہ سکتے ہیں **قولہ ویقدم الخ** یعنی پہلے الف لاوینگے۔ اور اس کے بعد مائتہ پھر احاد پھر عشرات اور ان سب کے عطف میں عکس درست ہے مثلاً یوں کہنا درست ہے واحد الف ومائتہ وغیرہ واللہ اعلم

قولہ واعلم ان الواحد یعنی واحد اور اثنین ایسے ہی واحدۃ اور اثنتین انکے بعد انکی تمیز نہیں ذکر کی جاتی ہے کیونکہ انکا تمیز ذکر عدد سے بے نیاز کرتا ہے چنانچہ عندی رجل ورجلان بولا جاتا ہے اور عندی واحد رجل اور اثنان رجلین بولنا غلط ہے کیونکہ عدد جس چیز کا فائدہ دیتا ہے تمیز اس پر تصریح کرتی ہے یعنی تمیز خود مقدار کو بیان کر دیتی ہے عرب کا قول رجل واحد اور رجلان اثنان تاکید پر محمول ہے اور باقی اعداد کی تمیز آتی ہے کیونکہ تمیز عدد سے متعین نہیں ہے کیونکہ تمیز مقصود یہ ہے کہ اجمال کے بعد تفصیل حاصل ہو جائے اور یہاں تمیز حاصل ہے واحد اور اثنین کے کہ اسمیں اجمال کے بعد تفصیل حاصل نہیں ہوتا ہے **قولہ ممیز الثلاثۃ الی العشرۃ** یعنی تمیز ثلاثۃ عشرۃ تک مجرور ہوگی اور مجموع لفظاً اور معنیً جیسے ثلاثۃ رجال یا صرف معنیً جیسے ثلاثۃ رہط پھر اس تمیز کا مجرور ہونا اسلئے ہے کہ مجموع ہونا اسلئے ہے کہ ثلاثہ سے لیکر عشرۃ تک یہ قلت ہے پس مناسب ہے کہ تمیز کو بھی لایا جائے تاکہ عدد اور معدود میں مطابقت رہے اور وہ جمعیت پر دلالت کرے **قولہ الا اذا کان** یعنی پھر تمیز ثلاثہ سے لیکر تسعہ تک لفظ مائتہ ہو تو اسوقت تمیز مجرور مفرد ہوتی ہے تمیز کا مجرور ہونا تو اسلئے ہے کہ وہ عدد کا متعلق ہے اور واضح ہے کوئی تمیز نہیں اور مفرد ہونا اسلئے کہ مائتہ کی دو جمع ہیں ایک بصورت جمع مذکر سالم یعنی مئین اور دوسرے جمع مونث سالم مئات دونوں ثلاثہ کے اخوات کی تمیز نہیں ہو سکتی مئین تو اسلئے نہیں ہو سکتی کہ عدد کی اضافت جمع مذکر سالم کی طرف جائز نہیں اور مئات اسلئے نہیں ہو سکتا کہ اسکی تمیز بننے میں چند تاء کا اجتماع لازم آتا ہے ایک تاء مائتہ کا جو کہ تاء تانیث کی ہے دوسری تاء جمع کا تیسرے تاء متعددہ جو کہ موافقت مائتہ سے ثلاثہ میں ہوتی ہے اور یہ یعنی اجتماع چند تاء کا ناجائز ہے پس تمیز اس جگہ مفرد ہوگی **قولہ منصوب مفرد ممیز احد عشر الخ** یعنی احد عشر سے تسعۃ وتسعین تک کی تمیز منصوب اور مفرد ہوتی ہے منصوب تو اسلئے کہ اسجگہ اسکے مجرور ہونیکی کوئی سبیل نہیں اسلئے کہ جر اضافت سے حاصل ہوتا ہے اور اگر یہاں اضافت کرینگے تو لازم آئیگا کہ تمیز لیے مثل للہ واحدہ کے مجہولا اور وہ انکے نزدیک قبیح ہے اور مفرد اسلئے کہ عدد اس جگہ کثرت پر دلالت کرتا ہے پس کثرت تمیز کی کوئی حاجت نہیں ۔

ومميّزُ مائةٍ والفٍ وتثنيتهما وجمعِ الالف مخفوضٌ مفردٌ تقول مائةُ رجلٍ ومائةُ امرأةٍ
والفُ رجلٍ والفُ امرأةٍ ومائتا رجلٍ مائتا امرأةٍ والفا رجلٍ والفا امرأةٍ وثلثةُ الافِ
رجلٍ وثلثُ الافِ امرأةٍ وقِسْ على هذا فصل الاسم اما مذكر واما مؤنث فالمؤنث
ما فيه علامة التانيث لفظًا او تقديرًا والمذكر ما بخلافه وعلامةُ التانيث ثلثة التاءِ
كطلحة والالف المقصورة كحبلى والالف الممدودة كحمراء والمقدرة انما هو التاء
فقط كارضٍ ودارٍ بدليل اُرَيضةٍ ودُوَيرة ثم المؤنثُ على قسمين حقيقيٌّ وهو ما بازائه
ذكر من الحيوان كامرأةٍ وناقةٍ ولفظيٌّ وهو ما بخلافه كظلمةٍ وعينٍ وقد عرفت احكامَ
الفعلِ اذا اُسنِدَ الى المؤنث فلا نُعيدها فصل المثنّٰى اسمٌ الحق بِآخره الفٌ

قولہ ممیز مائۃ یعنی مائۃ اور الف کی تمیز مجرور ہوتی ہے اور مفرد مجرور اضافت کی وجہ سے اور مفرد اسلئے کہ مائۃ اور الف خود کثرت پر دلالت کرتے ہیں اور اسیطرح مائۃ اور الف کے تثنیہ اور صرف الف کی جمع کا حال ہے نہ کہ مائۃ کی کا اسواسطے کہ مائۃ کی جمع کا استعمال مع اسکی تمیز کے متروک ہے لہٰذا ثلث مئات رجل نہیں کہا جائیگا **قولہ الاسم اما مذکر الخ** یعنی اسم یا مذکر ہے یا مؤنث مباحث عدد کا اجراء چونکہ ذکر تانیث اور تذکیر کیساتھ وابستہ تھا لہٰذا ذکر عدد کے بعد تانیث کا ذکر مناسب معلوم ہوا اسوجہ سے مصنفؒ نے کہا الاسم اما مذکر الخ مصنفؒ نے تقسیم میں مذکر کو مؤنث پر مقدم کیا۔ کیونکہ مذکر خلقۃً و رتبۃً مؤنث پر مقدم ہے اور آگے تعریف مذکر پر مؤنث کو ۵ ہو جاوے یا اس وجہ سے کہ تعریف مؤنث وجودی ہے اور تعریف مذکر عدمی **قولہ المؤنث الخ** یعنی مونث وہ اسم ہے جس میں علامت تانیث کہ پائی جاوے لفظاً جیسے **طلحۃ** کہ اسمیں تاء علامت تانیث لفظوں میں ہے یا تقدیراً جیسے ارض کہ دراصل ارضۃ تھا بدلیل اُرَیضۃ اسلئے کہ تصغیر اسماء کو ان کی اصل کیطرف لیجاتی ہے پس ثابت ہوا کہ ارض میں تاء تانیث مقدر ہے پھر علامت لفظی عام ہے کہ وہ حقیقۃً ہو جیسے امرأۃ ناقۃ یا حکماً جیسے عقرب میں اس میں اسکا چوتھا حرف تاء تانیث کے قائمقام ہے اس وجہ سے کہ اسکی تصغیر عقیرب آتی ہے اور جیسے حائض کہ یہ ایسی صفت ہے جو مؤنث کے ساتھ خاص ہے۔ **قولہ والمذکر الخ** یعنی مذکر وہ اسم ہے جو مؤنث کے خلاف ہو یعنی اس میں علامت تانیث نہ پائی جاوے نہ لفظاً اور نہ تقدیراً ۱۲ **قولہ علامت التانیث الخ** اور علامت تانیث کی تین ہیں اوّل تاء جو حالت وقف میں ہا ہو جاتی ہے جیسے طلحۃ میں (مرد کا نام ہے) دوم الف مقصورہ جو تین حروف کے بعد ہو اور الحاق کیلئے نہ ہو اور نہ محض زیادت کیلئے ہو پس ان تین قیود کی وجہ سے فتیٰ (کہ اس میں الف مقصورہ دو حرف کے بعد ہے) اور ارطیٰ جو جعفر کے ساتھ ملحق ہے (کہ اسمیں الف مقصورہ الحاق کا ہے) اور قبعثریٰ (کہ اس میں الف محض زیادت کیلئے ہے) جیسے کلمات سے اعتراض وارد نہ ہوگا جیسے حبلیٰ اس میں الف مقصورہ علامت تانیث ہے سوم الف ممدودہ یعنی وہ الف زائدہ جسکے بعد ہمزہ زائدہ ہو جیسے حمراء (سرخ رنگ کی عورت) مصنفؒ کے ذکر تاء میں نحات کوفہ پر رد ہے اس لیے کہ وہ ہا اور تاء دونوں کو جداگانہ علامت تانیث قرار دیتے ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ بعض نحات کے نزدیک وصفی اور یائی میں علامت تانیث کی ہے لیکن مصنفؒ نے اسکو علامات تانیث میں شمار نہیں کیا اسلئے کہ ممکن ہے کہ ان کلمات کی تانیث وضعی ہو اور علامتی نہ ہو جیسے کلمات ہی اور انت کی تانیث وضعی ہے **قولہ والمقدرۃ انما ھو التاء فقط** مصنفؒ نے پہلے علامات تانیث کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ لفظاً ہوتی ہے یا تقدیراً لیکن علامت تانیث میں سے صرف تاء ہے جو مقدر رہتی ہے باقی ملفوظ ہوتا ہے لہٰذا یہاں سے مصنفؒ فرما رہے ہیں کہ علامت تانیث میں جو مقدر ہوتی ہے وہ صرف تاء ہوتی ہے اور پھر یہ بھی سماعی کلمات میں مقدر ہوتی ہے جیسے ارض اور دار کہ ان میں تاء تانیث مقدر ہے اسلئے کہ انکی تصغیر اُرَیضۃ اور دُوَیرۃ آتی ہے کیونکہ تصغیر میں اسم کے تمام حروف ظاہر ہو جاتے ہیں اور اپنی اصلی حالت پر آجاتے ہیں ۱۲ **قولہ ثم المؤنث علی قسمین** یعنی مونث دو قسم پر ہے حقیقی اور لفظی حقیقی وہ ہے کہ جس کے مقابلہ میں جنس حیوان سے مذکر ہو عام ازیں کہ اسمیں الف ممدودہ ہو جیسے حمراء یا الف مقصورہ جیسے **حبلیٰ** یا تاء لفظاً ہو جیسے امرأۃ کہ اسکے مقابلہ میں رجل ہے اور جیسے ناقۃ کہ اسکے مقابلہ میں جمل ہے یا تقدیراً جیسے ہند اور لفظی وہ ہے جو حقیقی کے خلاف ہو یعنی اسکے مقابلہ میں جنس حیوان سے مذکر نہ ہو جیسے ظلمۃ و عین پہلی مثال تانیث لفظی حقیقی کی ہے اور دوسری مثال تانیث لفظی تقدیری کی ہے اس لیے کہ تاء تانیث لفظ عین میں مقدر ہے بدلیل عُیَینۃ کے اسلیے کہ تصغیر اسموں کو اپنی اصل پر لیجاتی ہے مصنفؒ نے ذکر من الحیوان فرمایا تاکہ نخل کی مونث سے احتراز ہو جاوے اس لیے کہ اسکے مقابلہ میں اگرچہ اس کی جنس سے مذکر ہے لیکن اس کی تانیث حقیقی نہیں ہے کیونکہ وہ حیوان سے نہیں ہے ۱۲ **قولہ المثنی ما الحق** ۔ اوّلاً جاننا چاہیے کہ مصنفؒ نے صرف مثنیٰ اور مجموع کو جو مفرد کی فرع ہیں ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جاوے کہ اسکے ماسوا مفرد ہے اور بیان میں اختصار حاصل ہو جاوے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مثنیٰ وہ ہے (باقی بر صفحہ ۱۲۷ ایسر)

ہ بیان میں اختصار حاصل

او یاءٌ مفتوحٌ ما قبلها و نونٌ مکسورۃٌ لیدل علی انّ معہٗ اُخرَ مثلہ نحو رجلان و رجلین ھذا فی الصحیح اما المقصور فان کانت الفہٗ منقلبۃً عن واوٍ وکان ثلاثیاً رُدَّ الی اصلہ کعصوان فی عصا وان کانت عن یاءٍ او واوٍ وھو اکثر من الثلاثی او لیست منقلبۃً عن شیءٍ تقلب یاءً کرحیان فی رحًی وملھیان فی ملھی وحباریان فی حباری وحبلیان فی حبلی واما الممدود فان کانت ھمزتہٗ اصلیۃً تثبت کقرّاءان فی قرّاءٍ وان کانت للتانیث تقلب واواً کحمراوان فی حمراءَ وان کانت بدلاً من اصلٍ واواً او یاءً جاز فیہ الوجھان ککساوان وکساءان ویجب حذف نونہ عند الاضافۃ تقول جاءنی غلاما زیدٍ ومسلما مصر وکذلک تحذف تاءُ التانیث فی تثنیۃ الخُصیۃ والالیۃ خاصۃً تقول خصیان والیان لانھما متلازمان فکانھما شیءٌ واحدٌ

(بقیہ صفحہ ۱۲۶) جس کے آخر میں الف یا یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ لاحق ہو اور یہ اس لیے کہ اس لحوق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مفرد جیسا اس کے ساتھ اس کی جنس سے ایک اور بھی ہے جیسے رجلان تثنیہ ہے اور وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ رجل کی ساتھ ایک اور رجل ہے باٰخرہ کی قید سے اثنین اور کلیھما خارج ہو گیا چونکہ انکا مفرد نہیں ہے لہذا بآخرہ سے مراد بآخر مفردہ ہے، اور لیدل الحق کے متعلق ہے اور بالالحاق کیطرف راجع ہے جو الحق سے مفہوم ہے یا لاحق کیطرف اور مفتوح یاء کی صفت ہے اور مثلہ سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اسم مشترک کا تثنیہ دو معنی مختلف کے اعتبار سے نہیں کر سکتے پس قرئان سے مراد طہر اور حیض نہیں ہو سکتے بلکہ دو طہر یا دو حیض مراد ہونگے رہا یہ اعتراض کہ قمران سے جو قمر کا تثنیہ ہے چاند اور سورج مراد ہوتا ہے حالانکہ یہ دو مختلف چیزیں ہیں اور عمران جو عمر کا تثنیہ ہے ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ مراد ہوتے ہیں حالانکہ یہ دو مختلف چیزیں ہیں اور ابوان جو ابٌ کا تثنیہ ہے ماں باپ مراد ہیں جو دو مختلف چیزیں ہیں وارد نہیں ہو سکتا اسلئے کہ یہ دو لفظوں میں سے ایک لفظ کے دوسرے پر تغلیباً اطلاق کرنیکے قبیل سے ہے **قولہ ہذا فی الصحیح الخ** اے الحاق الالف والیاء المفتوح ماقبلہا والنون المکسورۃ بآخر المفرد من غیر تغیر ثابت فی الاسم الصحیح یعنی الف اور یا جسکا ماقبل مفتوح ہو اور نون مکسور کا مفرد کے آخر میں الحاق بغیر کسی تغیر تبدل کے اسم صحیح میں ہوتا ہے لیکن اسم منقوص اور اسم ممدود وغیرہ میں الحاق مذکور کے وقت کچھ نہ کچھ تغیر ہوتا ہے جسکو مصنفؒ آگے بیان فرما رہے ہیں لیکن یاد رہے کہ الحاق مذکور بغیر کسی تغیر کے جیسا اسم صحیح میں ہوتا ہے اسیطرح جاری مجری صحیح اور منقوص یائی میں ہوتا ہے نہ معلوم مصنف نے اس حکم کو صحیح کے ساتھ کیوں خاص کیا ۱۲ **قولہ اما المقصور** یعنی ہر وہ اسم مقصور کہ اسکا الف واؤ سے بدلا ہوا ہو اور ثلاثی ہو تو تثنیہ بناتے وقت اسکے الف کو واؤ سے بدلیں گے اسلئے کہ [illegible] اس میں واؤ آتا ہے نیز ثلاثی خفیف ہے پس خفت کی وجہ سے واؤ کے آنے میں ثقالت پیدا نہ ہوگی جیسے عصا اور عصوان ۱۲ **قولہ وان کانت الخ** حاصل یہ کہ اگر لفظ ثلاثی نہ ہو عام ازیں کہ اسکا الف یاء سے بدلا ہوا ہو جیسے اشتری اعشیان یا واؤ سے بدلا ہوا ہو جیسے ملہیان یا کسی چیز سے بدلا ہوا نہ ہو جیسے حباری حباریان یا ثلاثی ہو مگر اسکا الف یاء سے بدلا ہوا ہو جیسے رحی رحیان یا کسی چیز سے بدلا ہوا نہ ہو جیسے فتی فتیان تو ان سب صورتوں میں اس الف کو یاء سے بدل دینگے کما ظہر فی الامثلہ ۱۲ **قولہ واما الممدود** یعنی اگر اسم کے آخر میں الف ممدودہ ہو تو تثنیہ بناتے وقت ہمزہ ثابت رہیگا بشرطیکہ اصلی ہو اسلئے کہ اصل بقاء کو مقتضی ہے جیسے قراء قراءان اور اگر ہمزہ تانیث کیلئے ہو تو تثنیہ بناتے وقت واؤ سے بدل جائیگا اسلئے کہ ثقالت میں واؤ ہمزہ کے قریب ہے جیسے حمراء اور حمراوان ۱۲ **قولہ جاز فیہ الوجہان** یعنی جبکہ ہمزہ اصلیہ ہو اور نہ تانیث کیلئے ہو تو اسوقت ایسی دو وجہ جائز ہیں ہمزہ کو ثابت رکھنا بھی جائز ہے اور واؤ سے بدل لینا بھی جیسے کساءان اور کساوان **قولہ ویحذف نونہ** یعنی اضافت کیوقت نون کو گرا دیا جاتا ہے اسلئے کہ نون تمامی کلمہ پر دلالت کرتا ہے اور اسم تام بغیر تغیر کے مضاف نہیں ہوتا ۱۲ **قولہ وکذلک تحذف الخ** یعنی مثنی کے نون کیطرح صرف خصیۃ اور الیۃ کی تاء تانیث تثنیہ میں حذف کر دی جاتی ہے اور ان کی اس تاء کا حذف خلاف قیاس ہے پس خصیان اور الیان کہیں گے اسلئے کہ قیاس تھا کہ تاء حذف نہ کی جاتی جیسے شجرتان میں تاکہ مؤنث کا تثنیہ مذکر کے تثنیہ سے ملتبس نہ ہو لیکن قیاساً بالاتفاق ان کی تاء تانیث کا باقی رکھنا بھی جائز ہے پس خصیتان اور الیتان بھی کہہ سکتے ہیں اور ان میں تاء کے حذف کا سبب یہ ہے کہ خصیان اگرچہ دو چیزیں ہیں اسیطرح الیان اگرچہ دو چیزیں ہیں لیکن دونوں خصیوں میں سے ہر ایک دوسرے کو لازم ہے اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اسیطرح دونوں چوتڑوں میں سے ایک دوسرے کو لازم ہے اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے پس دونوں خصیے اور دونوں الیہ شدت اتصال کیوجہ سے شیء واحد ہیں لہذا اس شدت اتصال کی وجہ سے انکا تثنیہ بمنزلہ کلمہ مفردہ کے کر لیا گیا پس اگر تاء تانیث کو ثابت رکھا جائیگا تو اسکا وسط میں مفرد حکمی کے واقع ہونا لازم آئیگا اور یہ ناجائز ہے کیونکہ علامت تانیث کی کلمہ مفرد کے وسط میں نہیں آتی تو خلاصہ یعنی خاص خصیہ اور الیہ کے تثنیہ میں تاء حذف ہو جاتی ہے ان دونوں کے علاوہ دوسرے کلمات کے تثنیہ میں تاء تانیث حذف نہیں ہوتی جیسے شجرتان اور ثمرتان اور نخلتان وغیرہ میں ۱۲

bestulbooks.wordpress.com

واعلم انه اذا اريد اضافة مثنًّى الى المثنّٰى يُعبّر عن الاول بلفظ الجمع كقوله تعالى فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا و فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا وذٰلِكَ لكراهة اجتماع تثنيتين فيما تأكّد الاتصالُ بينهما لفظا و معنًى فصل الجموعُ اسم دلّ على اٰحادٍ مقصودةٍ بحروفٍ مفردةٍ بتغيّرٍ ما اِمّا لفظيٌّ كرجالٍ في رجلٍ او تقديريٌّ كفلكٍ على وزن اُسدٍ فاِنّ مفردهٗ ايضا فُلْكٌ لكنهٗ على وزن قُفْلٍ فقومٌ و رهطٌ ونحوهٗ وان دلّ على احادٍ لكنهٗ ليس بجمعٍ اذ لا مفرد لهٗ ثم الجمعُ على قسمين مصحّحٌ وهو ما لم يتغيّر بناءُ واحدهٖ ومكسّرٌ وهو ما يتغيّر فيه بناءُ واحدهٖ والمصحّحُ على قسمين مذكّرٌ وهو ما اُلحق باٰخره واوٌ مضمومٌ ما قبلها ونونٌ مفتوحةٌ كمسلمون او ياءٌ مكسورٌ ما قبلها ونونٌ كذلك ليدلّ على انّ معه اكثر منه نحو مسلمين وهذا في الصحيح

قولہ اعلم اذا اریدا ضافتہ مصنف کہتا ہے کہ جب ایک مثنی خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث مرفوع ہو یا منصوب یا مجرور جب اس کی اضافت مثنی یعنی ضمیر مثنی کی طرف کی جائے مع اتصال تام کے درمیان مضاف اور مضاف الیہ کے تو مثنی یعنی مضاف کو لفظ مفرد یا جمع سے تعبیر کریں گے باعتبار جواز اور اولویت کے نہ باعتبار وجوب کے جیسے وصغت قلوبکما اس میں قلوب مضاف ہے اور کما مضاف الیہ اصل قلبان اور کما یہاں پر مضاف کو جمع سے تعبیر کیا ہے ایسے ہی ایدیہما مضاف مثنی کو اس صورت میں جمع یا مفرد سے تعبیر کرنا اس وجہ سے اولی ہے کہ مضاف الیہ کے درمیان لفظاً اور معنًی **اتصال مؤکد** ہے اور ایسی دو چیزوں میں لفظاً اور معنًی اتصال مؤکد ہے دو مثنی کا جو جا تثنیتین میں جمع ہونا مکروہ ہے دوسرے لفظوں میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ اگر ہم مضاف کو مثنی ہی سے تعبیر کریں تو اس صورت میں کہ جہاں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اتصال لفظاً اور معنًی مضبوط ہے اور بہت زیادہ ہے اس میں تثنیوں کا جو کہ مماثل ہیں جمع ہونا لازم آئیگا اور یہ اجتماع عرب کے نزدیک مکروہ ہے مضاف الیہ اور مضاف کے درمیان اتصال کا بہت زیادہ ہونا لفظاً تو اضافت کے سبب سے ہے اور معنًی اس وجہ سے کہ مضاف مضاف الیہ کا جزء ہے نیز جاننا چاہیے کہ لفظ مفرد سے لفظ جمع لانا اولی ہے اس لیے کہ جمع کو تثنیہ سے مناسبت ہے کیونکہ جمع میں اسکے مثل اور ہیں بلکہ بعض اصولیوں نے مثنی کو جمع ہی کہا ہے اور جب مضاف الیہ مثنیٰ مثل ہو تو اسوقت مضاف کو مفرد لانا اولی ہے جیسے قول باری تعالیٰ علی لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم لیکن ابن مالک نے فرمایا ہے کہ ایسی صورت میں مضاف کو مفرد لانا واجب ہے۔ **قولہ المجموع** یعنی مجموع وہ اسم ہے جو حروف مفرد میں تھوڑے سے تغیر کے بعد افراد مقصودہ پر دلالت کرے خواہ وہ تغیر لفظاً ہو یا تقدیراً تعریف مذکور میں احاد مقصودہ کی قید سے اسماء اجناس خارج ہو گئے اسلئے کہ وہ ادنی بھی دلالت کرتے ہیں اور حروف مفردہ کا قید سے اسماء عدد اور قوم رہط وغیرہ خارج ہو گئے اس لئے کہ یہ اگرچہ احاد مقصودہ پر دلالت کرتے ہیں مگر انکا مفرد نہیں اور بتغیر ما کی قید سے مثل رکب خارج ہو گیا اسلئے کہ اسمیں کوئی تغیر نہیں ہوا لیکن تغیر سے مراد عام ہے خواہ لفظی ہو یا تقدیری اول کی مثال رجال رجل کی جمع ہے اور ثانی کی مثال فلک ہے کہ اسکا مفرد بھی فلک ہے مگر تغیر تقدیری ضرور ہے اسلئے کہ مفرد کی حالت میں اس کا وزن قفل اور جمع کی صورت میں اسکا وزن اسد ہے جاننا چاہیے کہ بحروف مفردہا تو دل کے متعلق ہے یا مقصودۃ کے اور بتغیر یا ظرف مستقر حال ہے اور احاد یہ احد کی جمع ہے بمعنی فرد آتا ہے۔ **قولہ فقوم و رہط الخ** یہاں سے مصنف حروف مفردہ کی قید کا فائدہ بیان کرتا ہے کہتا ہے کہ قوم اور رہط اور اسکے مانند اسماء اجناس بقر ابل غنم نخل وغیرہ اگرچہ یہ اسماء احاد پر دلالت کرتے ہیں مگر یہ جمع نہیں ہیں کیونکہ ان کا کوئی مفرد نہیں ہے کہ انکے حروف کے ساتھ احاد کا قصد کیا جاوے حروف مفردہ سے مراد عام ہے چاہے محقق ہوں جیسے رجال کہ اسکا مفرد رجل ہے خواہ جمع کے مفرد کے حروف مقدر ہوں یعنی مفرد فرض کر لیا گیا ہو جیسے نسار کو اسکا مفرد نسوۃ فرض کر لیا ہے۔ **قولہ ثم الجمع** یعنی جمع دو قسم پر ہے ایک مصحح اور ایک مکسر اول کو جمع صحیح اور سلامت اور سالم بھی کہتے ہیں اور ثانی کو غیر سالم اور غیر صحیح بھی کہتے ہیں جمع صحیح وہ ہے کہ بناء واحد کی اس میں سلامت رہے اور مکسور ہے کہ بناء واحد کی اس میں سلامت نہ رہے لفظ مصحح باب تفعیل سے اسم مفعول ہے مصدر تصحیح ہے چونکہ اس جمع میں مفرد کا وزن صحیح و سلامت رہتا ہے لہذا اس کا نام مصحح رکھدیا گیا اور لفظ مکسر بھی اسم مفعول ہے باب تفعیل سے مصدر تکسیر ہے بمعنے توڑنا چونکہ اس جمع میں واحد کا وزن ٹوٹ جاتا ہے اس وجہ سے اس کا نام مکسر رکھدیا گیا ہے

قولہ المصحح علی قسمین یعنی جمع صحیح دو نوع ہیں جمع صحیح مذکر اور جمع صحیح مؤنث جمع صحیح مذکر وہ اسم ہے کہ اس کے مفرد کے آخر میں واؤ ما قبل مضموم یا یاء ما قبل مکسور اور نون مفتوح لاحق ہو تا کہ یہ لحوق اس امر پر دلالت کرے کہ مفرد کے ساتھ مفرد سے اکثر ہیں جیسے مسلمون کہ وہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ایک مسلم کے ساتھ ایک مسلم سے زیادہ یعنی دو یا چند ہیں اس قدر تصرف مفرد میں جب کرنا پڑتا ہے جبکہ اسم صحیح ہو ۱۲۔

اما المنقوص فتحذف یاؤہ مثل قاضون و داعون والمقصور یحذف الفہ ویبقی ما قبلہا مفتوحا لیدل علی الالف المحذوفۃ مثل مصطفون ویختص باولی العلم واما قولہم سنون وارضون وثبون وقلون فشاذ ویجب ان لا یکون افعل مؤنثہ فعلاء کاحمر وحمراء ولا فعلان مؤنثہ فعلی کسکران وسکری ولا فعیلا بمعنی مفعول کجریح بمعنی مجروح ولا فعولا بمعنی فاعل کصبور بمعنی صابر

قولہ اما المنقوص الخ یعنی اگر جمع صحیح کے مفرد کے آخر میں یا ماقبل مکسور ہو تو جمع بناتے وقت وہ یا گر جائیگی جیسے قاضون کہ اصل میں قاضیون تھا پس اس کی تعلیل تو کتب صرف میں مفصل تحریر ہے قاضون کر لیا گیا۔ **قولہ المقصور الخ**۔ یعنی اگر جمع صحیح کے مفرد کے آخر میں الف مقصورہ ہو تو وہ الف جمع میں التقائے ساکنین کی وجہ سے گر جائیگا جیسے مصطفون کہ اصل میں مصطفیون تھا پس یا بوجہ ماقبل مفتوح ہونے کے الف ہو گئی اور الف التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا۔ **قولہ ویختص باولی العلم**۔ یعنی جمع مذکر علم والوں کے ساتھ خاص ہے جاننا چاہیے کہ جس مفرد کی یہ جمع بنانے کا ارادہ ہو وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اسم محض ہے یعنی کہ اس میں وصفیت کے معنی نہیں ہیں یا وہ اسم صفت ہے اس طرح پر کہ علم نہیں ہوا ہے جیسے اسم فاعل اور اسم مفعول تو اگر وہ اسم محض ہے تو اس کی یہ جمع بنانے کی تین شرطیں ہیں ایک علمیت دوسرے عقل تیسرے مذکر ہونا یعنی وہ اسم واحد مذکر ایسا ہو کہ اسکا اطلاق مذکر عالم عاقل پر بطور علم کے ہوتا ہو اور مراد مذکر سے یہ ہے کہ تاء مذکورہ اور تاء مقدرہ سے خالی ہو تاکہ مثل طلحہ اور عین اس کلمہ سے خارج ہو جاویں اسلئے کہ انکی جمع سالم نہیں آسکتی اور یہ شرط اسوجہ سے ہے کہ یہ جمع تمام مجموع میں اشرف ہے اور مذکر عاقل بھی اشرف ہے پس اشرف اشرف کو دیا تاکہ تناسب باقی رہے قید علمیت سے رجل خارج ہو گیا اگرچہ اس کا اطلاق مذکر عاقل پر ہوتا ہے لیکن علم نہ ہونے کی وجہ سے اسکی جمع مذکر سالم نہ بنائی جاویگی اور عاقل کی قید سے اعوج نکل گیا اس کی بھی جمع مذکر سالم نہ بنائی جائیگی اگرچہ یہ علم مذکر کا ہے لیکن وہ مذکر جس پر اسکا اطلاق ہوتا ہے یعنی گھوڑا عاقل نہیں ہے اور عاقل ہونا اس جمع بنانے کیواسطے شرط ہے اب اس پر اعتراض پڑتا ہے کہ سنۃ بالفتح بمعنی برس ارضۃ بالفتح بمعنی زمین ثبۃ بالتخفیف بمعنی جماعت و گروہ اور قلۃ بالکسر والضم بمعنی نوک چوب یعنی گلی ڈنڈا یہ سب اسم مفرد مؤنث ہیں نہ ان کا ذی عقل پر اطلاق ہوتا ہے باوجودیکہ ان کی جمع واؤ نون یعنی سنون ارضون ثبون قلون آتی ہے لہذا تمہارا قاعدہ درست نہیں ہے مصنفؒ اپنے قول سنون سے جواب دیتا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ ان کی جمع واؤ نون کے ساتھ لانا شاذ ہے یعنی قاعدہ کے خلاف ہے۔ **قولہ ویجب ان لا یکون** جاننا چاہیے کہ اگر وہ اسم جسکی جمع بنانے کا ارادہ کیا گیا ہے اگر وہ اسم صفت ہے تو اسکی جمع بنانے کیواسطے پانچ شرطیں ہیں ایک وہی جو پہلے گذریں یعنی وہ اسم اسم مذکر ایسا ہو جس کا اطلاق اہل عقل و علم پر ہوتا ہو اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اسکی جمع واؤ و نون کیساتھ نہ بنادیں گے۔ یہ شرط وجودی ہے اور پانچ شرط عدمی ہیں ان کو یجب ان لا یکون سے بیان کرتا ہے لہذا کہتا ہے کہ وہ اسم صفت اس افعل کے وزن پر نہ ہو جسکا مؤنث فعلاء کے وزن پر آتا ہے جیسے احمر و حمراء اسلئے کہ اس افعل کی جمع بھی اس وزن پر آتی ہے کہ جسکا مؤنث فعلاء ہوتا ہے پس اگر افعل فعلاء کی جمع بھی اس وزن پر آئیگی تو دونوں افعل کے درمیان التباس پیدا ہو جائیگا اور اگر کوئی کہے کہ اسکا عکس کیوں نہیں کیا اسی طرح پر کہ افعل فعلاء کی جمع تو جمع سالم آتی ہے اور افعل اسم تفضیل کی یہ جمع نہ آتی جواب یہ ہے کہ اسم تفضیل میں معنی صفت کے زائد ہیں اور اقوی اور اشرف ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ اسکی جمع بھی اشرف الجموع ہو اور وہ جمع سالم ہے۔ **قولہ ولا فعلان مؤنثہ فعلی** الخ یعنی تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم صفت فعلان کے وزن پر نہ ہو کہ جس کا مؤنث فعلی کے وزن پر آتا ہے جیسے سکران کہ اس کا مؤنث سکری آتا ہے اسلیے کہ اگر اس فعلان کی جمع واؤ نون کے ساتھ آئیگی تو اسمیں اور فعلان فعلانۃ میں التباس پیدا ہو جائیگا پس التباس سے بچنے کے لیے فعلان کی جمع واؤ نون کے ساتھ نہ آئیگی۔ اور اگر کوئی کہے کہ اس کا عکس کیوں نہیں کیا تو جواب یہ ہے کہ اصل فرق میں درمیان مذکر اور مؤنث کے تاء ہے اور یہ فعلان فعلانۃ میں موجود ہے پس مناسب یہ ہے کہ اس کی جمع اشرف المجموع ہو نیز عدم عکس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر اس فعلان کی جمع واؤ نون کیساتھ لائی جائے کہ جسکا مؤنث فعلی ہے تو لازم آئیگا کہ اس کے مؤنث کی جمع الف تاء کے ساتھ لائی جائے اس لئے کہ یہ جمع صحیح ہے حالانکہ اس کے مؤنث کی جمع الف تاء کے ساتھ آنا لازم نہیں۔ **قولہ ولا فعیلا الخ** یعنی وہ اسم جس کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ بنائی جائے کہ وہ اس فعیل کے وزن پر نہ ہو جو مفعول کے معنی پر آتا ہے اور نہ اس فعول کے وزن پر جو مفعول کے معنی میں آتا ہے یہ چوتھی اور پانچویں شرط ہے یہ حقیقت ایک شرط ہے جس کی تلخیص یہ ہے کہ وہ اسم صفت ایسا نہ ہو کہ جس میں مذکر مؤنث برابر ہوں جیسے جریح صبور اس لیے کہ اگر ایسے اسم صفت کی جمع واؤ نون کے ساتھ لایا جائیگا تو اس کا اختصاص مذکر کے ساتھ لازم ہوگا حالانکہ وہ مذکر کے ساتھ لازم نہیں نیز جاننا چاہیے کہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ اسم صفت تاء تانیث کے ساتھ ملتبس نہ ہو۔ اس لیئے کہ ذو التاء کی جمع اگر واؤ نون کے ساتھ لائی جائیگی تو دو صورتیں ہیں واؤ نون تاء سے پیشتر لائیں گے یا تاء کے بعد اول صورت ممتنع ہے اس لیے کہ اس صورت میں علامات تانیث کا دوسرے کلمہ میں داخل ہونا لازم آتا ہے۔ اور دوسری صورت بھی ممتنع ہے اس لیے کہ اس وقت علامات تانیث کا وسط کلمہ میں داخل ہونا لازم آتا ہے اور وہ ناجائز ہے۔

◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆

ویجب حذف نونہ بالاضافۃ نحو مسلمو مصر، ومؤنث وھو ما الحق باٰخرہ الف و تاء نحو مسلمات وشرطہ ان کان صفۃ ولہ مذکر ان یکون مذکرہ قد جمع بالواو والنون نحو مسلمون وان لم یکن لہ مذکر فشرطہ ان لا یکون مؤنثا مجردا عن التاء کالحائض والحامل وان کان اسما غیر صفۃ جمع بالالف والتاء بلا شرط کھندات والمکسر صیغتہ فی الثلاثی کثیرۃ تعرف بالسماع کرجال وافراس وفلوس وفی غیر الثلاثی علی وزن فعالل وفعالیل قیاسا کما عرفت فی التصریف ثم الجمع ایضا علی قسمین جمع قلۃ وھو ما یطلق علی العشرۃ فما دونھا وابنیتہ افعل وافعال وافعلۃ وفعلۃ وجمعا الصحیح بدون اللام کزیدون ومسلمات وجمع کثرۃ وھو ما یطلق علی ما فوق العشرۃ وابنیتہ ما عدا ھذہ الابنیۃ فصل المصدر اسم یدل علی الحدث فقط ویشتق منہ الافعال کالضرب والنصر مثلا ....

قولہ ویجب حذف نونہ الخ۔ ای نون الجمع یعنی اضافت کے وقت نون جمع کو گرا دیتے ہیں جیسے مسلمو قوم اور علت اس کی وہی ہے جو کہ تثنیہ میں گزری ۱۲ **قولہ ومؤنث الخ** یعنی دوسری قسم جمع سالم کی جمع مؤنث ہے اور جمع مؤنث سالم وہ ہے کہ جس کے مفرد کے آخر میں الف اور تاء لاحق ہو جمع مؤنث سالم کی شرط جبکہ اس کا مفرد اسم صفت ہو اور اسم مفرد کا مذکر بھی ہو یہ ہے کہ اسکے مذکر کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ لائی جاتی ہے تاکہ مزیت فرع کی اصل پر لازم نہ آئے اور جب اس کے مفرد مذکر نہ ہو تو اس کے جمع مؤنث سالم بنانیکی شرط یہ ہے کہ وہ لفظ تاء تانیث سے خالی نہ ہو جیسے حائض کہ اسکی جمع حائضات نہیں آتی بلکہ ذو التاء یعنی حائضۃ کی جمع حائضات آتی ہے پس اگر حائض کی جمع بھی حائضات آئے تو التباس پیدا ہو جائیگا اور یہ معلوم نہ ہوگا کہ حائضات حائضۃ کی جمع ہے یا حائض کی۔ پھر حائض اور حائضۃ کے درمیان لفظا تفریق اسلئے ضروری ہے کہ ان دونوں میں معنی تفریق ہے اسلئے کہ حائض سن بالغہ کو کہتے ہیں کہ اسکو کہ جسمیں حیض کی صلاحیت ہے اور حائضۃ اس عورت کو کہتے ہیں جو فی الحال حیض میں مبتلاء ہے ۱۲ **قولہ وان کان اسما الخ۔** یعنی اگر وہ اسم صفت نہ ہو بلکہ اسم محض ہو تو اس وقت بلا اعتبار شرط کے الف اور تاء کے ساتھ جمع لائی جائیگی ۱۲ **قولہ والمکسر الخ** یعنی وہ جمع کہ جسمیں بناء واحد کی سلامت نہ رہے جیسے رجال کہ رجل کی جمع ہے اور اسمیں صورت رجل کی باقی نہیں رہتی ہے ثلاثی میں اسکے صیغے بہت ہیں جن کا علم سماع سے ہوتا ہے جیسے رجال افراس فلوس کہ رجل، فرس فلس کی جمع ہے اور غیر ثلاثی میں قیاسا دو وزن پر آتی ہے ایک وزن فعالل ہے اور دوسرا فعالیل جیسا کہ علم صرف میں معلوم ہوا ۱۲ **قولہ ثم الجمع ایضا علی قسمین الخ۔** حاصل یہ کہ جمع معنی یعنی مصداق کے اعتبار سے دو قسم پر ہے جمع قلت جمع کثرت انکی تعریف میں مابین مصنفین کے اختلاف ہو رہا ہے مصنف تعریف کرتا ہے کہ جمع قلت وہ ہے جس کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے اور جمع کثرت وہ ہے کہ جس کا اطلاق دس اور اوپر ہو جبکہ مصنف کے نزدیک جمع قلہ کا اطلاق دس تک ہوتا ہے لیکن دوسرے تعریف کرتے ہیں کہ جمع قلت وہ ہے جس کا اطلاق تین لیکر دس تک کیا جائے اور جمع کثرت وہ ہے جس کا اطلاق دس سے لیکر الی مالانہایہ کیا جائے اس تعریف سے معلوم ہوا ہے کہ جمع قلت کا اطلاق نو پر تو ہوتا ہے دس پر نہیں ہوتا دس پر اطلاق جمع کثرت کا ہوتا ہے جمع قلت کے اوزان یہ ہیں (۱) افعل جیسے اکلب (۲) افعال جیسے اقوال (۳) افعلۃ جیسے اشربۃ (۴) فعلۃ جیسے غلمۃ (۵) جمع مذکر سالم (۶) جمع مؤنث سالم۔ پس مصنف نے اپنے قول الصحیح سے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ جمع صحیح کے یہ دو وزن بھی جمع قلت کے اوزان سے ہیں اور ان اوزان مذکورہ کے ماسوا جتنے اوزان ہیں وہ سب جمع کثرت کے ہیں۔ **قولہ المصدر اسم الخ۔** مصدر وہ اسم ہے جو فقط حدث پر دلالت کرتا ہے اور حدث وہ معنی ہے جو بالذات قائم نہ ہو بلکہ غیر کے ساتھ ہو خواہ اس پر غیر سے صادر ہوں جیسے ضرب و قتل کہ ضرب اور قتل ایک معنی ہے جو بالذات قائم نہیں بلکہ زید و عمرو وغیرہ کے ساتھ قائم ہے جس سے یہ صادر ہوتے ہیں یا غیر سے صادر نہیں جیسے موت جسامت کہ یہ ایک معنے ہیں جو زید وغیرہ کے ساتھ قائم ہیں لیکن ان سے صادر نہیں ہوتے ہیں فقط کی قید سے مصنف نے تمام مشتقات کو مصدر کی تعریف سے خارج کر دیا ہے اگرچہ تمام مشتقات ایک ایسے معنی پر ہوتے ہیں جو غیر کے ساتھ قائم ہو مگر فقط قیام نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ذات پر بھی دلالت ہوتی ہے **قولہ ویشتق منہ الخ۔** اس سے فعل مشتق ہوتے ہیں حاصل یہ کہ مصدر وہ اسم ہے جو معنے قائم بالغیر فقط پر دلالت کرے اور اس سے افعال مشتق ہوتے ہوں اشتقاق کے معنے لغۃ میں کسی چیز کو دوسری چیز سے جدا کرنا بنانا ہے اور اصطلاح میں دو لفظ کے درمیان لفظ اور معنے میں مناسبت ہونے کے ہیں اب مناسبت یا تو ہر دونوں لفظوں کے حروف کی ترتیب میں ہوتی ہے جیسے ضرب کا ضرب سے یا صرف حروف میں ہوتی ہے جیسے نعق نہق سے مشتق ہے ۳ یا فقط مخرج میں مناسبت ہے نہ ترتیب اور حروف میں جیسے نعق نہق سے مشتق ہے۔ اول کو اشتقاق صغیر اور ثانی کو کبیر اور ثالث کو اشتقاق اکبر کہا جاتا ہے لیکن اسجگہ اشتقاق سے مراد اشتقاق صغیر ہے ۱۲

۳ لیکن ترتیب میں نہیں ہوتی جیسے جذب اور جبذ کہ ثانی اول سے مشتق

وابنیتُهٗ من الثلاثی المجرد غیر مضبوطةٍ تُعرفُ بالسماع ومن غیرہٖ قیاسیۃٌ کالافعالِ والانفعالِ والاستفعالِ والفعللۃِ والتفعللِ مثلاً فالمصدر ان لم یکن مفعولاً مطلقاً یعملُ عَمَلَ فعلِهٖ اعنی یرفع الفاعلَ ان کان لازماً نحو اعجبنی قیامُ زیدٍ وینصب مفعولاً ایضاً ان کان متعدیاً نحو اعجبنی ضربُ زیدٍ عمرواً ولا یجوز تقدیمُ معمولِ المصدر علیه فلا یقال اعجبنی زیدٌ ضربٌ عمرواً او لا عمرواً ضربُ زیدٌ ویجوز اضافتُهٗ الی الفاعل نحو کرِهتُ ضربَ زیدٍ عمرواً او الی المفعول به نحو کرِهتُ ضَربَ عمرٍو زیدٌ اما ان کان مفعولاً مطلقاً فالعمل للفعل الذی قبلهٗ نحو ضربتُ ضرباً عمرواً فعمرٌو منصوبٌ بضربتُ فصل اسم الفاعل اسمٌ مشتقٌ من فعلٍ لیدُلّ علٰی من قام بهٖ۔

قولہ وابنیتہ الخ ا ضمیر مصدر کی طرف راجع ہے یعنی مصدر کے اوزان ثلاثی مجرد سے غیر مضبوط ہیں اہل عرب سے سننے سے معلوم ہوتے ہیں قیاسی نہیں سیبویہؒ نے اپنے تتبع اور تلاش کے مطابق بتیس ۳۲ تک قول کیا ہے اور بعض نے چھتیس اور پچاس کا قول بھی کیا ہے ۲ قولہ ومن غیرہ الخ ای من غیر ثلاثی مجرد اور غیر ثلاثی مجرد یعنی ثلاثی مزید فیہا اور رباعی مجرد و مزید فیہ سے مصدر کے اوزان سماع عن العرب کے محتاج نہیں بلکہ قیاسی ہیں ان کیلئے اپنے اپنے اوزان مخصوصہ مقرر ہیں مثلاً جسکی ماضی افعل کے وزن پر ہو اس کا مصدر افعال کے وزن پر آتا ہے اور جسکی ماضی انفعل کے وزن پر ہو اسکا مصدر انفعال کے وزن پر آتا ہے اور جس کی ماضی استفعل کے وزن پر ہو اس کا مصدر استفعال کے وزن پر آتا ہے اور جسکی ماضی فعلل کے وزن پر ہو اس کا مصدر فعللۃ کے وزن پر آتا ہے اور جسکی ماضی تفعلل کے وزن پر ہو اسکا مصدر تفعلل کے وزن پر آتا ہے۔ قولہ فالمصدر الخ میں اگر مصدر مفعول مطلق نہ ہو تو اپنے فعل جیسا عمل کریگا یعنی فعل لازم کی صورت میں اپنے فاعل کو رفع دیگا جیسے اعجبنی قیام زیدٌ میں قیام پر تنوین پڑھنا بلا اضافت طرف زید کے جائز ہے اور زید پر بھی رفع پڑھ کر اعجبنی قیامٌ زیدٌ صحیح ہے اور فعل متعدی ہونے کی صورت میں فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیگا جیسا کہ اعجبنی ضربٌ زیدٌ عمروًا میں ضرب بلا اضافت مع تنوین کے پڑھ کر زیدٌ کو بھی مرفوع پڑھنا اور عمروًا کو منصوب پڑھنا جائز ہے تو اس صورت میں گویا مثل اپنے فعل کے اپنے فاعل کو مرفوع اور مفعول کو منصوب کر دیا اور مصدر کا یہ عمل ہر حالت میں ہے خواہ وہ مصدر بمعنی ماضی ہو خواہ بمعنی حال خواہ بمعنی استقبال جیسے اعجبنی ضرب زیدٌ عمروًا امس اور اعجبنی اکرام زیدٌ عمروًا غدًا او الآن اور اگر مصدر مفعول مطلق ہے تو اسوقت عمل فعل کے لیے ہوگا نہ مصدر کیلئے جیسا کہ آگے متن میں آرہا ہے ۱۲ قولہ ولا یجوز تقدیم معمول المصدر علیہ الخ یعنی مصدر کے معمول کی تقدیم (خواہ فاعل ہو خواہ مفعول بہ) مصدر پر نا جائز ہے اس لیے کہ مصدر عمل کرنے میں ضعیف ہے اور عامل ضعیف معمول مقدم میں عمل نہیں کر سکتا یہ بنا بر مذہب جمہور نحاۃ کے ہے البتہ شارح رضی ظروف میں بوجہ توسع کے جائز سمجھتا ہے واللہ اعلم ۱۲ قولہ ویجوز اضافتہ الخ یعنی مصدر کی اضافت فاعل کی طرف جائز ہے اور اس وقت فاعل لفظاً مجرور ہوگا اور معنًی مرفوع اس لیے کہ وہ اس کا فاعل ہے اور اگر مفعول بہ مذکور ہوگا تو وہ منصوب ہوگا جیسے کرہت ضرب زیدٍ عمروًا [illegible] واسمیں ضرب مصدر ہے زید فاعل کی طرف مضاف ہے لیکن مصدر کا منون ہو کر عمل کرنا اور مضاف نہ ہونا اولیٰ ہے اور مصدر کی اضافت مفعول بہ کی طرف جائز ہے اور اس وقت اگر فاعل مذکور ہو تو وہ مرفوع ہوگا جیسے کرہت ضرب عمروٍ زیدٌ اسمیں ضرب مصدر عمرو مفعول بہ کیطرف مضاف ہے اور اس مصدر کی مثال جو فاعل کیطرف مضاف ہو اور مفعول بہ مذکور نہ ہو جیسے کرہت ضرب زید (میں نے زید کے مارنے کو مکروہ جانا) اس مصدر کی مثال جس کا مفعول بہ تو مذکور ہو لیکن فاعل مذکور نہ ہو جیسے قول باری تعالیٰ لا یسأم الانسان من دعاء الخیر (انسان خیر کے مانگنے سے نہیں تھکتا) مختصر یہ کہ مصدر کا عمل دو طرح پر ہے ایک تو منون ہو کر عمل کرنا اور اس وقت فاعل لفظاً مرفوع ہوگا اور مفعول بہ اگر مذکور ہو تو لفظاً منصوب ہوگا دوسرا یہ کہ وہ فاعل کیطرف مضاف ہو اور اس وقت فاعل لفظاً مجرور ہوگا اور معنًی مرفوع اور مفعول بہ اگر مذکور ہوگا تو وہ منصوب ہوگا یا مفعول بہ کیطرف مضاف ہو اور اس وقت مفعول بہ لفظاً مجرور ہوگا اور معنًی منصوب اور اگر فاعل مذکور ہوگا تو وہ لفظاً مرفوع ہوگا لیکن اضافت مصدر فاعل کیطرف بہ نسبت اضافت مفعول بہ کیطرف زیادہ ہے کیونکہ احتیاج فعل یا شبہ فعل ہر دو کی فاعل کی طرف زیادہ ہے ۱۲ قولہ واما ان کان مفعولاً مطلقاً الخ یعنی اگر مصدر مفعول مطلق واقع ہو تو اسوقت عمل اس فعل کا ہوگا جو اس سے پیشتر مذکور ہے جیسے ضربت ضرباً عمروًا (میں نے مارا عمرو کو مارنا) اسمیں ضرباً مصدر مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے پس اسوقت عمل مصدر کیلئے نہیں ہوگا بلکہ ضربت فعل کیلئے ہوگا اور عمروًا کا عامل ناصب ضربت فعل ہے اور اسوقت فعل کا عمل اسلئے ہے کہ فعل یعنی عامل قوی کے ہوتے ہوئے عامل ناقص یعنی مصدر کو عمل دینا جائز نہیں جیسے قوی العامل موجود ہو تو ضعیف کا دخل کیا کام ہو واللہ اعلم بالصواب ۱۲ قولہ اسم الفاعل اسم مشتق الخ اسم الفاعل اسم ہے جو فعل یعنی مصدر سے مشتق ہو تاکہ وہ کسی ذات پر دلالت کرے جس کیساتھ یہ فعل بطریق حدوث و تجدد قائم ہے ۱۲ قولہ اسم مشتق من فعل الخ لفظ اسم کہ بمنزلہ جنس ہے مشتق کی قید لگا کر وہ اسماء خارج ہو گئے جو مصدر سے مشتق نہیں ہوتے ہیں اور اسمائے جوامد سب خارج ہو گئے ۱۲

الفعلُ بمعنى الحُدُوثِ وصيغتُهٗ من الثلاثي المجرد على وزن فاعلٍ كضاربٍ وناصرٍ ومن غيرِه على صيغةِ المضارع من ذلك الفعل بميمٍ مضمومٍ مكانَ حرف المضارعة وكسرِ ما قبلَ الاخر كمُدخِلٍ ومستخرِجٍ وهو يعمل عمل فعلِه المعروفِ ان كان بمعنى الحالِ والاستقبالِ ومعتمدًا على المبتدأ نحو زيدٌ قائمٌ ابوه اوذي الحال نحو جاءني زيدٌ ضاربًا ابوه عمرًوا اوموصولٍ نحو مررتُ بالضاربِ ابوهُ عمرًوا اوموصوفٍ نحو عندي رجلٌ ضاربٌ ابوهُ عمرًوا اوهمزةِ الاستفهامِ نحو اقائم زيدٌ اوحرف النفي نحو ما قائمٌ زيدٌ

قولہ من فعل یہاں فعل سے مراد معنی لغوی ہیں اس لیے کہ اسم فاعل کا اشتقاق فعل لغوی سے ہے نہ فعل اصطلاحی سے جیسا کہ نحات کوفہ کا مسلک ہے کہ اشتقاق میں اصل فعل ہے نہ مصدر لیکن نحات کوفہ کا یہ مسلک صحیح نہیں ہے مصنف نے من فعل بجائے من مصدر کے کہا تاکہ اس سے اس طرف اشارہ ہو جائے کہ صفات کا اشتقاق مصدر سے بواسطہ فعل ہے قولہ لمن یہ مشتق کے متعلق ہے اور اس کی ضمیر فاعل اسم کیطرف لوٹ رہی ہے قولہ علی من قام بہ الفعل اس قید سے اسم مفعول اور اسم تفضیل خارج ہو گئے اس لیے کہ اسم مفعول من وقع علیہ الفعل کے لیے موضوع ہے اور اسم تفضیل لمن قام بہ الفعل مع الزیادت کے لیے۔ قولہ بمعنی الحدوث یہ قام کے متعلق ہے اس سے صفت مشبہ خارج ہو گیا اس لیے کہ صفت مشبہ صفت دائمہ پر دلالت کرتی ہے بخلاف اسم فاعل کے کہ وہ صفت حادثہ پر دلالت کرتا ہے۔ **قولہ وصیغتہ من الثلاثی الخ** یعنی ثلاثی مجرد سے اسم فاعل کا صیغہ کثرت سے فاعل کے وزن پر آتا ہے جیسے ضاربٌ اور ناصرٌ اور فاتح اور عالم وغیرہ شرح میں کثرت کی قید لگا کر اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اسم فاعل کا صیغہ ثلاثی مجرد دوسرے اوزان یعنی فعل اور فعول وغیرہ پر بھی آتا ہے۔ **قولہ من غیرہ الخ**۔ ای من غیر الثلاثی المجرد یعنی ثلاثی مزید فیہ اور رباعی مجرد اور رباعی مزید فیہ سے ہر باب کے فعل مضارع معروف کے وزن پر تھوڑے تغیر کے ساتھ آتا ہے بایں طور کہ حرف مضارع کی جگہ میم مضموم رکھا جائے خواہ حرف مضارع مضموم ہو خواہ نہ ہو اور ما قبل آخر کو کسرہ دیا جائے خواہ وہ مضارع میں مکسور ہو خواہ نہ ہو جیسے مدخل باب افعال سے اسم فاعل ہے اور جیسے مستخرج باب استفعال سے اسم فاعل ہے مصنف نے دو مثالیں لائے اس لیے کہ پہلی مثال یعنی مدخل بعینہ صیغہ مضارع معروف کے وزن پر ہے صرف حرف مضارع کی جگہ میم رکھا گیا ہے اور دوسری مثال یعنی مستخرج صیغہ مضارع معروف سے دو چیزوں میں مخالف ہے ایک یہ کہ حرف مضارع کی جگہ میم رکھا گیا ہے اور دوسرے میم کو ضمہ دیا گیا۔ مصنف کو تیسری مثال اور دینی چاہیے تھی وہ یہ کہ اسم فاعل صیغہ مضارع معروف کیساتھ ما قبل آخر کی حرکت میں بھی مخالف ہو جیسے متفاضل۔ **قولہ وہو یعمل عمل فعلہ الخ** اور اسم فاعل اپنے فعل معروف کا سا عمل کرتا ہے پس اگر اسکا فعل لازم ہے تو لازم جیسا عمل کریگا اور اگر وہ متعدی ہے تو یہ بھی فعل متعدی کا عمل کریگا لیکن اسکے عمل کیلئے دو شرطیں ہیں اوّل یہ کہ وہ بمعنی حال یا استقبال ہو اور یہ شرط اس لئے ہے کہ اسم فاعل فعل مضارع کیساتھ صورۃً اور معنًی مشابہ ہونیکی وجہ سے عمل کرتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ وہ معنی میں حال یا استقبال کے ہو تاکہ مضارع کے ساتھ مشابہت معنوی بھی متحقق ہو جائے۔ دوم یہ کہ وہ مبتدا یا ذوالحال یا موصول یا موصوف یا ہمزہ استفہام یا حرف نفی پر اعتماد کیے ہوئے ہو اور اعتماد کے لغوی معنی تکیہ کرنے کے ہیں اور مرادی معنی یہ ہے کہ اسم فاعل اپنے سے پیشتر کے ساتھ کچھ نہ کچھ علاقہ رکھتا ہو اور یہاں مراد یہ ہے کہ اسم فاعل سے پیشتر یہ چیزیں ہوں جن پر اسم فاعل تکیہ کیے ہوئے ہو یعنی وہ اسم فاعل ان سے کچھ نہ کچھ علاقہ رکھتا ہو پس وہ لفظ جو اس سے پیشتر ہے اگر مبتدا ہے تو یہ اس کی خبر ہو۔ اور اگر اس سے پیشتر ذوالحال ہے تو یہ اس سے حال ہو اور اگر اس سے پیشتر موصول ہو تو یہ اس کا صلہ ہو علی ہذا القیاس اور اسم فاعل کے عمل کیلئے اعتماد کی یہ شرط اس کی مشابہت فعل کیساتھ قوی کرنے کیلئے بڑھا دی گئی ہے کیونکہ وہ مثل فعل کے اپنے صاحب کیطرف مسند ہو گا اسی طرح ہمزہ استفہام اور مانافیہ پر اعتماد سے اسکی فعل کیساتھ مشابہت قوی ہو جاتی ہے اس واسطے کہ یہ دونوں اکثر فعل پر داخل ہوتے ہیں قولہ معتمدًا یہ کان کی دوسری خبر ہے قولہ زیدٌ قائمٌ ابوہ اس مثال میں زید مبتدا ہے اور قائم اسم فاعل اسکی خبر ہے اور ابوہ اسکا فاعل ہے قائم اپنے فاعل ابوہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتدا کی خبر ہے قولہ او ذی الحال اسکا عطف المبتدا پر ہے ای او معتمدًا علی ذی الحال قولہ جاءنی زیدٌ ضاربًا ابوہ عمرًوا (میرے پاس زید آیا در اں حالیکہ اسکا باپ عمرو کو مارنیوالا ہے) اسمیں زید ذوالحال ہے اور ضاربًا حال ہے اور ابوہ اس کا فاعل ہے اور عمرًوا اسکا مفعول بہ قولہ او موصول اسکا عطف ذی الحال پر ہے ای او معتمدًا علی موصول قولہ مررت بالضارب ابوہ عمرًوا (گزرا میں اس شخص کے پاس سے کہ اسکا باپ عمرو کو مارنیوالا ہے) اسمیں الف لام الضارب کا موصول کا ہے اور ضارب اپنے فاعل ابوہ اور اپنے مفعول بہ عمرًوا سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صلہ ہوا موصول اپنے صلہ سے مل کر مجرور ہوا با حرف جار کا باء اپنے مجرور سے مل کر مررت فعل کے متعلق ہوا قولہ او موصوف اسکا عطف موصول پر ہے ای او معتمدًا علی موصوف قولہ عندی رجل ضارب ابوہ عمرًوا (میرے پاس مرد ہے جسکا باپ عمرو کو مارنے والا ہے) اسمیں رجل موصوف ہے اور ضارب صفت اور ابوہ اسکا فاعل ہے اور عمرًوا اسکا مفعول بہ قولہ او ہمزۃ الاستفہام اسکا عطف موصوف پر ہے ای او معتمدًا علی ہمزۃ الاستفہام قولہ اقائم زیدٌ (کیا زید کھڑا ہونیوالا ہے) اسمیں ہمزہ استفہام کا ہے اور قائم اسم فاعل ہے اور زید اسکا فاعل قولہ او حرف النفی اسکا عطف ہمزۃ الاستفہام پر ہے ای او معتمدًا علی حرف النفی قولہ ما قائم زیدٌ (زید کھڑا ہونیوالا نہیں ہے) اسمیں ما حرف نفی ہے اور قائم اسم فاعل ہے اور زید اس کا فاعل ہے ۱۲

فان کان بمعنی الماضی وجبت الاضافۃ معنًی نحو زیدٌ ضاربُ عمرٍو امس ھذا اذا کان منکرًا امّا اذا کان معرّفًا باللام یستوی فیہ جمیع الازمنۃ نحو زیدٌ نِ الضاربُ ابوہ عمرًوا نِ الاٰن اوغدًا او امسِ **فصل** اسم المفعول اسم مشتقٌّ من فعلٍ متعدٍّ لیدلّ علٰی من وقع علیہ الفعلُ وصیغتہٗ من مجرّد الثلاثی علٰی وزن مفعول لفظًا کمضروبٍ وتقدیرًا کمقول ومرمیٍّ ومن غیرہ کاسم الفاعل بفتح ماقبل الاٰخر کمدخَلٍ ومُستخرجٍ ویعمل عمل فعلہ المجہول بالشرائط المذکورۃ

قولہ فان کان بمعنی الماضی الخ۔ اسمیں فاء تعقیبیہ ہے ای فان کان اسم الفاعل بمعنی الماضی الخ یعنی اگر اسم فاعل بمعنی ماضی ہے اور پھر اسکے مفعول بہ کا ذکر کیا گیا ہو تو وہ اسوقت بمعنی ماضی ہونیکی وجہ سے مفعول بہ میں عمل نہیں کریگا بلکہ اسوقت اسکی اضافت مفعول بہ کی طرف اضافت معنویہ ہو گی کیونکہ اضافت لفظیہ اضافت عامل بسوئے معمول سے عبارت ہے اور اسم فاعل جب بمعنی ماضی ہو عمل کی شرط جو اسکا بمعنی حال یا استقبال ہونا ہے منتفی ہونیکی وجہ سے عامل نہیں ہوتا اور اس کا مابعد معمول اسکا نہیں ہوتا جیسے زید ضارب عمرٍو امس (زید نے عمر کو کل گذشتہ مارا) اس میں ضارب چونکہ بمعنی ماضی ہے لہٰذا اسکی اضافت عمر مفعول بہ کیطرف واجب ہے اور یہ اضافت اضافت معنویہ ہے جاننا چاہیے کہ شرح میں اسم فاعل کو متعدی کے ساتھ مقید کیا اور ساتھ یہ جملہ اور پھر اسکے مفعول بہ کا ذکر کیا گیا ہو لگا کر یہ ظاہر کیا ہے کہ اسم فاعل کیلئے زمانہ حال یا استقبال کے ہونیکی شرط محض مفعول بہ میں عمل کرنے کیلئے ہے فاعل میں عمل کرنے کیلئے یہ شرط نہیں اور اس مقام پر شرح جامی کا اردیہ ذکر مفعولہ لنا بھی اس وجہ سے ہے **قولہ ہذا اذا کان منکرًا اما اذا کان الخ** یعنی اسم فاعل کا عمل جو بشرط معنی حال یا استقبال ہے اسوقت ہے جبکہ وہ نکرہ ہو لیکن جب وہ لام موصول کیساتھ معرف ہو یا لام تعریف کے ساتھ اسلئے کہ اس پر جب لام تعریف داخل ہوتا ہے تو اس وقت وہ شرائط عمل سے متعلق نہیں ہوتا کذا فی الرضی تو اس وقت اسمیں تمام زمانے برابر ہیں یعنی وہ اسوقت مفعول بہ میں عمل کریگا خواہ وہ بمعنی ماضی ہو خواہ بمعنی حال خواہ بمعنے استقبال اور نیز اسوقت کسی چیز پر اعتماد کی بھی شرط نہیں ہے اس لیئے کہ لام موصول داخل ہونیکے وقت اسم فاعل بحسب معنے فعل ہے اگرچہ بحسب صورت اسم ہے اور فعل کے عمل کرنیکے لیئے اسمیں تمام زمانے برابر ہیں پس الضارب بمعنی الذی ضرب ہے جیسے زید الضارب ابوہ عمرًو الاٰن او غدًا او امس (زید کا باپ عمر کو اسوقت مارنیوالا ہے یا کل کو ماریگا یا زید کے باپ نے عمر کو کل گذشتہ مارا) (تنبیہ) مصنفؒ کا قول اما اذا کان معرفًا باللام یستوی فیہ جمیع الازمنۃ باعتبار معنی یعمل عمل فعلہ المعروف ان کان بمعنی الحال او الاستقبال ومعتمدًا علی المبتدا او ذی الحال او موصول او موصوف او ہمزۃ الاستفہام او حرف النفی سے استثناء ہے ۱۲ **قولہ اسم المفعول اسم مشتق الخ** اسم مفعول وہ اسم ہے جو فعل المتعدی سے مشتق ہوتا کہ وہ اس ذات پر دلالت کرے جس پر فعل واقع ہوا ہے ۱۲ **قولہ اسم مشتق** لفظ اسم سے احتراز ہے جو مشتق نہ ہو اسلیئے کہ اسکو اسم مفعول نہیں کہتے قولہ من فعل متعد مصنفؒ نے من فعل کہا من مصدر نہیں کہا حالانکہ تمام صفات مصدر سے مشتق ہوتی ہیں اس کی وجہ وہی ہے جو اسم فاعل کے بیان میں گذر چکی مصنفؒ نے فعل کو متعدی کے ساتھ مقید کیا اسلیئے کہ اسم مفعول فعل لازم سے مشتق نہیں ہوتا قولہ لیدل یہ مشتق کے متعلق ہے اور اسکی ضمیر فاعل اسم کی طرف لوٹ رہی ہے **قولہ علی من وقع علیہ الفعل۔** اس سے اسم فاعل اور صفت مشبہ اور اسم تفضیل جو تفضیل فاعل کیلئے آتا ہے خارج ہو گئے اور نیز اس سے وہ اسم تفضیل جو تفضیل مفعول کیلئے آتا ہے خارج ہو گیا جیسے اشہر (زیادہ مشہور) یا اعرف (زیادہ معروف) اس لیئے کہ یہ من وقع علیہ الفعل مع الزیادۃ کیلئے موضوع ہیں اور اسم مفعول صرف لمن وقع علیہ الفعل کیلئے موضوع ہے ۱۲ **قولہ وصیغتہ من مجرد الثلاثی المجرد الخ** ۔ اور اسم مفعول کا صیغہ ثلاثی مجرد سے اکثر مفعول کے وزن پر آتا ہے اور اکثر کی قید اس لیئے ہے کہ کبھی وہ فعیل کے وزن پر بھی آتا ہے جیسے جریحٌ بمعنے زخمی ہوا اور قتیلٌ بمعنے قتل کیا ہوا قولہ لفظًا یعنی اسم مفعول کا صیغہ مفعول کے وزن پر یا تو لفظًا ہو گا جیسے مضروب بروزن مفعول ہے یا تقدیرًا ہو گا جیسے مقولٌ کہ اصل میں مقوولٌ بروزن مفعول تھا اور مرمیٌّ کہ اصل میں مرموی بروزن مفعول تھا ان دونوں میں تعلیل کر لی گئی ہے ۱۲ **قولہ ومن غیرہ الخ** ۵ اور اسم مفعول کا صیغہ غیر ثلاثی مجرد سے یعنی ثلاثی مزید اور رباعی مجرد اور رباعی مزید سے اسم فاعل کے صیغہ کے مانند ہے صرف فرق اس قدر ہے کہ اس میں اس کے آخر کے پیشتر کا حرف مفتوح ہوتا ہے اور اسم فاعل میں وہ مکسور ہوتا ہے اور یہ اس لئے کیا تاکہ اسم فاعل اور اسم مفعول میں فرق ہو جائے اور نیز اپنے مضارع مجہول کے ساتھ جسکے موافق وہ عمل کرتا ہے مطابق ہو جائے اور وہ وزن مذکور پر یا تو لفظًا ہو گا جیسے مدخل بفتح خاء معجمہ اور مستخرج بفتح راء مہملہ یا تقدیرًا جیسے مختار کہ اصل میں مختیر تھا بفتح یاء تحتانیہ ۱۲ **قولہ ویعمل عمل فعلہ المجہول الخ** ۶ اور اسم مفعول ان شرائط کے ساتھ جو بحث اسم فاعل میں گذر چکیں اپنے فعل مجہول کا سا عمل کرتا ہے پس اسم مفعول کے مفعول بہ میں عمل نصب کے لیئے جبکہ وہ منکر ہو شرط ہے کہ وہ بمعنی حال یا استقبال ہو اور امور مذکورہ میں سے کسی ایک پر اعتماد کیئے ہوئے ہو۔ اور ا (بقیہ بر صفحہ ۱۳۴ پر)

◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆

فی اسم الفاعلِ نحو زیدٌ مضروبٌ غلامُہ الآن او غدًا او امس **فصل** الصفة المشبهة اسمٌ مشتقٌّ من فعلٍ لازمٍ لیدلَّ علی من قامَ بہِ الفعلُ بمعنی الثبوتِ وصیغتُھا علی خلافِ صیغۃِ اسم الفاعلِ والمفعول انما تعرف بالسماعِ کحَسَنٍ وصَعْبٍ وظریفٍ وھی تعمل عملَ فعلہا مطلقًا بشرط الاعتماد المذکور ومسائلُھا ثمانیۃَ عشرَ لانّ الصفۃَ اِمّا باللام او مجردۃٌ عنہا ومعمولُ کلٍّ واحدٍ منہا اما مضافٌ او باللام او مجردٌ عنہما فھٰذہٖ ستۃٌ ومعمولُ کلٍّ منہا اِمّا مرفوعٌ او منصوبٌ او مجرورٌ فذلک ثمانیۃَ عشرَ وتفصیلُھا نحو جاءنی زیدٌ الحسن وجہُہٗ ثلثہ اوجہٍ وکذلک الحسن الوجہِ والحسن وجہٌ

(بقیہ صـ۱۳۳) مفعول نائب فاعل کو رفع دیگا اور اگر دوسرا مفعول ہو تو اس کو نصب دیگا جیسے زیدٌ معطی غلامہ درہمًا غدًا (زید کے غلام کو ایک درہم کل دیا جائیگا) شرح میں مفعول بہ میں عمل نصب کی قید اس لیے بڑھائی ہے کہ اسم مفعول کے عمل کیلئے زمانہ حال یا استقبال کی شرط مفعول بہ میں عمل نصب کے لیے ہے اور یہ شرط نائب فاعل کو رفع دینے کے لیے نہیں ہے اور وہ اس کو زمانہ حال یا استقبال کی شرط کے بغیر رفع دیتا ہے اور جب وہ معنی ماضی ہو تو اسکی اضافت مفعول بہ کی طرف اضافت معنویہ کے ساتھ واجب ہے جیسے زیدٌ معطی درہمٍ امس (بکسر میم درہم) اور جب معرف بلام موصولہ ہو تو اس میں تمام زمانہ برابر ہیں اور اسوقت وہ بمعنی ماضی ہو کر بھی عمل کریگا جیسے زیدن المعطی غلامہ درہمًا الآن او غدًا او امس اس مثال میں غلامہ (برفع میم) المعطی کا نائب فاعل ہے اور درہمًا اس کا دوسرا مفعول بہ ہے اور اسم مفعول چار قسم ہے کیونکہ فعل متعدی چار قسم ہے اوّل متعدی بیک مفعول جیسے ضرب دوم متعدی بدو مفعول جس کے ایک مفعول پر اقتصار جائز ہے جیسے اعطی سوم متعدی بدو مفعول جسکے ایک مفعول پر اقتصار جائز نہیں ہے جیسے اعلم چہارم متعدی بسہ مفعول جیسے اخبر جب مفعول چار قسم کے ہوئے اور اعتماد چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر ہوتا ہے تو چار کو چھ میں ضرب دینے سے چوبیس مثالیں حاصل ہونگی ۱۲ **فصل قولہ الصفۃ المشبہۃ الخ**۔ صفت مشبہ کو صفت مشبہ بوجہ مشابہ ہونے اسم فاعل کے کہا جاتا ہے جیسا کہ اسم فاعل تثنیہ جمع اور مذکر و مؤنث ہوتا ہے اس طرح پر صفت مشبہ بھی ہوتا ہے یہ فعل لازم سے مشتق ہوتا ہے اور دلالت کرنیوالا ہوتا ہے اس ذات پر جس کے ساتھ فعل کا قیام بطور ثبوت کے ہوتا ہے جیسے حسن میں صفت حسن بطور دوام و پائداری کے قائم ہے فرق ان دونوں میں یعنی صفت مشبہ اور اسم فاعل میں صرف یہی ہوتا ہے کہ اسم فاعل میں صفت عارضی اور صفت مشبہ میں لازمی اور دائمی ہوا کرتی ہے پس ضارب جس شخص کیلئے کہا جائیگا تو مراد یہ ہوگا کہ صفت ضرب پہلے نہ تھی اب ہوگئی اور تھوڑی دیر میں صدور ضرب کے اختتام کے بعد یہ صفت ضرب بھی ختم ہو جائے گی لیکن حسنٌ (صفت مشبہ) جس شخص کیلئے کہا جائیگا اسمیں صفت حسن ہر وقت پائی جائیگی۔ اسی طرح کریم بھی جب ہی صفت مشبہ ہوگا کہ صفت کرم اس موصوف یعنی صاحب کرم میں دائمی اور پائدار ہو ۱۲۔ **قولہ اسم مشتق الخ** ۲ مشتق کی قید لگا کر جامد سے احتراز کر دیا من فعل لازم کی قید سے اس اسم فاعل اور اسم مفعول اور افعل التفضیل سے احتراز ہے جو کہ فعل متعدی سے مشتق ہوتے ہوں ۱۲ **قولہ لیدل الخ** ۳ یدل مشتق کے ساتھ متعلق ہے ضمیر فاعل کا مرجع اسم ہے **قولہ علی من قام بہ الفعل الخ** اس قام بہ الفعل کی قید سے اسم زمان اور اسم مکان اور اسم آلہ خارج ہو گئے ۱۲ **قولہ بمعنی الثبوت** تام کے متعلق ہو کر اس اسم فاعل اور اسم تفضیل کو خارج کر دیا جو فعل لازم سے مشتق ہوتے تھے جیسے فاضلٌ اور افضل ۱۲ **قولہ وصیغتہا علی خلاف الخ** ۱۲ صفت مشبہ کا صیغہ اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغہ کے مخالف ہونے کا مطلب ہے کہ صفت مشبہ کے صیغوں کے وزن پر نہیں آتا یہ جمہور نحاۃ کے نزدیک ہے لیکن ابن مالک اور صاحب الغیہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اسم فاعل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ آتا ہے لیکن بر سبیل قلت جیسے شاحط بمعنی شحیط ای بعید ۱۲ **قولہ انما تعرف الخ** یہ وصیغتہا کی دوسری خبر ہے پہلی خبر علی خلاف الخ ہے اور یہ دوسری خبر پہلی خبر کی دلیل کو متضمن ہے یعنی صفت مشبہ کے صیغے اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغے کے مخالف ہیں اس لیے کہ صفت مشبہ کے صیغے سماعی ہیں اور اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغے قیاسی جیسے حسنٌ (خوب و نیک صاحب جمال) اور صعب بمعنی (دشوار اور کار سخت) اور ظریف (عقلمند اور خوش طبع) ۱۲ **قولہ وہی تعمل الخ** ۱ اور صفت مشبہ مطلقًا زمانہ حال اور استقبال کی شرط کے اپنے فعل لازم کا سا عمل کرتا ہے اس لیے کہ وہ بمعنی ثبوت و دوام ہوتا ہے نہ بمعنی حدوث اور زمانہ حال یا استقبال کی شرط حدوث کے وقت لگائی جاتی ہے لیکن اس کے عمل کیلئے موصول کے سوا باقی امور مذکورہ پر اعتماد شرط ہے موصول پر عدم اعتماد اس لیے ہے کہ در حقیقت وہ لام ، غلط جسے موصول سے تعبیر کیا جاتا ہے بالاتفاق موصولہ نہیں ہے اور واضح رہے کہ صفت مشبہ کا عمل اپنے فعل سے اس لئے زائد ہوتا ہے کہ صفت مشبہ اپنے معمول کو نصب بوجہ مشابہت ساتھ مفعول اسم فاعل کے دیتا ہے بخلاف اسکے فعل کے کہ وہ معمول کو نصب نہیں دیتا ۱۲ **قولہ ومسائلہا الخ** ۹ یعنی صفت مشبہ کے مسائل اور اسکی قسمیں اٹھارہ ہیں صفت مشبہ کی ہر قسم کو مسئلہ اس لیے کہا گیا کہ اس کے حکم سے سوال کیا جاتا ہے اور اس سے بحث کی جاتی ہے

وَحَسُنَ وَجِهِهٖ وَحَسُنَ الوجہِ وَحسنٌ وجہٍ وھی علی خمسۃِ اقسامٍ منھا مُمْتَنِعٌ الحسن وجہٍ والحسن وجھہ ومختلف فیہ حسن وجھِہٖ والبواقی احسنُ ان کان فیہ ضمیرٌ واحدٌ وحسنٌ ان کان فیہ ضمیران وقبیحٌ ان لم یکن فیہ ضمیرٌ

(بقیہ صفحہ ۱۳۴) **قولہ لان الصفۃ** یعنی صفت مشبہ کی اٹھارہ قسمیں اس لئے ہیں کہ صفت مشبہ یا تو معرف بلام تعریف ہوگا جیسے الحسن یا معرف باللام نہ ہوگا جیسے حسن اور پھر ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کا معمول یا تو مضاف ہوگا جیسے وجہہ یا معرف باللام ہوگا جیسے الوجہ یا ان دونوں چیزوں سے خالی ہوگا جیسے وجہ تین کو دو میں ضرب دینے سے چھ قسمیں ہوتی ہیں اور صفت مشبہ کے معمول کی حالتیں باعتبار اعراب تین ہیں یا تو فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہوگا یا وہ بنابر مشابہ ہونیکے مفعول بہ سے منصوب ہوگا۔ اگر وہ معرفہ ہے یا اگر وہ نکرہ ہے تو تمیز ہونیکی بنا پر منصوب ہوگا یا اس بنا پر کہ صفت مشبہ اسکی طرف مضاف ہے مجرور ہوگا۔ پس چھ کو تین میں ضرب دینے سے اٹھارہ صورتیں ہوئیں جو ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہیں

	قسم معمول	حالت رفعی	حالت نصبی	حالت جری
صفت مشبہ معرف باللام	جب کہ معمول مضاف ہو	زیدٌ الحسن وجہُہٗ مم	زیدٌ الحسن وجہَہٗ ح	زیدٌ الحسنُ الوجہہٖ مم
	جبکہ معمول معرف باللام ہو	والحسن الوجہ ق	زیدٌ الحسنُ الوجہَ ا	زیدٌ الحسنُ الوجہِ ا
	جبکہ معمول ان دونوں سے خالی ہو	زیدٌ الحسنُ الوجہُ ق	زیدٌ الحسن وجہًا ا	زید الحسن وجہٍ مم
صفت مشبہ غیر معرف باللام	جبکہ معمول مضاف ہو	زیدٌ الحسنُ وجہُہٗ ا	زیدٌ حسنٌ وجہَہٗ ح	زیدٌ حسنُ وجہِہٖ مخ
	جبکہ معمول معرف بلام ہو	زیدٌ حسنٌ الوجہُ ق	زیدٌ حسنٌ الوجہَ ا	زیدٌ حسنُ الوجہِ ا
	جبکہ معمول ان دونوں سے خالی ہو	زیدٌ حسنٌ وجہٌ ق	زیدٌ حسنٌ وجہًا ا	زیدٌ حسنُ وجہٍ ا

قولہ وہی علی خمسۃ اقسام الخ یعنی صفت مشبہ کے مسائل باعتبار احسنیت اور حسن اور قبح اور اختلاف اور امتناع کے پانچ قسم ہیں ان میں سے دو صورتیں ممتنع ہیں اول الحسن وجہٖ یعنی صیغہ صفت معرف باللام ہو اور پھر وہ معمول مجرد عن اللام کی طرف مضاف ہو اس کے امتناع کی وجہ یہ ہے کہ اس ترکیب میں معرفہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہے جو اضافت معنویہ میں ممتنع ہے لہٰذا ممتنع کے ساتھ مشابہ ہونیکی وجہ سے نحات نے اسکو ممتنع قرار دیا۔ دوم الحسن وجہہ یعنی صیغہ صفت معرف باللام ہو اور معمول کی طرف مضاف ہو اور پھر معمول موصوف کی ضمیر کی طرف مضاف ہو اس کے امتناع کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اضافت سے کچھ تخفیف نہیں ہوئی اس لیے کہ صفت مشبہ میں تخفیف یا تو حذف تنوین سے ہوتی ہے جیسے حسنُ وجہٍ میں یا حذف نون تثنیہ اور نون جمع سے یا ضمیر موصوف کے فاعل صفت سے حذف ہونے سے جیسے الحسن الوجہ کہ اصل میں الحسنُ وجہُہٗ تھا اضافت کے وقت وجہہ کی ضمیر حذف کرکے الحسن میں مستتر کر دی گئی اور ترکیب مذکورہ میں اضافت نے وجوہ مذکورہ میں سے کسی وجہ کا فائدہ نہیں دیا اس لیے کہ تنوین لام کی وجہ سے حذف ہو گئی اور وجہہ کی ضمیر اپنے حال پر باقی ہے اور ایک صورت مختلف فیہ ہے وہ یہ کہ صیغہ صفت معرف باللام نہ ہو اور وہ اس معمول کی طرف مضاف ہو جو ضمیر موصوف کی طرف مضاف ہے جیسے حسن وجہہ سیبویہ اور نحات بصرہ قباحت کے ساتھ ضرورت شعر میں جائز رکھتے ہیں اور قباحت کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ اضافت لفظیہ تخفیف کیلئے ہے پس اس لیے اس سے اعلیٰ درجہ کی تخفیف ہونی چاہیے اور وہ تخفیف اعلیٰ درجہ کی تب ہو گی کہ مضاف سے تنوین اور مضاف الیہ ضمیر حذف ہو جائے لیکن یہاں حذف مضاف سے تنوین حذف کر لیا اور اعلیٰ درجہ کی تخفیف باوجود ممکن ہونے کے نہیں کیا یعنی ضمیر مضاف الیہ سے حذف نہ کیا لہٰذا اعلیٰ درجہ کے تخفیف پر قدرت ہونے کے باوجود ادنیٰ پر اکتفا کرنا قبیح ہے اور نحاۃ کوفہ کے نزدیک جواز کیلئے فی الجملہ تخفیف جو کہ حذف تنوین ہے کافی ہے اس لیے قباحت لازم نہیں آتی پس چاہیئے تھا کہ اعلیٰ درجہ کی تخفیف ہوتی یعنی مضاف سے تنوین اور مضاف الیہ سے ضمیر حذف ہوتی لیکن چونکہ یہاں ادنیٰ درجہ کی تخفیف ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف مضاف سے تنوین حذف ہوتی ہے اور مضاف الیہ سے ضمیر حذف نہیں ہوتی حالانکہ اعلیٰ درجہ کی ممکن تھی لہٰذا اعلیٰ درجہ کی تخفیف کے ہوتے ہوئے ادنیٰ درجہ کی تخفیف پر اکتفا کرنا قبیح ہے اور نحاۃ کوفہ بلا قباحت کے جائز رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جواز کے لئے فی الجملہ تخفیف کافی ہے اور وہ حذف تنوین ہے جو یہاں پائی جاتی ہے **قولہ والبواقی احسن الخ** یعنی اٹھارہ قسموں میں سے جو باقی رہ گئیں اور وہ پندرہ ہیں ان میں سے ہر وہ قسم جس میں صرف ایک ضمیر ہے خواہ صفت میں ہو خواہ معمول میں احسن ہے اور وہ نو قسمیں ہیں اور یہ احسن اسلئے ہیں کہ موصوف کے ساتھ ربط کیلئے بقدر حاجت بغیر زیادتی و نقصان ایک ضمیر کا ہونا کافی ہے اور ہر وہ قسم جنمیں دو ضمیریں ہیں ایک صفت میں اور دوسری معمول میں وہ حسن ہیں اور وہ دو قسمیں ہیں انکے حسن کی وجہ یہ ہے کہ وہ ضمیر محتاج الیہ پر مشتمل ہے اور وہ ضمیر صفت ہے جس کا ہونا ماقبل کے ربط کیلئے ضروری ہے اور غیر احسن اس وجہ سے ہے کہ وہ ضمیر زائد علی الحاجۃ پر مشتمل ہے اور وہ ضمیر معمول میں ہے اور ربط پہلی ضمیر سے حاصل ہو چکا ہے لہٰذا یہ زائد علی الحاجۃ ہوئی۔ اور ہر وہ قسم جس میں کوئی ضمیر نہیں ہے قبیح ہے اور اس کی چار قسمیں ہیں اور یہ قبیح اس لیے ہیں کہ ضمیر محتاج الیہ کے نہ ہونیکی وجہ سے موصوف کے ساتھ ربط نہیں رہا۔ نقشہ مذکورہ میں احسن کے لیے الف اور حسن کے لیے ح اور قبیح کے لیے ق اور مختلف فیہ کے لیے مخ اور ممتنع کے لیے مم لکھا گیا ہے ۱۲

* * *

والضابطۃُ اَنّکَ مَتٰی رفعتَ بہا معمولہا فلا ضمیر فی الصفۃِ ونصبتَ او جررتَ ففیہا ضمیر الموصوف نحو زید حسن وجہہٖ **فصل** اسم التفضیل اسمٌ مشتقٌ من فعل لیدُلّ علی الموصوفِ بزیادۃ علی غیرہٖ وصیغتُہٗ افعلُ فلا یُبنی الا من الثلاثی المجردِ الذی لیس بلون ولا عیب نحو زیدٌ افضل الناس فاِن کانَ زائدًا علی الثلاثی او کان لونًا او عیبًا یجب ان یُبنٰی افعل من ثلاثی مجرّدٍ لیدل علی مبالغۃٍ وشدۃٍ وکثرۃ ثم یذکر بعدہٗ مصدرُ ذٰلک الفعلِ منصوبًا علی التمییز کما تقول ھو اَشدّ استخراجًا واقوٰی حمرۃً واقبح عرجًا

قولہ والضابطۃ انک الخ یہاں سے مصنفؒ ضمیر کے پہچاننے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ جب تم صفت مشبہ کے معمول کو رفع دو تو اس وقت صفت مشبہ میں کوئی ضمیر نہیں ہوگی کیونکہ اسوقت اسکا معمول خود اس کا فاعل ہے اور جب تم صفت کے معمول کو نصب یا جر دو تو اس وقت صفت مشبہ میں ایک ضمیر ہوگی جو موصوف کی طرف لوٹے گی اور وہی ضمیر صفت مشبہ کا فاعل ہوگی اور اس وقت صفت کی تذکیر و تانیث اور اسکا تثنیہ و جمع موصوف کے لحاظ سے ہوگا کیونکہ ضمیر کا اپنے مرجع کے ساتھ مطابق ہونا ضروری ہے جیسے زیدٌ حسنٌ وجہہٗ اور ہندٌ حسنۃٌ وجہًا اور ہندٌ حسنۃٌ وجہٍ والزیدان حسنان وجہًا اور الزیدون حسنون وجہًا اور الزیدون حسنو وجہٍ ۱۲ **قولہ اسم التفضیل اسم مشتق الخ ۲** یعنی اسم تفضیل وہ اسم ہے جو فعل یعنی مصدر سے مشتق ہو تاکہ وہ اس ذات پر دلالت کرے جو اپنے غیر سے معنی مصدری کے ساتھ زیادہ متصف ہے مصنفؒ نے لیدل علی الموصوف کہا علی من قام بہ یا علی من وقع علیہ نہیں کہا تاکہ وہ اسم تفضیل کے دونوں قسموں کو جو فاعل کی تفضیل اور مفعول کی تفضیل کیلئے شامل ہو جائے جیسے اَضرب (زیادہ مارنیوالا) فاعل کی تفضیل کے لئے ہے اور جیسے اَشہر (زیادہ مشہور) یہ مفعول کی تفضیل کیلئے ہے ۱۲ **قولہ بزیادت الخ ۳** یہ یا تو الموصوف کے متعلق ہے ای لیدل علی الذی وصف بزیادۃ علی غیرہ یا بمعنی مع ہے اور اسوقت الموصوف کا صلہ محذوف ہوگا ای علی امر موصوف فضل ہے اس سے اسماء زمان و مکان و آلہ خارج ہو گئے ۱۲ **قولہ بزیادت علی غیرہ الخ ۴** اس سے اسم فاعل اور اسم مفعول اور صفت مشبہ خارج ہو گئے اور اسی طرح اس قید سے اسم فاعل جو مبالغہ کیلئے وضع کیا گیا ہے خارج ہو گیا جیسے ضَرّاب اور ضَرُوب (بہت مارنیوالا) کیونکہ یہ اگرچہ زیادت پر دلالت کرتے ہیں لیکن انمیں زیادت علی الغیر کا لحاظ نہیں ہوتا اسی طرح اس قید سے لفظ زائد اور کامل خارج ہو گئے کیونکہ بزیادت علی غیرہ کے یہ معنی ہیں کہ موصوف کی زیادت اس کے غیر پر اسی فعل میں ہو جس سے یہ مشتق ہے اور زائد اور کامل سے غیر پر زیادت کا ارادہ اس فعل میں جس سے یہ دونوں مشتق ہیں نہیں ہوتا پس زیادت اور کمال پر کمال کا ارادہ نہیں کیا جاتا بلکہ ان سے دوسری چیز کی زیادتی اور کمال کا ارادہ ہوتا ہے ۱۲ **قولہ وصیغتہ افعل الخ ۵** اور اسم تفضیل کا صیغہ افعل مذکر کے لیے ہے اور فعلٰی مؤنث کیلئے اور اس میں خیر، شر داخل ہیں اسلیے کہ یہ اصل میں اخیر اور اشر تھے نیز یہ صیغہ صرف ثلاثی مجرد سے آتا ہے ثلاثی مزید اور رباعی مجرد و مزید سے نہیں آتا اسلئے کہ ثلاثی مزید اور رباعی سے اسم تفضیل کا اس وزن پر آنا محال ہے کیونکہ اگر حروف کم کئے جائیں تو لفظاً اور معنیً خلل لازم آتا ہے اور اگر حروف کم نہ کریں تو وزن افعل سے بڑھ جائیگا۔ اور پھر ثلاثی مجرد سے بھی اس سے آتا ہے جسمیں لون اور عیب کے معنی نہ ہوں اس واسطے کہ اس سے جسمیں لون و عیب کے معنی ہوں غیر تفضیل کیلئے افعل صفت کا صیغہ آتا ہے پس اگر افعل تفضیل کو بھی اس سے بنایا جائے تو افعل تفضیل کا افعل صفت کے ساتھ التباس ہوگا جیسے اسود (سیاہ رنگ والا) اعور (کانا) انکی مؤنث سوداء اور عوراء آتی ہے مثلاً اگر اسود کہیں تو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس سے مراد سیاہ رنگ والا ہے یا زیادہ سیاہ رنگ والا اور عیب سے مراد عیب ظاہری ہے نہ باطنی لہٰذا اجہل (زیادہ جہالت والا) اور ابلد (زیادہ بلادت والا) سے جو جہل اور بلادت سے مشتق ہیں اور عیوب باطنہ سے ہیں اعتراض وارد نہیں ہوگا ۱۲ **قولہ زیداً افضل الناس الخ ۶** زید سب لوگوں سے زیادہ فضیلت والا ہے، اسمیں افضل اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو افعل کے وزن پر ہے اور فضل سے جو ثلاثی مجرد ہے اور معنی لون و عیب ظاہر سے خالی ہے مشتق ہے ۱۲ **قولہ فان کان زائداً علی الثلاثی** یعنی اگر فعل ثلاثی مجرد سے زائد ہو یعنی ثلاثی مزید ہو یا رباعی مجرد یا رباعی مزید یا ثلاثی مجرد سے ہو جسمیں لون و عیب کے معنی ہیں تو اس وقت واجب ہے کہ افعل کے وزن پر ثلاثی مجرد سے لفظ شدت یا کثرت یا قوت یا اضعف یا اقبح یا احسن وغیرہ سے جو مقصود کے موافق ہو صیغہ بنائیں تاکہ وہ مبالغہ اور شدت اور کثرت پر دلالت کرے اسکے بعد اس فعل کے مصدر کو جس سے اسم تفضیل بنانا ممتنع ہے بنابر تمیز منصوب کریں جیسے ہو اشد منہ استخراجًا (وہ اس سے از روئے نکالنے کے زیادہ سخت ہے) یہ ثلاثی مزید فیہ سے اسم تفضیل بنانے کی مثال ہے اور جیسے ہو اقوی منہ حمرۃً (وہ اس سے از روئے سرخ ہونیکے زیادہ قوی ہے) یہ ثلاثی مجرد سے جس میں لون کے معنی ہوں اسم تفضیل بنانے کی مثال ہے اور جیسے ہو اقبح منہ عرجًا (وہ اس سے از روئے لنگڑا ہونیکے زیادہ قبیح ہے) یہ ثلاثی مجرد سے جس میں عیب کے معنی ہوں اسم تفضیل بنانے کی مثال ہے ۱۲

✦ ✦ ✦

وقیاسُہ ان یکونَ للفاعِل کما مرّ و قد جاءَ للمفعول قلیلًا نحو اعذر و اشغل و اشھر و
استعمالُہ علیٰ ثلثۃ اوجہٍ امّا مضافٌ کزیدٌ افضلُ القوم او معرّفٌ باللام نحو زیدٌ الافضلُ
او بمن نحو زیدٌ افضلُ من عمرٍو و یجوز فی الاولِ الافرادُ و مطابقۃ اسم التفضیل للموصوف
نحو زیدٌ افضلُ القوم والزیدان افضلُ القوم و افضلا القوم والزیدون افضلُ القوم و افضلوا
القوم و فی الثانی یجب المطابقۃ نحو زیدٌ الافضلُ والزیدان الافضلانِ والزیدونَ
الافضلُون و فی الثالث یجبُ کونہ مفردًا مذکرًا ابدا نحو زیدٌ و ھندٌ والزیدان والھندان والزیدون
والھندات افضلُ من عمرٍو و علی الاوجہ الثلثۃ یضمر فیہ الفاعلُ و ھو یعمل فی ذٰلک المضمر ولا یعمل

قولہ وقیاسہ ان یکون للفاعل الخ یعنی اسم تفضیل کا قیاسی استعمال یہ ہے کہ وہ فاعل کیلئے ہو جیسے اسکی مثالیں گذر چکیں اور مفعول کیلئے نہ ہو اس لیے کہ اگر اسم تفضیل دونوں کیلئے قیاسی طور پر کثرت سے آئے تو التباس واقع ہوگا اور یہ معلوم نہیں ہوگا کہ وہ فاعل کیلئے ہے یا مفعول کیلئے لہذا فاعل پر جو اشرف ہے اکتفا کیا جیسے افضل (زیادہ فضیلت والا) اور کبھی وہ خلاف قیاس مفعول کی تفضیل کیلئے بھی آتا ہے جیسے اعذر (زیادہ معذور) اور جیسے اشغل (زیادہ کام میں لگا ہوا) اور جیسے اشہر (زیادہ مشہور) ۱۲ **قولہ استعمالہ علی ثلثۃ اوجہ الخ** اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے ساتھ ہے یا تو وہ مضاف ہو کر مستعمل ہوگا جیسے زید افضل الناس یا معرف بلام عہد خارجی ہو کر جیسے زیدن الافضل زیدن الذی عہدکو نہ افضل من عمرو مثلًا یا لفظ من کے ساتھ ہو کر جیسے زید افضل من عمرو اور پھر ان تینوں استعمالوں میں سے اصل من کا استعمال ہے پھر اضافت کا پھر لام کا اور اسم تفضیل کا ان تینوں استعمالوں سے خالی ہونا ناجائز ہے پس زید افضل بغیر کسی استعمال کے ناجائز ہے ہاں اگر مفضل علیہ قرائن سے معلوم ہو سکتا ہو تو وہاں اسکا مقدر ہونا جائز ہے اور اسوقت اسکا وجوہ ثلاثہ میں سے بغیر کسی وجہ کے استعمال کرنا جائز ہے جیسے اللہ اکبر ای اکبر من کل شئی او اکبر کل شئی اور جیسے زید کریم و خالد اکرم ای اکرم من زید اور اسم تفضیل میں دو استعمال کا جمع ہونا ناجائز ہے پس زیدن الافضل من عمرو ناجائز ہے ۱۲ **قولہ یجوز فی الاول الافراد الخ** یعنی پہلے اول میں اسم تفضیل کا مفرد لانا بھی جائز ہے اور یہ کہ اسکو مطابق موصوف کے لائیں یہ بھی جائز مفرد لانا تو اسلئے جائز ہے کہ یہ اسم تفضیل مستعمل بمن کے ساتھ مفضل علیہ کے مذکور ہونے میں مشابہ ہے اور مستعمل بمن میں ہمیشہ افراد واجب ہے لہذا مشابہت مذکورہ کی وجہ سے مشابہ میں بھی یہ جائز رکھا جائے کہ وہ بھی مفرد ہو لیکن چونکہ اسکی دوسری چیز کیساتھ بھی مشابہت ہے لہذا اسمیں افراد واجب نہیں باقی اسم تفضیل کی موصوف کیساتھ مطابقت سو وہ اسلئے جائز ہے کہ اسم تفضیل اور من ہو اسم تفضیل حقیقت میں صفت و موصوف ہیں اور صفت و موصوف میں مطابقت ہوتی ہے اور نیز چونکہ وجود اضافت کے لحاظ افعل من کے مخالف ہے لہذا اسمیں اسم تفضیل کو موصوف کیساتھ بھی مطابقت جائز رکھی گئی جیسے زید افضل الناس اور الزیدان افضلا الناس اور الزیدون افضلو الناس اور ہند فضلی النساء اور الہندان فضلیا النساء اور الہندات فضلیات النساء اور یہ جواز اس وقت ہے جبکہ اسم تفضیل سے صرف مضاف الیہ پر زیادتی مقصود ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا لیکن اگر اسم تفضیل سے مطلق زیادتی مقصود ہو صرف مضاف الیہ پر زیادتی مقصود نہ ہو تو اس وقت اسمیں دونوں وجہیں جائز نہیں ہونگی بلکہ اسوقت اسکا حکم معرف باللام کا ہوگا جو آگے آرہا ہے جیسے رسولنا علیہ الصلوۃ والتسلیم افضل قریش ای افضل الناس من بین قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گو قریش میں ہیں لیکن یہاں آپ کی زیادت فضیلت صرف قریش پر مقصود نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں پر آپکی زیادتی فضیلت مقصود ہے اور اس صورت میں اسم تفضیل کی اضافت محض توضیح کیلئے ہوتی ہے مضاف الیہ پر تفضیل کیلئے نہیں ہوتی ۱۲ **قولہ وفی الثانی الخ** یعنی اسم تفضیل معرف باللام کی من ہو لہ کیساتھ موافقت ضروری ہے اسلئے کہ اسم تفضیل اور من ہو لہ موصوف صفت ہیں اور تطابق کیلئے کوئی مانع نہیں ہے اسوجہ سے موافقت ضروری ہے ۱۲ **قولہ وفی الثالث الخ** یعنی وہ اسم تفضیل کہ مستعمل بمن ہو ہمیشہ مفرد مذکر ہوتا ہے اس لیے کہ علامت تانیث یا علامت جمع کی متقاضی جب اس پر داخل ہو تو دو صورتیں ہیں یا قبل از من داخل ہونگی یا بعد از من قبل از من داخل ہونا جائز نہیں اسلئے کہ من شدت اتصال کی وجہ سے مثل جزو کلمہ کے ہے پس اسوقت علامت تانیث یا جمع کا وسط کلمہ میں داخل ہونا لازم آئیگا اور وہ محال ہے اور اگر علامت تانیث و جمع بعد از من داخل ہوں تو یہ بھی جائز نہیں اسلئے کہ من حقیقت میں دوسرا کلمہ ہے پس اسوقت ایک کلمہ کی علامت کا ادخال دوسرے کلمہ پر لازم آتا ہے اور قباحت اسکی اظہر من الشمس ہے ۱۲ **قولہ وعلی الاوجہ الثلثۃ الخ** یعنی اسم تفضیل کا استعمال طرق ثلثہ میں کسی طریقہ پر ہو مگر ہر صورت میں اسکے اندر ایک ضمیر ہوتی ہے اور وہ ضمیر اس کا فاعل ہوتی ہے اور اسی ضمیر میں اسکا عمل ہوتا ہے ۱۲ **قولہ وہو لا یعمل فی المظہر اصلًا الخ** یعنی اسم تفضیل ہمیشہ ضمیر مستتر میں جو اسکا فاعل ہوتی ہے عمل کرتا ہے اور وہ اسم مظہر یعنی اسم ملفوظ میں کبھی عمل نہیں کرتا خواہ اسم ملفوظ فاعل مظہر ہو خواہ ضمیر بارز خواہ مفعول بہ مظہر ہو خواہ مفعول بہ مستتر البتہ وہ اس صورت میں جس کو مثال رأیت رجلًا الخ کے مثل ہے عمل کرتا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے اس لیے کہ اسم تفضیل کا عمل دو قسم پر ہے۔ ایک عمل نصب دوسرا عمل رفع پھر اس کا عمل نصب دو قسم پر ہے (باقی بر صفحہ ۱۳۹ پر)

◆ ◆ ◆

فی المظهر اصلًا الا فی مثل قولهم ما رأیت رجلًا احسن فی عینه الکحل منه فی عین زیدٍ فان الکحل فاعلٌ لاحسن وههنا بحث القسم الثانی فی الفعل وقد سبق تعریفه واقسامه ثلثة ماضٍ ومضارعٌ وامرٌ الاول الماضی

(بقیہ صفحہ ۱۳۷) ایک بنا بر مفعولیت دوسرا بنا بر حال یا بنا بر ظرف یا بنا بر تمیز پس اسم تفضیل مفعول بہ میں بالکل عمل نہیں کرتا ہے خواہ مفعول بہ مظہر ہو خواہ مضمر کیونکہ اسم تفضیل کا معمول مفضول علیہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا اور مفضول علیہ جب مذکور ہوتا ہے تو وہ مجرور ہوتا ہے پس وہ اسمیں بواسطہ حرف جر عمل کرتا ہے اور وہ حال اور تمیز اور ظرف میں بغیر کسی شرط کے عمل کرتا ہے جیسے زیدٌ احسن منک الیوم راکبًا ظرف اور حال میں عمل کرنے کی مثال ہے اسمیں الیوم ظرف ہے اور راکبًا حال اور قول باری تعالیٰ انا اکثر منک مالًا واعز نفرًا میں تجھ سے از روئے مال کے زیادہ ہوں اور از روئے نفر کے زیادہ غلبہ والا ہوں یہ تمیز میں عمل کرنے کی مثال ہے اسمیں مالًا اکثر کی تمیز ہے اور نفرًا اعزّ کی ہے حال اور ظرف میں بغیر کسی شرط کے عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں معمول ضعیف ہیں لہٰذا ان میں عمل کرنیکے لیے عامل کے فعل کے ساتھ تھوڑی سی مشابہت کافی ہے اور اسم تفضیل فعل کیساتھ اس حیثیت سے کہ وہ معنے حدثی پر دلالت کرتا ہے مشابہ ہے اور تمیز بھی معمول ضعیف ہے جب اس میں وہ چیز جو معنی فعل سے خالی ہے تو اس میں وہ چیز جو فعل کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت رکھتی ہے بدرجہ اولیٰ عمل کریگی اور عمل رفع میں جو بنا بر فاعلیت ہوتا ہے تین قسم پر ہے ایک ضمیر مستتر میں عمل کرنا دوسرے ضمیر بارز میں عمل کرنا تیسرے اسم ظاہر میں عمل کرنا ضمیر مستتر میں وہ بغیر کسی شرط کے عمل کرتا ہے کیونکہ ضمیر مستتر معمول ضعیف ہے اور معمول ضعیف عمل کرنیکے لیے کسی قوی عامل کی ضرورت نہیں اور ضمیر بارز اور اسم ظاہر میں وہ بغیر کسی شرط کے عمل نہیں کرتا اسلئے کہ یہ دونوں معمول قوی ہیں اور اسم تفضیل عامل ضعیف ہے اپنے ضعف کی وجہ سے اس میں عمل نہیں کر سکتا لہٰذا ان دونوں میں اسکے عمل کرنے کی چند شرطیں ہیں جن کو مصنفؒ نے مثال ما رایت رجلًا الخ میں بیان کی ہیں ۱۲ **قولہ الا فی مثل قولهم ما رایت الخ** یہ لایعمل فی المظہر اصلًا سے استثناء ہے یعنی اسم تفضیل اسم مظہر میں عمل نہیں کر سکتا لیکن وہ ما رایت رجلًا الخ جیسے ترکیب میں فاعل مظہر میں عمل کرتا ہے مصنفؒ نے اس ترکیب سے اسم تفضیل کے فاعل مظہر میں عمل کرنے کیلئے تین شرطوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس ترکیب میں یہ تینوں شرطیں پائی جائیں گی وہاں اسم تفضیل فاعل مظہر میں عمل کریگا۔ اور وہ تین شرطیں یہ ہیں اول یہ کہ اسم تفضیل باعتبار لفظ ایک شئی کی صفت ہو اور وہ باعتبار معنی اس شئے کے متعلق کی صفت ہو دراں حالیکہ وہ متعلق اس شئے اور دوسری شئے میں مشترک ہو دوم یہ کہ وہ متعلق شئے ایسا ہو جو اس شئے کے اعتبار سے مفضل ہو اور دوسرے شئے کے اعتبار سے مفضل علیہ بھی لیکن دو اعتبار سے ہو سوم یہ کہ وہ اسم تفضیل منفی ہو۔ یاد رکھنا چاہیے کہ متعلق شئے کا اس شئے کے اعتبار سے مفضل ہونا اور دوسری شئے کے اعتبار سے مفضل علیہ ہونا نفی کے داخل ہونے سے پیشتر ہے لیکن نفی کے داخل ہونے کے بعد معنی برعکس ہیں کما لا یخفی علی المتامل جیسے ما رایت رجلًا احسن فی عینہ الکحل منہ فی عین زید اس مثال میں پہلے اثبات کے معنے کو لحاظ کرنا چاہیے تاکہ کلام کے معنے ظاہر ہو جاویں اور پھر اس کے بعد نفی کے معنی کو مثال مذکور میں احسن اسم التفضیل ہے جو باعتبار لفظ ایک شئ یعنی رجلًا کی صفت ہے اور باعتبار معنی یعنی متعلق رجل یعنی کحل کی صفت ہے اور یہ کحل رجل اور زید کی آنکھ میں مشترک ہے اور یہ کحل باعتبار عین رجل مفضل ہے اور باعتبار عین زید مفضل علیہ ہے اور اس وقت معنی یہ ہیں کہ میں نے ایک مرد کو دیکھا جسکی آنکھ میں سرمہ زید کے آنکھ کے سرمہ سے زیادہ اچھا ہے اس میں نفی کے سوا باقی سب شرطیں ظاہر ہو گئیں لیکن جب اس پر نفی داخل ہوئی تو اسم تفضیل مثبت سے منفی ہو جائیگا اور تینوں شرطیں پائی جائیں گی اور نفی کے بعد کحل باعتبار عین رجل مفضل علیہ ہے اور باعتبار عین زید مفضل ہے اور نفی کے بعد مقصود زید کی آنکھ کے سرمہ کی تعریف ہے اس مثال میں ما نافیہ ہے اور رجلًا مفعول بہ رایت کا ہے اور احسن اسم تفضیل ہے جو الکحل میں عمل کر رہا ہے اور الکحل اسم ظاہر ہے جو احسن کا فاعل ہے جیسا کہ مصنفؒ خود فرما رہے ہیں فان الکحل فاعل لاحسن اور احسن جو اسم ظاہر الکحل میں عمل کر رہا ہے بمعنی فعل حسن ہو کر عمل کر رہا ہے کیونکہ صفت تفضیل کی نفی اسکو اصل فعل کے معنی میں کر دیتی ہے اسلئے کہ تفضیل بمعنی زیادت بمنزلہ قید ہے اور نفی جب مقید پر داخل ہوتی ہے تو قید کی طرف لوٹتی ہے اور اصل معنی فعل رہ جاتا ہے۔ پس منفی کی صورت میں اسکے عمل کرنے کی وجہ یہی ہے ۱۲ **قولہ ههنا بحث الخ ۲** یعنی مسئلہ مذکورہ میں بحث ہے اور وہ بحث یہ ہے کہ اس عبارت میں اختصار کیلئے احسن فی عینہ الکحل من عین زید کہنا بھی جائز ہے پس من عین زید کو قائم مقام منہ فی عین زید کے کر سکتے ہیں اور نیز اختصار کیلئے ذکر عین کو مقدم کرکے ما رایت کعین زید احسن فیہ الکحل بھی کہہ سکتے ہیں اور اسوقت معنی میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ بلکہ معنی وہ ہی رہیں گے کہ میں نے زید کی آنکھ کے مانند کوئی سرمگیں خوبصورت آنکھ نہیں دیکھی ۱۲ **قولہ واقسامہ الخ ۳** یعنی فعل کی تین قسمیں ہیں ماضی مضارع امر کیونکہ فعل دو حال سے خالی نہیں یا تو اخباری ہے یا انشائی ثانی امر ہے اور اول دو حال سے خالی نہیں یا تو اسکے اول میں حروف اتین سے کوئی حرف ہے یا نہیں اول مضارع ہے اور ثانی ماضی ۱۲ **قولہ الاول الخ ۴** یعنی اقسام ثلثہ میں سے پہلی قسم ماضی۔ ماضی کو مضارع پر اس وجہ مقدم کر دیا۔ کہ ماضی اصل ہے یا اس وجہ سے مقدم کیا کہ ماضی کا زمانہ مضارع کے زمانہ سے قبل ہوتا ہے ۱۲۔

وهو فعل دلّ علىٰ زمانٍ قبل زمانك وهو مبنيٌّ على الفتح ان لم يكن معهٗ ضميرٌ مرفوعٌ متحركٌ ولا واوٌ كضرَبَ ومعَ الضمير المرفوع المتحرك على السّكون كضرَبْتُ وعلى الضمّ معَ الواو كضرَبُوا والثاني المضارع وهو فعلٌ يشبهُ الاسمَ باحد حروف اَتَيْنَ في اوله لفظًا في اتفاقِ الحركاتِ والسّكناتِ نحو يضرِبُ ويستخرِجُ كضارِبٍ ومستخرِجٍ وفي دخولِ لام التاكيد في اولهما تقول ان زيدًا ليقومُ كما تقول انّ زيدًا لقائمٌ وفي تساويهما في عددِ الحروف ومعنًى في انّهٗ مشتركٌ بين الحال والاستقبال كاسم الفاعل ولذلك سمّوهُ مضارعًا والسين وسوف تخصّصهٗ بالاستقبال نحو سيضرب وسوف يضرب واللام المفتوحة بالحال ۔

قولہ فعل الخ ۱ یاد رکھو کہ تعریف مذکور میں قولہ فعل جنس ہے ہر فعل کو شامل ہے اور دل علی زمان الخ بمنزلہ فصل کے ہے اسلیئے کہ اس سے ماضی کے سوا سب فعل خارج ہوگئے ہیں۔ الغرض وہ فعل ہے جو اس زمانہ پر دلالت کرے جو تیرے زمانے سے پیشتر ہے یعنی اے مخاطب تو جس زمانہ میں موجود ہے اس زمانہ سے سابق زمانہ پر جس فعل کی دلالت ہو وہ ماضی۔ یہ اگر کوئی کہے کہ یہ تعریف ٹھیک نہیں اس لیے کہ اس میں زمانہ کے لیے زمانہ ہو کر تسلسل لازم آتا ہے اور تسلسل باطل ہے اور مستلزم باطل خود باطل ہے لہٰذا تعریف مذکور باطل ہوئی تفصیلِ مقام یہ ہے کہ قولہ فعل دل علی زمان قبل زمانک میں قبلیت زمانیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مقدم اور مؤخر دونوں ایک زمانہ میں نہ پائے جائیں بلکہ مقدم کے لیے اور زمانہ اور مؤخر کیلئے اور زمانہ ہو پس جبکہ قول ما دل علی زمان قبل زمانک میں قبلیت زمانیہ ہو تو لازم آتا ہے کہ علی زمان میں جو زمانہ ہے اس کے لیے کوئی اور زمانہ ہو اور قبل زمانک میں جو زمانہ ہے اس کے لیے اور زمانہ ہو تاکہ دونوں علیحدہ زمانوں میں پائے جائیں پھر چونکہ وہ زمانہ جو کہ زمان مقدم اور مؤخر کیلئے مانے گئے ہیں وہ بھی زمانے ہیں اس لیے کہ ان میں بھی قبلیت زمانیہ ہوگی اور ان کیلئے علیحدہ علیحدہ دو زمانہ ماننے پڑیں گے پھر وہ بھی دو زمانہ ہیں ان کیلئے بھی علیحدہ علیحدہ دو زمانہ ماننے پڑیں گے ہلم جرا پس زمانہ کیلئے زمانہ ہو کر تسلسل لازم آتا ہے اور وہ محال ہے اور مستلزم امر محال کا خود محال ہے لہٰذا تعریف باطل ہوگی جواب یہ ہے کہ قولہ علی زمان قبل زمانک میں جو دو زمانہ سمجھے جاتے ہیں (یعنی گذشتہ اور حال) یہ اجزائے زمان ہیں اور اجزائے زمان میں قبلیت ذاتیہ ہوتی ہے تاکہ زمانی اس لیے کہ قبلیت زمانیہ زمانیات میں پائی جاتی ہے نہ کہ اجزائے زمان میں اور قبلیت ذاتیہ وہ ہے کہ مقدم اور مؤخر دونوں ایک زمانہ میں پائے جائیں اور مقدم اور مؤخر کے علت تامہ ہو جیسے حرکت ید اور حرکت قلم کہ دونوں ایک زمانہ میں پائے جاتے ہیں اور حرکت ید اور حرکت قلم کے لیے علت تامہ ہے پس محذور مذکور لازم نہ آئے گا فتامل نیز جاننا چاہیئے کہ فعل ماضی کے گذشتہ زمانہ پر دلالت کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسکی دلالت بحسب الوضع ہو نہ بحسب الاستعمال لہٰذا لم یضرب سے اسکی مانعیت پر اعتراض وارد نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس کی زمانہ گذشتہ پر دلالت بحسب الوضع نہیں ہے بلکہ حرف لم کے شروع میں آنے کی وجہ سے ہے اسی طرح ان ضربت ضربت سے اسکی جامعیت پر اعتراض وارد نہ ہوگا۔ کیونکہ اسکی دلالت زمانہ استقبال پر بحسب وضع نہیں ہے بلکہ ان حرف شرط کی وجہ سے ہے مصنف کا قول قبل زمانک یہ ظرف مستقر ہے اور زمان کی صفت ہے اے دل علی زمان حاصل فی زمان سبق زمانک الذی انت فیہ **قولہ ومبنیٌّ علی الفتح الخ ۲** مطلب یہ ہے کہ ماضی مبنی بر فتحہ ہوتی ہے بشرطیکہ اس میں ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ نہ ہو فعل ماضی کے مبنی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اسمیں معانی مختلفہ بشکل فاعلیت اور مفعولیت اور اضافت کے عارض نہیں ہوتے پس ماضی میں بناء اصل ہے اور فتحہ پر مبنی ہونیکی وجہ یہ ہے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے باقی رہا یہ امر کہ ماضی کے مبنی بر فتحہ ہونیکی یہ شرط کہ وہ ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ سے خالی کیوں ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ ماضی مرفوع متحرک کے ساتھ ملتبس ہونے کے وقت مبنی بر سکون ہوتی ہے اسلیئے کہ ضمیر فاعل بمنزلہ جزو فعل الخ اگر فعل کو ساکن نہ کیا جائے تو اسمیں جو کہ کلمہ واحد کے درجہ میں ہے توالی اربع حرکات لازم آئیگی اور وہ ناجائز ہے اسی طرح فعل کیساتھ جب واؤ ہو تو مناسبت واؤ کی وجہ سے وہ مبنی علی الضمہ ہوگا جیسے نصروا وغیرہ ۱۲ **قولہ المضارع الخ ۳** چونکہ مضارع امر کا ماخذ ہے اس وجہ سے مضارع کو نفس امر سے مقدم کر دیا کہ مضارع اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی مشابہت رکھنے والے کے مضارع کو مضارع اسلیے کہتے ہیں کہ وہ اسم کے ساتھ حال و استقبال میں مشترک ہونے اور سین اور سوف کے ساتھ خاص ہونے میں مشابہت رکھتا ہے گویا دونوں مشتبہوں نے ایک زرع یعنی پستان سے دودھ پیا ہے مصنف نے مضارع کی تعریف میں لغوی معنی کی رعایت رکھی ہے چنانچہ فرمایا کہ مضارع وہ فعل ہے جو اسم سے مشابہت رکھتا ہو حروف اتین میں سے کسی ایک کے ساتھ ملتبس ہو کر اب سوال ہوتا ہے کہ یہ مشابہت فعل مضارع کو اسم کے ساتھ کس طرح پر ہے

(باقی بر صفحہ ۱۴۱ پر)

نحو يَضرِبُ وحُرُوفُ المضارعةِ مضمومةٌ في الرباعِي نحو يُدحرِجُ ويُخرِجُ لأنّ أصلَه يُأَخرِجُ ومفتوحةٌ في ماعداه كيَضرِبُ ويَستخرِجُ وإنّما أعربُوه مع أنّ أصلَ الفعلِ البناءُ لمُضارَعَتِه أي لمشابهتِه الاسمَ في ما عرفتَ وأصلُ الاسمِ الإعرابُ وذلك إذا لم يتصل به نونُ تأكيدٍ ولا نونُ جمعِ المؤنّثِ وإعرابُه ثلثةُ أنواعٍ رفعٌ ونصبٌ وجزمٌ نحو هو يضربُ ولن يَضرِبَ ولم يضرِبْ **فصلٌ** في أصنافِ إعرابِ الفعلِ وهي أربعةٌ الأوّل أن يكون الرفعُ بالضمّةِ والنصبُ بالفتحةِ والجزمُ بالسكونِ يختصّ بالمفردِ الصحيحِ غيرِ المخاطبةِ تقول هو يضربُ ولن يَضرِبَ ولم يضرِبْ والثاني أن يكونَ الرفعُ بثبوتِ النونِ والنصبُ والجزمُ بحذفِها ويختصّ بالتثنيةِ وجمعِ المذكرِ والمفردةِ المخاطبةِ صحيحًا كان أو غيرَه تقولُ هما يفعلان وهم يفعلونَ وأنتِ تفعلِين

(بقیہ ص۱۳۹) تو مصنف کہتا ہے کہ لفظاً بھی مشابہت ہے اور معنیً بھی مشابہت ہے لفظاً مشابہت تین طرح ہے ایک یہ کہ مثلاً مضارع اور اسم فاعل دونوں حرکت وسکون میں برابر ہیں یعنی جتنے حروف فعل مضارع میں ساکن یا متحرک ہیں اتنے ہی حروف اسم فاعل میں ساکن اور متحرک ہیں جیسے یضرب ضارب یستخرج مستخرج دوسرے لام تاکید کے داخل ہونے میں جس طرح اسم فاعل پر لام آتا ہے اسی طرح لام فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تیسری مشابہت لفظی عدد حروف میں ہے جتنے اسم فاعل میں حروف ہیں اتنے ہی فعل مضارع میں ہوتے ہیں اور معنی مشابہت یہ ہے کہ جس طرح اسم فاعل حال اور استقبال میں مشترک ہے اسی طرح فعل مضارع بھی حال اور استقبال میں مشترک ہے اور جسطرح اسم فاعل کی تخصیص قرینہ سے ہوتی ہے اسی طرح فعل مضارع کی سین اور سوف وغیرہ سے تخصیص ہوتی ہے چنانچہ جب سین وسوف فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو فعل مضارع استقبال کے ساتھ مخصوص ہوجاتا ہے اور جب لام داخل ہوتا ہے تو حال کے معنی کے ساتھ مخصوص ہوجاتا ہے جاننا چاہیئے کہ اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ فعل مضارع آیا ان دو معنی میں مشترک ہے یا نہیں اور بعض کہتے ہیں ان دونوں معنے میں مشترک حقیقی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حال کے معنی حقیقی ہیں اور استقبال کے معنی مجازی اور بعض اس کے عکس کے قائل ہیں۱۲ **قولہ حروف المضارعۃ الخ ۱** یعنی حروف مضارع رباعی میں مضموم ہونگے اور مراد رباعی سے وہ فعل مضارع ہے کہ جس کی ماضی میں چار حروف ہوں عام ازیں کہ وہ چاروں اصلیہ ہوں یا زائد ہوں جیسے یکرم یعذب اور جب مضارع رباعی نہ ہو تو علامت مضارع مفتوح ہوگی اور یہاں پر مضارع کے رباعی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی ماضی چار حرفی نہ ہو بلکہ اس میں یا تو چار حرفوں سے زائد ہوں یا کم جیسے ینصر یستنصر۱۲ **قولہ وانما اعربوہ الخ ۲** یعنی باوجودیکہ فعل میں اصل بناء ہے چونکہ فعل میں معنی فاعلیت ومفعولیت واضافت نہیں پائے جاتے ہیں اور یہی معنے اعراب کے مقتضی ہیں اس وجہ سے فعل میں یہ بات اصل ہوگئی کہ وہ مبنی ہو مگر چونکہ فعل مضارع اسم کے ساتھ بہت سی چیزوں میں جیسا کہ تم نے پہچانا پوری مشابہت رکھتا ہے اس وجہ سے نحوی اسکو معرب قرار دیتے ہیں چونکہ جب مشابہ معرب ہے تو یہ بھی معرب ہونا چاہیئے تاکہ مشبہ اور مشبہ بہ کا ایک حکم ہوجاوے اور یہ فعل مضارع بھی اسوقت معرب ہوتا ہے جبکہ اس کے ساتھ نون تاکید ثقیلہ اور خفیفہ اور نون جمع مؤنث متصل نہ ہوں اس لیے کہ نونہائے مذکورہ کے اتصال کے وقت مضارع کے معرب اور مبنی ہونے میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک مبنی ہوتا ہی اسلیئے کہ نون تاکید بوجہ شدت اتصال کے بمنزلہ جزو کلمہ کے ہے پس اگر نون تاکید قبل اعراب جاری کریں گے تو اعراب کا دخول وسط کلمہ پر لازم آئیگا اور نون تاکید پر اعراب جاری کریں تو وہ چونکہ دوسرا کلمہ ہے لہذا دوسرے کلمہ پہ اعراب کا دخول ہونا لازم آئیگا یہ بھی ناجائز ہے پس ثابت ہوگیا کہ بوقت اتصال نون تاکید کے مضارع پر اعراب جاری نہ ہوگا اور یہی حال نون جمع مؤنث کا ہے اور بعض نحوی کہتے ہیں کہ فعل مضارع بعد اتصال نون تاکید اور نون جمع مؤنث کے معرب باقی رہیگا جیسا کہ اسم تنوین کے متصل ہونے کے بعد مبنی نہیں ہوتا اس میں اعراب باقی رہتا ہے پس معلوم ہوا کہ معرب کے ساتھ اتصال حرف سے وہ معرب ہی رہتا ہے مبنی نہیں ہوتا۱۲ **قولہ واعرابہ الخ ۳** یعنی فعل مضارع کے اعراب تین ہیں رفع نصب جزم اول الذکر اعراب اسم میں بھی ہوتے ہیں اور فعل میں بھی لیکن جزم فعل مضارع کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ جر اسم کیساتھ مختص ہے۱۲ **قولہ بالمفرد الصحیح الخ ۴** یعنی فعل مضارع جب صحیح ہو اور ضمیر بارز مرفوع سے جو کہ تثنیہ مذکر اور تثنیہ مؤنث اور جمع مذکر اور جمع مؤنث اور واحد مؤنث مخاطبہ کیلئے ہوتی ہے خالی ہو تو ایسے مضارع کا اعراب حالت رفع میں ضمہ کیساتھ جیسے ہو ینصر اور حالت نصب میں فتحہ کیساتھ جیسے لن ینصر اور حالت جزم میں سکون کیساتھ ہوگا جیسے لم ینصر صحیح سے مراد یہ ہے کہ اسکے آخر میں حرف علت نہ ہو پھر وہ صیغے مضارع کے جو ضمیر بارز مرفوع سے خالی ہوتے ہیں اور جن میں اعراب مذکور لازم آتا ہے کل پانچ ہیں واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب اور واحد مذکر حاضر اور واحد متکلم اور متکلم مع الغیر۱۲ **قولہ یختص بالتثنیہ الخ ۵** حاصل یہ ہے کہ وہ فعل مضارع کہ جو ضمیر بارز مرفوع کے ساتھ متصل ہوتا ہے اس کا اعراب یہ ہے کہ حالت رفع میں نون کے ساتھ جیسے ہما ینصران اور حالت نصب اور جزم میں حذف نون کے ساتھ ہوتا ہے جیسے لن ینصرا اور لم ینصرا۱۲

ولن يفعلا ولن يفعلوا ولن تفعلي ولم تفعلا ولم تفعلوا ولم تفعلي والثالث يكون الرفع بتقدير الضمة والنصب بالفتحة لفظا والجزم بحذف اللام ويختص بالناقص اليائي والواوي غير تثنية وجمع ومخاطبة تقول هو يرمي ويغزو ولن يرمي ويغزو ولم يرم ويغز والرابع ان يكون الرفع بتقدير الضمة والنصب بتقدير الفتحة والجزم بحذف اللام ويختص بالناقص الالفي غير تثنية وجمع ومخاطبة نحو هو يسعى ولن يسعى ولم يسع **فصل المرفوع** عامله معنوي وهو تجرده عن الناصب والجازم نحو هو يضرب ويغزو ويرمي ويسعى **فصل المنصوب** عامله خمسة احرف ان ولن وكي واذن

قولہ ویختص بالناقص الخ۱ یعنی وہ مضارع جو کہ معتل لام ہے خواہ واوی ہو یا یائی اس کا اعراب حالت رفع میں ضمہ ظاہری کیساتھ ہوگا جیسے یدعوا اور یرمی اور حالت نصبی میں فتحہ لفظی کے ساتھ ہوگا جیسے لن یدعوا اور لن یرمی اور حالت جزم میں حذف واؤ یا کے ساتھ ہوگا جیسے لم یدع اور لم یرم **قولہ ویختص بالناقص الالفی الخ۲** یعنی اعراب اس مضارع کا جو کہ معتل الفی ہے یہ ہے کہ حالت رفع میں ضمہ تقدیری کے ساتھ اور نصب میں فتحہ تقدیری کے ساتھ ہوتا ہے اور حالت جزم میں حذف الف کیساتھ ہوتا ہے جیسے ہو یرمی اور لن یرمی و لم یرم ۱۲ **قولہ وہو تجردہ الخ۳** جاننا چاہیے کہ عامل رفع میں اختلاف ہے نحات کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ فعل مضارع کا عامل ناصب اور جازم سے خالی ہونا اس کے رفع کا عامل ہے اور یہی مصنف کا مذہب معلوم ہوتا ہے چنانچہ کہا کہ جب مضارع عامل ناصب اور جازم سے خالی ہوگا تو وہ مرفوع ہوگا جیسے یقوم زید اور نحات بصرہ کہتے ہیں کہ مضارع کا اسم کی جگہ میں ہونا اس کا عامل رفع کا ہے پس زید یضرب چونکہ زید ضارب کی جگہ میں ہے لہٰذا اس کو وہ اعراب دیا گیا جو کہ اسبق اور اقوی ہے ۱۲ **قولہ المنصوب عاملہ الخ۴** یعنی فعل مضارع کو نصب ان پانچ حروف مذکورہ فی الکتاب کی وجہ سے آتا ہے جن کی امثلہ کتاب سے ظاہر ہیں لیکن ان اس باب میں اصل ہے کیونکہ یہ اس ان کے ساتھ لفظاً اور معناً مشابہ ہے جو مثقلہ سے مخفف ہے لفظاً تو ظاہر ہے اور معناً اس وجہ سے کہ دونوں مصدریہ ہیں اور باقی حروف ناصبہ عمل میں اس پر محمول ہیں کیونکہ وہ استقبال کیلئے آتے ہیں اور جب ان سے پہلے لم اور لن نہ ہو تو فعل مضارع کو وجوباً نصب دیتا ہے ۱۲ **قولہ لن الخ۵** یہ بھی مطلقاً نصب کرتا ہے اور اس کے معنے نفی مستقبل کے ہیں اور یہ لا سے نفی مستقبل میں بڑھا ہوا ہے سیبویہ کہتا ہے یہ مستقل کلمہ ہے اور کسی اصل سے بدلا ہوا نہیں ہے اور یہی صحیح ہے اور فراء کہتا ہے کہ اس کی اصل لا ہے الف کو نون سے بدل دیا اور خلیل کہتا ہے کہ اسکی اصل لا ان ہے الف اور ہمزہ کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا جیسے ای شیء کو مخفف کرکے ایش کرتے ہیں اور تیسرے احرف کی ہے اسکے معنی سببیت کے ہیں یعنی اس کا ماقبل اس کے مابعد کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ مثال اسلمت کی ادخل الجنۃ میں اسلام لانا دخول جنت کا سبب ہے اور یہ مذہب کوفیوں کا ہے کہ وہ کی کو جمیع استعمالات میں ناصب للفعل بناتے ہیں جارہ نہیں کہتے ہیں بخلاف بصریوں کے کہ وہ کی کو حرف جر کہتے ہیں اور نصب کو تقدیر ان مانتے ہیں مصنف نے اس مقام میں کوفیوں کے مذہب کو اختیار کیا ہے اور اس کو بنفسہا ناصبہ بنایا ہے اور وجہ یہ ہے کہ اگر کی جارہ ہوتا تو اس پر لام جارہ داخل نہ ہوتا حالانکہ اس پر لام جارہ داخل ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ لکیلا یکون ۱۲ **قولہ واذن الخ۶** سیبویہ کہتا ہے کہ یہ حرف مستقل ہے اسکے لئے کوئی اصل نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اسکی اصل اذا ظرفیہ ہے مضاف کو حذف کرکے اس کے آخر میں تنوین لگا دی ہے جاننا چاہیے کہ اذن فعل مضارع کو دو شرطوں کیساتھ نصب دیتا ہے ایک یہ کہ اذن کا مابعد اذن کے ماقبل پر اعتماد نہ رکھتا ہو یعنی اس کا مابعد ماقبل کا معمول نہ ہو دوسرے یہ کہ فعل میں معنے مستقبل کے ہوں نہ کہ حال کے جیسے اذن تدخل الجنۃ اس شخص کے جواب میں کہیں کہ جس نے اسلمت کہا پس مثال مذکور میں چونکہ اذن کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا نیز فعل مضارع میں معنی مستقبل کے پائے جاتے ہیں لہٰذا ان دو شرطوں کے پائے جانے کی وجہ سے اذن اپنے مابعد میں عمل کرے گا اور فعل مضارع کو نصب دیگا لیکن جب اذن کا مابعد اس کے ماقبل کا معمول ہو اور شرط اول منفی ہو تو اس وقت وہ فعل مضارع کو نصب نہ دیگا بلکہ اس وقت اس کا مابعد مرفوع ہوگا جیسے کہ انا اذن اکرمک اس شخص کے جواب میں کہے کہ جس نے انا آتیتک کہا پس اس جگہ فعل مضارع میں اگرچہ معنے مستقبل کے پائے جاتے ہیں مگر چونکہ اذن کے عمل کرنے کی شرط اول مفقود ہے لہٰذا وہ اپنے مابعد کو نصب نہ دیگا اس لئے کہ اس کا مابعد ماقبل کا معمول ہے پس اگر وہ اپنے مابعد میں عمل کریگا تو اور دو عاملوں کا ایک معمول پر اجتماع لازم آئیگا دوسرے اذن کا مابعد اپنے ماقبل کا معمول ہونے کی حیثیت سے اذن پر مقدم ہوگا جیسا کہ ظاہر ہے کہ معمول کا عامل کے ساتھ اتصال ضروری ہے (باقی بر صفحہ ۱۴۲ پر)

وَاِنِ الْمُقَدَّرَةُ نَحْوَ اُرِيْدُ اَنْ تُحْسِنَ اِلَيَّ وَاَنَا لَنْ اَضْرِبَكَ وَاَسْلَمْتُ كَيْ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَاِذَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكَ وَتُقَدَّرُ اَنْ فِيْ سَبْعَةِ مَوَاضِعَ بَعْدَ حَتّٰى نَحْوَ اَسْلَمْتُ حَتّٰى اَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَلَامِ كَيْ نَحْوَ قَامَ زَيْدٌ لِيَذْهَبَ وَلَامِ الْجَحْدِ نَحْوَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَالْفَاءِ الْوَاقِعَةِ فِيْ جَوَابِ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالْاِسْتِفْهَامِ وَالنَّفْيِ وَالتَّمَنِّيْ وَالْعَرْضِ نَحْوَ اَسْلِمْ فَتَسْلَمَ وَلَا تَعْصِ فَتُعَذَّبَ وَهَلْ تَعْلَمُ فَتَنْجُوَ وَمَا تَزُوْرُنَا فَنُكْرِمَكَ وَلَيْتَ لِيْ مَالًا فَاُنْفِقَهُ وَاَلَا تَنْزِلُ بِنَا فَتُصِيْبَ خَيْرًا

(بقیہ صـ۱۴۱) اور جب مابعد اذن کا اذن پر حکماً مقدم ہوگا تو اب اذن اپنے مابعد فعل میں اس کے حکمی مقدم ہونے کی وجہ سے عمل نہیں کریگا اس لیے کہ اذن ان مصدریہ کی فرع ہے اور وہ ضعیف العمل ہے پس ضعیف العمل اپنے مقدم میں اگرچہ تقدم حکمی ہی کیوں نہ ہو عمل نہیں کرتا پھر جاننا چاہیے کہ اگر اذن کے عمل کرنے کی دوسری شرط یعنی فعل مضارع کا معنے میں مستقبل کے ہونا منتفی ہو جائے تو وہ نصب نہیں دیگا جیسے کوئی شخص انا اظنک کاذباً کہے اس لیے کہ اذن ناصبہ جواب اور جزاء کیلئے ہوتا ہے اور جواب اور جزا زمانہ استقبال میں ہوتی ہے نہ کہ زمانہ حال میں ۱۲ **قولہ وان المقدرۃ الخ ۱** یعنی جس طرح ان ملفوظہ کے بعد فعل منصوب ہوتا ہے اسی طرح ان مقدرہ کے مابعد بھی فعل مضارع پر نصب آتا ہے ان مقدرہ کی صورتیں یہ ہیں (۱) حتی کے بعد مقدر ہوتا ہے جیسے سرت حتی ادخل البلدہ (۲) لام کے بعد مقدر ہوتا ہے جیسے سرت لادخل البلد (۳) لام جحود کے بعد مقدر ہوتا ہے لام جحود وہ لام ہے جو کہ کان منفی کی خبر پر داخل ہوکر تاکید نفی کیلئے آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ما کان اللہ لیعذبہم اور چونکہ یہ سب حروف جارہ ہیں اور قاعدہ ہے کہ حرف جار فعل پر داخل نہیں ہوتا لہذا ان حروف کے بعد ان مصدریہ مقدر ہوگا تاکہ فعل مضارع بتاویل مصدر ہوکر داخل جر (۴) فا کے بعد ان مقدر ہوتا ہے جیسے زرنی فاکرمک (۵) واو کے بعد ان مقدر ہوتا ہے جیسے لاتاکل السمک وتشرب اللبن (۶) او کے بعد ان مقدر ہوتا ہے جیسے لالزمنک او تعطینی حقی اور واو عطف کے بعد فاء اور واو کے بعد تو تقدیر ان کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حرف عاطفہ ہیں اور ماقبل ان حروف کا جملہ انشائیہ اور مابعد جملہ خبریہ ہوتا ہے پس ان دونوں حرفوں کے بعد ان مصدریہ مقدر کردیں گے۔ تاکہ فعل مضارع بتاویل مصدر ہوکر مصدر کا عطف مصدر پر ہوجاوے پس زرنی فاکرمک کے معنی ولیکن منک زیادۃ فاکرام منی کے ہیں اور لاتاکل السمک وتشرب اللبن کے معنی لایکن منک اکل السمک وشرب اللبن کے ہیں اور دونوں جگہ عطف مفرد کا مفرد پر ہے نہ کہ عطف جملہ کا جملہ پر ہے یہی وجہ واو عاطفہ کے بعد ان مقدر ہونیکی ہے باقی رہا او کے بعد تقدیر ان ہونے کی وجہ سو آئندہ آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲ **قولہ بعد الخ ۲** حتی یعنی حتی کے بعد ان مقدر ہوتا ہے لیکن اس وقت جبکہ حتی کا دخول اس کے ماقبل کے لحاظ سے زمانہ مستقبل میں ہو تو حتی معنی میں کے کے ہوگا پھر ماقبل حتی کے لحاظ سے دخول حتی زمانہ مستقبل میں ہو بایں معنی ہے کہ وقت حصول ماقبل کے اسکا مابعد مترتب الحصول ہو عام ازیں کہ بوقت زمانہ تکلم اسکا مابعد ماضی میں ہو یا حال میں یا استقبال میں جیسے اس مثال میں اسلمت حتی ادخل الجنۃ اور جب مابعد حتی سے حال کا ارادہ کریں حقیقۃً یا حکایۃً تو اس وقت حتی ابتدائیہ اور استینافیہ ہوگا نہ کہ جارہ اور عاطفہ اور مابعد حتی کا کلام مستقل مرفوع ہوگا اور چونکہ اس صورت میں مابعد حتی کا ماقبل سے ارتباط لفظی فوت ہوچکا ہے لہذا ضروری ہے کہ ماقبل حتی کا مابعد کیلئے سبب ہو تاکہ ارتباط معنوی فوت نہ ہو جیسے اس مثال میں لا یرجونہ یہ حتی ابتدائیہ کی مثال ہے اسلئے کہ اسجگہ مابعد حتی سے حال حقیقۃً مراد ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ زمانہ حال بصیغہ زمانہ تکلم کا ہے اسلئے کہ ناامیدی زمانہ تکلم میں پائی جاتی ہے پس مثال مذکور میں حتی کا مابعد مرفوع اور اسکا [illegible] مابعد حتی الجود (ناامیدی) کا سبب ہے ۱۲ **قولہ بعد لام الجحود الخ ۳** حتی پر معطوف ہے یعنی جحد کے لام کے بعد اور یہ لام لام تاکید ہے اور کان نفی کے بعد تاکید نفی [illegible] آتا ہے اس لام کے بعد فعل مضارع بتقدیر ان منصوب ہوتا ہے لام جحود کی مثال قولہ تعالیٰ ما کان لیعذبہم اسجگہ کان کے اسم سے مضاف محذوف [illegible] اصل عبارت یہ ہے کہ ما کان صفۃ اللہ تعذیبہم پس جبکہ اسم کان سے مضاف مقدر ہوا تو کان کے اسم و خبر کے درمیان حمل صحیح ہوگا اور یہ معنی ہونگے کہ نہیں ہے صفت اللہ کی ان کو عذاب دینا ۱۲ **قولہ الفاء الواقعۃ الخ ۴** حتی پر عطف ہے جاننا چاہیے کہ وہ فاء کہ جس کے بعد ان مقدر ہوتا ہے دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ایک یہ کہ فاء کا ماقبل اس کے مابعد کے لیے سبب ہو دوسرے یہ کہ فاء کے قبل اشیاء ستہ میں سے ایک شئے ہو اشیاء ستہ میں امر نہی استفہام نفی تمنی وعرض وغیرہ غرض فاء کے بعد ان کے مقدر ہونیکی یہ دو شرطیں ہیں شرط اول کی دلیل یہ ہے کہ رفع سے نصب کی طرف عدول سببیت پر دلالت کرنے کی وجہ سے ہوگا جیسے ظاہر ہے کہ تغیر لفظ تغیر معنے میں دلالت کرتا ہے پس اگر سببیت مقصود نہ ہو تو رفع سے نصب کی طرف عدول کرنے کی حاجت نہ ہوگی اور دلیل دوسری شرط کی یہ ہے کہ جب فاء سے پیشتر اشیاء ستہ مذکورہ میں سے ایک شئے ہوگی تو سامع کو یہ توہم ہوگا کہ فاء کا مابعد جملہ سابقہ پر معطوف ہے اس لیے کہ یہ اشیاء از قبیل انشاء ہے اور خبر کا عطف انشاء پر درست نہیں امر کی مثال جیسے زرنی فاکرمک اے لیکن منک زیارۃ فاکرام منی نہی کی مثال لاتشتمنی فاکرمک ای لایکن منک شتم فاکرام منی استفہام کی مثال جیسے ہل عندک ماء فاشربہ اے ہل یکن منک ماء فاشراب منی نفی کی مثال ما تاتینا فتحدثنا اے لیس منک اتیان فتحدیث منا تمنی کی مثال لیت لی مال فانفقہ اے لیت لی مال فانفاق منی عرض کی مثال جیسے الا تنزل بنا فتصیب خیرا ای الا یکون منک نزول فاصابۃ خیر منا الغرض ان مواضع مذکورہ میں فاء کے بعد مضارع بتقدیر ان منصوب ہے اسلئے کہ معنی سببیت اس جگہ مقصود ہیں اور فاء اس پر دلالت کرتی ہے نیز فاء کے قبل اشیاء ستہ میں سے ایک شئی ہے پس فاء کا مابعد بتاویل مصدر ہوکر اس مصدر پر معطوف ہوگا جو ماقبل فاء سے سمجھا جاتا ہے فتامل ۱۲

✦ ✦ ✦

وبعد الواو[1] الواقعة في جواب هذه المواضع كذلك نحو أسلم وتسلم إلى آخره وبعد أو[2] بمعنى إلى أن وإلا أن نحو لألزمنك أو تعطيني حقي وواو العطف[3] إذا كان المعطوف عليه اسما صريحا نحو أعجبني قيامك وتخرج ويجوز[4] اظهار أن مع لام كي نحو أسلمت لأن أدخل الجنة ومع واو العطف نحو أعجبني قيامك وأن تخرج ويجب[5] اظهار أن في لام كي إذا اتصلت بلا النافية نحو لئلا يعلم

قولہ بعد الواو الخ ۱؎ اس کا عطف ہو رہا ہے حتی پر اس واؤ کو واؤ جمع اور واؤ صرف کہتے ہیں جاننا چاہیئے کہ اس واؤ کے بعد ان کی تقدیر دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ایک جمعیت کہ جس کے معنے یہ ہیں کہ واؤ کا ماقبل اسکے مابعد کا مصاحب ہو یعنی دونوں کے حصول کا ایک زمانہ ہو اور جمعیت کے معنی مصاحبت کے اسلئے کئے گئے ہیں کہ اگر یہ معنی مراد نہ ہوں تو جمعیت کو واؤ کیلئے شرط قرار دینے کے معنی کچھ نہ ہونگے۔ اس لئے کہ واؤ ہمیشہ جمعیت کیلئے آتا ہے اور دوسری شرط یہ ہے کہ واؤ سے پیشتر فاء کی طرح اشیاء ستہ میں سے کوئی نہ کوئی مذکور ہی ہو باقی رہی واؤ کی مثالیں سو وہ بعینہ فاء کی مثالیں ہیں صرف واؤ کو فاء کی جگہ رکھنا پڑتا ہے اور کسی تصرف کی ضرورت نہیں جیسا کہ مثال امر میں زرنی و اکرمک کہیں زرے لیکن منک زیارۃ و اکرام منی ۱۲ **قولہ بعد او الخ ۲؎** بعد حتی پر معطوف ہے یعنی واؤ کے بعد مضارع بتقدیر ان اس وقت منصوب ہوتا ہے جبکہ وہ معنی میں الا ان یا الی ان کے ہوتا ہے اور اصل او کے معنی الی یا الا کے ہیں ان او کے مفہوم سے خارج ہے ورنہ اگر ان کو بھی مفہوم او میں داخل کیا جائیگا تو تکرار ان لازم آئیگا اور وہ باطل ہے او کی مثال باعتبار دونوں معنی کے لالزمنک او تعطینی حقی ہے پس مثال مذکور میں سیبویہ او کو بمعنی الا کہتا ہے اور اس کے نزدیک مضاف مقدر ہے تاکہ استثناء صحیح ہو پس تقدیر عبارت اس طرح پہ ہوگی لالزمنک فی کل وقت الا وقت ان تعطینی حقی یعنی میں تیرا کسی وقت پیچھا نہیں چھوڑوں گا مگر اس وقت کہ تو مجھے میرا حق دیدے اور دیگر نحاۃ او کو مثال مذکور میں بمعنی الی لیتے ہیں اُن کے نزدیک بعد او کا مجرور ہونا دلیل مصدر ہے پس ان لوگوں کے نزدیک تقدیر عبارت اس طرح پر ہوگی لالزمنک الی اعطائک حقی اور اگر کوئی کہے کہ او بمعنی الی یا الا کے بعد تقدیر ان کی وجہ کیا ہے تو جواب یہ ہے کہ او بمعنی الی یا الا کی صورت میں فعل کا مجرور ہونا اور مستثنیٰ ہونا لازم آتا ہے اور وہ ناجائز ہے اسلئے کہ مجرور اور مستثنیٰ ہمیشہ اسم ہی ہوتا ہے پس لامحالہ بعد او کے ان مقدر کریں گے تاکہ فعل بتاویل مصدر ہو کر اسم تاویلی ہو جائے اور اس کا مجرور اور مستثنیٰ ہونا صحیح ہو ۱۲ **قولہ و واو العطف الخ ۳؎** یعنی واؤ عطف کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جبکہ واو عطف سے پہلے اسم صریح ہو جیسے اعجبنی قیامک و تخرج اصل میں تھا قیامک و ان تخرج یہاں ان کی تقدیر اسمیں اسلئے ہوئی تاکہ اسم کی تاویل میں ہو جاوے کیونکہ اگر ان کی تقدیر نہ کی جاوے تو اسم کی تاویل میں نہ ہوگا اور پھر عطف اسم صریح پر درست نہ ہوگا کیونکہ فعل کا عطف اسم پر درست نہیں ہے بعض نے اسم کو صریح کے ساتھ مقید نہیں کیا اس وقت اعجبنی ان یضرب و یشتم اس حکم کے تحت میں داخل ہوگا کیونکہ یشتم کے پہلے اسم تاویلی ہے لہذا یشتم سے پہلے ان کی تقدیر ہوگی اور اسم کو صریح کے ساتھ مقید کرنے پر اعجبنی ان یضرب و یشتم اس حکم سے خارج ہو جاویگا کیونکہ اس صورت میں تقدیر ان کیواسطے ضروری ہوگا کہ فعل مضارع سے پہلے اسم صریح ہو اور یہاں پر یشتم سے پہلے اسم صریح نہیں ہے اس وجہ سے ان کی تقدیر نہیں ہوگی بلکہ یشتم پر نصب اس وجہ سے آیا ہے کہ مدخول ان پر معطوف ہے لیکن اس وقت اعجبنی انک انسان و یشتم سے اشکال ہوتا ہے کہ یہاں پہ یشتم اسم تاویلی پر معطوف ہونے کی بنا پر تقدیر ان کے ساتھ منصوب ہے لہذا اولیٰ یہ ہے کہ اسم کو صریح کے ساتھ مقید کیا جاوے ورنہ مثل مثال مذکور اس حکم سے خارج ہو جائیگا اور اعجبنی ان یضرب و یشتم میں معطوف علیہ فعل ہے اور اسم نہیں ہے کیونکہ تاویلی اسم کے ساتھ عطف کے بعد ہے پھر جاننا چاہیے کہ مضارع جس طرح تقدیر ان کے ساتھ واو عطف کے بعد منصوب ہوتا ہے معطوف علیہ اسم صریح ہو اسی طرح اور باقی حروف عطف کے بعد منصوب ہوتا ہے جبکہ معطوف علیہ اسم صریح ہو لہذا اگر مصنف رحمہ اللہ بعد حروف العطف کہتا تو بہتر تھا ۱۲ **قولہ ویجوز اظہار ان مع لام کی الخ ۴؎** مصنف رحمہ اللہ یہاں سے ان مواضع کو بیان کرتا ہے کہ جن میں ان مصدریہ کا اظہار جائز یا واجب ہے تاکہ بضدہا تتبین الاشیاء کے طور وہ صورتیں ذہن نشین ہو جائیں کہ جن میں اظہار ان جائز نہیں (الحاصل) مصنف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان مصدریہ کا اظہار لام کے اور ان حرف عاطفہ کے ساتھ جائز ہے جبکہ مضارع کو اسم صریح پر عطف کرتے ہیں۔ لام کی مثال جیسے جئتک لان تکرمنی اور یاد رکھو کہ لام کے ساتھ لام زائدہ کو لاحق کیا گیا ہے جیسے اردت لان یقوم لام کے کے کہنے سے لام جحود سے احتراز مقصود ہے اسلئے کہ لام جحود کے ساتھ اظہار ان جائز نہیں حرف عاطف کی مثال جیسے اعجبنی قیامک ان تذہب ہے اور وہ لام کے اور لام زائدہ اور حروف عاطفہ کے ساتھ اظہار ان کے جائز ہونے کی یہ ہے کہ یہ تینوں اسم صریح پر داخل ہوتے ہیں جیسے جئتک للاکرام اور اعجبنی ضرب زید و غضبہ اور اردت لضربک پس جائز ہے کہ ان کے ساتھ اس چیز کو ظاہر کریں کہ جو فعل کو اسم کی طرف منقلب کر دیتا ہے بخلاف لام جحود کے کہ وہ اسم صریح پر داخل نہیں ہوتا لہذا اسم کی طرف فعل کو منقلب کرنے کے لیے اظہار ان نہ ہوگا ۱۲ **قولہ ویجب الخ ۵؎** یعنی ان ناصبہ کا اظہار اس صورت میں واجب ہے جبکہ لام کے ساتھ لائے نافیہ بھی ہو جیسے قولہ تعالیٰ لئلا یعلم تاکہ اجتماع دو لام لازم نہ آئے ۱۲

واعلم اَنّ اَنِ الواقعة بعدَ العلم ليستْ هي الناصبة للفعلِ المضارع وانما هِيَ المخففةُ مِن المثقلةِ نحو علمتُ ان سيقومُ قالَ اللهُ تعالى عَلِمَ اَنْ سَيَكُونُ مِنكُم مَّرضٰى واَنِ الواقعةَ بعدَ الظنّ جاز فيه الوجهانِ النصب بها وان تجعلها كالواقعةِ بعدَ العِلمِ نحو ظننتُ اَنْ سيقوم

فصل

المجزومُ عاملُه لم ولمّا ولامُ الامر ولا في النهي وكلم المجازات وهي اِنْ ومهما واذما وحيثما واَين ومتى ومَا ومَن واَيّ واَنّٰى وان المقدرةُ نحو لم يضربْ ولما يضربْ وليضرب ولا تضرب وان تضرب اضرب اه واعلم ان لم تقلب المضارع ماضيًا منفيًّا ولما كذلك الا انّ فيها توقعًا بعده ودوامًا قبله نحو قام الاميرُ لمّا يركبْ وايضا يجوز حذف الفِعل بعد لمّا خاصّةً تقولُ نَدِمَ زيدٌ ولمّا اي ولمّا ينفعه النّدمُ ولا تقول ندِمَ زيدٌ ولم واما كلم المجازات حرفا كانت او اسما فهي تدخُل على الجملتين لِتدُلّ على انّ الاولٰى سببٌ للثانية وتسمى

قولہ اعلم ان ان الواقعۃ الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ ان ملفوظ کے بعد فعل مضارع کا منصوب ہونا قاعدہ کلیہ نہیں ورنہ مثلاً علمت ان سیقوم وان لا یقوم میں بھی فعل مضارع مرفوع ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ فعل مضارع ان ناصبہ مصدریہ کے بعد منصوب ہوتا ہے نہ کہ ان مخففہ من المثقلہ کے بعد اور یہ ان جو اس علم کے بعد واقع ہے کہ جسمیں معنی ظن کے نہیں مخففہ من المثقلہ ہے نہ کہ ان مصدریہ اس لیے کہ ان مخففہ تحقیق کیلئے ہوتا ہے اور ان ناصبہ امید و طمع کے لیے پس علم کے موافق ان مخففہ ہے نہ کہ ان مصدریہ اور یہی وجہ ہے کہ علمت ان سیقوم میں نحوی کہتے ہیں کہ یہ اصل میں انہ سیقوم تھا اور ان لا یقوم اصل میں انہ لا یقوم تھا پس اب قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا کلیہ ہی رہا اس کلیہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور علم سے مراد وہ فعل ہے جو مفید یقین ہو خواہ لفظ علم یا اس کے علاوہ لفظ رؤیت اور وجدان اور یقین تحقیق اور انکشاف اور شہادت اور ظہور وغیرہ جو مفید یقین ہوتے ہیں جاننا چاہیے کہ جب علم کے بعد فعل مضارع پر ان مخففہ آئے تو اس ان کے بعد فعل مضارع پر چار چیزوں سین یا سوف یا قد یا حرف نفی میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے تاکہ شروع ہی سے ان مصدریہ اور مخففہ میں فرق ظاہر ہو جاوے ورنہ آخر میں فرق ظاہر ہوگا کیونکہ ان مصدریہ اور اس فعل کے درمیان جس پر داخل ہوا ہے حروف مذکورہ میں سے کوئی حرف فاصل نہیں آتا ۱۲ **قولہ وان الواقعۃ بعد الظن الخ** یعنی جو ان کہ بعد ظن کے واقع ہوتا ہے اسمیں دو وجہ جائز ہیں ان کو مخففہ من المثقلہ بھی کہہ سکتے ہیں اور ان مصدریہ بھی اسلئے کہ ظن جانب راجح کا نام ہے پس اگر اس کی جانب راجح پر نظر کیا جاوے تو اسکے مناسب ان مخففہ ہے جو کہ تحقیق پر دلالت کرتا ہے اور اگر معنی ظن کا خیال کریں اور یہ کہ اسمیں عدم کا احتمال ہے تو اسکے مناسب ان مصدریہ ہوتا ہے ایسے ہی ظن کے علاوہ رجاء اور طمع اور خشیت اور خوف و شک اور وہم و اعجاب وغیرہ کے بعد ان مصدریہ ہوتا ہے جیسے رجوت ان تقوم ۱۲ **قولہ المجزوم الخ** ۱۲ حاصل یہ کہ فعل مضارع لم اور لما اور لام امر اور لا نہی اور کلم مجازات سے مجزوم ہوتا ہے کلم مجازات یہ ہے ان اور مہما اور اذما اور لما اور حیثما اور این اور متی اور ما اور من اور ای اور انی اور ان مقدرہ ان کو کلم مجازات اسلئے کہتے ہیں کہ یہ دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں اور ایک جملہ کا دوسرے کیلئے جزاء ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور چونکہ ان میں سے بعض اسم اور بعض حروف ہیں لہذا مصنف علامہ نے اس مقام پر لفظ کلم اختیار کیا تاکہ دونوں کو شامل ہو جاوے نیز جاننا چاہیے کہ لا نہی کہنے سے لا نفی اور لا زائدہ (جیسے لا اقسم) سے احتراز ہو گیا ۱۲ قولہ [illegible] جوازم مضارع کی تفصیل [illegible] کرتے ہیں کہ علامہ لم مضارع کو ماضی منفی کی طرف منقلب کر دیتا ہے اور یہی حال لما کا ہے کہ وہ مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے مگر دونوں میں فرق کئی طریقہ پر کیا جاتا ہے لما میں تو نفی استغراق کے معنی ہوتے ہیں یعنی نفی وقت انتفاء سے کر وقت تکلم تک تمام ازمنہ ماضیہ کو شامل ہوتی ہے بخلاف لم کے کہ وہ صرف زمانہ ماضی میں نفی فعل کا فائدہ دیتا ہے اسمیں معنی استغراق کے نہیں ہوتے دوسرے لما کا استعمال اکثر اس فعل میں ہوتا ہے جس کے حصول کی توقع ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ لما کے فعل کا حذف کرنا جبکہ اسپر کوئی قرینہ موجود ہو جائز ہے جیسے کوئی شخص اس مقام میں کہے کہ جہاں امیر کے سوار ہونے کا ذکر ہو رہا ہو جئت ولما یعنی ای ولما ارکب اور لما کا استعمال فعل غیر متوقع میں بھی ہوتا ہے جیسے ندم فلان و لما ینفعہ الندم کہے یعنی فلاں شخص نادم ہوا اور اب تک ندامت نے اسکو فائدہ نہیں دیا تیسرا فرق لما اور لم میں یہ ہے کہ لما پر ادوات شرط داخل نہیں ہوتے پس ان لما یضرب اور من لما یضرب نہیں کہتے جیسا کہ ان لم یضرب و من لم یضرب کہتے ہیں ۱۲ **قولہ واما کلمات المجازات** یعنی کلمات مجازات کا خواہ اسم ہوں یا فعل یعنی کلمات شرط و جزاء یہ دونوں فعلوں پر داخل ہوتے ہیں اور پہلے فعل کے سبب دوسرے فعل کے مسبب ہونے پر دلالت کرتے ہیں پہلا فعل شرط اور ثانی جزا ہوتا ہے جیسے ان تکرم اکرم یعنی اگر تو میرا اکرام کریگا تو میں تیرا اکرام کروں گا۔ یہاں پر فعل اول تکرم شرط اور ثانی فعل یعنی اکرم جزاء ہے ۱۲ ❖

الاولیٰ شرطا والثانیۃ جزاء ثم ان کان الشرط والجزاء مضارعین یجب الجزم فیہما لفظا نحو ان تکرمنی اکرمک وان کانا ماضیین لم تعمل فیہما لفظا نحو ان ضربت ضربت وان کان الجزاء وحدہ ماضیا یجب الجزم فی الشرط نحو ان تضربنی ضربتک وان کان الشرط وحدہ ماضیا جاز فی الجزاء الوجہان نحو ان جئتنی اکرمک واعلم انہ اذا کان الجزاء ماضیا بغیر قد لم یجز الفاء فیہ نحو ان اکرمتنی اکرمتک قال اللہ تعالیٰ ومن دخلہ کان اٰمنا وان کان مضارعا مثبتا او منفیا بلا جاز فیہ الوجہان نحو ان تضربنی اضربک او فاضربک وان تشتمنی لا اضربک او فلا اضربک وان لم یکن الجزاء احد القسمین المذکورین فیجب الفاء فیہ وذلک فی اربع صور الاولیٰ ان یکون الجزاء ماضیا مع قد کقولہ تعالیٰ ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل والثانیۃ ان یکون مضارعا منفیا بغیر لا کقولہ تعالیٰ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ والثالثۃ ان یکون جملۃ اسمیۃ کقولہ تعالیٰ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا والرابعۃ ان یکون جملۃ انشائیۃ اما امرا کقولہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ

قولہ ثم ان کان الخ یعنی اگر شرط وجزاء دونوں فعل مضارع ہوں تو شرط وجزاء دونوں میں لفظاً جزم ضروری ہوتا ہے کیونکہ فعل مضارع معرب ہے جو کلم المجازات کے سبب سے قابل جزم ہے اور یہاں جازم پایا جاتا ہے اور سیبویہ کہتا ہے جزاء مجزوم ہے جازم اور شرط دونوں کے ساتھ اور شرط دونوں کی وجہ سے منصوب ہے اور اگر شرط وجزاء دونوں ماضی ہوں تو کلمات مجازات شرط وجزاء کے اندر تلفظ میں عمل نہیں کرتے ہیں کیونکہ ماضی ہیں جیسا کہ گذرا لہذا اس میں عامل کا اثر ظاہر نہ ہوگا اور اگر فقط جزاء فعل ماضی ہو نہ کہ شرط مضارع ہو تو شرط میں لفظاً جزم واجب ہوتا ہے اور جزاء میں علت مذکورہ کی وجہ سے تلفظ میں جزم نہیں ہوگا اور بعض سے منقول ہے کہ شرط میں رفع واجب ہوتا جس وقت میں کہ فقط جزاء ماضی ہو اور یہ مذہب بہت ضعیف ہے اور اگر جزاء فعل مضارع اور شرط فعل ماضی ہو تو اس وقت فعل مضارع میں دو وجہ جائز ہیں جزم اور رفع جزم اس لیے کہ جازم داخل ہے اور محل جزم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور رفع اسلئے کہ ماضی کے وسط میں آنے کی وجہ سے جازم سے اسکا تعلق ضعیف ہو گیا بخلاف صورتیں اولیں کہ جازم کے فعل کا تعلق انیں قوی ہے لہذا جزم واجب ہوگا ۱۲ **قولہ اذا کان الجزاء ماضیا بغیر قد** یعنی جب جزاء ماضی بغیر قد ہو عام ازیں کہ ماضی لفظاً ہو جیسے ان ضربت ضربت یا معنًی ہو جیسے ان ضربت لم اضرب تو اس صورت میں جزاء پر فاء نہ لائیں گے اسلئے کہ فاء کے ذریعہ جزاء کو شرط کے ساتھ ربط دینا ہوتا ہے اور واسطہ کی ضرورت اسجگہ ہوتی ہے کہ جہاں حرف شرط کی تاثیر متوقع نہ ہو اور یہاں پر چونکہ حرف شرط نے ماضی کو مستقبل کے معنی میں کردیا لہذا حرف شرط کی تاثیر متحقق ہوگی پس واسطہ کی ضرورت نہیں ہوگی بخلاف ماضی مع قد کے کہ اسمیں ماضی اپنے معنی پر باقی رہتی ہے لہذا حرف شرط کی تاثیر بالکل متحقق نہیں ہوئی پس اسوقت ربط کیلئے اس پر فاء کا لانا واجب ہوگا جیسے ان دعوتنی الیوم فقد دعوتک امس ۱۲ **قولہ وان کان مضارعا مثبتا الخ** جب جزاء مضارع ہو مثبت یا منفی بلا ہو تو اسوقت فاء کا لانا اور نہ لانا دونوں وجہ جائز ہیں فاء کا نہ لانا اسلئے کہ حرف شرط کی تاثیر جیسے ماضی میں تھی ویسے مضارع مثبت و منفی بلا میں متحقق نہیں ہوتی اسلئے کہ ادوات شرط کی وجہ سے یہ خبر کہ مضارع خالص استقبال کیلئے ہو گیا مگر مضارع میں معنی استقبال کے پہلے سے تھے لہذا ربط کیلئے فاء کو لایا جائیگا اور جبکہ دیکھیں کہ فی الجملہ ادوات شرط متحقق ہے تو فاء کا لانا بھی جائز ہوگا ۱۲ **قولہ وان لم یکن الخ** یعنی اگر جزاء ماضی بغیر قد ہو اور نہ مضارع مثبت خواہ منفی بلا نہ ہو تو اس صورت میں فاء کا لانا واجب ہوتا ہے جیسا کہ [illegible] جزاء ماضی بعد [illegible] وقت بھی فاء کا لانا واجب ہوتا ہے غرض یہ کہ فاء کا چار صورت میں فاء واجب ہوتا ہے (۱) جزاء ماضی بقد ہو [illegible] (۲) مضارع منفی بغیر لا ہو یعنی مضارع مالن کیساتھ منفی ہو (۳) اس صورت [illegible] ضرورۃ

[illegible]

فاتبعونی واما فهيا كقوله تعالى فان علمتموهن مؤمنت فلا ترجعوهن الى الكفار وقد يقع اذا مع الجملة الاسمية موضع الفاء كقوله تعالى وان تصبهم سيئة بما قدمت ايديهم اذا هم يقنطون وانما تقدر ان بعد الافعال الخمسة التي هي الامر نحو تعلم تنج والنهي نحو لا تكذب يكن خيرا لك والاستفهام نحو هل تزورنا نكرمك والتمني نحو ليتك عندي اخدمك والعرض نحو الا تنزل بنا تصب خيرا وبعد النفي في بعض المواضع نحو لا تفعل شرا يكن خيرا لك وذلك اذا قصد ان الاول سبب للثاني كما رايت في الامثلة فان معنى قولنا تعلم تنج هو ان تتعلم تنج وكذالك البواقي فلذالك امتنع قولك لا تكفر تدخل النار لامتناع السببية اذ لا يصح ان يقال ان لا تكفر تدخل النار الثالث الامر وهو صيغة يطلب بها الفعل من الفاعل المخاطب بان تحذف من المضارع حرف المضارعة ثم تنظر

قولہ وقد یقع اذا الخ یعنی کبھی فاء کے بجائے جزاء پر اذا مفاجاتیہ داخل ہو جاتا ہے بشرطیکہ جزاء جملہ اسمیہ ہو جیسے وان تصبہم سیئۃ بما قدمت ایدیہم اذا ہم یقنطون ای فہم یقنطون اور وجہ یہ ہے کہ اذا کے معنی معنی فاء کے قریب ہیں اسلئے کہ اذا عادۃً ایک امر کے بعد دوسرے امر کے حدوث پر دلالت کرتا ہے پس اس میں فاء تعقیبیہ کے معنی پائے جاتے ہیں ۱۲ **قولہ وانما تقدر ان بعد الافعال الخ** یہاں سے مصنف ان شرطیہ کے مقدر ہونے کی صورتیں بیان فرماتے ہیں کہ وہ امر اور نہی اور استفہام اور تمنی اور عرض کے بعد مقدر ہوتا ہے اور فعل مضارع کو اس کے سبب سے جزم آتا ہے امر کی مثال زرنی اکرمک ای ان تزرنی اکرمک اور نہی کی مثال لا تفعل الشر یکن خیرا لک ای ان لم تفعلہ یکن خیرا لک اور استفہام کی مثال ھل عندکم ماء اشربہ اسلئے کہ معنی ان یکن عندکم ماء اشربہ کے ہیں اور تمنی کی مثال لیت لی مالا انفقہ اس لئے کہ معنی ان یکن لی مال انفقہ کے ہیں اور عرض کی مثال جیسے الا تنزل بنا تصب خیرا ای ان تنزل تصب خیرا ۱۲ **قولہ وذلک اذا قصد ان الاول الخ** یعنی اشیاء خمسہ مذکورہ (امر و نہی) کے بعد ان شرطیہ کا مقدر ہونا اور فعل مضارع کو اس سے جزم آنا اس وقت ہے جبکہ مضمون مضارع کیلئے اشیاء خمسہ مذکورہ کی سببیت کا قصد کیا جاتا ہے پس اس وقت ان شرطیہ مع مضارع کے جو ماتقدم یعنی امر وغیرہ سے ماخوذ ہے مقدر ہوگا اور وہ مضارع جو اشیاء مذکورہ میں سے کسی ایک کے بعد واقع ہے ان مقدرہ کی وجہ سے مجزوم ہوگا جیسا کہ امثلہ مذکورہ بالا سے ظاہر ہے اور اگر کوئی کہے کہ صرف اشیاء خمسہ مذکورہ کے بعد ان شرطیہ کے مقدر ہونے کی وجہ کیا ہے جواب یہ ہے کہ یہ اشیاء طلب پر دلالت کرتی ہیں اور طلب غالبًا ایسے مطلوب کی ہوتی ہے کہ جس پر کوئی فائدہ اسطرح پر مرتب ہوتا ہو کہ مطلوب اس فائدہ کا سبب ہو اور وہ فائدہ مسبب ہو الغرض جب فعل مضارع اشیاء مذکورہ میں سے کسی ایک شے کے بعد واقع ہو اور مضمون مضارع کیلئے اشیاء مذکورہ کی سببیت کا قصد کیا جاوے تو اس وقت معنی شرط کے متحقق ہو جائیں گے اور ان شرطیہ مع فعل شرط کے جو کہ اشیاء مذکورہ سے ماخوذ ہے مقدر ہوگا اور وہ فعل مضارع جو ان اشیاء کے بعد مذکور ہے ان شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہوگا اسلئے کہ وہ ایک فائدہ ہے جو کہ طلب فعل پر اس طرح مرتب ہوتا ہے کہ فائدہ ہے مسبب اور مطلوب اسکا سبب ہے پس مضارع مذکور شرط مقدر کی جزاء ہے اور جزاء مجزوم ہوتی ہے لہذا وہ مجزوم ہوگا جیسے اسلم تدخل الجنۃ یہاں اسلم صیغہ امر ہے اور مطلوب اسلام ہے اور جو فائدہ کہ اس پر مرتب ہوتا ہے وہ دخول جنت ہے نیز اسلام لانا سبب اور دخول جنت مسبب ہے پس یہاں پر اسلم صیغہ امر کے بعد ان شرطیہ مع فعل شرط کے مقدر ہوگا اور تدخل مضارع مذکور جزاء ہوگا اور تقدیری عبارت اس طرح پر ہوگی اسلم ان تسلم تدخل الجنۃ اسلام لا اگر اسلام لے آیا تو جنت میں داخل ہوگا ۱۲ **قولہ فلذالک امتنع قولک الخ** یعنی یہ ترکیب ممتنع ہے اسلئے کہ لا تکفر صیغہ نہی فعل منفی کی تقدیر کا قرینہ ہے نہ کہ مثبت کا پس تقدیری عبارت ان لا تکفر تدخل النار ہوگی اور یہ معنی ہوں گے کہ کفر مت کر اگر تو نے کفر نہ کیا تو دوزخ میں داخل ہوگا اور فساد اس معنی کا ظاہر ہے اس لئے کہ عدم کفر سبب دخول جنت کا ہے نہ کہ دخول نار کا پس ترکیب مذکورہ مقتضائے مذہب جمہور کی بناء پر ہے اور کسائی نحوی اس میں جمہور کی مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ لا تکفر تدخل النار ممتنع نہیں اسلئے کہ عرف میں تقدیری عبارت اسطرح پر ہوگی لا تکفر ان تکفر تدخل النار کفر مت کر اگر کفر کریگا جہنم میں داخل ہوگا پس جب عرفاً فعل مثبت کی تقدیر جائز ہے اور عرف تمام قرائن میں اقوی ہے لہذا عرف کا اعتبار ہوگا اور بوقت قیام قرائن فعل منفی کے بعد مثبت کی تقدیر جائز ہوگی ۱۲ . . . . **قولہ وہو صیغۃ یطلب الخ** اصطلاح نحو میں ہر چند کہ صیغہ امر کا اطلاق امر غائب اور حاضر معروف اور مجہول سب پر ہوتا ہے لیکن امر حاضر معروف کو امر بالصیغہ اور لغیرہ کو امر باللام کہتے ہیں پس مصنف نے الامر صیغۃ کہہ کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہاں امر حاضر مراد ہے اسلئے کہ متبادر الاطلاق امر سے امر حاضر ہوتا ہے نہ کہ امر غائب پھر تعریف مذکورہ میں قولہ صیغۃ یطلب بہا بمنزلہ جنس کے ہے کہ نہی اور امر غائب اور حاضر اور متکلم سب کو شامل ہے خواہ وہ معروف ہوں یا مجہول لہذا قولہ الفعل الخ بمنزلہ فصل ہے کہ لفظ الفعل سے نہی خارج ہو جاتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ نہی میں ترک فعل مطلوب ہوتا ہے اور لفظ من الفاعل سے امر مجہول کے سب صیغے خارج ہو جاتے ہیں اسلئے کہ ان میں طلب مفعول سے ہوتا ہے نہ کہ فاعل سے اور لفظ

۴ المخاطب سے غائب معلوم اور متکلم معلوم سے احتراز ہو جاتا ہے اور قولہ بحذف المضارعۃ سے جو قید مفہوم ہوتی ہے وہ واقعی ہے نہ کہ احترازی اور بعض شروح میں ہے کہ اس سے صہ اور مہ سے احتراز ہے ۱۲ -

فان كان ما بعد حرف المضارعة ساكنا زدت همزة الوصل مضمومة ان انضم ثالثه نحو انصر ومكسورة ان انفتح او انكسر كاعلم واضرب واستخرج وان كان متحركا فلا حاجة الى الهمزة نحو عد وحاسب والامر[۲] من باب الافعال من القسم الثاني وهو مبني[۳] على علامة الجزم كاضرب واغز وارم واسع واضربا واضربوا واضربي فصل فعل ما لم يسم[۴] فاعله هو فعل[۵] حذف فاعله واقيم المفعول[۶] مقامه ويختص[۷] بالمتعدي وعلامته[۸] في الماضي ان يكون اوله مضموما فقط وما قبل آخره مكسورا في الابواب التي ليست في اوائلها همزة وصل ولا تاء زائدة نحو ضرب ودحرج واكرم وان يكون اوله وثانيه مضموما وما قبل آخره كذلك فيما في اوله تاء زائدة نحو تفضل وتضورب وان يكون اوله وثالثه مضموما وما قبل آخره كذالك

قولہ فان کان مابعد حرف المضارعۃ الخ یعنی بعد حذف حرف مضارع کے دیکھو اگر مابعد اس کا ساکن ہو تو ہمزہ وصل مضمومہ زیادہ کرو جب ساکن کے بعد ضمہ ہو تاکہ ابتداء بالسکون لازم نہ آئے یا ہمزہ وصل مکسور لاؤ اگر ساکن کے بعد فتحہ یا کسرہ ہے جیسے اقتل اور اضرب اور اسمع وغیرہ اور اگر متحرک ہو تو ہمزہ وصل لانے کی ضرورت نہیں ہے ۱۲ **قولہ والامر من باب الافعال الخ** یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ کیا جاتا ہے کہ تم نے بیان کیا ہے کہ جس وقت مابعد حرف المضارعۃ ساکن ہو اور عین کلمہ مضارع مضموم ہو تو ہمزہ وصل مکسور لایا جائیگا مثل اکرم اکرام کا امر ہے جو کہ تکرم سے ماخوذ ہے اس میں مابعد حرف المضارعۃ ساکن ہے اور عین مضارع غیر مضموم ہے تو ہمزہ وصل مکسور لانا چاہیے تھا حالانکہ یہاں ہمزہ مفتوحہ لایا گیا ہے جواب ہمزہ مکسور اسوقت لایا جاتا ہے جبکہ مابعد حرف مضارع ساکن ہو اور عین کلمہ مکسور تھا اور یہاں پر ایسا نہیں کیونکہ مابعد حرف مضارع ساکن نہیں ہے بلکہ مفتوحہ ہے جو کہ یہاں پر محذوف ہے کیونکہ تکرم کی اصل تاکرم تھی تافعل کے وزن پر جبکہ اکرم میں سے ہمزہ کو کراہیت اجتماع ہمزتین کی وجہ سے حذف کیا تو مضارع کے باقی صیغوں میں سے بھی حذف کر دیا ہے موافقت باب کیوجہ سے اور جب اسکا امر بنایا تو ہمزہ محذوف کا اعادہ کر لیا کیونکہ اب خرابی مذکور لازم نہیں آتی ہے لہذا امر اکرم ہو گیا لہذا سوال وارد نہیں ہوتا ہے اور یہ ہمزہ اسمیں ہمزہ قطعی ہے اور وصلی نہیں ہے ۱۲ **قولہ وھو مبنی علی علامۃ الخ** یعنی امر حاضر معروف اسی علامت پر مبنی ہوتا ہے جن پر کہ مضارع مجزوم ہوتا ہے یعنی جیسا کہ بوقت جزم کبھی حرکت گر جاتی ہے اور کبھی نون اعرابی اور کبھی حرف علت گر جاتا ہے اسی طرح امر حاضر معروف سے بھی کبھی حرکت گر جاتی ہے جیسے اقتل اور کبھی نون اعرابی جیسے اقتلوا اور کبھی حرف علت محذوف ہو جاتا ہے جیسے اغز اور ارم اور اخش ۱۲ **قولہ فعل ما لم یسم الخ** فعل مضاف ہے اور ما موصولہ ہے مراد مفعول ہے ای فعل مفعول الذی لم یسم فاعلہ اور لم یسم سے مراد مجازاً لم یذکر ہے یعنی اس مفعول کا فعل جس کا فاعل ذکر نہیں کیا گیا ہے اور اس مقام کی مزید تحقیق بحث مرفوعات میں گذری ہے ۱۲ **قولہ ھو فعل حذف فاعلہ الخ** یعنی فعل ما لم یسم فاعلہ وہ فعل ہے جسکے فاعل کو حذف کیا گیا ہو اور مفعول کو اسکی جگہ رکھدیا ہو سیبویہ کے نزدیک یہ تعریف مطرد ہے اور کسائی کے مذہب پر مطرد نہیں ہے کیونکہ ضربنی وضربت زیداً میں جو زید ہے اسمیں دونوں فعلوں کا تنازع ہو رہا ہے فعل اول کی فاعل کے حذف کی تقدیر پر یہ تعریف اس پر صادق آتی ہے کیونکہ یہاں پر ایک اسم (زید) فعل اول کا فاعل ہے جس کو حذف کر کے مفعول کو اسکی جگہ قائم کیا گیا ہے جواب یہ مفعول قائم مقام فاعل کیا گیا ہے اسی فعل کا فاعل نہیں ہے جس کا یہ کہا گیا ہے بلکہ دوسرے فعل کا ہے اور فعل مفعول ما لم یسم ہے کہ اسی فعل کے مفعول کو قائم مقام فاعل کے کیا گیا ہو لہذا یہ تعریف ضربنی ضربت زیداً میں جو زید ہے اس پر صادق نہیں آتی ہے ۱۲ **قولہ اقیم المفعول الخ** مفعول ما لم یسم معنی کے اعتبار سے مفعول ہے یہ بجائے فاعل کے اگر رفع قبول نہیں کر سکتا ہے جواب فعل کے واسطے دو طرفیں ہیں ایک طرف صدور اور وہ فاعل ہے اور ایک طرف وقوع اور وہ مفعول ہے لہذا فاعل اور مفعول دونوں ایک دوسرے کے طرف میں مشابہ ہیں لہذا مفعول فاعل کی جگہ میں آکر رفع قبول کر سکتا ہے کیونکہ یہاں پر فاعل کی فاعلیت اس سبب سے ہے کہ فعل کی اسکی طرف اسناد کر رکھی ہے اور اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس نے فعل کا احداث کیا ہے چنانچہ مات زید میں زید فاعل ہے باوجودیکہ اس نے موت کا احداث نہیں کیا [illegible] کے سبب کیونکہ [illegible] باری تعالی کرتا ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ زید کی طرف موت کی اسناد کر رکھی ہے **قولہ ویختص بالمتعدی الخ** فعل ما لم یسم فاعلہ کی بناء فعل متعدی سے ہی [illegible] کیونکہ اگر [illegible] متعدی سے نہ بنایا جاوے اور فاعل کے ذکر کو نسیاً منسیاً کیا جاوے تو پھر کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہتی ہے جسکی طرف فعل کی اسناد کی جاوے حالانکہ یہ درست نہیں ہے ۱۲ **قولہ وعلامتہ الخ** حاصل مصنف رحمہ اللہ کے کلام کا یہ ہے کہ اگر وہ فعل کہ جس کے فاعل کو حذف کر کے اسکی جگہ مفعول کو رکھنا چاہیں تو اگر فعل ماضی ہو تو اس اول کو ضمہ اور ماقبل آخر کو کسرہ دیں گے جیسے فعل ضرب اور وجہ یہ ہے کہ اگر فعل ما لم یسم فاعلہ بناتے وقت اس قسم کا تصرف نہ کریں گے تو فعل معروف اور مجہول میں امتیاز نہ ہو گا نیز معلوم نہ ہو گا کہ مرفوع بعد فعل کے فاعل یا نائب ہے یہ امر کہ یہ تغیر مجہول میں ہی کیوں کی جاتی ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مجہول معروف کی فرع ہے لہذا تغیر فرع کے مناسب ہے نہ کہ اصل کے اسوجہ سے مجہول ہی میں فقط یہ تغیر واقع ہوتی ہے اور چونکہ فعل کی اسناد مفعول کیطرف غیر معہود ہے اسوجہ سے اسکے لیے لفظ فعل بھی غیر معہود مناسب ہے تاکہ معنی اور لفظ ہر دو غیر معہودیت میں مناسب ہو جائیں اور یہ حکم یعنی اول کو ضمہ دینا اور آخر سے پہلے حرف کو کسرہ فقط اسوقت تک ہوگا جبتک کہ ماضی کے اول میں ہمزہ وصل اور تاء زائدہ نہ ہو اور ہمزہ وصل میں تاء ہو تو اقتل اور دوسرا حرف مضموم ہوگا اور آخر سے پہلا حرف مکسور جیسے تقبل تاکہ باب تفعل کے (باقی بر صفحہ ۱۴۸ ایم)

فيما في اوله همزة وصل نحو اُستُخرِجَ واُقتُدِرَ والهمزة تتبع المضموم ان لم تُدرَج وفي المضارع ان يكون حرف المضارعة مضموما وما قبل آخره مفتوحا نحو يُضرَبُ ويُستخرَجُ الا في باب المفاعلة والافعال والتفعيل والفعللة وملحقاتها الثمانية فان العلامة فيها فتح ما قبل الآخر نحو يُحاسَبُ ويُدحرَجُ وفي الاجوف ماضيه قيل وبيع بالاشمام قيل وبيع بالواو وقُول وبُوع وكذلك باب اُختير وانقيد دون استخير واقيم لفقد فُعل فيهما وفي مضارعه تقلب العين الفا نحو يقال ويباع كما عرفت في التصريف مستقصىً فصل الفعل اما متعد وهو ما يتوقف فهم معناه على متعلق غير الفاعل كضرب واما لازم وهو ما بخلافه كقعد وقام والمتعدى قد يكون الى مفعول واحد كضرب زيدٌ عمرا والى مفعولين كاعطى زيدٌ عمرا درهما ويجوز فيه الاقتصار على احد مفعوليه كاعطيت زيدا او اعطيت درهما بخلاف باب علمت والى ثلثة مفاعيل نحو اعلم الله زيدا عمرا فاضلا ومنه ارى وانبأ ونبّأ واخبر وخبّر وحدّث

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷) صیغہ مضارع کیساتھ ملتبس نہ ہو اور اگر ہمزہ وصل شروع میں ہے تو اول اور ثالث کو ضمہ دیں گے اور ماقبل آخر کو اسی طرح جیسے پہلے دیا تھا کسرہ دینگے جیسے اُستُخرِجَ واُقتُدِرَ تاکہ اس باب کے امر کے ساتھ اسکا التباس نہ ہو حاصل یہ کہ ہمزہ مضموم کے تابع ہوتا ہے اگر درج میں آکر ساقط نہ ہو اور حرف مکسور کے تابع نہیں ہوتا ہے اگرچہ ساکن میں کسرہ اصل ہے اس لئے اگر کسرہ دیں تو خروج کسرہ ضمہ کی طرف لازم آئیگا جو عند العرب مستنکر ہے اور ساکن کا تابع اور متبوع کے درمیان آجانا کچھ اعتبار نہیں رکھتا ہے ۱۲ **قولہ فی المضارع الخ** فی الماضی پر عطف ہے یعنی مضارع میں مجہول کی علامت یہ ہے کہ علامت مضارع مضموم اور ماقبل آخر مفتوح ہونا ہے بشرطیکہ ابواب مذکورہ فی الکتاب سے کوئی نہ ہو اور اگر ان میں سے ہو تو علامت مجہول کی ماقبل آخر کا مفتوح ہونا ہے کیونکہ علامت مضارع تو ان میں معروف میں بھی مضموم ہوتی ہے ۱۲ **قولہ فی الاجوف ماضیہ الخ** یعنی معتل العین واوی ہو یا یائی ثلاثی مجرد سے افصح لغت کی بنا پر قیل اور بیع ہے اور اس میں اشمام بھی جائز ہے اور اشمام سے مراد یہ ہے کہ فاء کلمہ کے کسرہ کو ضمہ کی طرف اور عین کلمہ کو کہ یاء ہے تھوڑا سا واو کی طرف مائل کرکے پڑھیں گے تاکہ اشمام سے معلوم ہو کہ اصل فاء کلمہ میں ضمہ ہے اور اسمیں قول وبوع بھی آیا ہے کہ بجائے یاء کے واو پڑھیں ۱۲ **قولہ وکذالک الخ** یعنی جس طرح ثلاثی مجرد کی ماضی میں وجوہ ثلثہ مذکورہ بالا جاری ہوتی ہیں اسی طرح باب افتعال انفعال کی ماضی مجہول میں جبکہ وہ معتل العین ہو وجوہ ثلثہ مذکورہ جاری ہونگی جیسے اختیر اور انقید کہ ان کو تین طریقوں سے پڑھ سکتے ہیں اس لئے کہ ان میں تید وخیر بدوں کسی فرق کے قیل اور بیع کے مانند ہیں ۱۲ **قولہ دون استخیر الخ** یعنی باب استفعال اور افعال کی ماضی جبکہ وہ معتل العین ہو وجوہ ثلاثہ مذکورہ جاری نہ ہونگی اسلئے کہ باعتبار اصل کے ماقبل حرف علت کا ان میں ساکن ہے پس یہ قیل اور بیع کی طرح پر نہ ہوئے ۱۲ **قولہ فی المضارع تقلب العین الخ** یعنی اگر مضارع معتل العین ہو تو اس کا عین کلمہ بقاعدہ صرف الف سے بدل جائیگا جیسے یقال اور یباع وغیرہ ۱۲ **قولہ الفعل اما متعد الخ** یہاں سے فعل کی دو قسمیں متعدی اور غیر متعدی کا بیان کرتے ہیں کہ متعدی وہ فعل ہے کہ اس کا سمجھنا متعلق معنے غیر فاعل کے سمجھنے پر موقوف ہو متعلق سے مراد مفعول بہ ہے فعل متعدی کی مثال جیسے ضرب اسلئے کہ اس کا سمجھنا جیسا کہ فاعل یعنی ضارب پر موقوف ہے اسی طرح اس کا سمجھنا غیر فاعل یعنی مضروب پر بھی موقوف ہے ۱۲ **قولہ اما لازم الخ** جاننا چاہیے کہ غیر متعدی کو لازم بھی کہتے ہیں اور لازم متعدی کے خلاف ہے اسلئے کہ اسکا تعقل غیر فاعل کے تعقل پر موقوف نہیں ہے جیسے قعد قام زید ۱۲ **قولہ والمتعدی قد یکون الخ** یعنی فعل متعدی کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے ضرب زید عمرا اور کبھی دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے اعطیت زیدا درہما اور علمت زیدا فاضلا لیکن فرق یہ ہے کہ پہلی مثال میں تو مفعول ثانی مصداق مفعول اول کے مغایر ہوتا ہے اور دوسری مثال میں عین مفعول اول ہے اور کبھی تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے اعلم اللہ زیدا عمرا فاضلا علی ہذا القیاس انبار اور نبار اور اخبار اور خبر اور حدث اُعلم کے معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مفعول ثالث کی طرف متعدی ہوتے ہیں۔ ۱۲

وهذه السبعة مفعولها الاول مع الاخيرين كمفعولي اعطيت في جواز الاقتصار على احدهما تقول اعلم الله زيدا والثاني مع الثالث كمفعولي علمت في عدم جواز الاقتصار على احدهما فلا تقول اعلمت زيدا خير الناس بل تقول اعلمت زيدا عمروا خير الناس فصل افعال القلوب علمت وظننت وحسبت وخلت ورايت ووجدت وزعمت وهي افعال تدخل على المبتداء والخبر فتنصبهما على المفعولية نحو علمت زيدا عالما واعلم ان لهذه الافعال خواص منها ان لا تقتصر على احد مفعوليها بخلاف باب اعطيت فلا تقول علمت زيدا

قولہ ہذہ السبعۃ الخ یعنی یہ افعال سات فعل جو کہ تین مفعولوں کی طرف متعدی ہیں ان کا پہلا مفعول اعطیت کے مفعول کی مانند ہے پس جس طرح پر کہ اعطیت کے دو مفعولوں میں سے ایک پر اختصار جائز ہے اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان افعال میں صرف مفعول اوّل کو ذکر کریں اور یہ بھی جائز ہے کہ اوّل کو حذف کر کے دوسرے اور تیسرے مفعول کو ذکر کریں بخلاف ثانی اور ثالث کے کہ وہ دونوں فعل دو مفعولوں باب علمت کے ہیں پس ان میں اختصار جائز نہیں کہ ایک ذکر کریں اور دوسرے کو حذف کریں پس یا تو دونوں کو ذکر کریں گے یا دونوں کو حذف کریں گے ۱۲ **قولہ افعال القلوب الخ** جاننا چاہیے کہ افعال قلوب حصر استقرائی کے اعتبار سے نہ عقل کے اعتبار سے سات ہیں کیونکہ عرفت اعتقدت اردت بھی افعال قلوب سے ہیں اور دو مفعول کی طرف متعدی ہو کر مستعمل ہوتے ہیں لیکن افعال قلوب کے احکام ان میں جاری نہیں ہوتے ہیں ان افعال کا افعال قلوب اس وجہ سے نام رکھا ہے کہ یہ اپنے صدور میں اعضاء ظاہری کی طرف محتاج نہیں ہیں بلکہ قوائے باطنی کافی ہوتے ہیں کیونکہ بعض تو ان میں سے شک کیلئے آتے ہیں اور بعض یقین کے واسطے اور شک اور یقین دونوں دل سے تعلق رکھتے ہیں اور اس وجہ سے چونکہ یہ افعال شک اور یقین کے واسطے آتے ہیں ان کا نام افعال الشک والیقین بھی ہے نیز جاننا چاہیے کہ شک کے معنی لغت میں یقین نہ ہونا ہے یعنی شک یقین کے خلاف کو کہتے ہیں بعض جو کہتے ہیں کہ . . . . یہ نام رکھنے میں شک سے مراد ظن ہے کیونکہ کوئی سا فعل شک کیواسطے نہیں اس لیے کہ شک کے معنے ہے تساوی طرفین کے فی الحقیقت اس شخص کو لغوی اور اہل میزان کے اصطلاحی معنی سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے اس وجہ سے اس نے بیان مذکور دیا ہے ۱۲ **قولہ علمت الخ** ان افعال کو ماضی سے تعبیر کرنے سے غرض لفظ ماضی خاص نہیں ہے بلکہ مطلق فعل سے خبر دینا ہے خواہ مضارع ہو خواہ امر اور ان افعال کو صیغہ متکلم سے تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ ہر شخص اپنے قلب کے افعال سے خوب عارف ہے بہ نسبت دوسروں کے قلوب کے افعال سے جاننا چاہیے کہ ان افعال میں سے تین ظننت حسبت خلت شک کے واسطے ہیں اور تین علمت رایت وجدت یقین کے واسطے ہیں اور ایک زعمت دونوں میں مشترک ہے **قولہ وہی افعال الخ** ان افعال کا دخول مبتدا و خبر یعنی جملہ اسمیہ پر ہوتا ہے اور غرض ان کے دخول سے جملہ اسمیہ پر یہ ہوتی ہے کہ ان کے دخول سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جملہ از قبیل علم ہے یا ظن جیسے علمت زیداً صائماً اور ظننت زیداً قائماً پس زیدٌ قائمٌ ایک جملہ ہے اور اس میں علمت اور ظننت کے دخول ہونے سے پیشتر احتمال ہے کہ ثبوت قیام کا زید کیلئے از قبیل علم یا ظن ہو پھر جب علمت زیداً قائماً کہا تو معلوم ہوا کہ حکم مذکور از قبیل علم ہے اور جب ظننت زیداً قائماً کہا تو معلوم ہوا کہ حکم مذکور از قبیل ظن ہے الغرض افعال قلوب اس چیز کے بیان کرنے کیلئے آتے ہیں کہ جس سے یہ ماخوذ ہیں اور جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور اس کی دونوں جزؤں کو بنا بر مفعولیت کے نصب دیتے ہیں ۱۲ **قولہ خواص الخ** خواص خاصیہ کی جمع ہے خاصہ وہ شئے ہے جو ایک چیز کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسری چیز میں وہ نہ پائی جاوے اور بعض نسخوں میں خواص کے بجائے خصائص ہے اور خصیصہ کی جمع ہے بمعنی خاصہ ۱۲ **قولہ منہا ان لا الخ** مصنف نے یہاں سے افعال قلوب کے خصائص کو بیان کیا ہے چنانچہ کہا کہ افعال قلوب کے خصائص میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ اس کے دو مفعولوں میں سے جب ایک مذکور ہو گا تو دوسرے کا ذکر کرنا بھی واجب ہو گا کسی ایک پر اختصار جائز نہ ہو گا اس لیے کہ دونوں بمنزلہ ایک مفعول کے ہیں پس اگر ایک کو ذکر کریں اور دوسرے کو حذف کریں تو بعض اجزاء کلمہ کا حذف لازم آئے گا بخلاف باب اعطیت کے کہ وہاں دو مفعولوں میں سے ایک پر اختصار جائز ہے ۱۲

ومنها جواز الالغاء اذا توسطت نحو زيدٌ ظننت قائمٌ او تاخرت نحو زيدٌ قائمٌ ظننت ومنها انها تعلق اذا وقعت قبل الاستفهام نحو علمت ازيد عندك ام عمرو وقبل النفي نحو علمت ما زيدٌ في الدار وقبل لام الابتداء نحو علمت لزيد منطلق ومنها انها يجوز ان يكون فاعلها ومفعولها ضميرين لشئ واحد نحو علمتني منطلقا وظننتك فاضلا واعلم انه قد يكون ظننت بمعنى اتهمتُ وعلمت بمعنى عرفتُ ورايتُ بمعنى ابصرت ووجدت بمعنى اصبت الضالة فتنصب مفعولا واحدا فقط فلا تكون حينئذ من افعال القلوب

قولہ منہا جواز الالغاء الخ یعنی افعال قلوب کے بعض خواص میں سے ایک خاصہ ہے کہ جب یہ افعال دونوں مفعولوں کے وسط میں ہوں یا ان سے مؤخر ہوں تو ان کا الغاء جائز ہے الغاء ابطال العمل لفظاً اور معنی کو کہتے ہیں اور وجہ اس وقت جواز الغاء کی یہ ہے کہ یہ دونوں مفعول بوجہ اسکے کہ ان میں مبتدا اور خبر بننے کی صلاحیت ہے کلام مستقل ہیں اور افعال قلوب عمل میں ضعیف ہیں پس جب دونوں مفعولوں کے درمیان یا ان سے مؤخر ہوں گے تو بوجہ اپنے عمل ضعیف کے عمل نہ کرنا ان کا جائز ہوگا کیونکہ ان کی ذات میں قوت عمل موجود ہے گو عارض کی وجہ سے ان کی قوت عمل میں ضعف آگیا پس انمیں دونوں صورتیں جائز ہیں البتہ فرق اسقدر ہے کہ وسط میں ہونیکی صورت میں عمل دینا اولی ہے اور مؤخر ہونے کی صورت میں الغاء عمل اولی ہے اور بعض نے دونوں صورتوں کو برابر قرار دیا ہے اور جواز الغاء کے وقت میں یہ افعال مصدری معنے میں ہوتے ہیں اور ظرف ہوتے ہیں جیسے مثلاً زید ظننت قائم پس اس کے معنے ہے زید قائم فی ظنی ۱۲ **قولہ منہا انہا تعلق الخ** یعنی افعال قلوب کے خصائص میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ جب وہ استفہام یا نفی یا لام ابتداء سے پہلے واقع ہوتے ہیں تو معلق ہو جاتے ہیں یعنی لفظاً بطریق وجوب ان کا عمل باطل ہو جاتا ہے معنےً باطل نہیں ہوتا جیسے علمت ازید عندک ام عمرو باقی امثلہ کتاب سے واضح ہے اور ان تینوں صورتوں میں معلق اس وجہ سے ہو جاتے ہیں کہ یہ تینوں کلام کی صدارت کو مقتضی ہیں اور عمل کے وقت میں ان افعال کی صدارت ان کی صدارت کو باطل کرتی ہے لہذا یہ افعال از روئے لفظ کے مہمل ہو جائیں گے اور از روئے معنی کے عامل ہونگے ۱۲ **قولہ قبل الاستفہام الخ** استفہام سے مراد عام ہے خواہ حرف استفہام سے ہو جیسا کہ مثال مذکور میں جو کہ متن میں ہے اور خواہ استفہام اسم سے ہو جو ہمزۂ استفہام کے معنے کو شامل ہو جیسے لنعلم ای الحزبین احصٰی اور علمت این زید جالس اور علمت متی عمرو خارج مگر جس وقت یہ ہل سے پہلے آتے ہیں تو بعض کے نزدیک یہ معنے نہیں ہوتے اور یہ مشہور نہیں ہے ۱۲ **قولہ ومنہا انہا یجوز ان یکون الخ** یعنی افعال قلوب کے خصائص میں سے ایک خاصہ ہے کہ جائز ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں ضمیر متصل ایک شے کیلئے ہوں یعنی صرف متکلم کیلئے یا صرف حاضر یا صرف غائب کیلئے جیسے علمتنی منطلقاً پس ظاہر ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں متکلم کی خبریں ہیں اور ایک شے یعنی متکلم کی طرف لوٹتی ہے اور یہ اجتماع دوسرے افعال میں جائز نہیں ہے پس ضربتنی ناجائز ہے بلکہ اس صورت میں فصل کرکے ضربت نفسی کہیں گے افعال قلوب میں یہ اجتماع اسوجہ سے جائز ہے کہ ان کا مفعول حقیقت میں دوسرا مفعول ہے پہلا مفعول محض دوسرے مفعول کیلئے توطیہ اور تمہید ہوتا ہے پس ان افعال کے فاعل اور مفعول اول کے درمیان ایک شئے کیلئے ضمیر ہونے کی صورت میں اتحاد لازم نہیں آتا ہے بخلاف دوسرے افعال کے کہ ان میں فاعل اور مفعول کے درمیان میں اتحاد لازم آتا ہے لہذا ان میں بلفظ نفس سے فصل لایا جاتا ہے جیسے ضربت نفسی ضربت نفسک ۱۲ **قولہ اعلم الخ** حاصل کلام یہ ہے کہ ان افعال مذکورہ کے واسطے اور دوسرے معنی بھی ہیں کہ جن کے سبب وہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں مثلاً ظننت کہ یہ ظننت بمعنی اتہمت سے مشتق ہوکر معنے میں اتہمت کے ہوتا ہے اور ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اسی سے قولہ تعالی وما ہو علی الغیب بظنین ہے اور جیسے علمت کہ معنی میں عرفت کے ہوکر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اسی سے قولہ تعالی ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت علی ہذا القیاس رایت معنی میں ابصرت کے ہے جیسے قولہ تعالی ماذا تری میں اور وجدت معنی میں اصبت کے ہوکر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے غرض یہ کہ یہ افعال جب ان معانی میں ہوتے ہیں تو ایک اسم کو بنا بر تقاضا اسمیت کے نصب دیتے ہیں جاننا چاہیے کہ ان افعال کیلئے اور بھی معانی ہیں جن کو مصنفؒ نے بیان نہیں کیا ہے جیسے مثلاً حسبت کے معنی ہے صرت ذا حسب اور خلت کے معنی ہے صرت ذا خال اور زعمت کے معنی ہے کہ کفالت مصنفؒ نے ان معانی کو اس وجہ سے بیان نہیں کیا کہ یہ معانی ظن اور یقین کے قریب نہیں ہیں بخلاف ان معانی کے جو کہ مصنفؒ نے ان کے دوسرے معانی بیان کئے ہیں وہ ظن اور یقین کے قریب ہیں ان معانی کے اعتبار سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو مفعول کو مقتضی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے ۱۲

✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

فصل الافعال[1] الناقصة هي افعال[2] وضعت لتقرير الفاعل على صفة غير صفة مصدرها وهي كان وصار وظل وبات الى آخرها تدخل[3] على الجملة الاسمية لافادة نسبتها حكم معناها فترفع الاول[4] وتنصب الثاني فتقول كان زيدٌ قائمًا وكان[5] على ثلثة اقسام ناقصة[6] وهي تدل على ثبوت خبرها لفاعلها في الماضي اما دائمًا نحو كان الله عليمًا حكيمًا او منقطعًا نحو كان زيد شابًّا وتامة[7] بمعنى ثبت وحصل نحو كان القتال اي حصل القتال وزائدة[8] لا يتغير باسقاطها معنى الجملة كقول الشاعر شعر

جياد بني ابي بكر تسامى ... على كان المسوّمة العراب

قولہ الافعال الناقصة الخ یہاں سے افعال ناقصہ کا بیان ہے افعال ناقصہ کو افعال ناقصہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اور افعال کی طرح صرف فاعل پر کلام تام نہیں ہوتے بلکہ خبر کے ملانے کی ضرورت ہوتی ہے ۱۲ **قولہ وہی افعال وضعت لتقریر الفاعل الخ** یعنی افعال ناقصہ وہ افعال ہیں کہ جو فاعل کو ان افعال کے مصادر کے صفات متغائرہ کے ساتھ ربط کیلئے موضوع ہیں جیسے مثلاً کان زید قائماً یہاں پر کان قیام کو زید کے ساتھ مربوط کرنے کیلئے موضوع ہے اور صفت کون کے ساتھ مربوط کرنے کیلئے موضوع نہیں ہے اسی وجہ سے مصنفؒ نے صفت کو غیر صفت مصدرہا کے ساتھ موصوف کر دیا کیونکہ صفت مصدر کے ساتھ ہر فعل مربوط کرنے کیلئے موضوع ہے جیسے ضرب زید میں ضرب اپنی صفت ضرب کو زید کیلئے ثابت کرنے کیلئے وضع کیا گیا لہذا تمام افعال تقریر الفاعل علی صفت مصدرہا کیلئے موضوع ہیں بخلاف افعال ناقصہ کے کہ یہ اپنی صفتوں کے ثابت کرنے کیلئے موضوع نہیں ہیں بلکہ ان کے مصدر کے علاوہ جو صفت ہوتی ہے اس پر فاعل کو ثابت کرتے ہیں ۱۲ **قولہ تدخل علی الجملة الاسمیة الخ** یعنی افعال ناقصہ اپنی معنی کا حکم اور اثر خبر کو عطا کرنے کے لیے جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں جیسے کان زیدٌ قائماً میں کان فعل ناقص ہے اور زیدٌ قائم جملہ اسمیہ پر داخل ہے اس لیے کہ وہ اپنے معنی یعنی ثبوت کا حکم و اثر اپنی خبر یعنی قیام کو عطا کرے ۱۲ **قولہ فترفع الاول الخ** یعنی افعال ناقصہ جملہ اسمیہ پر داخل ہو کر جزو اول کو رفع دیتے ہیں اور جزو ثانی کو نصب جیسے کان زید اقائماً میں کان عامل ہے اور اس کی وجہ سے زید مرفوع اور قائماً منصوب ہے ۱۲ **قولہ وکان علی ثلثة الخ** یہ لفظ کان کی تفصیل ہے کہ وہ تین قسم پر ہوتا ہے ناقصہ و تامہ اور زائدہ پھر کان ناقصہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ اپنی خبر کو اپنے اسم کیلئے زمانہ ماضی میں ثابت کرتا ہے عام ازیں کہ وہ ثبوت تمام ماضی و غیر ماضی میں دائم ہو جیسے کان اللہ عزیزاً حکیماً یا منقطع ہو جیسے کان زید قائماً اور ناقصہ ہونے کے وقت بمعنی صار جیسے کان زید غنیاً ای صار زید غنیاً ۱۲ **قولہ وتامة بمعنی ثبت وحصل الخ** یعنی کان کبھی تامہ ہوتا ہے جو ثبت اور حصل کے معنے میں آتا ہے اور اپنے اسم یعنی فاعل پر تام ہو جاتا ہے خبر کا محتاج نہیں ہوتا ہے جیسے کان القتال میں کان حصل کے معنے میں ہے ۱۲ **قولہ وزائدة الخ** یہ کان کی تیسری قسم ہے کہ کان کبھی زائدہ ہوتا ہے اور وہ وہ ہے کہ جب اس کو عبارت سے ساقط کر دیا جاوے تو معنی مقصود میں کوئی خلل نہ آئے غرض یہ کہ کان کبھی لفظ اور معنی دونوں میں زائدہ ہوتا ہے جیسا کہ مثال متشابدہ میں ہے اور کبھی فقط لفظ میں زائدہ ہوتا ہے جیسے زید کان قائم کان اس مثال میں اس پر دلالت کرتا ہے کہ قیام زید زمانہ ماضی میں ہوا ہے اور تامہ اور زائدہ اگرچہ ناقصہ نہیں ہیں اس کے باوجود مصنفؒ نے ان کو کان کے تمام استعمالات کے استیفاء کی غرض سے بیان کر دیا ہے اور زیادت لفظ کان کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے مشتقات زائد نہیں ہوتے ہیں بخلاف اول کی ہر دو قسم عام ہے یہ خود کان اور اس کے مشتقات سب میں جاری ہوتی ہیں ۱۲ **قولہ جیاد الخ** جید کی جمع ہے عمدہ تیز رو گھوڑا تسامی اصل میں تتسامی تھا ایک تا تخفیفاً حذف کر دی گئی ماخوذ سمو سے، بمعنی بلند ہونا مسومة تسویم سے بمعنی علامت لگانا عراب بالکسر تازی (عربی) گھوڑے جیاد مبتدا ابنی کی جانب مضاف ہے اور ابی بکر ابنی سے بدل ہے اور تسامی خبر علی کان المسومة تسامی کے متعلق ہے اور العراب المسومة کی صفت ہے ترجمہ میرے بیٹے ابی بکر کے تیز رفتار گھوڑے ان عربی گھوڑوں جن پر عمدہ ہونے کے نشان لگائے گئے ہیں پر فوقیت رکھتے ہیں ۱۲ ؞

اي على المسومة وصار للانتقال نحو صار زيدٌ غنيا واصبح وامسى واضحى تدل على اقتران مضمون الجملة بتلك الاوقات نحو اصبح زيدٌ ذاكرا اي كان ذاكرا في وقت الصبح وبمعنى صار نحو اصبح زيد غنيا وتامة بمعنى دخل في الصباح والضحى والمساء وظل وبات يدلان على اقتران مضمون الجملة بوقتيهما نحو ظل زيد كاتبا وبمعنى صار ومازال ومافتئ ومابرح ومانفك تدل على استمرار ثبوت خبرها لفاعلها مذ قبله نحو مازال زيدٌ اميرا ويلزمها حرف النفي ومادام يدل على توقيت امر بمدة ثبوت خبرها لفاعلها نحو اقوم مادام الامير جالسا وليس على نفي معنى الجملة حالا وقيل مطلقا وقد عرفت بقية احكامها في القسم الاول فلا نعيدها فصل افعال المقاربة هي افعال وضعت للدلالة

قولہ صار للانتقال الخ یعنی صار انتقال کیلئے ہوتا ہے خواہ وہ انتقال ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف ہو جیسے صار زید عالماً یعنی زید صفت جہل کو چھوڑ کر صفت علم کی طرف منتقل ہو گیا یا ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف منتقل ہو گیا جیسے صار الطین خزفاً یعنی کیچڑ ٹھیکرا ہو گیا اور صار کبھی ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف یا ایک ذات سے دوسری ذات کی طرف انتقال کیلئے آتا ہے اور اس وقت یہ الیٰ سے متعدی ہوتا ہے جیسے صار زید من قریۃ الیٰ قریۃ اور جیسے صار زید من خالد الیٰ عمرو ۱۲ **قولہ واصبح امسیٰ الخ** اصبح امسیٰ اضحیٰ یہ تین فعل جملہ کے مضمون کو اپنے اوقات کے ساتھ مقارن کرنے کیلئے آتے ہیں جیسے اصبح زید جالساً یعنی زید صبح کے وقت بیٹھ گیا اور جیسے امسیٰ زید قائماً یعنی زید شام کے وقت کھڑا ہو گیا اور جیسے اضحیٰ زیدٌ مصلیاً یعنی زید چاشت کے وقت نماز پڑھنے والا ہوا مضمون جملہ سے مراد خبر یا متعلق خبر کا مصدر نکال کر اسم کی طرف اضافت کرکے جو مرکب اضافی بنتا ہے وہ مراد ہے غرضیکہ یہ مضمون جملہ کو ان وقتوں کے ساتھ ملاتے ہیں جن پر ان کے مواد دلالت کرتے ہیں اس زمانہ میں جن پر ان کا صیغہ دلالت کرتا ہے اسی طرح پر آگے بات اور ظل کو سمجھنا چاہئے **قولہ بمعنے صار الخ** یعنی کبھی یہ افعال ثلاثہ صار کے معنے میں ہوتے ہیں اور اس وقت ان کے معنے میں اوقات کا لحاظ نہ ہوگا جیسے اصبح زید غنیا ای صار زید غنیا اور کبھی یہ تینوں فعل تامہ ہوتے ہیں جیسے اصبح زید یعنی زید صبح کے وقت داخل ہوا پس اسوقت یہ خبر کے محتاج نہ ہونگے ۱۲ **قولہ ظل وبات الخ** یعنی افعال ناقصہ میں سے یہ دو فعل جملہ کے مضمون کو اپنے اپنے وقت کیساتھ ملانے کے لیے آتے ہیں جیسے ظل زید کاتبا یعنی زید تمام دن لکھنے والا رہا اور جیسے بات زید مضطرباً یعنی زید تمام رات بیقرار رہا پھر یہ دونوں فعل کبھی معنی میں صار کے ہوتے ہیں جیسے ظل زید غنیاً یعنی زید مالدار ہو گیا اور بات زید فقیراً یعنی زید فقیر ہو گیا **قولہ ومازال الخ** یعنی مازال اور مابرح اور مافتئ اور ماانفک اپنے خبروں کو اپنے فاعل کیلئے استمرار کے ساتھ ثابت کرنے کیلئے آتے ہیں لیکن مطلقاً نہیں بلکہ اسوقت سے جبکہ ان کے فاعلوں نے خبر کو قبول کیا ہو جیسے مازال زید غنیاً یعنی زید نے جب سے تونگری کو قبول کیا اسوقت سے زید میں تونگری کی صفت مستمر اور دائمی ہے اور اگر کوئی کہے کہ افعال مذکورہ کے استمرار پر دلالت ہونے کی کیا وجہ ہے تو جواب یہ ہے کہ ان افعال کے معنی میں نفی پائی جاتی ہے اور جب ان پر ما نافیہ داخل ہوتا ہے تو نفی النفی ہو کر معنے استمرار اور ثبوت کے ہو جاتے ہیں اسلئے کہ نفی کی نفی استمرار اور ثبوت کو مستلزم ہوتی ہے ۱۲ **قولہ ویلزمہا حرف الخ** یعنی افعال مذکورہ جبکہ ان سے دوام اور استمرار کا ارادہ کیا جائے نفی لازم ہے عام ازیں کہ نفی لفظاً ہو یا تقدیراً اول کی مثال ظاہر ہے اور ثانی کی مثال تاللہ تفتؤ تذکر یوسف ہے اصل میں لا تفتؤ تذکر یوسف تھا ۱۲ **قولہ ومادام یدل الخ** یعنی افعال ناقصہ میں سے مادام کسی امر کی توقیت کو اس مدت کیساتھ کرنے کیلئے آتا ہے کہ جو خبر کے ثابت ہونیکی اسکے فاعل کیلئے ہے جیسے اجلس مادام زیدٌ جالساً یعنی تو اسوقت تک بیٹھ جبتک زید بیٹھا ہے پس مثال مذکور میں مخاطب کے بیٹھنے کی توقیت اس مدت کے ساتھ کی گئی ہے جو زید کے بیٹھنے کی ہے اور یاد رکھو کہ مادام میں ما مصدریہ ہے اور مادام اپنے اسم اور خبر سے مل کر بتاویل مصدر ہے اور اس سے پہلے زمان مقدر ہے پس اجلس مادام زید جالساً کی تقدیر اجلس زمان دوام جلوس زید ہے ۱۲ **قولہ لیس یدل علی نفی الخ** یعنی افعال ناقصہ میں سے لیس زمان حال میں مضمون جملہ کی نفی کیلئے آتا ہے جیسے لیس زیدٌ ضارباً یعنی زید زمانہ حال میں مارنے والا نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ لیس مطلقاً مضمون جملہ کی نفی کیلئے آتا ہے عام ازیں کہ وہ نفی زمانہ حال میں ہو یا استقبال میں یا ماضی میں **قولہ افعال المقاربۃ الخ** چونکہ افعال مقاربۃ اقتضاء خبر میں افعال ناقصہ کے موافق ہیں اس وجہ سے انکو افعال ناقصہ کے بعد ذکر کیا ہے عبد الحکیم فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ افعال مقاربہ افعال ناقصہ ہیں چونکہ مرفوع تام نہیں ہوتے ہیں مگر چونکہ یہ مخصوص احکام رکھتے ہیں اس وجہ سے انکو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے اسکے بعد کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ افعال ناقصہ ہیں کیونکہ مرفوع پر انکا تمام نہ ہونا انکے ناقصہ ہونے کو نہیں چاہتا ہے ورنہ تو لازم آئیگا کہ تمام افعال نسبیہ مثلاً کرم متعدی بھی ناقصہ ہوں لیکن ان کو ناقصہ کے ساتھ مشابہت ہے اسوجہ سے ان کو ان کے بعد ذکر کیا ہے **قولہ وہی افعال وضعت الخ** یعنی افعال مقاربہ وہ افعال ہیں کہ جو خبر کو اپنے فاعل کے (باقی برصفحہ ۱۵۳ پر)

على دنو الخبر لفاعلها وهي ثلثة اقسام. الاوّل للرجاء وهو عسى وهو فعل جامد لا
يستعمل منه غير الماضي وهو في العمل مثل كاد الا ان خبره فعل مضارع مع ان نحو
عسى زيد ان يقوم ويجوز تقديم الخبر على اسمه نحو عسى ان يقوم زيد وقد يحذف ان نحو
عسى زيد يقوم والثاني[2] للحصول وهو كاد وخبره مضارع دون ان نحو كاد زيد يقوم وقد
تدخل ان نحو كاد زيد ان يقوم والثالث[3] للاخذ والشروع في الفعل وهو طفق وجعل و
كرب واخذ واستعمالها مثل كاد نحو طفق زيد يكتب واوشك واستعمالها مثل عسى و
كاد فصل فعلا[4] التعجب ما وضع لانشاء التعجب وله صيغتان ما افعله نحو ما احسن زيدا
اى اي شئ احسن زيدا وفي احسن ضمير وهو فاعله وافعل به نحو احسن بزيد

(بقیہ حاشیہ ص۱۵۲) نزدیک کرنے کیلئے وضع کئے گئے ہیں عام ازیں کہ یہ نزدیک کرنا خبر کا باعتبار رجا اور امید کے ہو یا باعتبار حصول کے یا باعتبار اخذ یعنی شروع فی الخبر کے ۔ [1] **قولہ الاول للرجاء** افعال مقاربہ کی پہلی قسم کے افعال وہ ہیں جو رجاء کے واسطے آتے ہیں یعنی باعتبار امید کے خبر کو فاعل کے نزدیک کرنے کیلئے اور اس کام کیواسطے عسیٰ آتا ہے جیسے عسیٰ زید ان یخرج یعنی امید ہے کہ زید نکلے پس عسیٰ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ متکلم فاعل کیلئے حصول خبر کی امید رکھتا ہے کہ عنقریب حاصل ہو اور یاد رکھو کہ کلمہ عسیٰ غیر متصرف ہے کہ اس سے ماضی کے سوا اور کوئی صیغہ نہیں آتا نیز عسیٰ کا استعمال دو طرح پر ہے ایک عسیٰ زید ان یخرج امید ہے کہ زید عنقریب نکلے اس صورت میں فاعل عسیٰ اسم صریح ہوتا ہے اور اس کی خبر فعل مضارع بان ہوتا ہے دوسرے عسیٰ ان یخرج زید اس صورت میں عسیٰ تامہ ہے اور فعل مضارع باان محل رفع میں عسیٰ کا فاعل اور زید یخرج کا فاعل ہے الغرض عسیٰ کے یہ دو استعمال ہیں لیکن استعمال اوّل میں کبھی ان مصدریہ کو فعل مضارع سے حذف کردیا جاتا ہے جیسے عسیٰ زید یخرج اور وجہ یہ ہے کہ عسیٰ کو کاد کے ساتھ مقاربت میں مشابہت ہے پس جس طرح بدون ان کے کاد زید یخرج کہنا جائز ہے اسی طرح عسیٰ زید یخرج کہنا بھی جائز ہے ۱۲ [2] **قولہ الثانی للحصول الخ** افعال مقاربہ کی دوسری قسم حصول کیلئے ہے یعنی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ خبر کا حصول فاعل کیلئے یقینی ہونے والا ہے اور اس معنے کیواسطے کاد آتا ہے جیسے کاد زید یخرج یعنی زید کیلئے حصول خروج یقیناً ہونے والا ہے پس مثال مذکور میں زید کاد کا فاعل اور یخرج فعل مضارع اس کی خبر ہے جو کہ محل نصب میں ہے اور کاد کی خبر پر ان مصدریہ داخل ہوتا ہے اس لیے کہ کاد کی عسیٰ کے ساتھ مشابہت ہے پس کاد کی خبر میں بھی عسیٰ کی خبر کی طرح ان مصدریہ لائی گئے [3] **قولہ والثالث للاخذ والشروع فی الفعل الخ** یعنی ایک قسم افعال مقاربہ کی وہ ہے جو وہ فاعل کیلئے خبر کے نزدیک ہونے کو باعتبار اخذ و شروع کے بتاتے ہیں اور اس معنے کیواسطے طفق اور کرب اور اخذ ہیں ۔ اور یہ استعمال میں کاد کے مثل ہیں جیسے طفق و کرب وجعل واخذ زید یخرج اور ایک اس معنے کے واسطے . . . . . . اوشک آتا ہے اور استعمال میں عسیٰ اور کاد دونوں کی طرح ہے پس اس کا استعمال کبھی تو عسیٰ کے دونوں استعمال کی طرح ہوگا جیسے اوشک زید ان یخرج واوشک ان یخرج زید اور کبھی اسکا استعمال کاد کی طرح بغیر ان کے ہوتا ہے جیسے اوشک زید یخرج ۱۲ [4] **قولہ فعلا التعجب الخ** یعنی تعجب کے دو فعل اس مقام پر ہدایت النحو کے بعض نسخوں میں افعال التعجب اور بعض میں فعل التعجب بصیغہ واحد ہے اور اختلاف اسوجہ سے ہے کہ اگر کہا جاوے کہ تعریف جنس کیلئے ہوتی ہے تو فعل التعجب کہنا مناسب ہے اور اگر کہیں کہ افراد کثرت سے ہیں تو صیغہ جمع کا لانا زیادہ مناسب ہے اور تثنیہ اسوجہ سے کہ فعل التعجب کے دو صیغے ہیں ما افعلہ اور افعل بہ اور یہ دونوں ایسے صیغے ہیں کہ ان میں تصریف جاری نہیں ہوتی یہاں تک کہ ان سے نہ تو مضارع آتا ہے اور نہ مجہول تعجب کہتے ہیں کہ نفس کا متاثر ہونا اس چیز کے جاننے کے وقت جس کا سبب مخفی ہو مصنفؒ کہتا ہے کہ فعل التعجب وہ فعل ہے جس کی وضع انشاء تعجب یعنے اظہار تعجب کے واسطے ہوتی ہے اور ترکیب ما احسن زیداً مثلاً کی سیبویہ کے نزدیک ما مبتدا ، نکرہ بمعنے شے ہے اور اس کا مابعد خبر ہے اور اخفش کے نزدیک ما موصولہ ہے اور اس کا مابعد اس کا صلہ اور موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا ہے اور خبر شے عظیم محذوف ہے پس سیبویہؒ کے نزدیک ما احسن زیداً کے معنی شے حسن زیداً کے ہیں اور اخفشؒ کے نزدیک الذی احسن زیداً شے عظیم کے ہیں اور جاننا چاہیے کہ اس مقام پر ایک مذہب فراءؒ کا ہے اس کو مصنفؒ نے ذکر نہیں کیا ہے وہ یہ کہ ما بمعنی ای شئ مبتدا ، اور ما بعد اس کا خبر پس فراءؒ کے نزدیک ما احسن زیداً کے معنی ای شئ احسن زیداً کے ہیں اور احسن بزید کی ترکیب یہ ہے کہ اس میں بزید سیبویہؒ کے نزدیک فاعل ہے پس اس وقت احسن زید میں احسن اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن معنے میں حسن ماضی کے ہے اور بالفعل بزید میں جارہ زائدہ ہے اور یہ اس کا فاعل ہے اور ہمزہ صیرورت کا ہے ۱۲۔

◆ ◆ ◆

ولا یبنیان[1] الا مما یبنی منہ افعل التفضیل ویتوصل فی الممتنع بمثل ما اشد استخراجًا فی الاول واشدد باستخراجہ فی الثانی کما عرفت فی اسم التفضیل ولا یجوز[2] التصرف فیہما بتقدیم ولا تاخیر ولا فصل والمازنی اجاز الفصل بالظرف نحو ما احسن الیوم زیدًا

فصل افعال[3] المدح والذم ما وضع لانشاء مدح او ذم اما المدح فلہ فعلان نعم وفاعلہ اسم معرف باللام نحو نعم الرجل زیدٌ او مضاف الی المعرف باللام نحو نعم غلام الرجل زیدٌ وقد یکون فاعلہ مضمرًا ویجب تمییزہ بنکرۃ منصوبۃ نحو نعم رجلاً زیدٌ او بما نحو قولہ تعالی فنعما ہی ای نعم شیئًا ہی

قولہ ولا یبنیان الا یعنی یہ دونوں صیغہ فعل تعجب کے اس چیز سے بنائے جاتے ہیں کہ جس سے افعل التفضیل بنایا جاتا ہے اور وہ ثلاثی مجرد ہے کہ جو لون اور عیب سے خالی ہو اور وجہ یہ ہے کہ فعل تعجب اور افعل التفضیل کو باہمی ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت ہے اس لیے کہ ہر ایک مبالغہ کیلئے ہوتا ہے نیز جاننا چاہیے کہ فعل تعجب اس سے نہیں آتا ہے جو زیادہ اور نقصان کو قبول نہ کرتا ہو لہٰذا ما امات زیدًا درست نہیں ہے چونکہ موت زیادہ اور نقصان کو قبول نہیں کرتی ہے اس لیے کہ کسی کی موت کسی اور کی موت سے زائد اور کم نہیں ہوتی ہے نیز فعل تعجب کا صیغہ فاعل کے لیے آتا ہے نہ کہ مفعول کے لئے جیسے افعل التفضیل کا صیغہ فاعل کے لیے آتا ہے پس ما اشہی الطعام وغیرہ جو مفعول کیلئے آتے ہیں شاذ ہیں اور یہ مفعول کے لئے . . . . اس لیے کہ اسکے معنے یہ ہیں کہ طعام کس قدر مرغوب ہے اور مرغوب اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ طعام کس قدر راغب ہے اور اگر کوئی کہے کہ جس چیز سے فعل تعجب کا بنانا ممتنع ہے اس سے فعل تعجب بنانے کی کیا صورت ہوگی مصنفؒ اس کا جواب اپنے قول یتوصل سے دیتا ہے کہ وہاں شدت یا اس کے مثل ضعف یا حسن یا قبح سے یہ دونوں صیغے اس طرح بنائیں گے کہ وہ مصدر کہ جسکے فعل سے صیغہ تعجب بنانا ممتنع ہے اس کو ان کے بعد ذکر کریں گے مثلاً جب استخراج غیر ثلاثی مجرد سے یہ دو صیغے تعجب کے بنانا چاہیں تو ما اشد استخراجہ اور اشدد باستخراجہ کہیں گے ۱۲ **قولہ ولا یجوز التصرف فیہما الخ** یاد رکھو کہ فعل تعجب کے دونوں صیغوں میں تقدیم اور تاخیر کا تصرف نہ ہوگا یہاں تک کہ جار اور مجرور اور مفعول بہ کو ان پر مقدم نہیں کیا جائیگا پس ما زیدًا احسن اور بزید احسن کہنا درست نہ ہوگا علی ہذا القیاس فعل تعجب اور اسکے معمول کے درمیان فصل لانا بھی جائز نہ ہوگا اس لیے کہ ہر دو صیغے تعجب کے انشاء تعجب کی طرف منقول ہونے کے سبب قائم مقام امثال کے ہوگئے پس امثال کی طرح ان میں بھی تصرف جائز نہ ہوگا اور مازنی کہتا ہے کہ فعل تعجب اور اس کے معمول کے درمیان ظرف کے ساتھ جائز ہے اس لیے کہ ظرف میں وہ توسع ہے جو غیر ظرف میں نہیں پس ما احسن فی الدار زیدًا اور احسن الیوم بزید کہنا جمہور کے نزدیک ناجائز اور مازنی کے نزدیک جائز ہے ۱۲ **قولہ افعال المدح والذم** مصنفؒ یہاں سے مدح اور ذم کو بیان کرتا ہے کہ افعال مدح و ذم وہ فعل ہیں جو انشاء (یعنی اظہار) مدح و ذم کے لیے وضع کیے گئے ہیں پس مدحت زیدًا میں نے زید کی مدح کی اور ذممت زیدًا میں نے زید کی مذمت کی اور کرم زید و شرف زید اور قبح زید و عور زید وغیرہ اخبار مدح اور ذم ہیں نہ انشاء مدح اور ذم کے لیے اسی وجہ سے یہ افعال تعریف افعال مدح اور ذم سے خارج ہیں ۱۲ **قولہ اما المدح فلہ فعلان** افعال مدح دو ہیں ایک نعم اور دوسرا حبذا نعم بکسر نون سکون عین یہ فعل ماضی ہے اصل میں نعم بفتح فا و کسرہ عین کے تھا فاء کلمہ کو ساکن کر کے عین کلمہ کی حرکت فاء کو دے دی۔

اس کے فاعل کی شرط یہ ہے کہ ان کا فاعل یا تو معرف باللام ہو جیسے نعم الرجل یا معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے نعم صاحب الرجل زیدًا یا ایسی ضمیر مستتر کہ جس کی تمیز یا تو نکرہ منصوبہ ہو جیسے نعم رجلاً زیدٌ اور یا تمیز کلمہ ما ہو جیسے قولہ تعالیٰ فنعما ہی ای نعم شیئًا اور یہ ما نکرہ معنی میں شئی کے ہوتا ہے اور بنا بر تمیز کے محلا منصوب ہے اور یہ نہ موصولہ ہے اور نہ موصوفہ ۔ ۱۲

* * *

وزيد[١] يسمّى المخصوص بالمدح وحبّذا[٢] نحو حبّذا زيدٌ حبّ فعل المدح وفاعله ذا والمخصوص بالمدح زيد ويجوز[٣] ان يقع قبل مخصوص او بعده تمييزٌ نحو حبّذا رجلاً زيد وحبّذا زيد رجلاً او حالٌ نحو حبّذا راكباً زيدٌ وحبّذا زيدٌ راكباً واما[٤] الذم فله فعلان ايضا بئس نحو بئس الرجل عمرو وبئس غلام الرجل عمرو وبئس رجلاً عمرو وساء نحو ساء الرجل زيدٌ وساء غلام الرجل زيد وساء رجلاً زيد وساء مثل بئس في سائر الاقسام

القسم الثالث في الحروف

وقد مضى تعريفه واقسامه سبعة عشر حروف الجر والحروف المشبهة بالفعل وحروف العطف وحروف التنبيه[٤] وحروف النداء[٥] وحروف الايجاب[٦] وحروف الزيادة[٧] وحرفا التفسير[٨] وحروف المصدر[٩] وحروف التحضيض[١٠] وحرف التوقع[١١] وحرفا الاستفهام[١٢] وحروف الشرط[١٣] وحرف الردع[١٤] وتاء التانيث[١٥] الساكنة والتنوين[١٦] ونون التاكيد[١٧] فصل حروف الجر حروف

قولہ زید یسمی المخصوص بالمدح الخ یعنی فعل مدح کے فاعل کے بعد مخصوص بالمدح ہوتا ہے جیسے نعم الرجل زید میں الرجل نعم کا فاعل ہے اور اس کے بعد زید مخصوص بالمدح ہے ترکیب کے اعتبار سے مخصوص بالمدح کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ مبتدا ہو اور اس کا ماقبل جملہ ہو کر اسکی خبر اور اگر کوئی کہے کہ مبتدا کی خبر جب جملہ ہوتی ہے تو اس میں عائد ہونا چاہیے حالانکہ اسمیں کوئی ضمیر نہیں جو مبتدا کی طرف عائد ہو جواب یہ ہے کہ عائد کیلئے فقط ضمیر کا ہونا ضروری نہیں بلکہ نعم الرجل زید میں الف اور لام عہدی بھی عائد ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ مخصوص مذکور ہو مبتدا محذوف کی خبر اور نعم الرجل علیحدہ جملہ فعلیہ ہو اور اسوقت نعم الرجل زید دو جملے ہونگے ایک فعلیہ نعم الرجل اور دوسرا اسمیہ یعنی ہو زید پس اس جملہ کا جزء اول یعنی ہو محذوف ہے اور جاننا چاہیے کہ مخصوص کی ایک شرط ہے وہ یہ کہ مخصوص بالمدح اس میں فاعل کے ساتھ تذکیر و تانیث اور تثنیہ اور جمع میں مطابق ہو جیسے نعم الرجل زید اور نعمت المرأة زینب اور نعم رجلان الزیدان اور نعم الرجال الزیدون ۱۲ **قولہ وحبذا الخ** یہ دوسرا فعل مدح ہے اور یہ لفظ حب اور ذا سے مرکب ہے ترکیب میں حب فعل اور ذا اس کا فاعل ہے اور یہ فعل مدح ایسا ہے کہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے تثنیہ اور جمع اور تانیث میں اپنے مخصوص کے مطابق نہیں ہوتا جیسے حبذا الزیدان اور حبذا ہند پھر حبذا یعنی ذا کے بعد جو اسم مذکور ہوگا وہ مخصوص بالمدح ہوگا اور اس مخصوص بالمدح کا اعراب بھی نعم کے مخصوص بالمدح کی طرح پر ہے حتی کہ جو دو وجہ کہ نعم کے مخصوص بالمدح - - - - - میں مذکور ہوئیں وہی حبذا کے بعد مخصوص بالمدح میں جاری ہونگی ۱۲ **قولہ ویجوز ان یقع قبل مخصوص او بعدہ تمیز الخ** یعنی مخصوص حبذا سے پہلے یا اس کے بعد تمیز یا حال کا تذکیر و تانیث اور افراد تثنیہ اور جمع میں مخصوص کے مطابق ہو کر واقع ہونا جائز ہے جیسے حبذا زید رجلا وحبذا رجلا زید وقس علی ہذا البواقی ۱۲ **قولہ واما الذم** یعنی افعال ذم اور ذم کے لیے بھی دو فعل آتے ہیں ایک بئس اور دوسرا ساء اور ان دونوں کا استعمال نعم کی طرح ہے جیسا کہ امثلہ کتاب سے واضح ہے ۱۲ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم وتم بحث الفعل بعون اللہ تعالے **قولہ حروف الجر الخ** یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے وہ یہ کہ حروف مشبہ بالفعل کو چاہیے تھا کہ حروف جر سے پہلے بیان کرتے چونکہ یہ عامل رفع اور نصب ہیں اور حروف جر عامل جر اور مرفوع اور منصوب مجرور پر مقدم ہیں لہذا رافع اور ناصب بھی جار پر مقدم ہوں اور حروف مشبہ بالفعل رافع اور ناصب ہیں اور حروف جر عامل جار ہیں اسلئے یہ امر تقاضا کرتا ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کو حروف جار سے مقدم بیان کیا جاوے جواب مصنف نے حروف جار کو حروف مشبہ سے پہلے اس وجہ سے کیا ہے کہ حروف جار اپنے عمل میں اصل ہیں اور حروف مشبہ بالفعل اپنے عمل میں فرع ہیں چونکہ فعل کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتے ہیں یہ امر مقتضی ہے کہ حروف جار کو حروف مشبہ سے مقدم کیا جاوے اگرچہ یہ عامل رفع اور نصب جاننا چاہیے کہ ان حروف کو حروف جر اور جار اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جر کے معنے کھینچنا ہے اور یہ حروف فعل یا شبہ فعل یا معنے فعل کو اپنے مدخول کی طرف کھینچتے ہیں نیز ان کا نام حروف اضافت بھی رکھا جاتا ہے بوجہ اسکے اضافت کے معنی ہے ملانا اور یہ حروف فعل یا شبہ فعل یا معنے فعل کو اپنے معمول سے ملا دیتے ہیں لہذا مناسب ہوا کہ ان کا نام حروف اضافت رکھدیا جاوے ۱۲

✦ ✦ ✦

وضعت[1] لافضاء الفعل وشبهه او معنى الفعل الى ما تليه[2] نحو مررت بزيد وانا مارٌّ بزيد وهذا فى الدار ابوك اى اشير اليه فيها وهى تسعة عشر حرفاً من[3] وهى لابتداء[4] الغاية وعلامته[5] ان يصح فى مقابلته للانتهاء كما تقول سرت من البصرة الى الكوفة وللتبيين وعلامته ان يصح وضع لفظ الذى مكانه كقوله تعالى

قولہ وضعت لافضاء الخ جاننا چاہیئے کہ افضاء لازم ہے اس کے معنی وصول (پہونچنا) کے ہیں باء سے متعدی کرکے ایصال (پہنچانے) کے معنے لئے جاتے ہیں یہاں سے وصول کے معنی مناسب نہیں اسوجہ سے مصنفؒ کو لافضاء بالفعل کہنا چاہیئے تھا حاصل تعریف یہ ہے کہ حروف جر وہ حروف ہیں جو فعل یا شبہ فعل یا معنے فعل کو اس چیز تک پہنچانے کیلئے وضع کئے گئے ہوں جس سے یہ حروف متصل ہوتے ہیں فعل سے مراد یہاں پہ اصطلاحی فعل ہے اور شبہ فعل سے مراد جو یہاں پر ہے مصنفؒ نے بیان کر دیا کہ شبہ فعل وہ شے ہے جو اپنے فعل کا عمل کرتی ہو اور وہ اس کی ترکیب یعنی مادہ سے ہو جیسے اسم فاعل اسم مفعول مصدر صفت مشبہ افعل التفضیل اور معنے فعل سے مراد یہاں پر وہ چیز ہے جس سے فعل کے معنی مستنبط ہوں اور فعل کی ترکیب یعنی مادہ سے نہ ہو جیسے ظرف جار مجرور حروف ندا حروف فعلیہ اسماء اشارات اسماء افعال حروف تمنی وترجی وتشبیہ وغیرہ کہ چنانچہ یہ فعل کے معنے پر دلالت کرتے ہیں ۱۲ **قولہ ماتلیہ الخ** کلمہ ما سے مراد اسم ہو اور ضمیر مرفوع تلی فعل مضارع از ولی بمعنی نزدیک ہونا حرف کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر منصوب ما کی طرف یعنی اسم فاعل تلی الحروف ذلک الاسم تلی ضرب سے آتا ہے مثال واوی ہے اسکے معنے متصل ہونا کے ہیں ترجمہ ہوا ایسے اسم کی طرف کہ متصل ہوتے ہیں وہ حروف اس اسم سے یعنی جس پر یہ حروف داخل ہوتے ہیں ان کی طرف فعل اور معنے فعل کو پہنچاتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ ما سے مراد اسم ہو اور تلی کی ضمیر لفظ کے اعتبار سے اس کی طرف راجع ہو اور ضمیر منصوب حروف وضعت سے جو مفرد سمجھا جاتا ہے یعنی حرف اس کی طرف راجع ہو . . . . اور اسوقت عبارت ہوگی الی اسم تلی ذلک الاسم الحروف یعنی ایسے اسم کی طرف جو کہ حرف سے متصل ہے واللہ تعالیٰ اعلم یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں پہ اسم سے مراد عام ہے خواہ صریح ہو جیسے مررت بزید یا تاویلی ہو جیسے ضاقت علیہم الارض بما رحبت ای برحبہا ۱۲ **قولہ من الخ** مصنفؒ نے بیان من کو عام حروف پر مقدم رکھا اسکی وجہ یہ ہے کہ من ابتداء کے واسطے آتا ہے لہذا اس سے ہی بیان کی ابتداء اولیٰ ہے ۱۲ **قولہ لابتداء الغایۃ الخ** غایت کے معنی ہے ہر چیز کی انتہاء ونہایت خواہ وہ شے زمانہ ہو یا مکان ہو دوسرے معنے مسافت اور دوری کے ہیں یعنی من نہایت شے کی ابتداء کیلئے آتا ہے یعنی اس چیز کی ابتداء بیان کرنے کیلئے آتا ہے جس چیز کی نہایت ہو اس سے معلوم ہوا کہ جو امور ابدی ہیں یعنی وہ امور جن کی نہایت نہیں ان کی ابتداء بیان کرنے کیواسطے نہیں آتا ہے بعض نے غایت کی تفسیر مسافت اور دوری سے کی ہے یعنی من مسافت کی ابتداء بیان کرنے کیلئے آتا ہے اس پر اعتراض کرتے ہیں غایت کی تفسیر مسافت سے کرنا درست نہیں کیونکہ مسافت سے تفسیر کرنے سے لازم آتا ہے کہ اسکا استعمال زمانہ میں مجازاً ہو اور یہ کوفیوں اور اخفش مبرد اور ابن درستویہ کی تصریح کے مخالف ہے انہوں نے کہا ہے کہ اس کا زمانہ میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہ اعتراض وہم ہے چونکہ مسافت کا استعمال جیسے مکان میں ہوتا ہے اسی طرح زمانہ میں ہوتا ہے جاننا چاہیئے کہ من کا استعمال ابتداء غایت کے واسطے بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ ایک قوم نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کے سب معانی ابتداء کی طرف راجع ہیں ۱۲ **قولہ علامتہ ان یصح الخ** یعنی اس من کی علامت جو ابتداء غایت کیلئے آتا ہے یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں انتہاء درست ہو یعنی اس حرف کا لانا درست ہو جو انتہاء پر دلالت کرتا ہو بعض نسخوں میں عبارت اسطرح ہے فی مقابلتہ الی للانتہاء اور یہ اول کے اعتبار سے نہایت مناسب ہے اور اس فن کی کتابوں کی عبارتیں بھی اسی کی تائید کرتی ہیں اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں الی جو انتہاء کے واسطے آتا ہے اس کا لانا درست ہو حاصل یہ کہ من ابتداء کی نشانی یہ ہے کہ اسکے مقابلہ میں الی جو انتہاء کے واسطے آتا ہے یعنی جو چیز کہ الی کے معنے کا فائدہ دے اس کا لانا درست ہو اول کی مثال جیسے سرت من البصرۃ الی الکوفۃ اور ثانی کی مثال جیسے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اس میں باء الی کے معنی کو مفید ہے کیونکہ اعوذ کے معنی التجاء الیہ کے ہیں صراح میں لجا بفتحتین پناہ گرفتن بولا جاتا ہے لجات والتجات الیہ وعذت بہ آیئے لجات الیہ یعنی اعوذ کے صلہ میں باء بمعنے الی ہے اس مثال میں باء بمعنے الی کو من پر اسوجہ سے مقدم کیا ہے کہ شیطان دشمن سے محافظ حقیقی کی طرف انسان کو جلدی پناہ کیلئے جانا چاہیئے ۱۲ **قولہ سرت من البصرۃ الخ** یہ مثال ابتداء مکانی کی ہے اور ابتداء زمانی کی مثال صمت من یوم الجمعۃ الی یوم الخمیس ہے ۱۲ **قولہ للتبیین الخ** یعنی من اس شے کے ظاہر کرنے کیواسطے بھی آتا ہے جو امر مبہم سے مقصود ہوتا ہے یعنی پہلے ایک امر مبہم ذکر کرتے ہیں اس کے بعد من کو ذکر کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس امر مبہم سے یہ شے مراد ہے۔

من بیانیہ کی علامت یہ ہے کہ اس کی جگہ میں الذی کا رکھ دینا درست ہوتا ہے جیسے فاجتنبوا الرجس من الاوثان کہ اس میں من بیانیہ رجس کے واسطے ہے اس من کی جگہ میں الذی کا رکھ دینا درست ہوتا ہے یہاں پہ الذی سے مراد خالص الذی نہیں ہے۔ بلکہ اسم موصول ہے مع اس کے لوازم کے لہذا فقد کان من مطر سے اعتراض نہ پڑیگا کہ اس میں من بیان کے لئے ہے باوجودیکہ اسم موصول کو اس کی جگہ میں قائم نہیں کر سکتے ہیں۔

کیونکہ اگر کریں تو نکرہ کا معرفہ کے ساتھ موصوف ہونا لازم آئیگا جو درست نہیں لوازم کے اضافہ سے اعتراض مذکور وارد نہیں ہوگا ۱۲۔

* * *

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وللتبعيضِ وعلامتہ ان يصح وضع لفظ بعض مكانہ نحو اخذت من الدراهم وزائدة وعلامتہ ان لا يختل المعنى باسقاطها نحو ماجاءني من احدٍ ولا تزاد مِن في الكلام الموجب خلافًا للكوفيين واما قولهم قدكان من مطرٍ وشبهہ فمتاوّلٌ والٰى وهي لانتهاء الغاية كما مر وبمعنى مع قليلاً كقولہ تعالى فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وحتّى وهي مثل الى نحو نمتُ البارحة حتى الصباح

قولہ للتبعیض یعنی من تبعیض کے لیے بھی آتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اس کی جگہ میں لفظ بعض کا قائم کرنا درست ہو جیسے اس مثال میں اخذت من الدراہم یعنی لبعض الدراہم ۱۲ **قولہ وزائدۃ الخ** اس کا عطف الابتداء پر ہو کر خبریت کی بناء پر مرفوع ہے یعنی من کلام میں زائدہ بھی آتا ہے من کے معنے کچھ نہیں ہوتے بلکہ محض خوبصورتی کلام کے واسطے اس کو بڑھا دیتے ہیں ۱۲ **قولہ علامتہ الخ** یعنی من زائدہ کی علامت یہ ہے کہ اس کو کلام میں سے گرا دینے سے معنی میں کچھ خرابی پیدا نہ ہو لا یختل اختلال سے ماخوذ ہے اور اس کا مادہ جس کے معنے خرابی کے ہیں اختلال خراب خلل ہونا اسقاط گرا دینا متعدی مجرد میں لازم آتا ہے گرنا المسقوط مصدر ہے باب نصر سے جیسے من زائدہ کی مثال ما جاءنی من احد اس میں من کو گرا دینے سے معنی خراب نہیں ہوتے ہیں **قولہ ولا تزاد الخ** یعنی من کلام موجب میں زیادہ نہیں کیا جاتا ہے کلام موجب وہ کلام ہے جو نفی اور نہی اور استفہام اور عرض وغیرہ کو شامل نہ ہو جاننا چاہیے کہ من کے زاید ہونے میں نحاۃ کا اختلاف ہے بصری یہ کہتے ہیں کہ من کی زیادتی صرف کلام غیر موجب میں ہوتی ہے اور اخفش و نحات کوفہ یہ کہتے ہیں کہ من کی زیادتی کیلئے کلام غیر موجب کی کچھ تخصیص نہیں بلکہ کلام موجب میں بھی اس کی زیادتی ہو جاتی ہے اور وہ اپنے اس دعوے پہ قول عرب قد کان من مطر سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں من زائدہ ہے اور قد کان مطر تھا۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ متاول ہے بایں طور کہ من کو تبعیضیہ کہا جاتے یا قد کان شے من مطر جاننا چاہیے کہ من اور بھی چند معنے کے لیے آتا ہے بمعنی فی جیسے قولہ تعالے اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ اے فی یوم الجمعۃ اور بمعنی با جیسے قولہ تعالےٰ ینظرون من طرف خفی اے بہ اور بمعنی بدل جیسے قولہ تعالیٰ ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الآخرۃ اے بدل الآخرۃ اور کبھی استغراق کے معنے میں ہوتا ہے جیسے ما جاءنی من رجل یہاں پر من استغراق کے لیے ہے کیونکہ من کے اس مقام پر ساقط کرنے سے معنے مخفی ہو جاتے ہیں کیونکہ من کے ساقط کرنے کی صورت میں معنے ہے ایک مرد نہیں آیا تو ہو سکتا ہے دو یا زیادہ مرد آئے حالانکہ یہ مقصود نہیں بلکہ یہ مقصود ہے کہ کوئی مرد نہیں آیا اور قسم کے لئے بھی آتی ہے جیسے من ابی لافعلن کذا جب ثانی متضاد پر داخل ہے تو فصل کے لیے آتی ہے جیسے واللہ یعلم المفسد من المصلح واللہ اعلم وعلمہ اتم ۱۲ **قولہ وہی للانتہاء الخ** یعنی الیٰ غایت یعنی مسافت کی انتہا بتانے کیواسطے آتا ہے اس میں نحاۃ کا اختلاف ہے کہ الیٰ کا مابعد الیٰ کے ماقبل میں داخل ہوتا ہے یا نہیں بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ الیٰ کی وضع اس لئے ہوتی ہے کہ مسافت کی انتہا کو بتا دے اس وجہ سے مابعد ماقبل میں حقیقۃً داخل نہ ہوگا بلکہ الیٰ کا استعمال اس وقت میں کہ الیٰ کا مابعد ماقبل میں داخل ہو مجازاً ہوگا بعض اس کے عکس کے قائل ہیں بعض کہتے ہیں۔ کہ الیٰ دونوں معنی میں مشترک ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ الیٰ کا مابعد الیٰ کے ماقبل کی جنس ہے تو الیٰ کا مابعد الیٰ کے ماقبل میں داخل ہوگا ورنہ نہیں مسافت میں تعمیم ہے خواہ زمان یا مکان اگر مسافت مکان ہے تو مکان کی انتہا کو الیٰ بتا دے گا اور اگر زمان ہے تو اس وقت زمانہ کی انتہا کو بتا دے گا جیسے ثم اتموا الصیام الی اللیل **قولہ بمعنی مع** یعنی الیٰ مع کے معنے میں آتا ہے لیکن کم قلیلاً مصنف کی عبارت میں یا تو حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے یعنی کونہ قلیلاً یا مصدر محذوف کا صفت ہو کر مفعول مطلق ہے اے مجیئاً قلیلاً یا زماناً محذوف کی صفت ہو کر مفعول فیہ ہے اے زماناً قلیلاً جیسے قولہ تعالیٰ فاغسلوا الآیۃ اس آیت میں الیٰ بمعنی مع ہے الی المرافق کے معنے مع المرافق کے ہیں یعنی اپنے چہروں کو دھو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو **قولہ حتی وہی الخ** یعنی انتہاء غایت کے ہونے میں الیٰ کے مانند ہے جیسے الیٰ انتہاء غایت کے واسطے آتا ہے ایسے ہی حتی بھی جیسے نمت البارحۃ حتی الصباح یعنی گذشتہ رات میں صبح تک سویا ۱۲

وبمعنى مع كثيرا نحو قدم الحاج حتى المشاة ولا تدخل الا على الظاهر فلا يقال حتاه خلافا للمبرد وقول الشاعر شعر فلا والله لا يبقى اناس ۞ فتى حتاك يا ابن ابي زياد۔ شاذ وفي وهي للظرفية نحو زيد في الدار والماء في الكوز وبمعنى على قليلا نحو قوله تعالى ولاصلبنكم في جذوع النخل والباء وهي للالصاق نحو مررت بزيد اي التصق مروري بموضع يقرب منه زيد

قولہ بمعنی مع کثیرا الخ کثیراً میں تینوں احتمال ہیں اول پر تقدیر عبارت ہے بمعنی مع حال کونہ کثیراً یعنی حتی مع کے معنی میں ہے وقت ہونے اس کے زیادہ یعنی مع کے معنی میں حتی زیادہ آتا ہے دوسری صورت پر تقدیر ہوگی مجیاً کثیراً یعنی بمعنی مع بہت آتا ہے تیسری صورت میں زماناً کثیراً تقدیر ہے یعنی مع کے معنی میں کثیراً زمانہ میں آتا ہے یعنی حتی مع کے معنی میں بہت آتا ہے جیسے قدم الحاج حتی المشاۃ ای مع المشاۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ماشی کی جمع ہے بمعنی پیادہ مصنفؒ کے قول کثیراً سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ حتی بمعنی مع زیادہ آتا ہے نیز اس سے حتی اور الی کے درمیان فرق کی طرف اشارہ ہوگیا اس لیے کہ الی بمعنی مع کم آتا ہے ۱۲ **قولہ لا تدخل حتی الخ** یعنی حتی کا دخول اسم ظاہر کے ساتھ مختص ہے اسم ضمیر پر داخل نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے حتاہ بولنا غلط ہوگا بخلاف الی کے کہ وہ اسم ظاہر و ضمیر دونوں پر علی السویۃ داخل ہوتا ہے مثلاً الی عمر اور الیہ بولنا دونوں درست ہے اسم ضمیر پر حتی کے نہ داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حتی الی کی فرع ہے اگر دونوں پر داخل ہو تو فرع کی مساوات اصل پر لازم آئیگی جو درست نہیں اور یہ حتی اور الی کے درمیان دوسرا فرق ہے لیکن مبرد کہتا ہے کہ حتی کا دخول اسم ضمیر پر درست ہے استشہاد میں شاعر کا قول لاتا ہے اور جمہور نحات اس کو شاذ اور نادر قرار دیتے ہیں مصنفؒ کا مختار اس میں جمہور کا قول ہے اس وجہ سے کہتا ہے کہ شاعر کے قول فلا واللہ شاذ ہے یعنی اس قول میں حتی کا ضمیر پر داخل ہونا خلاف قیاس ہے اس پر غیر کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے ۱۲ **قولہ فلا الخ۔** الفاء ماقبل کی تفریع کیلئے ہے اور لا زائدہ ہے جیسے لا اقسم میں اناس ناس کی اصل ہے اس میں سے کبھی الف کو خلاف قیاس حذف کر کے ناس کر لیتے ہیں جمع اس کی اناسی آتی ہے فتیً اناس پر معطوف ہے اور حرف عاطف محذوف ہے یا اناس سے بدل ہے لیکن اول اولیٰ ہے اور اس کا ذکر جداگانہ مبالغہ کیلئے ہے چونکہ اناس فتیً کو شامل ہے ابن ابی زیاد کا نام عبداللہ ہے ترجمہ اللہ کی قسم کھاتا ہوں میں کہ کوئی آدمی زندہ نہ رہیگا اور نہ کوئی جوان یہاں تک تو اے ابی زیاد کے بیٹے عبداللہ دنیا کی زندگی پر مغرور مت ہو کیونکہ دنیا فانی ہے اس شعر میں عبداللہ ابن ابی زیاد کا ذکر مبالغہ کیلئے ہے وہ اپنی جوانی پر مغرور اور نازاں تھا ۱۲ **قولہ للظرفیۃ الخ** یعنی فی ظرفیت کے واسطے آتی ہے یعنی مدخول کو ماقبل کا ظرف بناتی ہے خواہ حقیقۃً جیسے الماء فی الکوز میں الکوز ماء کا ظرف ہے خواہ مجازاً جیسے نظرت فی الکتاب کہ الکتاب نظر کا مجازاً ظرف ہے ۱۲ **قولہ بمعنی علے** یعنی فی علے کے معنے میں آتی ہے لیکن کم جیسے قولہ تعالیٰ لاصلبنکم فی جذوع النخل میں فی بمعنی علے ہے لاصلبن واحد متکلم لام تاکید با نون تاکید صلب بمعنی سولی دینا سے ماخوذ ہے جذوع جذع کی جمع ہے بمعنی ٹہنی النخل درخت کھجور یعنے البتہ میں ضرور بالضرور سولی دونگا تم کو کھجوروں کے درخت کے ٹہنیوں پر صاحب مفصل کہتا ہے کہ اس آیت میں فی اپنے اصل معنی پر ہے کیونکہ مصلوب کا جذع میں متمکن ہونا ویسا ہی ہے جیسا شئے کا دار میں یعنی گھر میں متمکن ہونا شیخ ابن حاجب کہتا ہے کہ ہر وہ شئے جس میں استقرار اور منزلت کے معنے ہوں وہ فی کا موضع ہے اور ہر وہ شئے جس میں استعلاء کے معنے ہوں اور استقرار کے معنی نہ ہوں وہ علی کی جگہ ہے اور ہر وہ شئے جس میں معنے استقرار اور استعلاء دونوں پائے جاتے ہوں وہ دونوں حرف کا مقام جیسے جلست فی الارض اور علی الارض اس آیت میں جذوع ایسی شئے ہے کہ اس میں استعلاء کے معنی ہے اس وجہ سے کہ اس میں فی بمعنی علی کے ہے اور اپنے حقیقی معنے پر نہیں ہے اور فی مع کے معنی میں بھی آتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ ادخلوا فی امم ای مع امم اور تعلیل کے واسطے بھی آتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ لمسکم فیما اخذتم فیہ عذاب عظیم ای لما اخذتم اور جیسے قول صلی اللہ علیہ وسلم عذبت امرأۃ فی ہرۃ ای لاجل ہرۃ اور فی مقابلہ کے واسطے بھی آتی ہے۔

جیسے قولہ تعالےٰ فما متاع الحیٰوۃ الدنیا فی الاٰخرۃ الا قلیل ۱۲ **قولہ والباء** یا حروف جارہ میں سے پانچواں حرف ہے با چند معنوں کے واسطے آتی ہے جس میں سے ایک الصاق ہے الصاق کے معنی ایک شئے کا دوسری شئے کے ساتھ متصل ہونا یعنی اپنے مدخول کے ساتھ کسی شئے کے چپٹنے کا فائدہ دیتی ہے،

خواہ یہ اتصال اور چپٹنا حقیقت ہو خواہ مجازاً حقیقۃً کی مثال جیسے [illegible] اور مجازاً کی مثال جیسے مررت بزید ۱۲

وللاستعانۃ نحو کتبت بالقلم وقد یکون للتعلیل کقولہ تعالٰی إنکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل وللمصاحبۃ کخرج زید بعشیرتہ وللمقابلۃ کبعت ھذا بذاک وللتعدیۃ کذھبت بزید وللظرفیۃ کجلست بالمسجد وزائدۃ قیاسا فی خبر النفی نحو ما زید بقائم وفی الاستفہام نحو ھل زید بقائم وسماعا فی المرفوع نحو بحسبک زید ای حسبک زید وکفٰی باللہ شھیدا ای کفی اللہ و فی المنصوب نحو القٰی بیدہ ای القی یدہ واللام وھی للاختصاص نحو الجل

للاستعانۃ الخ استعانت کے معنی ہے مدد چاہنا یعنی بار استعانت کیلئے آتی ہے یعنی اس پر دال ہوتی ہے کہ اس کا مدخول فعل کا آلہ ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کا نام بار آلہ رکھتے ہیں اور اس کا نام بائے اداۃ وصلہ فعل اور تکملہ فعل بھی رکھتے ہیں کبھی بار استعانت بار سببیت میں داخل کرتے ہیں اور آلہ کو بمنزلہ سبب قرار دیتے ہیں جیسے کتبت بالقلم اے کتبت مستعینا بالقلم ۱۲ **قولہ قد یکون للتعلیل الخ** یعنی بار کبھی تعلیل یعنی اس امر کے بتانے کے واسطے آتی ہے کہ مدخول بار علت اور سبب ہے جیسے اتخاذ عجل ظلم کا سبب ہے مثال مذکور میں ۱۲ **قولہ للمصاحبۃ الخ** یعنی بار مصاحبت کیلئے آتی ہے یعنی مع کے معنی میں آتی ہے اس امر کا فائدہ دینے کیلئے کہ اس کا مجرور دوسرے کے ساتھ تعلق فعل میں شریک ہے اس کی علامت دو ہیں ایک یہ کہ بار کے بجائے لفظ مع کو قائم کرسکیں دوسرے یہ کہ مدخول کو مجرور سے حال بنا سکیں جیسے مثلاً قد جاءکم رسول بالحق من ربکم اے مع الحق یا محقاً مصاحبت اور الصاق میں فرق یہ ہے کہ فعل جس وقت فاعل کیساتھ میں قائم ہو تو اس وقت مصحوب بار کو صاحب کے ساتھ چسپیدگی لازم نہیں ہے مثلاً خرج زید بعشیرتہ میں یہ ضروری ہے خروج عشیرہ اور زید دونوں کا ہو لیکن خروج کے وقت قبیلہ زید کے ساتھ لگا ہوا ہو ناضروری نہیں اور جب بار الصاق کیلئے ہو تو یہ ضروری ہے لہذا مصاحبت عام ہے اور الصاق خاص ہے ۱۲ **قولہ للمقابلۃ الخ** یعنی بار مقابلہ کیلئے بھی آتی ہے یعنی اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ مدخول بار ایک شئے کا مقابل ہے جیسے ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون یعنے دخول جنت عمل کا بدلہ ہے ابن مالک کہتا ہے کہ جو بار مقابلۃً اثمان اور اعواض پر داخل ہوتی ہے اس بار کو بائے بدل اور بائے عوض کہتے ہیں چونکہ وہ عوض اور بدل پر داخل ہوتی ہے ۱۲ **قولہ للتعدیۃ الخ** تعدیہ کے معنی تجاوز کرنا ہے اصطلاح میں لازم کو متعدی بنانا ہوتا ہے غرضیکہ بار فعل لازم کو فعل متعدی کرتی ہے اسی وجہ سے کہ فعل میں تصییر کے معنی کو تضمین کرلی جاتی ہے چونکہ بار اس فعل لازم کے فاعل پر داخل ہو جاتی ہے جیسا کہ ذھب زید اس کے معنے ہیں کہ ذھاب زید سے صادر ہوا اور جب کہا ذھبت بزید تو معنے ہوئے کہ میں نے زید کو ذاہب کر دیا اس معنی کر کے تعدیہ بار کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور تعدیہ اس معنے کر کے کہ فعل کے معنی کا پہنچانا معمول کی طرف بواسطہ حرف جر کے سب حروف جر میں یکساں ہے ۱۲ **قولہ زائدۃ** مرفوع ہے اور للالصاق پر اس کا عطف ہو رہا ہے اور فی خبر زائدۃ کے متعلق ہے اور فی الاستفہام الکائن کے متعلق ہو کر الخبر کی صفت ہے اور قولہ قیاسا مفعول مطلق ہے اسے قستنا قیاسا یا یکون محذوف کی خبر ہے ای تکون الزیادۃ یکون قیاسا یا منصوب بنزع خافض ہے اے عرفنا زیادۃ البار بالقیاس پس فعل اور فاعل اور مفعول اور جار کو حذف کر دیا اور ایسے ہی قولہ سماعا خلاصہ کلام یہ ہے کہ بار دو مقام میں قیاساً زیادہ ہوتی ہے ایک اس نفی کی خبر پر زائدہ ہوتی ہے جو لیس یا ما کی ہو جیسے لیس زید بقائم و ما زید بقائم اور دوسرے اس خبر میں زائدہ ہوتی ہے جو استفہام میں ہو استفہام سے مراد یہاں پر خاص وہ استفہام ہے جو ہل کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ہل زید بقائم اس لئے کہ دیگر استفہام میں بار زائدہ نہیں ہوتی ہے ۱۲ **قولہ وسماعا الخ** قیاسا پر معطوف یعنی اور خبر مذکور کے غیر میں بار کا زائدہ ہونا سماعی ہے عام ازیں کہ وہ زیادتی مرفوع میں ہو خواہ مرفوع مبتدا ہو جیسے بحسبک زید بحسبک مبتدا ہے اور زید خبر ہے اور بار مبتدا پر زائدہ ہے یعنی اصل میں تھا حسبک زید اور خواہ وہ مرفوع خبر ہو لیکن نفی مذکور اور استفہام مذکور میں نہ ہو جیسے بحسبک بزید خواہ وہ مرفوع فاعل ہو جیسے وکفی باللہ شہیدا اے کفی اللہ شہیدا یا وہ زیادتی منصوب میں ہو جیسے القی بیدہ اے یدہ بار منصوب میں زائدہ ہے اور مفعول بہ ہے قال اللہ تعالٰی ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ اے لا تلقوا ایدیکم انفسکم الی الہلاک بترک الجہاد جاننا چاہیے کہ بار عن کے معنے میں بھی آتی ہے سال سائل بعذاب اے عن عذاب اور بمعنی من آتی ہے جیسے قولہ تعالٰی یوم تشقق السماء بالغمام ای من الغمام اور بمعنی علی جیسے قولہ ومنہم من ان تامنہ بقنطار یودہ الیک اور کبھی تجرید کیلئے آتی ہے جیسے رایت بہ عن العلم ۱۲ **اللام وہی للاختصاص الخ** چھٹا حرف جر لام ہے اور یہ اختصاص کیلئے آتا ہے اختصاص باب افتعال کا مصدر ہے خص سے ماخوذ ہے لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے یعنی خاص کرنا اور خاص ہونا اختصاص کیلئے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ لام کا مدخول ایک شئے کیلئے ثابت اور دوسری شئے سے منتفی ہے اور یہ اختصاص دو قسم کا ہوتا ہے ایک اختصاص استحقاق ہے اور ایک اختصاص ملک اوّل کی مثال الجل للفرس اور ثانی کی مثال المال لزید اور ایک اختصاص نسبت جیسے زید ابن لعمر ۱۲

◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆ ◆

لبس والمال لزید وللتعلیل[۱] کضربتہ للتادیب وزائدۃ[۲] کقولہ تعالیٰ ردف لکم ای ردفکم وبمعنے[۳] عن اذا استعمل مع القول کقولہ تعالیٰ قال الذین کفروا للذین اٰمنوا لو کان خیراً ما سبقونا الیہ وفیہ نظر وبمعنے الواو[۴] فی القسم للتعجب کقول الہذلی شعر

قولہ للتعلیل اور لام شے کی علت کے بیان کے واسطے آتا ہے خواہ وہ علت غایت ہو جیسے ضربتہ للتادیب اس مثال میں تادیب قصد فعل کی علت غائیہ ہے کہ اس کی وجہ سے ضرب کا قصد کیا جا رہا ہے خواہ علت داعیہ ہو اور غائیہ نہ ہو جیسے ضربتہ لمخافتک اسمیں مخافت خروج پر علت داعیہ ہے اور غائیہ نہیں ہے۔ خروج کا قصد اس بنا پر ہے کہ خروج سے پہلے مخافت موجود ہے ۱۲ **قولہ زائدۃ الخ** یہ رفع کے ساتھ ہے اس کا عطف للاختصاص پر ہے یعنی لام زائد ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ردف لکم میں لام زائدہ ہے اس کے معنے ردفکم کے ہیں کیونکہ ردف متعدی ہے ۱۲ **قولہ وبمعنے عن** یعنی لام عن کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن عن کے معنی میں آنے کے واسطے شرط یہ ہے کہ قول یا اس کے مشتقات کے ساتھ متصل ہو یعنی جب لام قول یا اس کے مشتقات کے بعد آتا ہے کہ تو عن کے معنے میں ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ قال الذین کفروا للذین آمنوا لو کان خیراً ما سبقونا الیہ اس میں للذین آمنوا پر جو لام داخل ہے یہ عن کے معنی میں ہے یعنی عن الذین آمنوا اور یہ لام اس اسم پر داخل ہوتا ہے خواہ وہ اسم حقیقی یا حکمی جو مقولہ کے قائل سے غائب ہو جیسے مثال مذکور میں کہ لام الذین پر داخل ہوا ہے اور یہ لو کان خیراً ہم قول کے قائل سے غائب ہے اور یہ لام قال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ابن مالک وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ لام تعلیلیہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ تبلیغ کا لام ہے اور تبلیغ کا لام وہ ہے جو قول یا اس کے ہم معنے کے سامع کے اسم پر داخل ہوا کرتا ہے ۱۲ **قولہ وفیہ نظر الخ** اور اسمیں یعنے اس آیت کے اندر لام کے معنی عن کے معنی میں ہونے میں نظر ہے یہ عبارت اکثر نسخوں میں پائی نہیں جاتی ہے صاحب درایہ نے بھی اس عبارت کو نہیں لیا ہے حاصل نظر یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے استدلال اور استشہاد کرنا کہ لام عن کے معنی میں آتا ہے درست نہیں ہے کیونکہ لام اگر عن کے معنی میں ہو تو سبقونا کی جگہ میں سبقتمونا ہونا ضروری ہے کیونکہ جب قول کا صلہ عن کے ساتھ ہوتا ہے تو مخاطب کے معنے میں ہوتا ہے بعض نے جواب دیا ہے کہ کفار نے اس قول کے تکلم کے وقت بعض مومنین سے خطاب کیا تھا جیسے ابراہیم اور ان کے ساتھی اور ما سبقونا سے دوسرے مومنین ان کے علاوہ مراد ہیں جن سے خطاب نہیں کیا تھا جیسے ابن سلام اور ان کے ہمراہی لہذا اعتراض وارد نہیں ہوتا یعنی کافروں نے بعض مومنین سے خطاب کرکے کہا کہ اگر دین محمدی برحق ہوتا اور ہمارے دین سے اچھا ہوتا تو عبد السلام وغیرہ مومنین ہمارے سے پہلے اسی کی طرف سبقت نہ کرتے بلکہ ہم ایمان لاتے اور بعض شراح کہتے ہیں کہ اس امر کی دلیل کہ یہاں لام بمعنے عن ہے یہ ہے کہ اگر لام بمعنی عن نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ سبقونا کی جگہ سبقتمونا ہو کیونکہ قول کا صلہ جب لام آتا ہے تو وہ بمعنے خطاب ہوتا ہے مثلاً جب قال لہ کہا تو معنے خاطبہ ہونگے (اس نے اس سے خطاب کیا یعنی اس سے مخاطب ہو کر کہا) اور جب قول کا صلہ لام بمعنی عن ہوتا ہے تو اس وقت قول بمعنی روایت ہوتا ہے جیسے قلت لزید انہ لم یفعل الشر یعنی رویت عن زید اس نے زید کی طرف سے یہ کہا کہ اس نے شر نہیں کیا ۱۲ **قولہ بمعنی الواو الخ** جاننا چاہیے کہ قسم سے مراد یہاں مقسم بہ ہے اور فی القسم ظرف مستقر ہے اور الواو سے حال ہے اور للتعجب متعلق القسم کے ہے کلام کے معنی یہ ہوگئے کہ ان اللام یکون بمعنی الواو حال کونہ فی القسم بالذی یکون جوابہ من الامور العظام التی یتعجب منہا یعنی اور لام جارہ بمعنی الواو قسم ہوتا ہے جس وقت کہ مقسم بہ ایسا امر ہو کہ اس کا جواب قسم امور عظام میں سے ہوتا ہے جن سے تعجب کیا جاتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ للہ لا یؤخر الاجل یعنی خدا کی قسم اجل موخر نہ ہوگی اور جیسے شاعر کے قول للہ یبقی الخ اس میں لام قسم کے واسطے ہے اور یبقی بتقدیر حرف نفی بمعنی لا یبقی ہے اور علی الایام بالجر اصل میں علی مرور الایام علی حذف المضاف ہے اور حید بالفتح گرہ شاخ گوزن بزکوہی یعنی بارہ سنگھ کا سینگ پہاڑی بکرے کا سینگ مشمخر بشین معجمہ وخائے معجمہ درائے مہملہ مطمئن کے وزن پر ماخوذ از شمخر ہے بہت اونچا ہونا مشمخر یہ اونچے پہاڑ کو کہتے ہیں اور ظیان بالفتح ظائے معجمہ بتشدید تحتانیہ بمعنی جنگلی چنبیلی یعنی یاسمین دشتی اور آس درخت مورد مشمخر کی باء اور بہ کی باء دونوں فی کے معنی میں ہیں اور جملہ بہ الظیان والآس مشمخر کی صفت ہے یعنی خدا کی قسم کھاتا ہوں میں کہ زمانہ کے گذرنے پر سینگ والا پہاڑی بکرا ایسے اونچے پہاڑ میں باقی نہیں رہیگا جس میں ظیان اور آس ہیں یعنی جبکہ ایسی محفوظ جگہ میں یہ باقی نہیں رہیگا تو عالم میں کوئی کسی جگہ باقی نہیں رہیگا جاننا چاہیے کہ لام کبھی صیرورۃ کے واسطے مستعمل ہوتا ہے جیسے لزم الشر للشقاوۃ اور جیسے قولہ تعالیٰ فالتقطہ آل فرعون لیکون لہم عدوا وحزنا اور اس لام کا نام لام العاقبہ بھی رکھا جاتا ہے اور کبھی لام بمعنی فی آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ اور عند کے معنے میں آتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ سابقہ اور الی کے معنی میں آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ کل یجری لاجل مسمی والحمد للہ الذی ہدانا لہذا ای الی ہذا اور بعد کے معنے میں آتا ہے جیسے اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس ای بعد زوال اور مع کے معنی آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ فلما اسلما وتلہ للجبین ای مع الجبین اور من کے معنی میں آتا ہے جیسے جریر کا قول نحن لکم یوم القیامۃ افضل ای منکم اور بمعنے فا جیسے قولہ تعالیٰ اذا ما مت لسوف اخرج حیا ای فسوف اخرج اور ان کے معنے میں آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ وما امروا الا لیعبدوا اللہ ای ان لیعبدوا اللہ ۱۲

* * *

لله يبقى على الايام ذو حيد ٭ بمشمخر به الظيان والآس

ورب وهي للتقليل كما ان كم الخبرية للتكثير وتستحق صدر الكلام ولا تدخل الا على نكرة موصوفة نحو رب رجل كريم لقيته او مضمر مبهم مفرد مذكرا ابدا مميز بنكرة منصوبة نحو ربه رجلا وربه رجلين وربه رجالا وربه امرأة كذلك و عند الكوفيين يجب المطابقة نحو ربهما رجلين وربهم رجالا وربها امرأة و قد تلحقها ما الكافة فتدخل على الجملتين نحو ربما قام زيد وربما زيد قائم ولا بد لها من فعل ماض لان رب للتقليل المحقق وهو لا يتحقق الا به ويحذف ذلك الفعل غالبا كقولك رب رجل اكرمني في جواب من قال هل لقيت من اكرمك اي رب رجل اكرمني

قولہ ورب للتقلیل الخ ساتواں حرف جر رب ہے اور یہ تقلیل یعنی اصل میں اظہار قلت افراد مدخول کیلئے آتا ہے جیسا کہ کم خبریہ مدخول کے افراد کی کثرت ظاہر کرنے کے واسطے آتا ہے مگر رب کا استعمال مجازاً اکثر اظہار کثرت کیلئے ہونے لگا اگرچہ کم خبریہ استعمال اظہار قلت کیلئے نہیں ہوتا ہے اور نظیر رب کی قد ہے چنانچہ قد مضارع میں تقلیل کیواسطے اور کبھی تکثیر کیلئے مضارع میں مقام مدح میں استعمال ہونے لگا ہے جیسے قولہ تعالیٰ قد یعلم اللہ الذین الخ میں تکثیر کے واسطے ہے اور اخفش کہتا ہے کہ رب اسم ہے اور صاحب المفتاح کا بھی مختار یہی ہے **قولہ وتستحق صدر الکلام الخ** اور رب صدر کلام کو چاہتا ہے یعنی کلام کے شروع میں آتا ہے کیونکہ اس میں انشاء کے معنے ہے **قولہ ولا تدخل الا علی الخ** اور یہ بنا بر اصح مذہب کے نکرہ موصوفہ کے ساتھ خاص ہے یعنی ہمیشہ نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ غیر موصوفہ پر داخل ہو جاتا ہے مگر یہ مذہب اصح نہیں ہے یہ رب نکرہ موصوفہ پر اس وجہ سے داخل ہوتا ہے کہ رب تقلیل کیلئے آتا ہے اور یہ نکرہ سے حاصل ہو سکتی ہے لہٰذا معرفہ کی ضرورت نہیں تقلیل جو رب کا مدخول ہے متحقق ہونے کی وجہ سے موصوفہ کی قید لگائی کیونکہ شے موصوف غیر موصوف سے اخص ہوتی ہے اور اخص اقل ہوتا ہے جیسے رب رجل کریم لقیتہ (میں نے چند بزرگ آدمیوں سے ملاقات کی) **قولہ او مضمر الخ** اور رب کبھی ضمیر مبہم پر بھی داخل ہو جاتا ہے کہ جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہوتا ہے اور یہ ضمیر ہمیشہ مفرد مذکر ہوتی ہے خواہ اسکی تمیز مثنیٰ ہو یا جمع مذکر ہو یا مؤنث جیسے ربہ رجلین اور ربہ رجالاً اور ربہ امرأۃً اور کوفی کہتے ہیں کہ ضمیر مذکورہ تمیز کے ساتھ مطابق ہوگی پس ان کے نزدیک ربہما رجلین اور ربہم رجالاً کہیں گے ۱۲ **قولہ وقد تلحقہا الخ** یعنی رب پر ما کافہ بھی داخل ہو جاتا ہے جو رب کو عمل کرنے سے معطل کر دیتا ہے اور اس صورت میں رب جملہ پر بھی داخل ہو جاتا ہے خواہ فعلیہ ہو خواہ اسمیہ جیسے قولہ تعالیٰ ربما یود الذین کفروا اس کی مثال ہے یہاں پر ربما کافہ لاحق ہے اور وہ جملہ فعلیہ پر داخل ہے **قولہ ولا بد لہا من فعل** یعنی رب خواہ ما کافہ کے ساتھ ہو یا نہ ہو جس فعل کے متعلق ہوتا ہے اس کا فعل ماضی ہونا ضروری ہے کیونکہ رب تقلیل واقعی کیواسطے آتا ہے اور اظہار قلت واقعی فعل ماضی کے ساتھ ثابت ہو سکتی ہے اس وجہ سے اسکا متعلق فعل ماضی ہونا ضروری ہے لہٰذا مثلاً رب رجل لقیت کے معنی یہ ہیں کہ تم اس امر کی خبر دے رہے ہو کہ جن آدمیوں سے تم نے ملاقات کی وہ قلیل ہیں اور تم اس امر کو نہیں جانتے کہ آئندہ جن آدمیوں سے تم ملاقات کرو گے وہ قلیل ہیں یا کثیر اس کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور قول باری تعالیٰ ربما یود الذین کفروا میں جو رب فعل مضارع یود پر داخل ہے متاول ہے اور یود بمعنی ماضی ودّ ہے اس لئے کہ وعدہ چونکہ سچا اور ہونے والا ہے یعنی وہ بمنزلہ متحقق شدہ کے ہے گویا وہ ہو ہی گیا ہے ۱۲ **قولہ ویحذف ذلک الفعل الخ** اور فعل جس سے رب متعلق ہوتا ہے اکثر استعمالات میں قرینہ حالیہ یا مقالیہ کے پائے جانے کی وجہ سے محذوف ہو جاتا ہے جیسے تم نے ہل لقیت من اکرمک کہا تم نے اس شخص سے ملاقات کی جس نے کہ تمہارا اکرام کیا کہ جواب میں رب رجل اکرمنی کہا ای رب رجل اکرمنی لقیتہ اس میں رجل موصوف ہے اور اکرمنی جملہ صفت ہے اس لئے گویہ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ رب کے مجرور کیلئے صفت کا ہونا ضروری ہے اور لقیت رب کا فعل ہے جو کہ محذوف ہے اور حذف پر قرینہ سوال ہے اس لیے کہ یہ اکثر سوال مذکور یا سوال مقدر کے جواب میں واقع ہوتا ہے مصنف نے لفظ غالباً فرمایا اس لیے کہ اس کا فعل کبھی مذکور بھی ہوتا ہے جیسے رب رجل شریف لقیتہ جاننا چاہیے کہ رب میں مذکور لغت پندرہ ہیں اول ضم راء و تشدید باء جیسے رُبَّ۔ ضم راء و تخفیف باء جیسے رُبَ فتح راء و تشدید باء جیسے رَبَّ فتح راء و تخفیف باء جیسے رَبَ ضم راء و تشدید باء مع تاء تانیث جیسے رُبَّتَ ضم راء و تخفیف باء مع تاء تانیث ساکنہ جیسے رُبَتْ فتح راء و تشدید باء مع تاء مذکور جیسے رَبَّتَ فتح راء و تخفیف باء مع تاء مذکور جیسے رَبَتَ ضم راء و تشدید باء مع تاء تانیث متحرکہ جیسے رُبَّتَ ضم راء و تخفیف باء مع تاء مذکور جیسے رُبَتَ فتح راء و تشدید باء (باقی بر صفحہ ۱۶۲ پر) ◆ ◆ ◆ ◆

لقيته فاكرمني صفة الرجل ولقيته فعلها وهو محذوف وواو رب وهي الواو
التي تبتدأ بها في اول الكلام كقول الشاعر۔ شعر

وبلدةٍ ليس بها انيسُ   الا اليعافيرُ والا العيسُ

وواو القسم وهي تختص بالظاهر نحو والله والرحمن لاضربن فلا يقال وَلَكَ و
تاء القسم وهي تختص بالله وحده فلا يقال تالرحمن وقولهم ترب الكعبة
شاذٌ وباء القسم وهي تدخل على الظاهر والمضمر نحو بالله وبالرحمن وبك ولا بد
للقسم من الجواب وهو جملة تسمّى المقسم عليها فان كانت موجبة يجب دخول

(بقیہ حاشیہ ص ۱۶۱) مع تا مذکور جیسے ربتَ فتح را و تخفیف با مع تا مذکور جیسے رُبتَ ضم را مع سکون با جیسے رُبْ ضم را مع ضم با شدہ جیسے رُبّ ضم را مع ضم با مخففہ جیسے رُبُ ۱۲ **قولہ واو ربّ الخ** آٹھواں حرف جر واو رب ہے اس واو میں اختلاف ہو رہا ہے ایک جماعت کہتی ہے اس واو کے بعد رب اکثر مقدر ہوتا ہے اور یہ واو فرق کی وجہ سے رب سے ضمیر پر داخل نہیں ہوتی ہے اور عمل فی الحقیقت رب مقدر کے واسطے ہوتا ہے اور یہ واو عامل نہیں ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے اور یہ واو مذکور عطف کیواسطے ہوتا ہے اور کوفیوں اور مبرد کے نزدیک جر خود واو کی وجہ سے آتا ہے نہ رب مقدر کی وجہ سے اسوقت یہ واو عطف کے واسطے نہ ہوگا دلیل میں لکھتے ہیں کہ قصائد کی ابتدا اور افتتاح اس واو سے کی جاتی ہے اگر عطف کیلئے ہو تو ابتدا میں کیسے واقع ہو سکتا ہے بصری جواب میں کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے کہ متکلم اس واو کو قصیدہ کے اول میں اس بنا پر لایا ہو کہ اس سے اس شئے پر عطف کرنا چاہتا ہو جو اس کے ذہن میں ہے اور واو عاطفہ کا اس واو پر نہ آنا اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ واو عطف کی ہے کیونکہ واو عطف نہ ہو تو جس طرح اور حروف جر کے اول میں حرف عطف آتے ہیں اس کے اول میں بھی آنا درست ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ واو کلام کے شروع میں آتا ہے اور یہ واو رب نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے اسلئے کہ وہ معنے میں رب کے ہونے کی وجہ سے رب کے حکم میں ہے پس رب کی طرح سے نکرہ موصوفہ پر داخل ہوگا اور اس کا متعلق فعل ماضی ہوگا جو اکثر محذوف ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ واو رب ضمیر مبہم پر کبھی داخل نہیں ہونا چاہیے قول الشاعر وبلدة لیس بہا انیس یعنی ایسے بہت سے شہر ہیں کہ ان میں کوئی انیس نہیں پس ظاہر ہے کہ اسجگہ بلدة میں واو بمعنے رُبّ ہے ۱۲ **قولہ وبلدة الخ** واو بمعنی رب ہے اور رطبیت کے متعلق ہے جو بیت سابق میں مذکور ہے اور یعافیر یعفور کی جمع ہے مٹیالہ رنگ کا ہرن یا ہرن کا بچہ جو اول میں ہوا الخ یعنی مرتبہ جلا ہو اور نیل گائے کا بچہ آگے چلنے والا ہرن عیس بکسر عین جمع اعیس سفید سرخ بال والا اونٹ بعض کتابوں میں ہے کہ عیس بمعنے غبار ہے اور عیسا، اعیس کا مؤنث ہے بمعنے سفید بال والا اونٹ یہ شعر عامر بن حارث کا ہے اپنی دلیری کی اس شعر سے تعریف کرتا ہے ترجمہ میں نے بہت سے شہروں کو طے کیا کہ اس میں سوائے مٹیالہ رنگ کے ہرن اور سفید بال والے اونٹوں کے کوئی انیس نہیں ہے ۱۲ **قولہ واو القسم الخ** یہ نواں حرف جر ہے جاننا چاہیئے کہ واو قسم فعل قسم کے حذف کے وقت مستعمل ہوتا ہے اور سوال کے ساتھ نہیں لایا جاتا ہے اور ہمیشہ اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے اور ضمیر پر داخل نہیں ہوتا واللہ والرحمن بول سکتے ہیں اور ولک وبہ نہیں بول سکتے ہیں تاکہ فرع کا درجہ اصل سے جو باء ہے اور اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں پر داخل ہوتی ہے کم رہے ۱۲ **قولہ وتاء القسم** دسواں حرف جر تاء قسم ہے اس میں بھی فعل قسم محذوف ہوتا ہے جس طرح واو قسم میں اور سوال کے ساتھ نہیں لائی جاتی اور جمہور نحاة کے نزدیک اسم ظاہر میں سے صرف لفظ اللہ پر داخل ہوتی ہے اور کسی اسم ظاہر پر داخل نہیں ہوتی لہذا تالرحمن بولنا درست نہیں ہے اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ عرب ترب الکعبة بولتے ہیں دیکھو یہاں تاء رب پر داخل ہوئی ہے مصنف جواب دیتا ہے کہ یہ شاذ ہے اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے اور اخفش کا مذہب یہ ہے کہ لفظ اللہ کے سوا اور اسم پر بھی داخل ہوتی ہے استدلال میں عرب کا قول پیش کرتا ہے جس کا جواب دیا جا چکا ہے ۱۲ **قولہ والباء القسم الخ** گیارہواں حرف جر باء قسم ہے اور یہ واو قسم اور تاء قسم دونوں سے اعم ہے اسمیں فعل قسم مذکور بھی ہوتا ہے اور محذوف بھی اور سوال کے ساتھ بھی مذکور ہوتی ہے اور بدون سوال کے اسم ظاہر پر بھی داخل ہوتی ہے اور اسم ضمیر پر بھی داخل ہوتی ہے اور ہر اسم ظاہر پر داخل ہوتی ہے خواہ لفظ اللہ ہو یا اس کا غیر جیسا کہ امثلہ کتاب سے واضح ہے اور یہ اس لیے ہے کہ باب قسم میں باء اصل ہے لہذا اس کا عام ہونا ضروری ہوا ۱۲ **قولہ لابد للقسم من الجواب الخ** اور قسم کیلئے جواب قسم کا ہونا ضروری ہے اور جواب قسم وہ ہے کہ جس پر قسم کھائی جائے مثلاً واللہ لاضربن زیداً واللہ کی قسم میں زید کو ماروں گا اس میں واللہ قسم ہے اور لاضربن زیداً جواب قسم ہے **قولہ وہو جملة تسمى الخ** جملہ موصوف ہوتا ہے اور تسمى المقسم علیہا جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اور جواب قسم ایک جملہ ہوتا ہے جس کا نام مقسم علیہا ہے (قسم کھائی گئی اس پر) **قولہ فان کانت موجبة الخ** ۱۲ اور اگر یہ جملہ جو جواب قسم واقع ہوگا مثبتہ ہے تو جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کی صورت میں اس پر لام تاکید کا داخل ہونا ضروری ہے واللہ لزیدٌ قائمٌ ….. اس میں واللہ قسم ہے اور زید قائم جملہ اسمیہ مثبتہ ہے اور جواب قسم ہے اور اس پر لام تاکید داخل ہے (اللہ کی قسم البتہ زید کھڑا ہونے والا ہے) اور جیسے واللہ لافعلن کذا (اللہ کی قسم میں البتہ ایسا ضرور کروں گا) اس میں لافعلن کذا جواب قسم ہے جو جملہ مثبتہ ہے اور اس پر لام آیا ہے ۱۲

اللام في الاسمية والفعلية نحو والله لزيدٌ قائم ووالله لافعلن كذا وانّ في الاسمية نحو والله ان زيدًا لقائم وان كانت منفية وجب دخول ما ولا نحو والله ما زيد بقائم ووالله لا يقوم زيدٌ واعلم انه قد يحذف حرف النفي لزوال اللبس كقوله تعالى تالله تفتؤا تذكر يوسف اى لا تفتؤا ويحذف جواب القسم ان تقدم ما يدل عليه نحو زيد قائم والله او توسط القسم نحو زيد والله قائم وعن للمجاوزة نحو رميت السهم عن القوس الى الصيد وعلى للاستعلاء نحو زيدٌ على السطح وقد يكون عن وعلى اسمين اذا دخل عليهما من كما تقول جلست من عن يمينه ونزلت من على الفرس والكاف للتشبيه

قوله وان في الاسمية الخ اس کا عطف اللام في الاسمية پر ہے اے یجب دخول ان المکسورۃ في الجملۃ الاسمیۃ المرجبۃ یعنی اور ان مکسورہ کا جملہ اسمیہ مثبتہ پر جو جواب قسم ہو داخل ہونا ضروری ہے نہ جملہ فعلیہ مثبتہ پر خلاصہ یہ ہوا کہ لام تاکید جملہ اسمیہ اور فعلیہ مثبتہ دونوں پر آتا ہے اور ان مکسورہ صرف جملہ اسمیہ مثبتہ پر آتا ہے جیسے واللہ ان زیدًا لقائم (اللہ کی قسم تحقیق زید البتہ کھڑا ہونے والا ہے) **قوله وان كانت منفية الخ** اور اگر یہ جملہ جو جواب قسم واقع ہو جملہ منفیہ ہے خواہ اسمیہ ہو خواہ فعلیہ تو اس وقت جواب قسم پر لفظ ما یا لا کا داخل ہونا ضروری ہے جیسے واللہ ما زید بقائم (اللہ کی قسم زید کھڑا ہوا نہیں ہے) یہ جملہ اسمیہ کی ہے جس پر ما نافیہ داخل ہے مثال ہے اور واللہ لا یقوم زید (اللہ کی قسم زید نہیں کھڑا ہوگا) یہ جملہ فعلیہ کی جس پر لا نافیہ داخل ہے مثال ہے . . . . جملہ مقسم علیہا پر جس کو جواب قسم کہتے ہیں ان چاروں چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا اس لئے ضروری ہے تاکہ دونوں جملوں قسم اور مقسم علیہا میں ربط پیدا ہو جائے اسلئے کہ یہ دونوں مستقل جملے ہیں ایک دوسرے سے مستغنی ہیں کلام کا حاصل یہ ہے کہ جواب قسم پر لام تاکید اور ان مکسورہ اور حرف نفی ما اور لا کو داخل کیا جا سکتا ہے جیسے لزیدٌ قائم اور واللہ ان زیدًا قائمًا اور واللہ ما زید بقائم اور واللہ لا یقوم زیدٌ اور اس میں تفصیل ہے کہ کون کس جملہ پر داخل ہو جیسا کہ مصنف کی عبارت سے واضح ہے یاد رکھو کہ جواب قسم پر اشیاء مذکورہ بالا میں سے کسی شے کا داخل ہونا اسوقت ہے جبکہ جواب قسم غیر سوال میں ہو اور سوال میں اس چیز کو داخل کیا جائے کہ جس میں معنے طلب کے ہوتے ہیں جیسے باللہ لما قائم زیدٌ **قوله وقد يحذف الخ** یعنی جس وقت التباس نہیں ہوتا اسوقت حرف نفی کو حذف کر دیتے ہیں جیسے تاللہ تفتؤ تذکر یوسف اصل میں لا تفتؤ تھا دلیل حرف نفی محذوف ہونے پر یہاں یہ ہے کہ الخ مضارع مثبت اس کو قرار دیا جائے تو مضارع مثبت جب جواب قسم ہوتا ہے تو اس پر لام کا داخل ہونا ضروری ہے اور یہاں لام داخل نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مضارع منفی ہے اور حرف نفی محذوف ہے **قوله ويحذف جواب القسم** یعنی جبکہ قسم اس جملہ کے درمیان یا اس جملہ کے بعد واقع ہو تو جو جواب قسم پر دلالت کرتا ہے تو اسوقت جواب قسم محذوف ہو جائیگا جیسے زیدٌ واللہ قائم اور زید قائم واللہ **قوله وعن للمجاوزة الخ** بارہواں حرف جر عن ہے اور یہ مجاوزۃ کیلئے آتا ہے مجاوزت تین طریقہ پر ہوتی ہے ایک یہ کہ مفعول مدخول عن سے زائل ہو کر کسی دوسری شئے کی طرف چلا جائے جیسے رمیت السہم عن القوس یعنی تیر کو کمان سے شکار کی طرف پھینکا دوسرے یہ کہ وہ مدخول عن سے بغیر زائل ہوئے دوسری شئے کی طرف پہنچ جائے جیسے اخذت عنہ العلم (یعنی میں نے اس سے علم لیا) تیسرے وہ مدخول عن سے بغیر مدخول ہوئے زائل ہو کر کسی دوسری شئے کی طرف پہنچ جائے جیسے ادیت الدین عنہ الی زید یعنی میں نے اسکی طرف سے وہ دین زید کو ادا کر دیا پس مثال مذکور میں دین بغیر مدیون کے طرف پہنچے اس سے زائل ہو کر دائن کی طرف پہنچ گیا فتامل نیز جاننا چاہیے کہ عن جب جارہ ہوتا ہے تو نو معنے کے واسطے آتا ہے ایک مجاوزت کے لیے اسکی مثال متن میں مذکور ہے دوسرے بدل کے واسطے جیسے واتقوا یومًا لا تجزی نفس عن نفس شیئًا اے بدل نفس تیسرے استعلاء کے معنے میں جیسے فانما یبخل عن نفسہ چوتھے تعلیل کے واسطے جیسے وما نحن بتارکی آلہتنا عن قولک اے لاجل قولک پانچویں استعانت جیسے رمیت السہم عن القوس اے بہا چھٹے بعد کے معنی میں جیسے لترکبن طبقًا عن طبق اے حالۃ بعد حالۃ ساتویں بمعنی من جیسے وہو الذین یقبل التوبۃ عن عبادہ اے من عبادہ آٹھویں زائد جیسے التی بقربہ بیٹنک تدفع ای التی نویں بمعنے یعنی جیسے لا یکون عن ذلک الامر الیا اے ہی ذلک الامر **قوله وعلى الاستعلاء** تیرہواں حرف جر علیٰ ہے اور یہ استعلاء کے واسطے آتا ہے خواہ استعلاء حقیقی ہو جیسے زیدٌ علی السطح یعنی زید چھت پر ہے یا مجازی جیسے وعلیہ دینٌ اس پر قرض ہے اور کبھی عن اور علی اسم ہوتے ہیں اور اسوقت ان پر من داخل ہو جاتا ہے جیسے من عن یمینی یعنی میری داہنی طرف سے اور من علیہ یعنی اس کے اوپر سے نیز علی مصاحبت کے واسطے آتا ہے جیسے قولہ تعالی الحمد للہ الذی وہب لی علی الکبر اور تعلیل کیلئے آتا ہے جیسے قولہ تعالی ولتکبروا اللہ علی ما ہدٰکم اور ظرفیت کیلئے آتا ہے جیسے قولہ تعالی علی ملک سلیمان اور جیسے قولہ تعالی الا علی ازواجہم اور بمعنے با آتا ہے جیسے قولہ تعالی حقیق علی ان لا اقول علی اللہ الا الحق اور زائدہ آتا ہے جیسے قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف لیمین فرأی غیرہا خیرًا منہا ای بیمین **قوله وقد يكون عن وعلى اسمين الخ** اور کبھی عن اور علی اسم ہوتے ہیں جبکہ ان پر من جارہ آئے گویا من کا داخل ہونا انکے اسم ہونے کی علامت ہے اور اس وقت عن بمعنی جانب ہوگا اور علی بمعنے فوق جیسے جلست من عن یمینہ ای من جانب یمینہ میں اس کے داہنی جانب سے بیٹھا اور نزلت من على الفرس ای من فوق الفرس (میں گھوڑے کے اوپر سے اترا) **قوله الكاف للتشبيه الخ** چودھواں حرف جر کاف ہے جو تشبیہ کیلئے آتا ہے جیسے زید کالاسد اور کاف زائدہ بھی ہوتا ہے جیسے قولہ تعالی لیس کمثلہ شئ اے لیس مثلہ شئ

نحو زيدٌ كعمرو وزائدة كقوله تعالى ليس[1] كمثله شيءٌ وقد تكون اسما كقول الشاعر يضحكن[2]
عن كالبرد المنهم ومذ[3] ومنذ للزمان اما للابتداء في الماضي كما تقول في شعبان ما رايته
مذ رجب وللظرفية في الحاضر نحو ما رأيته مذ شهرنا ومنذ يومنا اي في شهرنا وفي يومنا وخلا[4]
وعدا وحاشا للاستثناء نحو جاء في القوم خلا زيد حاشا عمرو وعدا بكر فصل الحروف[5] المشبهة
بالفعل ستة انّ وانّ وكانّ ولكنّ وليت ولعلّ هذه الحروف تدخل على الجملة الاسمية تنصب الاسم
وترفع الخبر كما عرفت نحو انّ زيدا قائم وقد[6] يلحقها ما الكافة فتكفها عن العمل وحينئذ تدخل على
الافعال تقول انما قام زيد واعلم[7] انّ انّ المكسورة الهمزة لا تغير معنى الجملة بل تؤكدها وانّ المفتوحة الهمزة
مع ما بعدها من الاسم والخبر في حكم المفرد ولذلك يجب[8] الكسر اذا كان في ابتداء
الكلام نحو انّ زيدا قائم وبعد القول كقوله تعالى يقول انها بقرةٌ

قوله ليس كمثله شيء الخ اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ کاف زائدہ ہو دوسرے یہ کہ مثل زائد ہو کہ کاف کیونکہ کاف پہلے ہے اور مثل بعد میں ہے جبکہ کاف نے ضرورت پوری کر دی لہذا دوسرا لفظ زائد ہونا چاہیئے نہ کہ پہلا اسوجہ سے لفظ مثل زائد ہے نہ کاف تیسری صورت یہ ہے کہ نہ کاف زائد اور نہ مثل کیونکہ نفی مثل کے مثل کی کیجارہی ہے اس سے بطور کنایہ کے مثل کی نفی لازم آتی ہے کیونکہ مماثلت دونوں طرف سے ہوتی ہے جبکہ اللہ کے مثل کیلئے مثل نہیں لہذا اللہ کیلئے مثل نہیں ہے اور کنایہ تصریح سے ابلغ ہوتا ہے لہذا اس صورت کو ترجیح حاصل ہوگی ۱۲ **قوله يضحكن ٢** پورا شعر اس طرح ہے اذ يتقي بثلث كنعاج جم يضحكن عن كالبرد المنهم بيض بيضاء کی جمع ہے اور الف محذوف کی صفت ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے اے دعمن اور کنعاج نعجة کی جمع ہے نیل گائے کو کہتے ہیں جم بتشدید میم جماء کی جمع ہے بمعنے بے سینگ بکری ضحک بمعنی ہنسنا دانت سفید کرنا اور کاف بمعنے مثل ہے اور اسی کا موصوف محذوف ہے اے بن اسنان مثل البرد اور منهم انہام سے بمعنی گلنا ۱۲ **قوله مذ ومنذ الخ** پندرہواں حرف مذ ہے اور سولہواں منذ اور یہ دونوں حرف زماں کیلئے آتے ہیں اور وہ اس وقت یا تو زمانہ ماضی میں زمانہ فعل کی ابتداء کیلئے ہوتے ہیں جیسے ما رایته مذ الشهر الماضي یعنی میں نے اس کو گذشتہ ماہ سے نہیں دیکھا اور یا زمانہ حاضر میں ظرفیت محضہ کیلئے ہوتے ہیں جیسے ما رایته مذ يومنا یعنی اس کو میرے دیکھنے کا دن یہ آج کا دن ہے **قوله خلا الخ** سترھواں حرف خلا ہے اور اٹھارواں عدا اور انیسواں حاشا اور یہ تینوں حرف استثناء کیلئے ہیں جیسے جاءني القوم حاشا زيد خلا زيد عدا زيد یعنی زید کے سوا میرے پاس تمام قوم آئی پس حروف مذکورہ استثناء کیلئے ہونا ظاہر ہے یاد رکھنا چاہیئے کہ ان تینوں لفظوں سے جب تم ان کے مدخول کو جر دوگے تو حروف جارہ ہونگے اور جب تم ان کے مدخول کو نصب دوگے تو یہ فعل ہونگے لہذا یہ تینوں کبھی حرف ہوتے اور کبھی فعل **قوله الحروف المشبهة بالفعل الخ** حروف جر کے بعد حروف مشبہ بالفعل کو بیان کرتے ہیں حروف مشبہ بالفعل انّ اور انّ اور کانّ اور لکنّ اور لیت اور لعل ہیں ان حروف کو مشابہ بالفعل اسوجہ سے کہتے ہیں کہ ان کو فعل کے ساتھ مشابہت لفظی اور معنوی ہے لفظی مشابہت تو یہ ہے کہ فعل ماضی جیسا کہ فتحہ پر مبنی ہوتا ہے اس طرح یہ حروف مبنی بر فتحہ ہوتے ہیں اور جس طرح فعل ثلاثی اور رباعی اور خماسی ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی ہیں اور مشابہت معنوی یہ ہے کہ انّ اور انّ معنے میں حققت کے اور کانّ معنے میں شابہت کے اور لکن معنے میں استدرکت کے اور لیت معنے میں تمنیت کے اور لعل معنی میں ترجی کے ہے اور دوسری مشابہت معنوی یہ ہے کہ جس طرح فعل فاعل اور مفعول کا تقاضا کرتا ہے اسی طرح یہ بھی دو اسم کو مقتضی ہیں ۱۲ **قوله وقد يلحقها الخ** یعنی حروف مشبہ بالفعل کے بعد ما کافہ آجاتا ہے اور وہ ان کو عمل کرنے سے روک دیتا ہے کافہ اسم فاعل از کف بمعنے روک دینا چونکہ یہ ما عمل سے روک دیتا ہے اسی وجہ سے اسکا یہ نام رکھدیا ہے جیسے انما لبشر اور اسوقت لاحق ہونے ما کافہ کے ان حروف مذکورہ کو فعل پر بھی داخل کر سکتے ہیں جیسے قوله تعالى انما حرم عليكم الميتة یعنی جز این نیست کہ خدا نے تم پر میتہ کو حرام کیا ہے ۱۲ **قوله اعلم ان انّ المكسورة الخ** اب اس جگہ سے مصنفؒ نے حروف مشبہ بالفعل کے احوال کی تفصیل کو بیان فرماتا ہے کہ انّ مکسورہ جملہ کے معنے میں تغیر پیدا نہیں کرتا بلکہ اس میں معنے تاکید اور تحقیق کے پیدا کرتا ہے اور انّ مفتوحہ جملہ کے معنی میں تغیر کر دیتا ہے اور اسکو بتاویل مفرد کر دیتا ہے چونکہ کبھی اسناد تام نہیں ہوتی اور جملہ کو مفرد کے حکم میں کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ خبر کے مصدر کو اسم کیطرف مضاف کیا جائے جیسے بلغني ان زيدا قائم یعنی بلغني من قيام زيد یا جزو خبر کے مصدر کو اسم کیطرف مضاف کیا جائے جیسے بلغني ان زيدا ان تعلمه يكرمك یعنی مجھ کو یہ بات پہنچی کہ تحقیق زید کو اگر تم تعلیم دوگے وہ تیرا اکرام کریگا یعنی اکرام زید عند تعلیمک ایاہ اور یہی وجہ ہے کہ جملہ کے موقع پر ان مکسورہ اور مفرد کے موقع پر انّ مفتوحہ لاتے ہیں ۱۲ **قوله يجب الكسرة الخ** یعنی اسکی وجہ یہ ہے کہ ان جملہ کے معنی کو تغیر نہیں کرتا شروع کلام میں ان مکسورہ کو لاتے ہیں اس لیئے کہ وہ جملہ کو مقتضی ہے جیسے ان ربك عليم نیز قول اور اس کے مشتقات کے بعد ان مکسورہ لاتے ہیں جیسے قلت ان زيدا قائم اسلیئے کہ مقولہ قول کا ہمیشہ جملہ ہوتا ہے علی ہذا القیاس موصول کے بعد بھی ان مکسورہ لاتے ہیں اس لیئے کہ موصول کے بعد اس کا صلہ ہوتا ہے ایسے ہی جب خبر پر لام داخل ہو تو ان مکسورہ ہوگا کیونکہ لام جملہ کے معنے کی تاکید کرتا ہے نیز جاننا چاہیئے کہ چار موضع کا ذکر حصری غرض سے نہیں ہے بلکہ نداء اور دعاء اور قسم اور کل اور امر اور نہی کے بعد بھی ان مکسورہ آتا ہے ایسے ہی جو جملہ جواب قسم میں ہو یا حتی ابتدائیہ کے بعد آوے یا الا اور اما تنبیہ کے بعد اور ایسے کلام سابق سے محل قطع میں بعد اذ اور حیث کے بعد ان سب مقاموں میں ان مکسورہ آتا ہے ۱۲

وبعد الموصول نحو ما رأیت الذی انہ فی المساجد واذا کان فی خبرھا اللام نحو ان زیداً لقائم ویجب[1]
الفتح حیث یقع فاعلاً نحو بلغنی ان زیداً قائم وحیث یقع مفعولاً نحو کرھت انک قائم وحیث یقع مبتدأً نحو
عندی انک قائم وحیث یقع مضافاً الیہ نحو عجبت من طول ان بکراً قائم وحیث یقع مجروراً نحو عجبت من ان بکراً
قائم وبعد لو نحو لو انک عندنا لاکرمتک وبعد لولا نحو لولا انہ حاضر لغاب زید ویجوز[2] العطف علی اسم ان المکسورۃ
بالرفع والنصب باعتبار المحل واللفظ مثل ان زیداً قائم وعمرو وعمراً واعلم ان[3] ان المکسورۃ یجوز

قولہ ویجب الفتح ۔ اور جب وہ اپنے جملہ سے مل کر فاعل ہو جیسے بلغنی انک منطلق یا مفعول ہو جیسے سمعت انک ذاہب یا مبتدا ہو جیسے انک قادر یا مضاف الیہ ہو جیسے اعجبنی انک قائم تو ان سب صورتوں میں ان مفتوحہ پڑھا جائے گا اسلئے کہ یہ سب مواضع مفرد کے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ فاعل اور مفعول اور مبتدا اور مضاف الیہ کا مفرد ہونا ضروری ہے یا مجرور ہو چونکہ حرف جر اسم پر داخل ہوتا ہے اور لو کے بعد بھی ان مفتوحہ پڑھا جاویگا اسلئے کہ لو شرطیہ فعل کو مقتضی ہے پس ان مفتوحہ اپنے جملہ کیساتھ مل کر فعل محذوف کا فاعل ہوگا جیسے لو انک ای ثبت اور لولا کے بعد ان مفتوحہ پڑھتے ہیں اسلئے کہ لولا کے بعد مبتدا ہوتا ہے اور مبتدا کا مفرد ہونا ضروری ہے جاننا چاہیئے کہ ان سات مواضع کے علاوہ اور مواضع بھی ہیں جہاں پر فتح واجب ہے لہذا یہ مواضع بیان حصر کے لیے نہیں ہیں چنانچہ مبتدا کی خبر میں اگرچہ فتح واجب نہیں ہے لیکن مناسب ہے چونکہ اصل خبر میں افراد ہے بعد لولا خفیفہ کے بعد اور حتی عاطفہ و جارہ کے بعد واجب ہے اور ایسے ہی جب ان مکسورہ کے اسم پر جس کا عطف ہو جیسے انک لا تجوع فیہا ولا تعری وانک لا تظمأ فیہا ولا تضحی ایسے ہی بعد اس قول کے جو ظن کے معنے میں ہو اور علمت اور اس کے مشتقات کے بعد بھی ان مفتوحہ واقع ہوتا ہے اور ان مکسورہ واقع نہیں ہوتا۔ **قولہ ویجوز العطف علی اسم ان المکسورۃ بالرفع الخ** اس کا عطف یجب الفتح پر ہے اسی لئے لک یجوز العطف یعنی اور اسی وجہ سے کہ ان مکسورہ جملہ کے معنے کو نہیں بدلتا ہے بلکہ معنی جملہ کی تاکید کرتا ہے تو لہذا جب کسی اسم کا ان مکسورہ کے اسم پر عطف کریں تو اس کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھنا جائز ہوتا ہے ان کے اسم کے محل پر عطف کر کے رفع پڑھنا درست ہوتا ہے چونکہ ان کا اسم باعتبار محل کے بنا بر مبتدا ہو کے مرفوع ہے اور ایسے اسم کے لفظ پر عطف کر کے نصب پڑھنا درست ہوتا ہے چونکہ انکا اسم لفظاً منصوب ہے اور یہ عطف محل پر اسوجہ سے درست ہوتا ہے

کہ ان مکسورہ جملہ کے معنے میں تغیر پیدا نہیں کرتا ہے تو اب جائز ہے کہ محل اسم ان پر کسی اسم کا رفع کے ساتھ عطف کریں اسلئے کہ ان کا اسم اصل میں مرفوع یا مبتدا رہے لیکن ان عام ہے کہ لفظاً مکسور ہو جیسے ان زیداً قائم وعمرو، وعمراً یا حکماً علمت ان زیداً قائم وعمرو اسلئے کہ مثال مذکور میں اگرچہ ان مفتوحہ ہے مگر حکماً مکسور ہے اور وجہ یہ ہے کہ ان علم کے بعد اگرچہ اپنے اسم و خبر سے مل کر دو مفعولوں کے قائم مقام ہے مگر تاویل میں جملہ کے ہے اسلئے کہ وہ حقیقت میں مبتدا اور خبر ہیں الغرض ان مکسورہ کے اسم پر رفع کے ساتھ جب کسی اسم کا عطف کرنا چاہیں تو ان کو معدوم فرض کر کے عطف محل اسم ان پر جائز ہوگا مگر ان مکسورہ کے بخلاف ان مفتوحہ کہ اسکے محل اسم پر رفع کیساتھ عطف مذکور جائز نہ ہوگا اسلئے کہ ان مفتوحہ [illegible] جملہ کو متغیر کر دیتا ہے پس ان مفتوحہ کو معدوم فرض کر کے اس کے محل اسم پر عطف مذکور جائز نہ ہوگا مگر ان مکسورہ کے محل اسم پر عطف مذکور اسوقت جائز ہوگا جبکہ معطوف سے پہلے ان کی خبر آچکی ہو لفظاً جیسے ان زیداً قائم وعمرو یا تقدیراً جیسے ان زیداً وعمرو قاعد اس جگہ پر ان کی خبر پہلے گذر چکی ہے اور معطوف کی خبر اس پر دلالت کرتی ہے اور اسی وجہ سے غالباً اس کو حذف کر دیا جاتا ہے پس تقدیر عبارت یہ ہے ان زیداً قاعد وعمرو قاعد بہر حال صحت عطف کیلئے معطوف سے پہلے ان کی خبر کا مذکور ہونا شرط ہے یہاں تک کہ اگر خبر معطوف سے پہلے نہ گذر چکی ہو نہ لفظاً نہ تقدیراً تو اسوقت محل اسم پر عطف ناجائز ہوگا جیسے ان زیداً وعمرو ذاہبان اسلئے کہ اگر مثال مذکور میں عطف کو جائز کہیں گے تو اس وقت ایک معمول کے اعراب پر دو عاملوں کا اجتماع لازم آئیگا اور وہ ناجائز ہے تشریح مقام کی یہ ہے کہ مثال مذکور میں ذاہبان معطوف اور معطوف علیہ دونوں کی خبر ہے پس اس حیثیت سے کہ وہ معطوف علیہ یعنی اسم ان کی خبر ہے ان عامل ہوگا اور اس حیثیت سے کہ وہ معطوف یعنی عمرو کی خبر ہے اس میں عامل ابتدا ہوگا پس اسی وقت ایک معمول یعنی ذاہبان کے اعراب پر دو عاملوں کا اجتماع لازم آتا ہے اور وہ ناجائز ہے پس یہ مذہب بصریوں کا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ محل اسم ان پر عطف کرنے کیلئے خبر کا پہلے گذر جانا شرط نہیں پس ان کے نزدیک ان زیداً وعمرو ذاہبان میں عطف مذکور جائز ہے اسلئے کہ وہ کہتے ہیں کہ خبر ان میں ان عامل نہیں بلکہ ابتدا ہے پس ان کے نزدیک ایک معمول کے اعراب پر دو عاملوں کا اجتماع لازم نہیں آتا ہے بعد ازاں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ مذہب جمہور میں عطف مذکور کے جواز کیلئے یہ شرط ہے کہ معطوف سے پہلے خبر گذر چکی ہو ہر حال میں ہے خواہ اسم ان کا معرب ہو یا مبنی اسم ان کے مبنی ہونے کو اسمیں دخل نہیں بخلاف مبرد اور کسائی کے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان کا اسم جس وقت مبنی ہوگا تو اس کے محل پر بدون خبر کے گذرے ہوئے عطف مذکور جائز ہوگا پس ان کے نزدیک ترکیب انک وزید ذاہبان جائز ہوگا اور جمہور کے نزدیک ناجائز کسائی اور مبرد کی دلیل یہ ہے کہ خبر ان میں ان کا عمل تابع ہے اسم ان میں عمل کرنے کے اور جبکہ اسم ان مبنی ہے تو بوجہ اس کے مبنی ہونیکے ان کا عمل ظاہر نہیں ہوا پس گویا اس نے عمل نہیں کیا لہذا خبر میں بھی ان کو عامل نہ مانا جائیگا پس اس صورت میں خبر کے بدوں گذرے عطف مذکور جائز ہو گا بعد اسم ان کے مبنی ہونیکے شکل میں تو دو عاملوں کا اجتماع ایک معمول کے اعراب پر لازم آئیگا ۱۲ **قولہ اعلم ان ان المکسورۃ یجوز الخ** یعنی جب یہ ثابت ہوا کہ ان جملے کے معنی میں تغیر پیدا نہیں کرتا تو اب اس وجہ سے اس کی خبر پر لام تاکید داخل ہو جاویگا نہ کہ ان مفتوحہ کی خبر پر اس لئے کہ لام تاکید معنی جملہ کی تاکید کیلئے ہوتا ہے وہ اس چیز کی خبر پر آئیگا جو جملہ کی حیثیت کو باقی رکھتی ہے لہذا اس چیز کی خبر پر داخل نہ ہوگا جو جملہ کو بتاویل مفرد کر دیتی ہے اور وہ ان مفتوحہ ہے علی ہذا القیاس لام تاکید کا ان مکسورہ کے اسم پر داخل ہو جاتا ہے جبکہ اسم اور خبر کے درمیان فصل واقع ہو اور ان مفتوحہ کے اسم پر داخل نہ ہوگا نیز لام تاکید کا اس شئے پر داخل ہو جاتا ہے جو کہ ان مکسورہ کے اسم اور خبر کے درمیان متعلقات جملہ سے ہے جیسے ان زیداً لطعامک آکل ۔ نیز جاننا چاہیے کہ جب لام ان پر داخل ہو جاتا ہے تو کبھی ان کا ہمزہ ہا سے بدل جاتا ہے جیسے لَہِنَّکَ زید

دخول اللام علی خبرها وقد[1] تخفف فیلزمها اللام کقوله تعالی وان کلا لما لیوفینهم وحینئذٍ[2] یجوز الغاؤها کقوله تعالی وان کل لما جمیع لدینا محضرون ویجوز[3] دخولها علی الافعال علی المبتدأ او الخبر نحو قوله تعالی وان کنت من قبله لمن الغافلین وان نظنک لمن الکاذبین وکذلک ان المفتوحة قد تخفف فحینئذٍ[4] یجب اعمالها فی ضمیر شان مقدر فتدخل علی الجملة اسمیة کانت نحو بلغنی ان زید قائم او فعلیة نحو بلغنی ان قد قام زید[5] ویجب دخول السین او سوف او قد او حرف النفی علی الفعل کقوله تعالی علم ان سیکون منکم مرضی والضمیر المستتر اسم ان والجملة خبرها وکان للتشبیه نحو کان زیدا الاسد وهو مرکب من

قولہ قد تخفف فیلزمها اللام الخ اور ان مکسورہ ثقل شدید اور کثرت استعمال کی وجہ سے مخفف کر لیا جاتا۔ تخفیف کے بعد چونکہ ان کی صورت نافیہ جیسی ہو جاتی ہے لہٰذا اس وقت ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کیلئے اس کی خبر پر لام تاکید کا آنا ضروری ہے خواہ اس کو عمل دیا جائے خواہ نہ دیا جائے جیسے قول باری تعالیٰ وان کلا لما لیوفینهم بر قرأت تخفیف لما اس میں ان مخففہ ہے اور کلا منصوب مع تنوین ہے وہ ان مخففہ کا اسم ہے اور کلا کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور لیوفینهم قسم محذوف کا جواب ہے اور اس پر لام جواب قسم کا ہے اور لما پر لام ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فارقہ ہے اور پھر لفظ ما کو زائدہ کیا تاکہ دو لاموں کا اجتماع جو مکروہ ہے نہ لازم آئے آیت کے معنے یہ ہیں کہ ان کلهم لجمیع المختلفین فی الکتاب واللّٰہ لیوفینهم تحقیق ان سب کو جو اللہ کی کتاب میں اختلاف کرتے ہیں اللہ کی قسم ضرور ان کو پوری جزا دے گا ۱۲ **قولہ وحینئذٍ یجوز الغاؤها الخ** اور اس وقت جبکہ ان مکسورہ مخففہ ہو تو اس کے عمل کا الغاء یعنی اس کے عمل کو باطل کرنا جائز ہے اور اس صورت میں اعمال سے ابطال عمل اکثر ہے اس لیے کہ آخر کے ساکن ہونے کی وجہ سے اس کا فعل کیساتھ پوری مشابہت جس کی وجہ سے وہ عمل کرتا تھا نہیں رہی مثلاً اس کے آخر کا فتح اور اس کا سہ حرفی ہونا جیسے قول باری تعالیٰ وان کل لما جمیع لدینا محضرون اس آیت میں ان مکسورہ مخففہ ہے جس کا عمل باطل ہو گیا ہے اور کل کو رفع ہے اور لما مخففہ لام فارقہ اور ما سے جو تاکید کیلئے زائد کیا گیا ہے مرکب ہے معنے یہ ہیں کہ ان کلهم مجموعون یوم القیامۃ محضرون عندنا للحساب تحقیق سب کے سب قیامت کے روز حساب کے لیے جمع کیے جائیں گے اور ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے اور اس صورت میں باعتبار اصل عمل دینا بھی جائز ہے جیسے آیت مذکورہ وان کلا لما لیوفینهم میں ان مکسورہ مخففہ عمل کر رہا ہے ۱۲ **قولہ یجوز دخولها علی الافعال الخ** اس کا عطف یجوز الغاؤها پر ہے ای وحینئذٍ یجوز دخولها الخ اور اس وقت جبکہ ان مکسورہ مخففہ ہو تو اس کا ان افعال پر داخل ہونا جو مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں جائز ہے جیسے افعال ناقصہ اور افعال قلوب وغیرہ جیسے قول باری تعالیٰ وان کنت من قبله لمن الغافلین تحقیق آپ اس سے پہلے غفلت والوں میں سے تھے اور جیسے قول باری تعالیٰ ان نظنک لمن الکاذبین تحقیق ہم تم کو جھوٹ بولنے والوں سے خیال کرتے ہیں اسلئے کہ اس میں اصل یہ تھا کہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا پس اگر تخفیف کی وجہ سے اس کی یہ اصل جاتی رہے تو کم از کم اس کو ان افعال پر داخل ہونا چاہیئے جو مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں تاکہ بقدر امکان اصل کے ساتھ رعایت باقی رہے اور اس وقت بھی اس کو لام تاکید لازم ہے جیسا کہ دونوں آیتوں میں موجود ہے ۱۲ **قولہ وکذلک ان المفتوحۃ الخ** یعنی ان مفتوحہ میں بھی تخفیف کر سکتے ہیں اور وہ تخفیف کے بعد علی سبیل الوجوب ضمیر شان میں عمل کرتا ہے بایں طور کہ ضمیر شان اس کا اسم اور وہ جملہ جو کہ ضمیر شان کی تفسیر ہے اس کی خبر ہے اور اگر کوئی کہے کہ ان مخففہ کے ضمیر شان میں عمل کرنے کی وجہ کیا ہے جواب یہ ہے کہ مفتوحہ کو بہ نسبت مکسورہ کے فعل کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ مکسورہ تو تخفیف کے بعد نثر کلام میں عمل کرتا ہے اور مفتوحہ عمل نہیں کرتا پس مفتوحہ کے بعد ضمیر شان کو مقدر مانیں گے تاکہ مکسورہ کی مفتوحہ پر فوقیت لازم نہ آئے ۱۲ **قولہ فتدخل علی الجملۃ الخ** یعنے ان مخففہ سب جملوں پر داخل ہو جاتا ہے برابر ہے کہ وہ اسمیہ ہو جیسے بلغنی ان زید قائم یا فعلیہ اور فعلیہ عام ہے کہ اس میں فعل ایسا ہو کہ جو مبتدا اور خبر پر داخل ہونے والا ہے یا ایسا فعل نہ ہو جیسے بلغنی ان قد علمت زیدا فاضلا اور بلغنی ان قد قام زید ۱۲ **قولہ ویجب دخول السین وسوف الخ** یعنی ان مفتوحہ بعد تخفیف کے جب فعل پر داخل ہو گا تو اس وقت فعل پر سین و سوف یا قد یا حرف نفی لازم ہو گا سین کی مثال قولہ تعالیٰ علم ان سیکون منکم مرضی اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ تحقیق تم عنقریب بیمار ہو گے اور سوف کی مثال قول الشاعر واعلم فعلم المرء ینفعه ان سوف یاتی کل ما قدرا۔ اور قد کی مثال قولہ تعالیٰ لیعلم ان قد ابلغوا رسٰلت ربهم اور حرف نفی کی مثال قولہ تعالیٰ افلا یرون ان لا یرجع الیهم ہے پھر امور مذکورہ کا لزوم اس وجہ سے ہے کہ ان مخففہ اور ان مصدریہ کے درمیان فرق ہو جائے لیکن حرف نفی چونکہ ان مفتوحہ اور مصدریہ دونوں کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اس لیے کہ دونوں میں فرق کرنے کیلئے حرف نفی کے ساتھ کسی اور چیز کا اعتبار کرنا پڑیگا اور وہ یہ کہ اگر وہ فعل کہ جس پر حرف نفی ہے منصوب ہو تو ان مصدریہ ہے ورنہ مخففہ پھر یہ حکم فعل متصرف کا ہے اور جب غیر متصرف فعل پر داخل ہو تو اس وقت امور مذکورہ میں سے کوئی شئے نہ آئیگی جیسے قولہ تعالیٰ وان لیس للانسان الا ما سعی اور جیسے قولہ تعالیٰ وان عسی ان یکون قد اقترب اجلهم ۱۲ **قولہ والضمیر الخ** یہاں سے مصنفؒ ان مفتوحہ مخففہ کی ترکیب بتا رہے ہیں کہ ضمیر شان مستتر ان مفتوحہ مخففہ کا اسم ہوگا اور جملہ جو اس کے بعد ہوتا ہے ان مفتوحہ مخففہ کی خبر ہوگا ۱۲ **قولہ وکان للتشبیه الخ** حروف مشبہ بالفعل میں سے ایک کان ہے اور اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ یہ مرکب ہے یا حرف براسہٖ ہے خلیل کہتا ہے کہ کان تشبیہ اور ان مکسورہ سے مرکب ہے اور مصنفؒ کا مختار بھی یہی ہے اور جمہورؒ کے نزدیک یہ ہے کہ یہ حرف براسہ ہے جس طرح پر اور اس کے نظائر حروف براسہ ہیں ترکیب کی صورت میں کاف کو اس مصدر سے مقدم کیا ہے تاکہ اول وہلہ میں معلوم ہو جائے کہ کلام ابتداء تشبیہ کے لیے ہے اور یہ تشبیہ کے لیے آتا ہے یعنی ایک شئے کو دوسری شئے کے ساتھ تشبیہ دینے کے لیے ہوتا ہے ۱۲۔ *

كاف التشبيه وانّ المكسورة وانّما فتحت لتقدم الكاف عليها تقديره ان زيداً كالاسد وقد تخفّف[2] فتلغى نحو كان زيدٌ اسدٌ ولكنّ للاستدراك[3] ويتوسط بين كلامين متغايرين فى المعنى نحو ما جاءنى القوم لكنّ عمرواً جاء وغاب زيد لكنّ بكراً حاضرٌ ويجوز معها الواو نحو قام زيدٌ ولكنّ عمرواً قاعدٌ وتخفّف فتلغى نحو مشى زيد لكن بكر عندنا وليت للتمنّى نحو ليت هنداً عندنا واجاز الفراء ليت زيداً قائماً بمعنى اتمنّى ولعلّ للترجى كقول الشاعر شعر

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ لَعَلَّ اللهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

وشذّ الجرّ بها نحو لعل زيدٍ قائمٌ وفى لعلّ لغاتٌ علّ وعنّ وأنّ ولأنّ ولعنّ

قولہ انما فتحت الخ یہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ جب کان حرف براسہ نہیں ہے بلکہ کاف تشبیہ اور ان مکسورہ سے مرکب ہے تو چاہیئے تھا کہ اس میں ہمزہ مکسور ہوتا نہ مفتوح حالانکہ ان کا ہمزہ مفتوح ہے مصنف جواب دیتے ہیں کہ کان میں ہمزہ کو فتحہ اس لیے ہے کہ کاف جو اصل میں حرف جر ہے ان پر مقدم ہے گو اب وہ جارہ ہونے کے حکم سے نکل گیا ہے اور حرف جر کے بعد جو آتا ہے وہ ان مفتوحہ ہوتا ہے اسی لیے کہ حرف جر مفرد پر داخل ہوتا ہے پس صورت کی رعایت کی وجہ سے اس کے ہمزہ کو فتح دیا گیا اگرچہ باعتبار معنے کے وہ مکسور ہے اور کان زیداً الاسد کی **تقدیر** ان زیداً کالاسد ہے تحقیق تمثیل خبر کے ہے کاف کو مقدم کر دیا تاکہ ابتدا تشبیہ شروع ہی سے معلوم ہو جائے اور ہمزہ ان کاف جارہ کی رعایت کی وجہ سے فتح سے بدل گیا اسلئے کہ حرف جارہ مفرد کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ سوال و جواب میں گذر چکا اور یہ خلیل کا مذہب ہے جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے لیکن جمہور نحاۃ کے نزدیک یہ اور حروف کی طرح سے حرف براسہ ہے کسی سے مرکب نہیں ہے کیونکہ حروف میں اصل عدم ترکیب ہے ۱۲ **قولہ قد تخفف الخ** کبھی کان میں تخفیف کر دی جاتی ہے اور بعد تخفیف کے وہ ملغی ہو جاتا ہے یعنی عمل نہیں کرتا اور یہ اصح مذہب ہے جیسا کہ قول شاعر، کان ثدیاہ حقان میں ثدیا مبتدا ہے اور مرفوع ہے اور وجہ تخفیف کے بعد اسکے عمل نہ کرنے کی یہ ہے کہ اس وقت اسکی مشابہت فعل کے ساتھ جاتی رہی آخر کے فتح زائل ہونیکی وجہ سے جاننا چاہیئے کہ کبھی اس کو اثبات تشبیہ یعنے تشبیہ ظاہر کرنے کیلئے نہیں بولتے بلکہ شک کیلئے لاتے ہیں جیسے کانک مشتی ۱۲ **قولہ ولکن للاستدراک الخ** حروف مشبہ بالفعل میں سے استدراک کیلئے آتا ہے استدراک کے معنی لغت میں پانا کسی چیز کو اور اصطلاح میں استدراک کے معنی کلام سابق سے وہم دور کرنے کے

۳ کے درمیان آتا ہے جو باعتبار معنے کے نفی اور اثبات میں متغائر ہوں برابر ہے کہ لفظ کے اعتبار سے متغائر ہوں یا نہ ہوں اول کی مثال جاء زید لیکن عمر لم یجی یعنی اس لیے کہ اس جگہ دونوں کلاموں میں متغائر معنوں کے ساتھ تغائر لفظی بھی ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ کلام اول مثبت اور کلام ثانی منفی ہے اور ثانی کی مثال زید حاضر لیکن عمرو غائب ہے اس لئے کہ ان دونوں کلاموں میں لفظی تغائر بالکل نہیں دونوں مثبت ہیں تغائر صرف معنوی ہے **قولہ ویجوز معہا الواو الخ** اور یہ جائز ہے کہ لکن کے ساتھ واؤ ذکر کریں برابر ہے کہ لکن مشدد ہو یا مخفف اور اس واؤ میں اختلاف ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ واؤ عطف جملہ علی الجملہ کیلئے ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ واؤ اعتراضیہ ہوتا ہے رضی نے اس کو اظہر قرار دیا ہے اور اس واؤ کو لکن سے پہلے اس واسطے زیادہ کرتے ہیں تاکہ اس لکن اور لکن عاطفہ کے درمیان فرق ہو جاوے کیونکہ عاطفہ پر دخول حرف عطف درست نہیں ہے ۱۲ **قولہ قد تخفف فتلغی الخ** یعنی لکن میں تخفیف ہو جاتی ہے اور وہ اس وقت ملغی ہو جاتا ہے عمل نہیں کرتا اس واسطے کہ تخفیف کے بعد اس کی مشابہت فعل کے ساتھ ضعیف ہو جاتی ہے اور لکن عاطفہ کے ساتھ لفظاً اور معنًی مشابہ ہو جاتا ہے اور لکن عاطفہ عامل نہیں جیسے مشی زید لکن بکر عندہ اور یہ مذہب اکثر کا ہے اور اخفش اور یونس جواز عمل کے قائل ہیں ۱۲ **قولہ ولیت للتمنی الخ** یعنی حروف مشبہ بالفعل میں سے لیت تمنی کیلئے ہے جیسے لیت الشباب یعود یعنی کاش جوانی لوٹ آئے اور فراء کہتا ہے کہ لیت کے بعد دونوں جزوں کو نصب دینا جائز ہے اسلئے کہ لیت بمعنے تمنی ہے پس لیت کے بعد دونوں جز بنا بر مفعولیت منصوب ہونگے اور لیت زیداً قائماً کہنا صحیح ہوگا ۱۲ **قولہ ولعل للترجی الخ** یعنی لعل ترجی کے لیئے ہے تمنی اور ترجی میں فرق یہ ہے کہ تمنی ہر شے کی ہوسکتی ہے ممکن ہو یا محال اور ترجی اس چیز کی ہوتی ہے کہ جس کا ہونا ممکن ہو پس لیت الشباب یعود کہہ سکتے ہیں اور لعل الشباب یعود نہیں کہہ سکتے کیونکہ جوانی کا لوٹنا ممکن نہیں ہے غرض یہ کہ لعل امر مرجو کی امید کی ظاہر کرنے کے واسطے آتا ہے جیسے قول شاعر احب الصالحین ولست منہم لعل اللہ یرزقنی صلاحاً یعنی میں نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہوں اور میں خود نہیں ہوں شاید اللہ تعالی مجھ کو صلاحیت عطا فرمادے ۱۲ **قولہ شذ الجر بہا الخ** یعنی لعل کی وجہ سے جر شاذ ہے جیسے قول شاعر لعل ابی المغوار منک قریب یعنی ابی المغوار تیرے نزدیک ہے پس اس مثال میں ابی المغوار لعل کی وجہ سے مجرور ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ شعر میں ابی المغوار لعل کی وجہ سے مجرور نہ ہو بلکہ اس پر اعراب حکائی ہو اور وہ ابی المغوار کے نام سے مشہور ہو پس قول شاعر سے استدلال صحیح نہ ہوگا ۱۲ **قولہ وفی لعل لغات الخ** جاننا چاہیئے . . . .

کہ لعل میں دس لغت ہیں جن میں سے مصنف نے چھ ذکر کئے ہیں اور سب لغات کی تفصیل یہ ہے (۱) لام کو حذف کر دیا جائے اور عل باقی رکھا جاوے (۲) عن لام اول کو حذف کر دیا اور لام ثانی کو نون سے بدل دیا گیا (۳) ان لام اول کو حذف کر دیا اور عین کو ہمزہ سے اور لام ثانی کو نون سے بدل دیا (۴) لان عین کو ہمزہ سے بدلا اور لام ثانی کو نون سے (۵) لعن ثانی لام کو نون مشددہ سے بدلا (۶) لعل اصل جیسے باقی (۷) عین کو غین معجمہ سے اور لام ثانی کو نون سے بدل دیا لغن ہوگیا (۸) رعن اول لام کو را سے بدلا اور لام ثانی کو نون سے (۹) زعن لام اول کو زاء معجمہ اور لام ثانی کو نون سے لعا بالمد لعلت بھی بولا جاتا ہے تاء مثناۃ زیادہ کر کے مبرد کہتا ہے (بقیہ بر صفحہ ۱۶۸)

[illegible]

وعند المبرّد اصله علّ زيد فيه اللام والبواقي فرع **فصل** حروف العطف عشرة الواو والفاء وثمّ[3]
وحتّى واو وامّا وام ولا وبل ولكن فالاربعة الاول للجمع فالواو[2] للجمع مطلقا نحو جاءني زيدٌ و
عمرٌو سواء كان زيدٌ مقدما في المجيء او عمرو والفاء للترتيب بلا مهلة نحو قام زيدٌ فعمرو اذا كان زيدٌ
متقدما وعمرٌو متاخرا بلا مهلة وثم للترتيب بمهلة نحو دخل زيد ثم عمرو اذا كان زيد متقدما وبينهما
مهلة وحتى كثم في الترتيب والمهلة الا ان مهلتها اقل من مهلة ثم ويشترط ان يكون معطوفها
داخلا في المعطوف عليه وهي تفيد قوة في المعطوف نحو مات الناس حتى الانبياء[4] او ضعفا نحو قدم الحاج حتى المشاة واو وامّا
وام ثلثتها لثبوت الحكم لاحد الامرين مبهما لا بعينه نحو مررت برجل او امراة وامّا[5] انما تكون

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۶۷) کہ لعل اس کی بھی اصل عل ہے لام شروع میں زیادہ کیا گیا ہے اور مذکورہ لغات فروع ہیں اور جمہور کے نزدیک لعل افصح اور اشہر ہے ۱۲ **قولہ حروف العطف الخ** حروف مشبہ بالفعل سے فارغ ہوکر مصنف نے حروف عاطفہ کو بیان کیا کہ حروف عاطفہ واو اور فاء اور ثم اور حتّی وغیرہ ہیں اور چار اول کے معطوف اور معطوف علیہ کو حکم واحد میں جمع کرنے کیلئے آتے ہیں حتی کہ جو حکم معطوف علیہ کا ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے عطف لغت میں بمعنی مائل کرنا یہ حروف بھی معطوف کو حکم اور اعراب میں معطوف علیہ کی طرف مائل کرتے ہیں ۱۲ **قولہ فالواو للجمع الخ** یہ واو کا بیان ہے حروف عاطفہ میں سے واو مطلق جمع کیلئے ہے جیسے جاءنی زیدٌ وعمرٌو (یعنی زید وعمر میرے پاس آئے پس مثال مذکور میں واو نے معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مطلق جمع کا فائدہ دیا اور یہ نہ بتایا کہ دونوں ایک ساتھ آئے یا آگے پیچھے مہلت کے ساتھ یا بدون مہلت کے بخلاف فاء اور ثم کے کہ یہ دونوں مطلق جمع کیلئے نہیں آتے بلکہ فاء بغیر مہلت کے ترتیب کیلئے ہے جیسے جاءنی عمرٌو فزیدٌ (یعنی عمرو میرے پاس پہلے آیا پھر زید پس مثال مذکور میں فاء نے اس امر کا فائدہ دیا کہ عمر پہلے آیا اور اس کے بعد زید فی الفور بغیر مہلت کے آیا اور ثم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں ترتیب مہلت کے ساتھ ہے جیسے جاءنی زیدٌ ثم خالد یعنی زید میرے پاس آیا اور دیر کے بعد پھر خالد آیا پس اس جگہ ترتیب مہلت کے ساتھ ہے **قولہ وحتی کثم الخ** مصنف کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ افادۂ ترتیب اور مہلت میں حتی ثم کے مثل ہے مگر فرق یہ ہے کہ حتی میں کم مہلت ہوتی ہے اور ثم میں زیادہ دوسرے حتی میں یہ شرط ہے کہ معطوف معطوف علیہ میں داخل ہو یعنی حتی میں ضروری ہے کہ معطوف اپنے متبوع کا جزو ہو اور اس وجہ سے ضروری ہے تاکہ جو حکم کے لئے ہے وہ **معطوف کے واسطے قوۃً یا ضعفاً ہو تو اگر** . . . . . .
. . . . معطوف علیہ کا جزو قوی ہے تو فائدہ قوت کا دیگا جیسے مات الناس حتی الانبیاء (یعنی سب لوگ مرے یہاں تک کہ انبیاء نے بھی وفات پائی اور اگر جزو ضعیف ہے تو ضعف کا فائدہ دیگا جیسے قدم الحاج حتی المشاۃ یعنی سب حاجی آگئے یہاں تک کہ پیادے جو لوگ تھے وہ بھی آگئے حتی و ثم میں تیسرا فرق یہ بھی ہے حتی میں مہلت ذہنی ہوتی ہے اور ثم میں مہلت خارجی جیسا کہ ظاہر ہے کہ مات الناس حتی الانبیاء میں تمام آدمیوں کی موت کے بعد انبیاء کی وفات ایک ذہنی شے ہے خارج میں یہ ترتیب نہیں بلکہ انبیاء کی وفات دیگر انسانوں کی موت کے درمیان ہے نیز جاننا چاہیئے کہ نحاۃ اس امر پر متفق ہیں کہ حتی عاطفہ میں واجب ہے کہ اس کا معطوف معطوف علیہ میں حقیقۃً داخل ہو اسی بناء پر مثال منت البارحۃ حتی الصباح میں الصباح کو جر ہے نہ کہ نصب شیخ رضی فرماتے ہیں کہ حتی عاطفہ کا مابعد اس کے ماقبل کا جزو ہوتا ہے یا اس کا جزو ہوتا ہے جس پر ماقبل حتی دلالت کرتا ہے اور حتی جارہ کے متعلق اکثر نحاۃ جائز کہتے ہیں کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل کے آخر کے ساتھ متصل ہو جیسے منت البارحۃ حتی الصباح شیخ رضی کا یہ کلام صاف بتلا رہا ہے کہ حتی عاطفہ کیلئے واجب ہے کہ اسکا مابعد اس کے ماقبل کا حقیقی جزو ہو اور اس میں اسکا جزو اعتباری ہونا کافی نہیں ہے ۱۲ **قولہ او واما وام الخ** یہاں سے مصنف ان حروف عطف کو بیان کرتے ہیں جو دو امروں میں سے کسی ایک امر مبہم کیلئے آتے ہیں جو علم متکلم میں غیر معین ہو اور وہ لوگ او اور اما و ام ہیں ان میں سے او دو امروں میں سے کسی ایک امر مبہم کیلئے موضوع ہے خواہ متکلم کے نزدیک مبہم ہوں اس صورت میں او شک کے واسطے ہو جاوے گا خواہ متکلم کو معلوم ہو اور متکلم نے سامع پر ابہام کا قصد کیا ہو یا تفصیل کا یا اباحت کا یا تسویہ کا کیونکہ او کا مدلول دو امروں میں سے ایک کیلئے ہوتا ہے اور خصوصیات قرینوں سے سمجھی جایا کرتی ہیں اور جس طرح دو امروں میں سے کسی ایک امر مبہم کیلئے یہ تینوں آتے ہیں ایسے ہی دو سے زیادہ امروں میں سے کسی ایک مبہم امر کے لئے آتے ہیں مصنف نے اقل درجہ کو بیان کیا ہے جاننا چاہیئے کہ او الی اور الا کے معنی میں بھی آتا ہے . . .
. . . . . جیسا کہ پہلے معلوم ہوا اور بل کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ وارسلناہ الی مائۃ الف او یزیدون ۱۲ **قولہ واما انما تکون الخ** قطرب کے ماسوائے اما عاطفہ میں کسرہ لفظی کرتے ہیں قطرب نے فتح کی حکایت کی ہے اور سیبویہ کہتا ہے کہ ان اور ما سے مرکب ہے اور اس کے ماسوائے سب اس کو مفرد مستقل کلمہ قرار دیتے ہیں کیونکہ حروف میں افراد اصل ہے اور ابو علی اور عبد القاہر نے اس کے عواطف میں سے ہونے کا انکار کیا ہے اور اس پر دو وجہ بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ یہ معطوف علیہ کے اول میں آتا ہے حالانکہ حرف عطف معطوف علیہ کے اول میں نہیں آتا ہے دوسرے جو اما کہ معطوف کے اول میں ہوتی ہے اس کے ساتھ واو عاطفہ ملا ہوا ہوتا ہے جو کہ عطف میں اصل ہے اسی کے ساتھ عطف ہوگا لہذا ہر دو اما جو کہ معطوف اور معطوف علیہ کے اول میں ہے عطف کیلئے ہونے ص
ص کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں اندلسی کہتا ہے کہ اما اوّل مع ثانی کے حرف عطف ہے (بقیہ بر صہ ۱۶۹ پر) ۴

حرف العطف اذا تقدمتها اما اخرى نحو العدد اما زوج واما فرد و يجوز ان يتقدم اما على او نحو زيد اما كاتب او امي وام على قسمين متصلة وهي ما يسئل بها عن تعيين احد الامرين والسائل بها يعلم ثبوت احدهما مبهما بخلاف أو واما فان السائل بهما لا يعلم ثبوت احدهما اصلا و تستعمل بثلثة شرائط الاول ان يقع قبلها همزة نحو ازيد عندك ام عمرو والثاني ان يليها لفظ مثل ما يلي الهمزة اعني ان كان بعد الهمزة اسم فكذلك بعد ام كما مر وان كان بعد الهمزة فعل فكذلك بعدها نحو اقام زيد ام قعد فلا يقال ارأيت زيدا ام عمرا والثالث ان يكون احد الامرين المستويين محققا وانما يكون الاستفهام عن التعيين فلذلك يجب ان يكون جواب ام بالتعيين دون نعم او لا فاذا قيل ازيد عندك ام عمرو فجوابه بتعيين احدهما اما اذا سئل بأو واما فجوابه نعم او لا ومنقطعة

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۸) اما اول میں اس غرض سے لاتے ہیں تاکہ اول امر ہی میں معلوم ہو جاوے کہ یہ کلام شک پر مبنی ہے واؤ جو دوسرے اما کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے یہ اما ثانیہ کو اما اولیٰ پر عطف کرنے کے واسطے ہوتا ہے یا واؤ اور اما دونوں ایک حرف کے مثل ہو گئے ہیں دونوں سے مابعد کو ماقبل پر عطف کیا جا رہا ہے لیکن اندلسی کے اس قول کو چند وجوہ سے بارد قرار دیا گیا ہے مطولات میں جو بات مذکور ہیں ۱۲ قولہ اما اخری الخ حاصل کلام یہ ہے کہ اما کے ذریعہ سے عطف اس وقت کرنا درست ہوتا ہے جبکہ معطوف علیہ کے اول میں ایک اما زائد کر دیا جاتا ہے غرض یہ کہ معطوف علیہ کے اول میں اما کا لانا واجب ہوتا ہے بخلاف جب او سے عطف کریں تو معطوف علیہ کے اول میں اما لانا واجب نہیں ہوتا ہے بلکہ جائز ہوتا ہے لیکن اما کا لانا نہ لانے سے اولیٰ ہے لہٰذا اما کاتب او امی بولنا بھی درست ہوگا اور کاتب او امی بولنا بھی درست ہوگا لیکن اول افصح ہے ۱۲ قولہ وام الخ یہاں سے وام کے معنی کی تحقیق اور ام اور اما اور او کے درمیان جو فرق ہے اس کو شروع کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے کہ ام کی دو قسمیں ہیں ایک متصلہ اور دوسرا منقطعہ ام متصلہ کے ذریعہ سے دو امروں میں سے ایک کی تعیین سے سوال کیا جاتا ہے ایسی حالت میں کہ سائل جانتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا ثبوت ہے یعنی دو امروں میں سے کسی ایک امر کی جو لا علی التعیین ثابت ہے تعیین طلب کی جاوے بخلاف او اور اما کے کہ ان کے ذریعہ سے بھی دو امروں میں سے کسی ایک امر مبہم کے ثبوت سے سوال ہوتا ہے لیکن سائل سوال کے وقت یہ نہیں جانتا ہے کہ دو امروں میں سے لا علی التعیین کونسا ثابت ہے جیسے مثلاً جب کہا جاوے کہ ازید عندک ام عمرو تو مقصود یہ ہوتا ہے کہ مجھ کو معلوم ہے کہ زید اور عمرو میں سے ایک کا وجود مخاطب کے پاس ہے لیکن متکلم تعیین نہیں کر سکتا ہے مخاطب سے تعیین کرانا چاہتا ہے اور جب کہا جاوے ازید عندک او عمرو یا کہا جاوے اما زید عندک واما عمرو تو مقصود یہ ہے کہ مجھ کو نہیں معلوم کہ ان دونوں میں سے کوئی سا تیرے پاس ہے یا نہیں انہیں سے ہونے اور نہ ہونے کو دریافت کرتا ہے وجود کے بعد طلب تعیین سے سوال نہیں ہے ۱۲ قولہ تستعمل بثلثۃ شرائط الخ مصنفؒ کہتے ہیں کہ ام متصلہ کا استعمال تین شرطوں کے ساتھ ہوتا ہے یعنی جب تینوں شرطیں پائی جائیں گی تو ام متصلہ کا استعمال درست ہوگا ورنہ درست نہیں ہوگا جس میں پہلی شرط یہ ہے کہ ام متصلہ سے پہلے ہمزہ استفہامی ہو نہ ہل کیونکہ ہمزہ استفہام میں غرق ہے بخلاف ہل کے کہ وہ بمعنے قد بھی آتا ہے لیکن ہمزہ استفہام میں تعمیم ہے خواہ لفظاً ہو جیسے ازید عندک ام عمرو خواہ تقدیری ہو جیسے صدری بہا افضی ام الصبر ارضی لصدری اور جیسے لعمری ما ادری وان کنت داریا بسبع رمیت الجمار ام بثمان اے السبع بخلاف او اور اما کہ ان سے پہلے ہمزہ کا واقع ہونا ضروری نہیں ہے دوسری شرط یہ ہے کہ ام کے ساتھ اول قسم کا ہمزہ کے ساتھ اسم لگا ہوا ہو تو ام کے ساتھ بھی اسم لگا ہوا ہو جیسے ازید عندک ام عمرو اور اگر ہمزہ کے ساتھ فعل متصل ہو تو ام کے بھی ساتھ فعل متصل ہو اسم کا اتصال درست نہ ہوگا اقام زید ام قعد بخلاف او اور اما کہ ان دونوں میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس قسم کا لفظ ہمزہ سے ملا ہوا ہو اسی قسم کا لفظ او اور اما کے ساتھ ملا ہوا ہو لہٰذا ام میں جب یہ ضروری ہے کہ جس قسم کا لفظ ہمزہ سے ملا ہوا ہو اسی قسم کا لفظ ام سے بھی ملا ہوا ہو لہٰذا ضروری ہوا کہ ارایت زیدا ام عمرو بولنا غلط ہو کیونکہ جیسے قسم کا کلمہ ہمزہ کیساتھ متصل ہے اسی طرح کا ام کے متصل نہیں ہے چنانچہ ہمزہ کے ساتھ فعل متصل ہے اور ام کے اسم سے متصل ہے تیسری شرط یہ ہے کہ متکلم کے نزدیک دونوں امروں میں سے کوئی ایک یقینی طور سے ثابت ہو استفہام فقط دونوں میں سے ایک کی تعیین کیا جا رہا ہے تو چونکہ متکلم کے نزدیک دونوں میں سے کوئی ثابت ہوتا ہے تو سوال میں تعیین مطلوب ہوتی ہے جیسے مثلاً کہا کہ ازید عندک ام عمرو پس مثال مذکور میں بعد ثبوت اس امر کے کہ مخاطب کے پاس زید اور عمرو میں سے لا علی التعیین ایک ہے متکلم تعیین چاہتا ہے کہ وہ زید ہے یا عمرو تو چونکہ سوال ایک معین کے ثبوت سے ہے اسی وجہ سے ام کا جواب احد الامرین کی تعیین سے ہوگا یعنی سوال مذکور کے جواب میں ایک معین کہنا ہوگا نعم اور لا کے ساتھ جواب دینا غلط ہوگا مثلاً جواب میں کہا جاویگا زید عندنا یا عمرو عندنا بخلاف جبکہ او یا اما سے سوال کیا جاوے تو جواب میں نعم یا لا کہنا درست ہوگا کیونکہ مطلوب سوال سے احد الامرین کا ثبوت بلا تعیین کے ہوتا ہے مثلاً کہا کہ اجاءک زید او عمرو یا اجاءک اما زید واما عمرو تو جواب میں اگر نعم کہدیا تو درست ہوگا ۱۲

❖ ❖ ❖

وهي ما تكون بمعنى بل مع الهمزة كما اذا رأيت شبحا من بعيد قلت انها لابل على سبيل القطع ثم حصل لك شك انها شاة فقلت ام هي شاة تقصد الاعراض عن الاخبار الاول والاستيناف بسؤال آخر معناه بل أهي شاة واعلم ان ام المنقطعة لا تستعمل الا في الخبر كما مرّ وفي الاستفهام نحو اعندك زيد ام عمرو وسألت اولا عن حصول زيد ثم اضربت عن السؤال الاول واخذت في السؤال عن حصول عمرو ولا وبل ولكن جميعها لثبوت الحكم لاحد الامرين معينا اما لا فلنفي ما وجب للاول عن الثاني نحو جاءني زيد لا عمرو وبل للاضراب عن الاول والاثبات للثاني نحو جاءني زيد بل عمرو ومعناه بل جاءني عمرو وما جاء بكر بل خالد معناه بل ما جاء خالد ولكن للاستدراك ويلزمها النفي قبلها نحو ما جاءني زيد لكن عمرو جاء او بعدها نحو قام بكر لكن خالد لم يقم فصل

قولہ والمنقطعۃ وہی ما تکون بمعنی بل الخ دوسری قسم کا نام منقطع ہے اور یہ ام منقطعہ بل اور ہمزہ کے معنے میں ہوتا ہے یعنی پہلے کلام سے اعراض ہوتا ہے اور دوسرے کلام میں شک ہوتا ہے اور یہ معنی ام کے اکثر ہے کبھی محض اضراب کیلئے آتا ہے جبکہ ام کا مابعد مقطوع ہو یعنی امر یقینی ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ام انا خیر من ھذا الذی ھو مھین یہاں پر استفہام کے کچھ معنے نہیں ہے ایسے ہی جب ام کا مابعد استفہام پر شامل ہوتا ہے تو تب ام اضراب کیلئے ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ام ہل تستوی الظلمات والنور غرضیکہ ام اکثر بل اور ہمزہ کے معنی میں آتا ہے جیسے مثلاً ایک شئ کو دور سے دیکھا اور اس کو اونٹ سمجھ کر یقین سے کہہ دیا کہ انہا لابل یعنی بیشک وہ صورت البتہ اونٹ ہے پھر شک ہوگیا اور خیال ہوا کہ وہ صورت بکری کی ہے اور اونٹ کی نہیں تو اس شک کے بعد پہلے کلام انہا لابل سے اعراض کرکے کہتا ہے ام ہی شاۃ تو ام ہی شاۃ کلام سے میرا مقصد پہلے کلام سے اعراض ہے اور دوسرے کلام سے سوال کی ابتدا ہے لہذا ام ہی شاۃ کے معنے بل ہی شاۃ ام شئ آخر یعنی بلکہ بکری ہے یا دوسری چیز ہے یہاں پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے جس کی تقریر یہ ہے کہ انہا لابل ام ہی شاۃ میں عطف الانشاء علی الاخبار ہے اور اس کے عطف کے عدم جواز پر سب کا اتفاق ہے جواب یہ ام ہی شاۃ استفہام مستانف ہے اس وجہ سے انشاء کا عطف اخبار پر لازم نہیں آئیگا لیکن اس جواب میں یہ خرابی لازم آتی ہے کہ یہ ام منقطعہ حروف عطف سے نہ ہو بلکہ یہ حرف استیناف ہوگا حالانکہ اس کو حروف عطف سے شمار کررہے ہیں لہذا بہتر جواب ہے کہ کہا جاوے کہ انشاء کا عطف اخبار پر مطلقاً ناجائز نہیں بلکہ جبکہ اخبار اور انشاء دونوں قصہ کے تاویل میں ہو جاویں تو پھر عطف جائز ہو جاویگا خاص کر مقام اضراب میں یہاں پر ایسا ہی ہے ۱۲ **قولہ اعلم ان ام المنقطعۃ الخ** ام منقطعہ کے استعمال کی دو صورتیں ہیں کبھی بعد خبر واقع ہوتا ہے جیسا کہ مثال مذکور میں اور کبھی بعد استفہام کے واقع ہوتا ہے جیسے ازید عندک ام عمرو اس میں اولاً زید کے حصول سے سوال کیا ہے پھر اول سوال سے اعراض کرکے عمرو کی موجودیت سے سوال شروع کردیا ہے ۱۲ **قولہ اولاً الخ** اولاً سألت کا مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی سألت زماناً سابقاً او وقتاً ماضیاً عن حصول زید ۱۲ **قولہ ولا وبل ولکن الخ** یہ تینوں ایسے حروف عطف ہیں [illegible] معطوف اور معطوف علیہ میں سے کسی ایک کی طرف بعد تعیین کے نسبت حکم کرتے ہیں لیکن ان میں سے لا ثانی اس شئ کی نفی کے واسطے آتا ہے جس کو اول کیلئے ثابت کیا ہے جیسے جاءنی زید لا عمرو پس لا عاطفہ سے اس جگہ معطوف سے اس حکم کی نفی کرے کہ جو معطوف علیہ کیلئے ثابت ہے اس امر کا فائدہ دیا کہ حکم مذکور صرف معطوف علیہ کیلئے ثابت ہے اور بل ان میں سے اضراب اور ثانی کے واسطے ثابت کرنے کیلئے آتا ہے یعنی معطوف علیہ سے اعراض ہوتا ہے اور حکم معطوف کیلئے ثابت ہوتا ہے جیسے جاءنی زید بل عمرو یعنی میرے پاس زید آیا پھر اس سے اعراض کرکے کہا نہیں بلکہ عمرو آیا پس ظاہر ہے کہ اس جگہ تعیین کے ساتھ حکم معطوف کیلئے ہے اور معطوف علیہ حکم میں مسکوت عنہ کے ہے گویا یہ حال اس وقت ہے کہ جب کہ بل کلام مثبت میں واقع ہو اور اگر کلام منفی میں واقع ہو جیسے ما جاءنی زید بل عمرو تو اس میں اختلاف ہے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بل کلام منفی میں حکم منفی کو معطوف علیہ سے معطوف کی طرف پھیر دیتا ہے چنانچہ ان لوگوں کے نزدیک مثال مذکور کے یہ معنی ہے ما جاءنی زید بل ما جاءنی عمرو پس اس وقت حکم منفی صرف معطوف کیلئے ہے اور معطوف علیہ حکم میں مسکوت عنہ کے ہے اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بل معطوف علیہ سے معطوف کی طرف اس حکم کو پھیرتا ہے جو کہ معطوف علیہ سے منفی ہے چنانچہ ان لوگوں کے نزدیک مثال مذکور کے یہ معنی ہے کہ ما جاءنی زید بل عمرو جاءنی پس اس وقت بھی حکم معطوف کیلئے ہوا اور معطوف علیہ یا تو مسکوت عنہ کے درجہ میں ہے یا معطوف کیلئے جو حکم ثابت کیا گیا ہے وہ معطوف علیہ سے منفی ہے ۱۲ **قولہ ولکن للاستدراک الخ** لکن استدراک یعنی دفع وہم سابق کیلئے آتا ہے جیسے ما قام زید لکن عمرو جاء اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لکن کو نفی لازم ہے برابر ہے کہ وہ نفی لکن سے پہلے ہو یا اس کے بعد پھر لکن میں دو صورتیں ہیں یا اس سے جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا جیسے جاءنی زید لکن عمرو قد جاء اور یا مفرد کا مفرد پر جب لکن کو نفی لازم ہے تو اب لکن کے ذریعہ معطوف علیہ میں سے ایک کے لیے تعیین کے ساتھ حکم ہونا ظاہر ہے ۱۲

حروف التنبیہ ثلثۃ الا واما وھا وضعت لتنبیہ المخاطب لئلا یفوتہ شئ من الکلام فالا واما لا یدخلان الا علی الجملۃ الاسمیۃ کانت نحو قولہ تعالیٰ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وقول الشاعر شعر

اَمَا وَالَّذِیْ اَبْکٰی وَاَضْحَکَ وَالَّذِیْ اَمَاتَ وَاَحْیٰی وَالَّذِیْ اَمْرُہُ الْاَمْرُ

اوفعلیۃً نحو اما لا تفعلُ والا لا تضربْ والثالث ھا تدخل علی الجملۃ الاسمیۃ نحو ھا زیدٌ قائمٌ والمفرد نحو ھذا وھؤلاء **فصل** حروف النداء خمسۃٌ یا وایا وھیا وای والھمزۃ المفتوحۃ فای والھمزۃ للقریب وایا وھیا للبعید ویا لھما وللمتوسط وقد مر احکام المنادی **فصل** حروف الایجاب ستۃٌ

قولہ حروف التنبیہ الخ تنبیہ کے معنے بیدار کرنا کسی چیز پر خبردار کرنا حروف تنبیہ تین ہیں الا اما ہا یہ حروف جملہ کے سر پر آتے ہیں تاکہ مخاطب اس کلام کے کسی جزء سے بھی غفلت نہ کرے جس کو متکلم اس کی طرف القا کر رہا ہے اسی وجہ سے ان کا نام حروف تنبیہ رکھا ہے اور چونکہ غرض مذکور پر یہ دلالت کرنے کی وجہ سے شروع میں آتے ہیں اس وجہ سے ان کا نام حروف استفتاح بھی رکھا جاتا ہے ان میں سے الا فتح ہمزہ اور تخفیف لام کیساتھ ہے اور ان میں سے اما فتح ہمزہ تخفیف میم کیساتھ ہے اور اس میں چند لغت ہیں (۱) ہما ہمزہ کو ہا سے بدلنے اور الف کو باقی رکھنے کے ساتھ (۲) عما ہمزہ کو عین سے بدلنے اور الف کو باقی رکھنے کے ساتھ (۳) ہم ہمزہ کو ہا سے بدلنے اور الف کو حذف کرنیکے ساتھ (۴) عم ہمزہ کو عین سے بدلنے اور الف کو گرا دینے کے ساتھ (۵) فقط الف کو گرانے کے ساتھ ۱۲ **قولہ وضعت الخ** یعنی حروف تنبیہ کی وضع اس غرض سے ہوئی ہے کہ ان کے ذریعہ سے مخاطب کو متنبہ کر دیا جائے تاکہ اس سے کلام کا کوئی حصہ رہ نہ جائے ۱۲ **قولہ فالا واما الخ** یعنی ان میں سے الا اور اما دونوں جملہ پر ہی فقط داخل ہوتے ہیں خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو جیسے قولہ تعالیٰ الا انھم ھم المفسدون کو کہ انہم یہ جملہ اسمیہ ہے اس کے اول میں الا حرف تنبیہ لایا گیا ہے ایسے ہی اس شعر میں اما والذی ابکی الخ یہ شعر ابو الفتح مزنی کا ہے اس میں اما حرف تنبیہ ہے اور واو قسمیہ الذی ابکی پر مقسم بہ ہے اور اضحک کا ابکی پر عطف ہے اور والذی امات واحی اور والذی امرہ الامر دونوں کا عطف الذی سابق پر ہے جواب قسم اگلے شعر میں ہے ابکاء رولانا اضحاک ہنسانا اماتۃ مارنا احیاء زندہ کرنا امر بمعنے حکم اس شعر میں حرف تنبیہ جملہ اسمیہ پر داخل ہے اور جس طرح جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں فعلیہ پر بھی داخل ہوتے ہیں جیسے اما لا تفعل خبردار مت کر والا تضرب خبردار مت مار ۱۲ شعر کا ترجمہ یہ ہے ”آگاہ قسم ہے اس ذات کی جو رلاتا ہے اور ہنساتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جو مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کا حکم حکم ہے ۱۲ **قولہ والثالث الخ** یعنی تیسرا حرف تنبیہ ہا ہے اس کا دخول جملہ اسمیۃ ہوتا ہے اور مفرد پر مصنفؒ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاء تنبیہ ہر مفرد پر داخل ہوتی ہوگی حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس فن کی معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہائے تنبیہ تمام مفردات میں سے صرف اسم اشارہ پر داخل ہوتی ہے زمخشری نے عرب کا جو قول (ہا ان زیداً منطلق وہا افعل کذا) نقل کیا ہے اسکے متعلق رضی کہتا ہے کہ یہ ایسی چیز ہے کہ جس کے مشاہدہ پر مجھ کو خبرداری نہیں ہے جاننا چاہئے کہ کبھی ہا اور اسم اشارہ کے درمیان فصل کرتے ہیں اور یہ اکثر یا تو قسم کے ساتھ ہوتا ہے جیسے ہا اللہ یا ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ جیسے ہا انتم اولاء اور الا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو ہا اسم اشارہ اور اس کے درمیان فصل بطور قلت کے پایا جاتا ہے جیسے ہا ان تا عذرۃ قبلت اور خلیل کا مذہب یہ ہے کہ ان تمام امثلہ میں ہا اسم اشارہ کے ساتھ متصل ہے یعنی قیاس یہ تھا کہ اللہ ہذا وانتم ہؤلاء وان ہاتا عذرۃ کہا جاتا لہذا ان سب جگہ فصل شاذ کے درجہ میں ہے ۱۲ **قولہ حروف النداء الخ** النداء بالکسر والمد بمعنی آواز دینا مصدر نادیٰ کا ہے اور معنی اصطلاحی پہلے گذر چکے ہیں کہ پانچ حروف ہیں جیسا کہ کتاب میں مذکور ہے ان میں سے ایا ھیا بعید کے واسطے ہیں خواہ حقیقۃً بعید ہو خواہ حکماً جیسے ساہی نائم تحیر ایا اور ہیا بعید کے واسطے اسوجہ سے مخصوص ہیں کہ بعید کو آواز دینے کو آواز کو اونچا کرنا ضروری ہے اور حروف کا زیادہ ہونا اور مد سے ہی ہوسکتا ہے اور یہ ایا اور ہیا میں پایا جاتا ہے اور ہا میں نہیں ہے اس وجہ سے یہ دونوں بعید کے واسطے ہیں اور اے اور ہمزہ میں حروف کی زیادتی بھی نہیں ہے اور مد بھی نہیں ہے اس وجہ سے یہ دونوں قریب کیلئے ہو گئے ہیں اور یا میں مد نہیں ہے اگرچہ زیادۃ حرف اس میں ہے اس وجہ سے یہ قریب اور بعید دونوں کیلئے ہے اس سے یہ امر بھی ظاہر ہو گیا کہ ہمزہ اقرب کیلئے ہے اور اے قریب کے لیے ۱۲ منہ **قولہ ویا لھما الخ** یعنی یا بعید اور قریب اور متوسط سب کیلئے آتا ہے جاننا چاہیئے کہ یا جس طرح معنی کے اعتبار سے عام ہے اسی طرح موارد استعمال کے اعتبار سے بھی عام ہے چنانچہ حروف ندا میں سے مذکور بھی ہوتی ہے اور محذوف اور حرف ندا میں سے . . . . اور کوئی حرف محذوف نہیں ہوتا ہے اور اسم اللہ کی بھی ندا یا کے ساتھ کی جاتی ہے اور ندبہ اور استغاثہ میں بھی حروف ندا سے فقط یہی مستعمل ہوتی ہے ۱۲ **قولہ حروف الایجاب الخ** ایجاب کے معنے جواب دینا اور ثابت کرنا ہے کیونکہ یہ حروف جواب دینے اور تصدیق اور اثبات اور تحقیق کے واسطے آتے ہیں اسوجہ سے ان کو حروف ایجاب کہا جاتا ہے نیز ان کا نام حروف تصدیق بھی ہے ایجاب سے مراد یہاں پر مقابل نفی نہیں ہے یہاں پر جواب دینا ہے خواہ ماسبق کی تقریر کے ساتھ ہو خواہ نفی سابق کے اثبات کے ساتھ ہو ۱۲

نعم وبلیٰ واجل وجیر وان ای اما نعم فلتقریر کلام سابق مثبتا کان او منفیا نحو اجاء زید قلت
نعم واما جاء زید قلت نعم وبلیٰ تختص بایجاب ما نفی استفهاما کقوله تعالیٰ الست بربکم قالوا بلیٰ او خبرا
کما یقال لم یقم زید قلت بلیٰ ای قد قام وای للاثبات بعد الاستفهام ویلزمها القسم کما اذا قیل
هل کان کذا قلت ای واللہ واجل وجیر وان لتصدیق الخبر کما اذا قیل جاء زید قلت اجل او
جیر او ان ای اصدقك فی هذا الخبر **فصل** حروف الزیادة سبعة ان وان وما ولا
ومن والباء واللام فان تزاد مع ما النافیة نحو ما ان زید قائم

قولہ اما نعم الخ اس میں چار لغت ہیں (۱) نون اور عین کا فتح اور یہ اس میں مشہور لغت ہے (۲) نون کا فتح اور عین کا کسرہ (۳) نون کا کسرہ اور عین کا کسرہ (۴) نحم یعنی عین مفتوحہ حا حطی سے بدل لیتے ہیں غرض کہ مصنفؒ یہاں سے حروف ایجاب کی تفصیل شروع کرتا ہے کہتا ہے کہ نعم مضمون سابق کی تقریر کیلئے آتا ہے اگر کلام سابق مثبت ہے تو مثبت کی تقریر کریگا جیسے کوئی شخص اقام زید کہے اور اس کے جواب میں نعم کہا جاوے مطلب یہ ہوگا نعم قام زید اور اگر کلام سابق منفی ہے تو منفی کو ثابت کریگا مثلاً کسی شخص نے کہا ما جاء زید اس کے جواب میں کہا نعم تو مطلب یہ ہوگا کہ یہاں زید کیلئے مجیئ ثابت نہیں ہے یعنی ہاں زید نہیں آیا ۱۲ **قولہ بلیٰ الخ** بلیٰ ایجاب نفی کے ساتھ مختص ہے یہاں تک کہ کلام منفی کے جواب میں آتا ہے اور اس کو مثبت کردیتا ہے خواہ نفی استفہام کے ساتھ ہو جیسے قولہ تعالیٰ الیس اللہ بکاف عبدہ کے جواب میں بلیٰ کہیں اے بلیٰ اللہ بکاف عبدہ یعنی ہاں اللہ بندے کو کافی ہے یا بدوں استفہام کے ہو جیسے کسی نے لم یقم زید کہا اور اس کے جواب میں بلیٰ کہیں تو مطلب ہوا بلیٰ رکب زید۔ آیت کریمہ الست بربکم میں نفی استفہام کیساتھ ہے لہذا اس کے جواب میں جو بلیٰ کہا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہوا کہ بلیٰ انت ربنا ۱۲ **قولہ ای الخ** ای تیسرا حرف ایجاب ہے یہ استفہام کے بعد ایجاب کیواسطے آتا ہے بعض کہتے ہیں کہ خبر کی تصدیق کیلئے بھی آتا ہے اور ابن مالک کہتا ہے کہ ای بمعنی نعم ہے اسکا یہ قول ابن حاجبؒ اور مصنفؒ کے قول کے مخالف ہے اور قسم اسکو لازم ہے یعنی اسکا استعمال قسم کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور فعل قسم مع حرفہ اسکے بعد ذکر نہیں کیا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی کہے ہل کان کذا یعنی کیا ایسے تھا تو جواب میں ای واللہ کہتے ہیں یعنی ہاں اللہ کی قسم ایسے ہی تھا اور ای اقسمت واللہ نہیں بولا جاتا ہے البتہ کبھی حرف قسم کو حذف کردیتے ہیں اور اسوقت مقسم بہ کو نصب دیتے ہیں اور یوں بولتے ہیں ای اللہ اور اگر حرف تنبیہ مقسم بہ کے اول میں لائیں تو پھر مقسم بہ کو جر بھی دیتے ہیں اور یوں بولتے ہیں ای ہا اللہ کیونکہ اس وقت حرف تنبیہ حرف جار کے قائم مقام ہو جاتا ہے چاہئے کہ اگر ہا تنبیہ ای کے بعد لاویں اور نہ حرف قسم تو پھر ای میں تین صورتیں ہیں ایک یا ای کا حذف کرنا التقاء ساکنین کی وجہ سے دوسرے یا کا فتح تاکہ اجتماع ساکنین دفع ہو جاوے اور فتح خفت کی وجہ سے دیتے ہیں تیسری صورت یہ ہے کہ اجتماع ساکنین کو باقی رکھتے ہیں تاکہ حرف ایجاب کی محافظت رہے اگرچہ اجتماع ساکنین علیٰ حدہ سے کیونکہ دو کلموں میں لازم آیا ہے مگر ان دونوں کلموں کو بمنزلہ ایک کلمہ قرار دے دیا ہے اس وجہ سے یہ اجتماع ساکنین علیٰ حدہ کے مشابہ ہو گیا نیز جاننا چاہئے کہ ای کے ساتھ جو قسم لائی جاتی ہے اس میں مقسم بہ ہمیشہ لفظ اللہ ہی لایا جاتا ہے ۱۲ **قولہ اجل وجیر وان الخ** یہ تینوں کلمے ہیں یہ خبر دینے والے کی تصدیق کیلئے آتے ہیں اور استفہام کرنے والے کی تصدیق کے واسطے یہ نہیں آتے ہیں مثلاً جب کسی نے کہا جاء زید اور تم نے جواب میں اجل کہدیا یا جیر یا ان تو تم نے اس خبر کے قائل کی تصدیق کی اور گویا کہ تم نے اصدقک فی ہذا الخبر کہا اور بعض کہتے ہیں کہ اجل نعم کے مانند ہے اور ان بعض میں سے اخفش بھی ہے چنانچہ یہ کہتا ہے کہ نعم استخبار میں احسن ہے اور جیر خبر میں اور بعض کہتے ہیں کہ عرب کے نزدیک جیر اسم قسم ہے بولتے ہیں جیر لافعلن کذا یعنی حقا لافعلن کذا یعنی جیر بمعنی حقا ہے بعض کہتے ہیں جب اس پر تنوین داخل ہو جاتی ہے تو دخول تنوین کے بعد یہ اعتراف اور اقرار کیواسطے آتا ہے اور کبھی ان تصدیق دعا کیلئے بھی آیا ہے چنانچہ ابن زبیرؓ کے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے ایک چیز کا سوال کیا اور ابن زبیرؓ نے اسکو وہ چیز نہ دی تو اعرابی نے کہا لعن اللہ ناقۃ حملتنی الیک تو اسوقت اسکے جواب میں ابن زبیرؓ نے ان وراکبہا کہا یعنی اللہ اونٹنی پر بھی لعنت کرے اور اس کے راکب پر بھی دیکھو ابن زبیرؓ کے قول میں جو اعرابی کے جواب میں واقع ہے ان تصدیق دعا کیلئے آیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ان تصدیق دعا کیواسطے بھی آتا ہے ۱۲ **قولہ حروف الزیادۃ الخ** مصنفؒ حروف ایجاب کے بیان سے فراغت کے بعد حروف زیادہ کو بیان کرتا ہے حروف زیادہ سات ہیں جیسا کہ کتاب میں مذکور ہیں چونکہ یہ حروف مذکورہ فی الکتاب کبھی کلام میں زائدہ آتے ہیں یعنی جب یہ چاہتے ہیں کہ کلام میں کسی حرف کو زائد لادیں تو ان حرفوں میں سے لاتے ہیں اسی وجہ سے یہ اس نام کیساتھ موسوم ہو گئے ہیں اور حروف زیادہ کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ہمیشہ زائد ہوتے ہیں اور ان حروف زیادہ کا نام حروف صلہ بھی ہے اور ان کے زیادہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اصل معنے ان کے ذکر کے بغیر مختل نہیں ہوتے ہیں اور ان کے زیادہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے ذکر میں کچھ فائدہ نہیں بلکہ کلام عرب میں انکے واسطے فائدے لفظی اور معنوی دونوں ہیں فائدہ معنوی معنی کی تاکید ہے اور فائدہ لفظی لفظ کی فصاحت اور تزئین اور وزن شعر کی استقامت اور حسن سجع وغیرہ فوائد ہیں اگر یہ حروف دونوں قسم کے فائدوں سے خالی ہوں تو پھر کلام میں ان کا لانا بے فائدہ ہوگا اور وہ کلام فصاحت سے خارج ہو جائیگا ۱۲ **قولہ فان الخ** اس میں ان کی تفصیل کی ہے اب یہاں سے مصنفؒ حروف زیادہ کی تفصیل بیان کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے کہ ان بکسرہ الہمزۃ وسکون النون اکثر ما نافیہ کے ساتھ زائد آتا ہے جیسے ما ان زید قائم (بقیہ بر صـ ۱۷۳)

ومع ما المصدریۃ نحو انتظر ما ان یجلس الامیر ومع لما نحو لما ان جلست جلست وان تزاد
مع لما کقولہ تعالٰی فلما ان جاء البشیر وبین لو والقسم المتقدم علیہا نحو واللہ ان لو قمت
قمت وما تزاد مع اذا ومتٰی وایّ وانّٰی واین وان شرطیات کما تقول اذا ما صمت صمت وکذا البواقی
وبعد بعض حروف الجر نحو قولہ تعالٰی فبما رحمۃ من اللہ وعما قلیل لیصبحن نادمین ومما
خطیئاتہم اغرقوا فادخلوا نارا وزید صدیقی کما ان عمرا اخی ولا تزاد مع الواو بعد النفی
نحو ما جاءنی زید ولا عمرو وبعد ان المصدریۃ نحو قولہ تعالٰی ما منعک ان لا تسجد وقبل القسم
کقولہ تعالٰی لا اقسم بہذا البلد بمعنی اقسم واما من والباء واللام فقد مر ذکرہا فی حروف الجر فلا نعیدہا

م [illegible]

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۲) اور حضرت حسانؓ کے اس شعر میں ما ان مدحت محمدا بمقالتی لکن مدحت مقالتی بمحمد اور بعض کہتے ہیں کہ ان نافیہ پر ما داخل ہو گئی ہے تاکید نفی کی غرض سے ان کا یہ قول ضعیف ہے کیونکہ نحوی دو حرف اصلی کے اجتماع کو ایک معنی کے واسطے مکروہ قرار دیتے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے ان لزید قائم اور ما ان الرجل جائز نہیں ہے ۱۲ **قولہ ومع ما المصدریۃ الخ** جاننا چاہیے کہ جس طرح ان ما مصدریہ کیساتھ زائد آتا ہے اسی طرح ما اسمیہ کے ساتھ بھی زیادہ آتا ہے جیسے قولہ تعالٰی ولقد مکنا ہم فیما ان مکنا کم فیہ اور وہ الا تو تنبیہ کیلئے آتا ہے اس کے ساتھ بھی زیادہ آتی ہے جیسے الا ان قام زید ۱۲ **قولہ وان الخ** یعنی ان بفتح الہمزہ وسکون النون جاننا چاہیے کہ ان مفتوحہ کی زیادتی لما کیساتھ کثیر ہے اور ان بکسر الہمزہ کی زیادتی لما حینیہ کے ساتھ کثیر نہیں ہے بلکہ لم کیساتھ زیادہ ہوتا ہے مختار میں لکھا ہے کہ ان مفتوحہ م کریمہ فلما ان جاء البشیر میں ان لما کا صلہ ہے اور کبھی ان زائد آتا ہے جیسے قولہ تعالٰی وما لہم ان الا یعذبہم اللہ اس میں ان زائد ہے مختار والے نے اس ان کو جو کہ لما کے بعد آتا ہے زائد کا مقابل ٹھیرا دیا ہے اس ٹھیرانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی ہے ۱۲ **قولہ وبین لو والقسم المتقدم الخ** یعنی ان مفتوحہ لو اور اس قسم کے درمیان بھی زائد آتا ہے جو لو سے پہلے ہوتی ہے اور اسطرح پر زائد اکثر ہے جیسے واللہ ان لو قمت قمت انا میں ان قسم اور لو کے درمیان زائد ہے فائدہ جاننا چاہیے کہ ان کاف تشبیہ کے ساتھ بھی زائد آتا ہے لیکن کمی کے ساتھ جیسا کہ اس شعر میں ویوما توافینا بوجہ مقسم کان ظبیۃ تعطو الی ناظر السلم اس شعر میں ان کا زائد ہونا اس تقدیر پر ہے جبکہ ظبیۃ جر درروایت کیا جاتا ہے اور ظبیۃ کے رفع کی تقدیر پر ان زائد نہ ہوگا بلکہ اسوقت کان کان مشددہ کا مخفف کیا ہوا ہوگا اے کانہا ظبیۃ ۱۲ **قولہ شرطیات الخ** یہ حال ہے اذ اور متی وغیرہ سے یعنی ما کا زائد ہونا ان کلمات کے بعد جب ہوگا جبکہ یہ کلمات شرطیہ ہوں یعنی ادوات شرطیہ ہوں اور اگر یہ کلمات ادوات شرط نہ ہوں تو پھر ان کے بعد ما کی زیادتی نہیں کیا جایا کرتی ہے ۱۲ **قولہ وکذا البواقی الخ** یعنی اذا کے علاوہ اور باقی ان ادوات کی مثالیں اسی طرح ہے جس طرح اذا کی لہذا باقی کی مثالیں یہ ہیں متی ما تخرج اخرج ان ما تضرب اضرب ونحو قولہ تعالٰی ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنٰی اینما تجلس اجلس اور قولہ تعالٰی اما ترین (اما ندعو) ک وامالی فن جاننا چاہیے کہ اما کے فعل میں نون تاکید کا اکثر لانا ضروری ہے کیونکہ جب حرف سے بیان تاکید مقصود ہے تو فعل میں تاکید زیادہ بہتر ہوگی اور بلا نون تاکید کے فعل اما کے ساتھ کم آتا ہے جیسے اما تقسم اقسم ۱۲ **قولہ وبعد بعض حروف الجر الخ** مصنفؒ کی اس عبارت کا عطف کے ظاہر ہے یعنی ما کی زیادتی حروف جر کے بعد بھی ہوتی ہے جیسا کہ امثلہ فی الکتاب سے ظاہر ہے لیکن سب حروف جر کے بعد زیادہ نہیں ہوتی ہے بلکہ بعض حروف جر کے بعد زیادہ ہوتی ہے یعنی باء عن من وک کے بعد زیادہ ہوتی ہے اور ایسے ہی قلت کے طور پر مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان زیادہ آتی ہے جیسے قولہ تعالٰی مثل ما انکم تنطقون میں مثل مضاف کے بعد ما زائد ہے اور جیسے غضبت من غیر ما جرم اس مثال میں کلمہ ما زائد ہے اور کلمہ غیر جرم کی طرف مضاف ہے اے غضبت من غیر جرم بعض کہتے ہیں کہ ما حروف جر اور مضاف کے بعد نکرہ مجرور ہوتا ہے اور ما کے بعد جو مجرور ہوتا ہے اور وہ ما سے بدلا ہوتا ہے ۱۲ **قولہ ولا تزاد مع الواو الخ** یعنے کلمہ لا واو کے ساتھ بعد نفی کے زائد ہوتا ہے برابر ہے کہ نفی لفظا ہو جیسے لم یقل زید ولا عمرو یا معنے ہو جیسے قولہ تعالٰی غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہ یہاں لفظ غیر معنے میں نفی کے ہے اور اس کے بعد لا زائد ہے نیز لا ان مصدریہ کے بعد بھی زائد ہوتا ہے جیسے قولہ تعالٰی ما منعک ان لا تسجد ای ان تسجد اور لفظ اقسم کے پہلے بھی لا زائد ہوتا ہے مگر قلت کے ساتھ جیسے لا اقسم بہذا البلد مگر مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان لا کا زائد ہونا ہے شاذ ہے جیسے قول شاعر فی بیر لا حور وما شعر میں لا زائد ہے باقی رہے حروف زیادت میں سے من اور باء اور لام سو ان کا ذکر حروف جر کی بحث میں گذر چکا ہے ۱۲ **قولہ فلا نعیدہا الخ** چونکہ من باء لام کی زیادہ بہت ہے اور کاف کی زیادہ کم اسوجہ سے مصنفؒ نے کاف کی زیادہ کو بیان نہیں کیا اور ما کافہ اور حیثما اور اذما اگرچہ حروف زوائد میں سے ہیں لیکن چونکہ اس ما کی تاثیر کلام میں ہے یعنی جس چیز کے ساتھ لاحق ہوتی ہے اس کو اس کے مقتضی سے روکتی ہے جیسا کہ حروف مشبہ بالفعل کو ما کافہ عمل سے روکتی ہے اور حیث اور اذ کو اضافت سے روک دیتا ہے اسوجہ سے مصنفؒ نے ان کو حروف زیادۃ سے نہیں شمار کیا ہے ۱۲۔

◆

فصل حرفا[۱] التفسیر ای وان فای کقولہ تعالیٰ واسئل القریۃ ای اھل القریۃ کانک فسرتہ اھل القریۃ وان انما یفسر بھا فعل بمعنی القول کقولہ تعالیٰ وناديناہ ان یا ابراھیم فلا یقال قلت لہ ان اکتب اذ ھو لفظ القول لا معناہ ○ **فصل** حروف[۲] المصدر ثلثۃ ما وان وانّ فالاولیان للجملۃ الفعلیۃ کقولہ تعالیٰ وضاقت علیھم الارض بما رحبت ای برحبھا وقول الشاعر شعر:- یسر[۳] المرء ما ذھب اللیالی ٭ وکان ذھابھن لہ ذھابا ۔ وان نحو قولہ تعالیٰ فما کان جواب قومہ الا ان قالوا ای قولھم وانّ للجملۃ[۴] الاسمیۃ نحو علمت انک قائم ای قیامک

قولہ حرفا التفسیر الخ یعنی وہ حروف جو تفسیر مبہم کیلئے وضع کئے گئے ہیں دو ہیں ای اَن انمیں سے ای ہر مبہم کی تفسیر کرتا ہے برابر ہے کہ وہ جملہ ہو یا مفرد مفرد کی مثال اشتمک جاری ای عمرو اور جملہ کی مثال جیسے قتل زید عمروا ای ضربہ شدیدا باقی کلمہ ان وہ ہمیشہ اس فعل کے مفعول کی تفسیر کرتا ہے جو بمعنے قول ہے پھر وہ مفعول جس کی یہ تفسیر کرتا ہے اکثر مقدر ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ونادیناہ ان یا ابراہیم کہ یہاں پر ندا بمعنے قول ہے اور ان یا ابراہیم ای مفعول مقدر کی تفسیر ہے ای نادیناہ بلفظ ہو اور کبھی عام ملفوظ مفعول کی تفسیر کرتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ. واوحینا الی امک ما یوحی ان اقذفیہ اس بیان سے ثابت ہوا کہ اگر فعل ایسا ہو کہ جو قول کے معنی میں نہیں تو اب دو صورتیں ہیں یا صریح قول ہے یا اور کوئی فعل ہے جو قول کے معنی میں نہیں تو دونوں صورتوں میں ان آنے کے مفعول مقدر یا ملفوظ کی تفسیر نہ کیجائیگی لہذا قلت لہ ان اکتب بولنا غلط ہوگا اور قولہ تعالیٰ ما قلت لہم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ میں ان سے امر کی تفسیر کی جارہی ہے اور قول کی تفسیر نہیں کی جارہی ہے جاننا چاہیئے کہ ان مفسرہ کا ما بعد ما قبل سے موصول نہیں ہوتا بلکہ کلام اس کے بغیر پورا ہو جاتا ہے مبہم مقدر کی تفسیر کی غرض سے اس کو لایا جاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ قولہ تعالیٰ وآخر دعواہم ان الحمد للہ رب العلمین میں ان مفسرہ نہیں ہے کیونکہ ان الحمد الخ مبتدا مقدم کی خبر ہے ۱۲ **قولہ حروف المصدر الخ** اس میں اضافت ادنیٰ ملابستہ کی وجہ سے ہے یہ حروف جملہ کو مصدر کے حکم میں کرتے ہیں اسی وجہ سے ان کو حروف مصدریہ کہا جاتا ہے یہ حروف مصدریہ تین ہیں بعض نے ان پر کے اور لو کو بھی زائد کیا ہے اور وہ تین ما وان وانّ ہیں ان میں سے اوّل کے دو یعنی ما اور ان صرف جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں اور اس کو مصدر کے معنے میں کر دیتے ہیں جیسے بما رحبت میں ما برحبہا کے معنی کر رہا ہے ایسے ہی شاعر کے قول یسر الخ ما ذہب اللیالی کے اندر ما ذہب اللیالی جملہ کو فعل کے معنی میں کر رہی ہے اور ان قالوا کو قولہم کے معنے میں کر رہا ہے لیکن یہ دونوں اسی جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں جس میں فعل متصرف ہو اور امر نہی نہ ہو کیونکہ اگر ان مشددہ اور ما اور کے صلہ میں بھی ان کا آنا درست ہوتا اور یہ بالاتفاق ناجائز ہے ابو علی اور سیبویہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور ما مصدری اپنے صلہ سمیت مصدر کے حکم میں ہو کر ظرف زمان کی نائب ہوتی ہے اور اس وقت اسکا صلہ اکثر فعل ماضی مثبت ہوتا ہے یا منفی بلم لیکن ہر دونوں کے معنے مستقبل کے ہوتے ہیں اور ایک قول پر اس کا صلہ فعل مضارع ہوتا ہے اور کے اس وقت حرف مصدری ہوتا ہے جبکہ اس پر تعیین کا لام ہو اور لو اس وقت ہوتا ہے جبکہ اسکے بعد ایسا فعل واقع ہو جس سے تمنا کے معنی مفہوم ہوتے ہوں ۱۲ **قولہ یسر الخ** یسر فعل مضارع معروف مسرت بمعنے شاد کرنا سے اور ع نصر سے آتا ہے اور اس کا مفعول المرء ہے اور ما مصدریہ مع اپنے صلہ کے مصدر کے حکم میں ہو کر فاعل یسر کا ہے اور ذہب بروزن فتح ذہاب بالفتح بمعنے جانا اور گذرنا سے ماخوذ ہے اور لیالی لیل کی جمع ذہب کا فاعل اور جملہ وکان ذہابہن لہ ذہابا بتقدیر قد حال المرء سے ہے اور لیالی سے بھی بنا سکتے ہیں اس شعر کا ترجمہ فارسی شاعر ان الفاظ سے کرتا ہے ؎ شبے روز در عیش و عشرت گذارد کہ تو غافل نجیی عمرت گذرد ۱۲ **قولہ ان للجملۃ الاسمیۃ الخ** یعنی ان جملہ اسمیہ ہی پر داخل ہو کر اس کو مصدر کی تاویل میں کرتا ہے اس طرح پر کہ خبر کا مصدر نکال کر اس کے اسم کی طرف اضافت کر دی جائے جیسے علمت انک قائم ای قیامک یہ اس وقت ہے جبکہ خبر مشتقات سے ہو ورنہ تو خبر کو مصدر کے معنی میں کر لیں گے اگر ممکن ہو جیسے اعجبنی ان زیدا اخوک اسے اخوۃ زید لک اور اگر مصدر کے معنے میں خبر کا کرنا ممکن نہ ہو تو کون مقدر کر لیا جا وے گا جیسے قولہ تعالیٰ ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام اے لو ثبت کون ما فی الارض جاننا چاہیے کہ سیبویہ کا مذہب حروف مصدری میں یہ ہے کہ ما اور ان جملہ فعلیہ ہی پر داخل ہوتے ہیں اور انّ جملہ اسمیہ پر ہی فقط اور سیبویہ کے علاوہ اور لوگ کہتے ہیں کہ ما مصدریہ کے بعد جملہ اسمیہ لانا بھی جائز ہے نیز جاننا چاہیے کہ جملہ اسمیہ کے ساتھ ان کا اختصاص اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ مثقل ہے اور مخفف نہیں اور اس کے ساتھ ما کافہ نہیں ملی ہے اور جب اس میں تخفیف کر لی جاتی ہے۔ یا ما کافہ اس کے ساتھ لگا دی جاتی ہے تو پھر جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں پر داخل ہوتا ہے واللہ اعلم ۱۲

◆ ◆ ◆

فصل حروف التحضيض اربعة هلّا والّا ولولا ولوما لها صدر الكلام ومعناها حض على الفعل ان دخلت على المضارع نحو هلّا تاكل ولوم ان دخلت على الماضي نحو هلّا ضربت زيدًا وحينئذٍ لا تكون تخصيصًا الّا باعتبار ما فات ولا تدخل الا على الفعل كما مرّ وان وقع بعدها اسمٌ فباضمار فعل كما تقول لمن ضرب قومًا هلّا زيدًا اى هلّا ضربت زيدًا وجميعها مركبة جزؤها الثاني حرف النفي والاوّل حرف الشرط والاستفهام او حرف المصدر ولولا[۴] معنًى آخر هو امتناع الجملة الثانية لوجود الجملة الاولى نحو لولا على لهلك عمر وحينئذٍ يحتاج الى جملتين اولهما اسمية ابدًا **فصل** حرف التوقع قد وهي في الماضي لتقريب الماضي الى الحال نحو قد ركب الامير اى قُبيل هذا ولاجل ذلك سمّيت حرف التقريب ايضًا ولهذا تلزم الماضي ليصلح ان يقع حالا وقد تجئ للتاكيد اذا كان جوابا لمن يسئل هل قام زيد تقول قد قام زيد

قولہ حروف التحضیض الخ تحضیض کے معنے لغت میں ابھارنا اور آمادہ کرنا ہے چونکہ یہ حروف فعل کے کرنے پر ابھارتے اور آمادہ کرنے کیلئے آتے ہیں اس وجہ سے ان کو حروف تحضیض کہا جاتا ہے یہ چار حروف ہلّا اور الّا اور لولا اور لوما ہیں کلام کی صدارت کو مقتضی ہیں کیونکہ یہ کلام کی قسموں میں سے ایک قسم پر دلالت کرتے ہیں اس وجہ سے انکا شروع میں آنا ضروری ہے تاکہ اول امر میں معلوم ہو جاوے کہ فلاں قسم کا کلام ہے ان کا دخول فعل مضارع پر بھی ہوتا ہے اور فعل ماضی پر بھی جب انکا دخول فعل مضارع پر ہوتا ہے تو ان کے معنے حض یعنی فعل کرنے کیلئے برانگیختہ کرنیکے ہیں ہلا تضرب یعنی تو کیوں نہیں مارتا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حروف متکلم کی طلب پر دلالت کریں گے مخاطب سے تو اسصورت میں مضارع امر کے حکم میں ہوگا لہذا ہلا تاکل کے معنے کل یعنی کھا تو ہوئے اور جب یہ ماضی پر داخل ہوتے ہیں تو لوم یعنی گذشتہ فعل پر ندامت کا فائدہ دیتے ہیں جیسے ہلا ضربت اسی وجہ سے یہاں پر کہا گیا کہ ان حروف کا نام حروف تحضیض تندیم ہونا چاہیے تھا مگر چونکہ انجام تندیم کا بھی حض ہے اسوجہ سے ان کا نام حروف تحضیض کہدیا ہے بیان بالا سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ان حروف تحضیض کا دخول فعل پر ہی ہوتا کیونکہ تحضیض اور حث کا تعلق فعل سے ہوتا ہے لیکن اس میں تعمیم ہے کہ خواہ فعل لفظی ہو جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں اور خواہ تقدیری ہو جیسا کہ مصنف اپنی عبارت وان وقع بعدہا اسم فباضمار فعل سے بیان کرتا ہے رضی نے کہا ہے کہ جب ہلا کے بعد ظرف ہو تو اس فعل کے ساتھ منصوب ہوگا جو اس ظرف کے بعد واقع ہے اور فعل مقدر کی وجہ سے منصوب نہ ہوگا چونکہ ظروف میں توسع ہے جیسے مثلاً ہلا یوم الجمعۃ زرتنی الیوم الجمعۃ اس میں زرتنی کی وجہ سے منصوب ہے اور ضرورت کی بنا پر اسکے بعد جملہ اسمیہ بھی آیا ہے جیسا کہ اس شعر یقولون لیلیٰ ارسلت بشفاعۃ = الیّ فہلّا نفس لیلیٰ شفیعہا ہلا جملہ اسمیہ پر داخل ہے ۱۲ **قولہ ولولا معنیً آخر الخ** مصنف کہتا ہے کہ لولا کے واسطے معنے تحضیض کے سوا ایک اور معنی ہے اور وہ جملہ ثانیہ کا امتناع جملہ اولیٰ کے وجود کی بنا پر جیسے لولا علی لہلک عمر اصل میں لولا علی موجود لہلک عمر تھا لولا تحضیضیہ اور اس لولا میں فرق ہے کہ لولا تحضیضیہ میں کلام ایک جملہ پر پورا ہوجاتا ہے مثلاً لولا ضربت زیداً اور اس میں ایک جملہ م نہ ملایا جاوے جیسے لولا علی اس پر کلام تام نہیں بلکہ جب لہلک عمر کو اس کے ساتھ ملایا جب کلام تام ہوا غرضیکہ جب لولا کے یہ معنی ہوئے تو اس وقت لولا دو جملوں کی طرف محتاج ہوتا ہے جن میں پہلا ہمیشہ جملہ اسمیہ ہوتا ہے اور جملہ ثانیہ کا اسمیہ اور فعلیہ ہونا دونوں درست ہے یہ بصریین کا مذہب ہے لہذا ان کے نزدیک لولا کے بعد جو اسم ہوتا ہے اسکو مبتدا قرار دیتے ہیں اور خبر محذوف ملتے ہیں بخلاف کسائی کے کہ وہ کہتا ہے کہ جو اسم لولا کے بعد واقع ہوتا ہے وہ فعل مقدر کیلئے فاعل ہے تو اس کے مذہب پر پہلا جملہ اسمیہ نہیں ہوتا اور فراء کہتا ہے کہ بخود لولا ہی اس اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے جو اس کے بعد واقع ہوتا ہے ۱۲ **قولہ حرف التوقع الخ** توقع بمعنے امید ولا ہونا اس حرف قد کو حرف توقع اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ جو متوقع اخبار ہے اسکو اس سے خبر دی جاتی ہے اس کا دوسرا نام حرف تقریب ہے چونکہ یہ ماضی پر داخل ہو کر اس کو زمانہ حال کی طرف قریب کرتا ہے اسی وجہ سے یہ ہے کہ جو ماضی حال ہو اس پر قد کا آنا لازم قرار دیا گیا خواہ لفظاً خواہ تقدیراً تاکہ وہ ماضی حال ہونے کے قابل ہوجاوے کیونکہ جب ماضی کو حال بنا دینگے تو اس کا زمانہ زمانہ عامل سے سابق ہوگا مثلاً کہا جاوے جاءنی زید رکب ابوہ اسمیں رکوب مجیئ پر مقدم ہے حالانکہ زمانہ حال اور زمانہ عامل حال کا اقتران ضروری ہے اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اس پر ایسا قد داخل کردیا جائے جو اس کو حال کی طرف قریب کرکے زمانہ عامل کی طرف قریب کردے اور پھر حکماً مقارنت ہوجاوے اور یہی وجہ ہے کہ جس ماضی پر قد داخل نہیں ہو سکتا ہے اس کا حال ہونا بھی درست نہیں ہے چنانچہ قدمات الشیخ یا قد ولد فی یوم کذا اور قد قال فلان الیوم وقد قال رسول اللہ بولنا درست نہیں ہے کیونکہ تقریب نہیں پائی جاتی ہے ۱۲ **قولہ قد تجیئ للتاکید الخ** اور کبھی قد معنی تاکید کیلئے آتا ہے اور معنی تقریب سے خالی ہوتا ہے جبکہ ماضی جس پر قد داخل ہوا ہے کسی سوال کے جواب میں واقع ہو رہی ہو مثلاً کوئی سوال کرے کہ ہل قام زید تم اس کے جواب میں قد قام زید تحقیق زید کھڑا ہے کہو ۱۲

م یہ معنی پورے نہیں ہوتے جبتک کہ اس کا جواب کو اس کیلئے ۴

وفی المضارع[1] للتقلیل نحو ان الکذوب قد یصدق وان الجواد قد یبخل وقد تجیئ للتحقیق کقولہ تعالی قد یعلم اللہ المعوقین ویجوز الفصل بینہا وبین الفعل بالقسم نحو قد واللہ احسنت وقد یحذف الفعل بعد قد عند القرینۃ کقول الشاعر شعر :- افد[2] الترحل غیر ان رکابنا ؛ لما تزل برحالنا وکان قدن ۔ ای وکأن قد زالت۔ **فصل** حرفا الاستفہام الہمزۃ وہل لہما صدر[3] الکلام وتدخلان[4] علی الجملۃ اسمیۃ کانت نحو أزید قائم او فعلیۃ نحو ہل قام زید ودخولہما علی الفعلیۃ اکثر اذ الاستفہام بالفعل اولی وقد[5] تدخل الہمزۃ فی مواضع لا یجوز دخول ہل فیہا نحو أزیدا[6] ضربت وأتضرب[7] زیدا وہو اخوک وأزید[8] عندک ام عمرو

قولہ فی المضارع الخ اس کا عطف فی الماضی پر ہے حاصل یہ ہے کہ مضارع پر قد داخل ہوکر تقلیل یعنی فعل کے کبھی کبھی ہونے کو ظاہر کرتا ہے اور مقام مدح میں تکثیر یعنی فعل کے ہمیشہ ہونے یا زیادہ ہونے کو بیان کرتا ہے جیسے قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذا اور مضارع کا میں کبھی تحقیق کے واسطے بھی آجاتا ہے معنے تقلیل سے خالی ہوکر جیسے قولہ تعالی قد یعلم اللہ المعوقین میں قد تحقیق کیلئے ہے لیکن قد جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ مضارع نواصب وجوازم وحروف تنفیس یعنے سین وسوف سے خالی ہو اور اگر مضارع پر نواصب یا جوازم یا سین وسوف داخل ہوگا تو پھر مضارع پر قد داخل نہ ہوگا ۱۲ قولہ افد الترحل الخ یہ شعر نابغہ ذبیانی بضم ذال معجمہ وکسرہ اس کا نام زیاد بن معاویہ ہے یہ شعر جس طرح اس امر کے استدلال میں لایا جاتا ہے کہ قد کے بعد فعل کو حذف کر دیتے ہیں اسی طرح اس سے اس پر بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ حرف پر تنوین ترنم داخل ہوتی ہے اس شعر میں کان قدن اصل میں قد زالت تھا زالت کو تخفیف کے بنا پر حذف کر دیا کیونکہ ماقبل اس پر دال ہے افد بروزن سمع بمعنے نزدیک ہوا بعض روایت میں ازف ہے یعنی اسکے بھی قریب ہوا کے ہیں الترحل کوچ کرنا افد کا فاعل اور غیر مبنی الاول رکاب بالکسر بمعنے وہ اونٹ جن پر سفر کیا جاوے یہ بامعنے جمع ہے اسکا واحد نہیں ہے یا بعض اس کا واحد راحلۃ من غیر لفظہ کہتے ہیں یہ ان کا اسم ہے اور لما حرف نفی جوازم فعل مضارع سے ہے تزل اصل میں تزول تھا لم یقل کی طرح اس میں سے واو گر گیا بعد لتے زالت الخیل پر کیا تھا یعنے گھوڑے اپنے اپنے سواروں کو لیکر چلے گئے اور انہوں نے کوچ کیا ما تزل برحالنا جملہ ان کی خبر ہے رحال رحل کی جمع ہے بمعنی پالان کان کأن کا مخفف ہے اس کا اسم ضمیر واحد مونث محذوف ہے جو رکاب کی جانب راجع ہے اور قد زالت خبر ہے ترجمہ کوچ قریب ہو گیا مگر تحقیق ہماری سواری کے اونٹ ہمیشہ ہمارے کجاووں کے ساتھ رہے یعنے انہوں نے کوچ نہیں کیا گویا شان یہ ہے کہ وہ سواریاں عنقریب زائل ہو جائینگی یعنی وہ کوچ کرینگی اسلئے کہ ہمارا کوچ کرنے کا پختہ ارادہ ہے ۱۲ قولہ لہما صدر الکلام الخ یعنی چونکہ حروف استفہام بھی کلام کی ایک نوع پر دال ہیں یعنی کلام استفہامی پر اس وجہ سے ان کا بھی صدر کلام میں آنا ضروری ہے تاکہ اول وہلہ ہی میں معلوم ہو جائے کہ کلام فلاں قسم کا ہے اسی وجہ سے انکا ماقبل انکے مابعد میں عامل نہیں ہوتا اور نہ ان کا مابعد ان کے ماقبل میں عامل ہوتا ہے ۱۲ قولہ تدخلان الخ یعنی ہمزہ اور ہل دونوں قسم کے جملوں پر داخل ہوتے ہیں جیسے أزید قائم اور أقام زید مثال اول جملہ اسمیہ پر ہمزہ استفہام کے داخل ہونے کی ہے اور مثال ثانی جملہ فعلیہ پر ہمزہ استفہام کے داخل ہونے کی ہے اور جس طرح پر ہمزہ استفہام دونوں قسم کے جملوں اسمیہ اور فعلیہ پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ہل بھی جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں پر داخل ہوتا ہے جیسے ہل زید قائم اور ہل قام زید لیکن فرق یہ ہے کہ ہمزہ تو ہر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے خواہ خبر اس میں فعل ہو یا اسم اور ہل اس جملہ اسمیہ کے داخل ہوتا ہے کہ جسمیں خبر فعل نہ ہو اور وجہ یہ ہے کہ اصل میں یہ ہے کہ وہ معنے میں قد کے ہے اور قد لوازم فعل میں سے ہے پس جب ہل اپنے مابعد جملہ میں فعل کو دیکھیگا تو یہ چاہیگا کہ فعل کے متصل ہو لہذا یہ نہ ہوگا کہ فعل کے ہوتے ہوئے اسم پر داخل ہو ۱۲ قولہ وقد تدخل الہمزۃ الخ بیان سے مصنف نے ہمزہ اور ہل کے مابین فرق کو بیان کیا اور کہا کہ کلام کے چند مقامات ایسے ہیں کہ وہاں ہمزہ کا استعمال درست ہوتا ہے اور ہل ان مواضع میں نہیں آتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہمزہ کا استعمال میں ہل سے اعم ہے ۱۲ قولہ أزیدا ضربت الخ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمزہ استفہام ایسے اسم پر داخل ہو جاتا ہے جس کے بعد فعل ہو اور ہل کا دخول جائز نہیں ہے لہذا أزیدا ضربت بولنا درست ہے اور ہل زیدا ضربت بولنا درست نہیں ہے اس وجہ سے کہ ہل اصل میں بمعنے قد ہے اور قد فعل کیساتھ مختص ہے جیسا کہ قولہ تعالی ہل أتی علی الانسان اسے قد أتی جبکہ اپنے مابعد فعل پائیگا تو ہل عہد سابق کو یاد کریگا اور اسکی طرف مائل ہوگا اور بغیر کے ساتھ منفصل نہیں ہوگا اور جبکہ اپنے مابعد فعل نہیں پائیگا تو اپنی اصل سے غافل ہوکر اسم پر داخل ہو جاویگا لہذا ہل زید خرج ہل زیدا ضربت بولنا درست نہ ہوگا جس طرح قد زید خرج قد زیدا ضربت بولنا درست نہیں بخلاف ہل زید قائم بولنا درست ہے چونکہ یہاں فعل نہیں ہے ۱۲ قولہ أتضرب زیدا وہو اخوک الخ یہ دوسرا موضع ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جس کلام سے استفہام انکاری مراد ہو وہاں ہمزہ آئیگا اور ہل نہیں آئیگا کیونکہ اس صورت میں در حقیقت مستفہم عنہ محذوف ہوتا ہے اسلئے کہ أتضرب زیدا وہو اخوک کا اصلی اترضی بضرب زید وہو اخوک ہے اور ہمزہ استفہام میں اصل ہے اور ہل اسکی فرع ہے اسی وجہ سے ہمزہ کے بعد تو حذف جائز ہوگا اور ہل کے بعد جائز نہ ہوگا اسی وجہ سے ہل تضرب زیدا وہو اخوک بولنا درست نہ ہوگا ۱۲ قولہ أزید عندک ام عمرو الخ یہ تیسرا موضع ہے جہاں ہمزہ کا استعمال درست ہے اور ہل کا درست نہیں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ام متصلہ کے مقابل ہمزہ ہو سکتا ہے اور ہل نہیں آسکتا ہے کیونکہ اس صورت میں استفہام دو امروں میں سے ایک مقصود ہوتا ہے لہذا اسمیں مستفہم عنہ متعدد ہوگئے لہذا ہمزہ چونکہ اقوی اور اصل ہے اسی وجہ سے اسی کا استعمال ام متصلہ کے مقابل میں الیق اور انسب ہوگا بخلاف ہل کے کہ اس کا استعمال مناسب نہیں ہوگا بلکہ اس کا استعمال ام منقطعہ کیساتھ مناسب ہے کیونکہ منقطعہ اضراب کے واسطے آتا ہے اسمیں مستفہم عنہ متعدد نہیں ہوتے بلکہ پہلے سوال سے اضراب اور دوسرے سوال کی طرف ہل مقدر سے مع ہمزہ استیناف ہوگا ۱۲ ❊

او من كان وأفمن كان وأثم اذا ما وقع ولا تستعمل هل في هذه المواضع وههنا[۲] بحث فصل حروف الشرط ان ولو واما لها صدر الكلام ويدخل كل واحد منها على الجملتين اسميتين[۳] كانتا او فعليتين او مختلفتين فان[۴] للاستقبال وان دخلت على الماضي نحو ان زرتني اكرمتك ولو[۵] للماضي وان دخلت على المضارع نحو لو تزورني اكرمتك ويلزمها[۶] الفعل لفظا كما مر او تقديرا نحو ان انت زائري فاذا اكرمك واعلم[۷] ان ان لا تستعمل الا في الامور المشكوكة فلا يقال آتيك ان طلعت الشمس بل يقال آتيك اذا طلعت الشمس ولو تدل[۸] على نفي الجملة الثانية بسبب نفي الجملة الاولى كقوله تعالى لو كان فيهما آلهة الا الله لفسدتا واذا[۹] وقع القسم في اول الكلام وتقدم على الشرط يجب ان يكون الفعل الذي تدخل عليه حرف الشرط ماضيا لفظا نحو والله ان اتيتني لاكرمتك او معنى نحو والله ان لم تأتني لاهجرنك وحينئذ[۱۰] تكون الجملة الثانية في اللفظ جوابا للقسم لا جزاء للشرط فلذلك وجب فيها ما وجب في جواب القسم من اللام ونحوها

قولہ او من کان وافمن کان الخ یہ چوتھا مقام ہے جسمیں ہمزہ کا استعمال جائز ہے نہ ہل کا اس سے مراد یہ ہے کہ ہمزہ استفہام کا حروف عاطفہ پر آسکتا ہے اور ہل نہیں آسکتا ہے کیونکہ ہمزہ استفہام میں اصل ہے اور اس وجہ سے کہ ہمزہ ہل سے اخصر ہے اس وجہ سے ہمزہ اس مقام میں استعمال میں الیق ہوگا ۱۲ **قولہ وہٰہنا بحث الخ** مصنف کہتا ہے کہ اس مقام میں ایک بیان ہے جس سے ہل کا اختصاص بعض مواضع میں ثابت ہوتا ہے کہ اس جگہ ہمزہ کا آنا درست نہیں ہے (۱) حروف عاطفہ ہل سے پہلے آسکتے ہیں ہمزہ سے پہلے نہیں آسکتے جیسے فہل انتم شاکرون فہل یہلک الا القوم الفاسقون (۲) ہل کے بعد الا آتا ہے ہمزہ نہیں آتا ہے (۳) اثبات میں نفی کے واسطے ہل آتا ہے ہمزہ نہیں آتا ہے جیسے ہل ثوب الکفار لہ لم یثوب (۴) ہل نفی کا فائدہ دیتا ہے چنانچہ قصد ایجاب کی وجہ سے اس کے بعد الا آتا ہے اور ہمزہ نفی کا فائدہ نہیں دیتا ہے جیسے ہل جزاء الاحسان الا الاحسان (۵) جب مبتدا پر کہ ہل داخل ہوتا ہے اس کی خبر پر با زائدہ آتی ہے اور ہمزہ نہیں آتا ہے ان مقامات سے ہل کا عموم مفہوم ہوتا ہے ۱۲ **قولہ اسمیتین الخ** یعنے حروف شرط دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں خواہ دونوں اسمیہ ہوں خواہ دونوں فعلیہ یا خواہ کوئی سا ایک اسمیہ اور کوئی سا ایک فعلیہ اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اور لو کی شرط جملہ اسمیہ ہو سکتی ہے حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ ان دونوں کا دخول ہمیشہ دو جملے فعلیوں پر ہوتا ہے دو جملے اسمیوں پر نہیں ہوتا ہے بعض نے جواب دیا ہے کہ اسمیہ سے مراد یہاں عام ہے چاہے حقیقۃً اسمیہ ہو خواہ بحسب الظاہر اسمیہ ہو اور حقیقت میں فعلیہ جیسے ان احد من المشرکین استجارک ولو انتم تملکون ان دونوں جگہوں میں جملہ اسمیہ ظاہری ہے حقیقت میں فعلیہ ہے لہذا اب مصنف پر اعتراض نہیں ہے ۱۲ **قولہ فان للاستقبال الخ** یعنی ان استقبال کے واسطے آتا ہے اگرچہ ماضی پر داخل ہو اسی وجہ سے ایسے قول ان اکرمتنی الیوم فقد اکرمتک اسکے معنے یہ ہیں کہ اگر آج تو میرا اکرام کریگا تو تیرے آج اکرام کرنیکے بعد میں خبر دیتا ہوں امر کے ساتھ درست ہوگا کہ میں کل گذشتہ تیرا اکرام کیا ۱۲ **قولہ لو للماضی الخ** یعنی لو ماضی کیواسطے اگرچہ مضارع پر داخل ہو فراء کا مذہب اس میں یہ ہے کہ لو ان کے ساتھ مستقبل میں مستعمل ہوتا ہے یہ اگرچہ کم ہے لیکن ثابت ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے جیسے قولہ علیہ السلام اطلبوا العلم ولو بالصین ولو کان اور بغیر کان بھی مستقبل میں مستعمل ہوتا ہے یعنی بمعنے ان آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ولامۃ مؤمنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم اور لو ان ناصبہ کے معنے میں بھی آتا ہے جیسے ودوا لو تدہن فیدہنون ۱۲ **قولہ ویلزمہا الفعل الخ** یعنی ان اور لو کو فعل لازم ہے برابر ہے کہ فعل لفظاً ہو جیسا کہ گذرا یا تقدیراً جیسے قولہ تعالیٰ لو انتم تملکون اے لو تملکون انتم اور جیسے قولہ تعالیٰ وان احد من المشرکین استجارک اے وان استجارک احد من المشرکین **قولہ واعلم ان ان الخ** یعنی ان کا استعمال فقط ایسے امور میں ہوتا ہے جن کے وجود اور عدم میں شک ہو اسی وجہ سے آتیک ان طلعت الشمس کہنا درست نہ ہوگا کیونکہ طلوع شمس امور یقینیہ سے ہے بخلاف اذا کے کہ اسکا استعمال امور یقینیہ میں ہوتا ہے لہذا آتیک اذا طلعت الشمس بولنا درست ہے ۱۲ **قولہ ولو تدل الخ** یعنی لو کی دلالت دوسرے جملہ کی نفی پر ہوتی ہے پہلے جملہ کی نفی کے سبب سے جیسے مثلاً لو کان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا یعنی اس میں لو انتفاء فساد پر دلالت کرتا ہے تعدد آلہہ کے انتفاء کے سبب سے اس معنی لو کا استعمال بہت زیادہ ہے کبھی یہ ثانی جملہ کے اثبات کے واسطے آتا ہے پہلے جملہ کے ہونے اور نہ ہونے کی تقدیر پر جیسے نعم العبد صہیب لو لم یخف اللہ لم یعصہ یعنی صہیب اچھا بندہ ہے اگر اللہ کی نافرمانی نہ کرے اسمیں نفی عصیان نفی خوف کیلئے لازم ہے جس طرح وجود خوف کے لئے لازم ہے اور جیسے لو اتیتنی لاکرمتک یعنی میرا اکرام تیرے لیے ثابت ہے خواہ تو میرا اکرام کرے یا میری اہانت کرے ۱۲ **قولہ اذا وقع القسم فی اول الکلام الخ** یعنی جب ابتداء کلام میں قسم شرط سے پہلے واقع ہو تو شرط کو ماضی لانا لازم ہے برابر ہے کہ ماضی لفظاً ہو یا معنًی تاکہ شرط مذکور عدم عمل حرف شرط میں جواب قسم کے مطابق ہو (الحاصل) حرف شرط نے چونکہ جواب میں لفظاً جواب ہونے کہ جواب قسم ہو نیکے عمل نہیں کیا لہذا شرط کو جملہ فعلیہ ماضی لائیں گے تاکہ اسمیں حرف شرط عمل نہ کرے اور وہ عدم عمل حرف شرط میں جواب کے موافق ہو جائے ۱۲ **قولہ حینئذ تکون الجملۃ الخ** یعنی وہ جواب کہ قسم اور شرط کے بعد واقع ہے بعضوں میں جواب قسم ہے شرط اور قسم دونوں کا جواب نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ جواب شرط ہو نیکے اعتبار سے غیر مجزوم ہو اور یہ بھی ایک شے کا مجزوم اور غیر مجزوم ہونا باطل ہے ہاں فقد یا سکا جواب ہو سو وہ شرط اور قسم دونوں کا جواب ہے قسم کا اس حیثیت سے کہ قسم اس پر واقع ہے اور شرط کا اس حیثیت سے کہ وہ مشروط ہے ۱۲

كما رأيت في المثالين وأما إن وقع القسم في وسط الكلام جاز أن يعتبر القسم بأن يكون الجواب له نحو إن أتيتني والله لاٰتينك وجاز أن يلغى نحو إن تأتني والله آتك وأمّا لتفصيل ما ذكر مجملًا نحو الناس سعيد وشقي أما الذين سعدوا ففي الجنة وأما الذين شقوا ففي النار ويجب في جوابها الفاء وأن يكون الأول سببًا للثاني وأن يحذف فعلها مع أن الشرط لا بد له من فعل وذلك ليكون تنبيهًا على أن المقصود بها حكم الاسم الواقع بعدها نحو أما زيد فمنطلق تقديره مهما يكن من شيء فزيد منطلق فحذف الفعل والجار والمجرور وأقيم أما مقام

قولہ اما ان وقع القسم الخ یعنی قسم ابتداء کلام میں نہ آئے بلکہ شرط یا غیر شرط کے مقدم ہونیکے سبب درمیان کلام میں مذکور ہو تو اسوقت دونوں امر جائز ہیں یہ کہ شرط کا اعتبار کیا جائے اور جواب کو جزاء کہا جائے اور یہ کہ قسم کا اعتبار کیا جائے اور جواب کو جواب قسم کہا جائے ۱۲ اور بوجہ حصر و ضبط کے اس طرح بیان کیا جائے کہ قسم اول کلام میں ہوگی یا وسط میں یا آخر میں اگر اول میں ہو تو اس کا اعتبار واجب ہوتا ہے خواہ اسکے بعد شرط ہو یا نہ اول کی مثال واللہ ان آتیتنی لاٰتینک ثانی کی مثال واللہ لاٰتینک اور اگر وسط میں ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو شرط قسم پر مقدم ہے یا نہیں اول پر شرط کا اعتبار ضروری ہے اور قسم کا اعتبار اور الغاء دونوں جائز ہیں خواہ شرط پر طالب خبر مقدم ہو جیسے انا ان آتیتنی آتک فواللہ لاٰتینک اور انا ان آتیتنی واللہ آتک اول میں قسم کا اعتبار کیا اور ثانی میں نہیں یا طالب خبر شرط سے مقدم نہ ہو جیسے ان آتیتنی فواللہ لاٰتینک آتک اور ان آتیتنی واللہ آتک اول میں قسم کا اعتبار کیا ہے اور ثانی میں نہیں اور شرط کا چاروں مثالوں میں اعتبار کیا ہے اور اگر شرط قسم سے مقدم نہیں ہے تو صورت میں یا شرط قسم کے بعد ہے یا نہیں اگر ہے تو قسم کا اعتبار کرنا اور شرط کو لغو کرنا اور شرط کا اعتبار کرنا قسم کا لغو کرنا دونوں درست ہے لہذا انا واللہ ان آتیتنی لاٰتینک کہ اسمیں قسم کا اعتبار کیا ہے اور شرط کو لغو اور انا واللہ ان آتیتنی آتک (کہ اسمیں قسم کو لغو قرار دیکر شرط کا اعتبار کیا ہے) کہیں گے اور اگر قسم کے بعد کوئی جملہ ہو اور مفرد نہ ہو تو اعتبار قسم اور الغاء قسم دونوں جائز ہے لہذا واللہ لاٰتینک اور انا واللہ آتک دونوں بولنا درست ہوگا اور اگر قسم کے بعد مفرد ہے تو قسم کا الغاء واجب ہے جیسے ان واللہ قائم اور اگر تیسری صورت یعنی قسم کلام سے متأخر ہو تو اس تقدیر پر الغاء قسم واجب ہے جیسے انا قائم واللہ اور ان آتیتنی آتک واللہ ۱۲ **قولہ و اما الخ** بفتح ہمزہ و تشدید میم اور کبھی ثقل کی وجہ سے میم اول کو یاء سے بدل لیتے ہیں اور ایما کہتے ہیں اور یہ حرف شرط و تفصیل و تاکید کے واسطے آتا ہے ۱۲ **قولہ التفصیل الخ** یعنی اس چیز کی تفصیل کیلئے آتا ہے جسکو متکلم نے سابقاً بطریق اجمال ذکر کیا ہو جیسا کہ اس آیت کریمہ میں جو کتاب میں مذکور ہے جاننا چاہیے کہ اما کا تعدد لازم نہیں ہے جیسے قولہ تعالیٰ فاما الذین فی قلوبہم زیغ (الآیۃ) چنانچہ اس آیت میں دوسرا اما مذکور نہیں ہے چونکہ اس مقام سے مفہوم ہوتا ہے اسی وجہ سے بعض نے کہا ہے کہ والراسخون فی العلم اما الراسخون فی العلم کی تقدیر میں ہے اور صحیح یہ ہے کہ دوسرا اما بالکل لازم نہیں نہ لفظاً نہ تقدیراً اور اسی امر کی صحت میں اسطرح بولنا کہ اما انا فقد قلت ہذا اسی بات پر دلالت کرتا ہے اور کبھی اما اس امر کی تفصیل کیلئے آتا ہے جو ذہن متکلم میں مجمل ہو اور مخاطب کو بواسطہ قرائن معلوم ہو جائے دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ مجمل میں تعمیم ہے خواہ لفظاً ہو خواہ تقدیراً اول کی مثال جیسے لقیت اخوتک اما زید فاکرمنی و اما عمرو فاہاننی اور ثانی کی مثال جیسے اما زید فاکرمنی و اما عمرو فاہاننی جبکہ یہ کلام اس مخاطب سے کریں کہ جو اپنے بھائیوں کی نسبت یہ علم رکھتا ہے کہ وہ متکلم سے ملے ہیں پس اسجگہ لقیت اخوتک مقدر ہے اور یہاں مجمل تقدیراً مذکور ہے اور کبھی اما استیناف کیلئے آتا ہے بلا اس کے کہ اس کے پہلے اجمال ہو جیسے وہ اما جو کتابوں کے خطبوں میں واقع ہوتا ہے یعنی اما بعد الخ محققین نے کہا ہے کہ اما کو کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ اما کے بعد فاء اور امر اور نہی ہو اور ان کے ماقبل منصوب ہو یا مفسر ہو لہذا زیداً فضربت اور زید فضربتہ کے اول میں اما مقدر کرکے بولنا درست نہ ہوگا نیز جو تاویل تقدیراً اما کی بعد میں کی جاتی ہے جو کہ اوائل کتب میں واقع ہے غلط ہے اور عدم تدبر پر مبنی ہے ۱۲ **قولہ و یجب فی جوابہا الخ** اما کے جواب میں دو امر لازم ہے ایک جواب پر فاء کا داخل ہونا دوسرے اول کا ثانی کیواسطے سبب ہونا یہ دونوں امر اسوجہ سے لازم ہیں کہ یہ دونوں امر اس کے کلمہ شرط ہونے کا حکم کریں گے ۱۲ **قولہ وان یحذف فعلہا الخ** اس کا عطف الفاء پر ہو رہا ہے یعنی اما جس فعل پر داخل ہوتی ہے اس کا حذف کرنا واجب ہے اور یہ وجوب حذف دو وجہ سے ہے ایک ثقل لفظی ہے اور ایک غرض معنوی ثقل لفظی تو اس وجہ سے کہ اما اصل میں تفصیل کے واسطے موضوع ہے اور تفصیل تکرار کو مقتضی ہے اور تکرار موجب ثقل ہے لہذا حصول تخفیف اور کثرت استعمال کی وجہ سے فعل کا حذف کرنا واجب ہو گیا اور غرض معنوی یہ ہے کہ نحاۃ کا ارادہ حذف فعل سے اس چیز کا لانا ہے جو حقیقت میں قصد متکلم کے کے اندر ملزوم ہے بجائے اس شرط کے جو کہ وہ کلام میں ملزوم ہے نہ قصد متکلم میں بیان اس کا یہ ہے کہ اما زید فمنطلق کی اصل مہما یکن من شئ فزید منطلق ہے یعنی اگر دنیا میں جب کوئی چیز ہوئے گی تو وہ انطلاق زید پر ہوگا اور یہ وقوع انطلاق زید کا یقینی ہے کیونکہ حصول انطلاق زید دنیا میں چیز کے حصول کے ساتھ لازم ہو گیا ہے اور جب تک دنیا باقی ہے اس چیز کا وقوع ہونا ضروریات سے ہے اور جب کہ غرض کلی اس ملازمت سے شرط اور جزاء کے درمیان لزوم انطلاق زید کے واسطے ہے اور کلام میں یکن من شئ شرط ملزوم ہے نہ قصد متکلم میں تو اس کو حذف کر دیا اور انطلاق کے ملزوم کو جو کہ متکلم کے قصد میں ہے یعنی زید کو اس کے بجائے لے آئے اور فاء کو مبتدا سے خبر کی جانب نقل کر دیا چونکہ فاء کے مابعد کو ماقبل کے واسطے سبب ہونا لازم ہے لہذا وہ غرض کلی جو کہ لزوم انطلاق زید کے واسطے ہے وہ حاصل ہو گئی یہ ہی مطلب ہے مصنفؒ کی عبارت ذلک لیکون تنبیہا یعنی فعل کو اس وجہ سے حذف کرتے ہیں کہ اما کے ساتھ اس اسم پر حکم کرنا مقصود ہے جو اس کے بعد واقع ہے ۱۲ **قولہ فحذف الخ** یعنی پہلے فعل شرط یکن کو حذف کر دیا پھر جار مجرور یعنی من شئ کو حذف کر دیا اور مہما کی جگہ میں اما رکھ دیا اب اما فزید منطلق ہو گیا اب حرف شرط فاء جزائیہ پر داخل ہے اس لیے حرف شرط اور فاء جزائیہ کے درمیان اس چیز کو لے آئے جو فاء کے تحت میں ہے۔ تاکہ بعد حذف فعل شرط کے علامت شرط اور علامت جزاء کا اجتماع بلا فصل لازم نہ آئے ۱۲

⁂

مهما حتى يفضى اما فزيد منطلق ولما لم يناسب دخول حرف الشرط على فاء الجزاء نقلوا الفاء الى الجزاء الثانى ووضعوا الجزء
الاول بين اما والفاء عوضا عن الفعل المحذوف ثم ذالك[1] الجزء الاول ان كان صالحا للابتداء فهو مبتداء كما مرّ و
الا فعامله ما يكون بعد الفاء كاما يوم[2] الجمعة فزيدٌ منطلق فمنطلق عامل فى يوم الجمعة على الظرفية **فصل**
حرف[3] الردع كلّا وضعت[4] لزجر المتكلم وردعه عما يتكلم به كقوله تعالى واما اذا ما ابتلاه فقدر عليه رزقه فيقول ربّى اهانن
كلا اى لا تتكلم بهذا فانه ليس كذالك هذا بعد الخبر وقد تجئ بعد الامر ايضا كما اذا قيل لك اضرب زيدا فقلت
كلا اى لا افعل هذا قطّ وقد تجئ بمعنى حقا كقوله تعالى كلا سوف تعلمون وحينئذ[5] تكون اسما يبنى لكونه مشابها لكلا
حرفا وقيل تكون حرفا ايضا بمعنى انّ لتحقيق الجملة نحو كلا ان الانسان ليطغى بمعنى انّ **فصل** تاء التانيث[6] الساكنة

قولہ ثم ذلک الجزء الخ یعنی اگر مبتداء بننے کے قابل ہے تو مبتداء بنایا جاویگا اور نہیں تو اس کا عامل وہ ہوگا جو فاء کے بعد ہے خلاصہ کلام اس مقام میں یہ ہے کہ نحویوں میں اختلاف ہو رہا ہے کہ وہ اسم جو اما کے بعد واقع ہوتا ہے کیا یہ اسکا جز ہے جو اس کے جواب میں ہے یا نہیں سیبویہ اس طرف گیا ہے کہ یہ اس کا جز ہے جو اس کے جواب کے تحت میں ہے خواہ وہ مرفوع ہو یا منصوب خواہ فاء کے بعد ایسا جز ہو جو تقدیم کو منع کر دیتا ہے خواہ ایسا جز نہ ہو اور یہی مصنف کے نزدیک مختار ہے اور ابو العباس مبرد اس طرف گیا ہے کہ یہ جواب کا جز نہیں ہے مطلقا خواہ ایسی چیز وہاں ہو جو تقدیم سے روکتی ہے خواہ ایسی چیز نہ ہو بلکہ فعل محذوف کا معمول ذکر ہوتا ہے خواہ مرفوع ہو یا منصوب لہذا اس مذہب پر اما زید فمنطلق کی تقدیر ہوگی مہما ذکر زید فہو منطلق تیسرا مذہب اس میں مازنی کا ہے اور وہ یہ کہ جز مذکور اگر جائز التقدیم ہو یعنی فاء جزائیہ کے علاوہ اسکی تقدیم سے کوئی اور مانع نہ ہو تو قسم اول سے ہے یعنی وہ چیز فاء کا جز ہے جو فاء پر مقدم کیا گیا ہے اور اگر جز مذکور جائز التقدیم نہ ہو بلکہ سوائے فاء کے اس کی تقدیم سے کوئی مانع ہو تو وہ قسم ثانی سے ہے جیسے اما یوم الجمعۃ فانک مسافر پس اس مثال میں یوم الجمعۃ کی تقدیم سے علاوہ فاء کے ان حرف مشدد مانع ہے اس لئے کہ ما بعد ان کا اسکے ما قبل میں عامل نہیں ہو سکتا ہے لہذا جز مذکور فعل مذکور یعنی شرط کا معمول ہے ۱۲ **قولہ اما یوم الجمعۃ الخ** اما شرطیہ کی مثال ہے مذہب اول کی بناء پر اما یوم الجمعۃ فزید منطلق کی اصل مہما یکن من شیء فزید منطلق یوم الجمعۃ ہے لیکن من شیء شرط کو حذف کر کے اما کو قائم مقام مہما کے کیا گیا ہے اور جزاء کے معمول یوم الجمعۃ کو اما اور فاء کے درمیان بعوض محذوف لائے اور مذہب ثانی پر اسکی اصل مہما یکن من شیء یوم الجمعۃ فزید منطلق ہے پس اس وقت یوم الجمعۃ شرط کا معمول ہوگا جیسا کہ ظاہر ہے اور تیسرے مذہب پر وہ تقدیر ہے جو اول مذہب پر ہے چونکہ یہ جزاء جائز التقدیم ہے ۱۲ **قولہ حرف الردع الخ** ردع کے معنی زجر اور منع چونکہ کلا زجر اور منع کیلئے موضوع ہے اس وجہ سے کلا کو حرف ردع کہتے ہیں اور لفظ کلا میں نحویوں کا اختلاف ہے کہ یہ لفظ بسیط ہے یا مرکب جمہور کے مذہب پر لفظ بسیط ہے اور ابن یعیش کہتا ہے کہ کاف تشبیہ اور لا سے مرکب ہے اسکو تشبیہ سے خارج کرنیکے واسطے تشدید دیدی ہے ۱۲ **قولہ وضعت لزجر الخ** یعنی کلا متکلم کو جھڑکنے اور روکنے کیلئے موضوع ہے اس چیز سے جس کے ساتھ متکلم نے تکلم کیا ہے جیسے آیت کریمہ ربی اھانن کلا یعنی اسکے ساتھ تکلم مت کر کیونکہ امر ایسا نہیں ہے یہ معنی اسوقت ہے جبکہ یہ خبر کے بعد آوے اور کبھی اسی معنی میں امر کے بعد بھی آتا ہے جیسے اضرب زیدا فقلت کلا یعنی ایسا میں کبھی نہیں کرونگا اور کبھی یہ بمعنی حقا آتا ہے جیسے کلا سوف تعلمون اس سے مقصود جملہ کے معنی کی تحقیق ہوتا ہے جیسے ان سے ہوا کرتی ہے جاننا چاہیے کہ نحاۃ اس مقام میں مختلف ہیں سیبویہ اور اکثر نحاۃ اس پر ہیں کہ کلا بمعنی ردع اور زجر ہے اسکے اس معنی کے سوا اور کوئی معنے نہیں ہے اور بعض نحوی کہتے ہیں کہ کلا ہمیشہ زجر اور ردع کیلئے موضوع نہیں ہے چنانچہ آیت کریمہ یوم یقوم الناس لرب العلمین کلا میں کلا کے معنے ردع اور زجر کے نہیں ہے معنی کی تعیین میں ان کے اندر اختلاف ہو گیا بعض بمعنے حقا کہتے ہیں اور بعضے بمعنی الا اور نعم اس قول پر کلا حرف ایجاب کے بمنزلہ ہے اور بعضے بمعنی سوف کہتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ کلا کے یہ سب معانی مجازی معانی ہیں مقام کی قرائن کی مدد سے ان معانی پر محمول ہوتا ہے لہذا ان لوگوں کا قول سیبویہ اور اکثر نحاۃ کے مذہب پر قادح نہیں ہوگا اس لئے کہ ان کا وہ کلام اس کے حقیقی معنے کے اندر ہے ۱۲ **قولہ حینئذ تکون اسما الخ** جاننا چاہیے کہ نحاۃ کے درمیان اس امر میں اختلاف ہو گیا کہ آیا کلا کہ جس وقت یہ حقا کے معنی میں ہوتا ہے اسم ہے یا حرف ہے نحویوں کی ایک جماعت اسی معنی پر اس کے اسم ہونے کی قائل ہے اب سوال ہوتا ہے کہ جبکہ یہ اسم ہے اور اسم میں اصل اعراب ہے تو یہ اسم معرب ہونا تو مصنف کہتا ہے کہ اسم معرب نہیں ہے کیونکہ اس معنی میں بھی اسم مبنی ہے چونکہ یہ اس کلا کے مشابہ ہے جو حرف ہے اور حرف کا مشابہ مبنی ہوتا اس کلا بمعنے حقا کو بمعنی ردع کیا تھا لفظی اور معنوی دونوں طرح کی مشابہت ہے مشابہت لفظی تو ظاہر ہے اور مشابہت معنوی کا بیان یہ ہے کہ زجر اس چیز کی تنقیض سے ہوتا ہے جس کی حقیقت اعتقاد سے منفک نہیں ہوتی ہے اسلئے کہ کسی چیز کی حقیقت کا بیان کبھی اس چیز کی نقیض کے زجر سے ہوتا ہے اور کبھی اس کے عکس سے ہوتا ہے لہذا ہر دو معنے یعنی زجر اور حقیقت میں ملازمت ہے ہر ملازم دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے اس وجہ سے کلا بمعنے حقا بہ اسی کلا کے مشابہ ہوگا جو کلا بمعنی زجر و ردع ہے اور کسائی اور اس کے تابعین کہتے ہیں کہ جب کلا بمعنے حقا ہوتا ہے اس وقت بھی حرف ہے کیونکہ ان کے معنی میں اسی سے جملہ کی تحقیق ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں کلا بمعنے حقا ہے یعنی لہذا جب یہ حرف ہے تو اب حرف ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے ۱۲ **قولہ تاء التانیث الساکنۃ الخ** یعنی تانیث کی ساکن تاء نہ کہ متحرک یہ فعل ماضی کے آخر میں آتی ہے تاکہ اسم کے مؤنث ہونے پر دلالت کرے جس کی طرف فعل کی اسناد کی جا رہی ہے یعنی فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرے ساکنہ کی قید اس وجہ سے لگائی ہے تاکہ اس سے احتراز ہو جاوے کیونکہ متحرکہ اسم کے ساتھ مختص ہے سکون سے مراد یہ ہے کہ اصل میں ساکن ہو اگرچہ بعض مقام میں کسی سبب سے متحرک ہو جاوے تو کچھ حرج نہیں جیسے قامتا میں کہ دو ساکن کے التقاء کی وجہ سے تاء متحرک ہو گئی ہے

(بقیہ بر صفحہ ۱۸۰ پر)

تلحق الماضي لتدل على تانيث ما اسند[1] اليه الفعل نحو ضربت هند وقد[2] عرفت مواضع وجوب الحاقها واذا لقيها[3] ساكن بعدها وجب تحريكها بالكسر لان الساكن اذا حُرِّكَ حُرِّكَ بالكسر نحو قد قامت الصلوة وحركتها[4] لا توجب رد ما حذف لاجل سكونها فلا يقال رمات المرأة لان حركتها عارضية واقعة لرفع التقاء الساكنين فقولهم المرأتان رماتا ضعيف واما[5] الحاق علامة التثنية وجمع المذكر وجمع المونث فضعيف فلا يقال قاما الزيدان وقاموا الزيدون وقمن النساء ويعتقد بالالحاق لا تكون الضمائر لئلا يلزم الاضمار قبل الذكر بل علامات دالة على احوال الفاعل كتاء التانيث

فصل

التنوين[6] نون ساكنة تتبع حركة آخر[7] الكلمة

(بقیہ حاشیہ ص۱۷۹) جاننا چاہیے کہ قیاس بیان پر یہ تھا کہ یہ تا مسند الیہ کو لاحق ہوتی کیونکہ وہ مؤنث ہوتا ہے اور فعل چونکہ مسند ہے اس کے ساتھ لاحق نہ ہوتی لیکن یہ ماضی چونکہ مسند ہوتا ہے اس کے ساتھ لاحق ہوتی کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان اسناد کے اندر اصل اتصال ہے اور یہ اتصال اصل اس وجہ سے ہے کہ فعل فاعل کی طرف محتاج ہے کیونکہ فاعل فعل کے واسطے جزو کے مانند ہے اسی وجہ سے ضربت میں جب تا فاعل لگی تو لام کلمہ ساکن ہو گئی تاکہ ایک کلمہ میں توالی متحرکات اربعہ لازم نہ آوے اسی وجہ سے یہ تانیث کی تا بھی فعل کے ساتھ لگی نہ فاعل کیساتھ ۱۲ **قولہ اسند الیہ الفعل الخ** یعنی مسند الیہ کی تانیث پر خواہ تحقیقاً جیسے ضربت ہند خواہ تنزیلاً جیسا کہ ان جموع میں جو مؤنث کے مرتبہ میں اتاری جاتی ہیں ۱۲ **قولہ وقد عرفت الخ** یعنی تار تانیث ماضی کے ساتھ جہاں جہاں لاحق کی جاتی ہے ان مواضع کو تم نے پہچان لیا ہے یہاں مواضع سے مراد جمع منتہی الجموع نہیں ہے بلکہ ما فوق الواحد مراد ہے کیونکہ دو جگہ جہاں تار لگانا واجب ہے کل دو ہیں (۱) جبکہ فاعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہو (۲) فاعل ضمیر مؤنث ہو خواہ حقیقی ہو یا لفظی ان دو صورت میں فعل کا مؤنث لانا واجب ہوتا ہے جیسے قالت ہند و ہند قالت ۱۲ **قولہ اذا لقیہا ساکن الخ** یعنی تار تانیث ساکنہ کے بعد ساکن آجاوے تو دو ساکن جمع ہو جاویں گے اس وجہ سے اس کو کسرہ کی حرکت دینا واجب ہے کیونکہ اصل ساکن کا تحریک میں کسرہ ہے اور کسرہ اپنے قلت کی وجہ سے عدم یعنی سکون کے مشابہ ہے ۱۲ **قولہ وحرکتہا لا توجب رد ما حذف الخ** یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے تقریر سوال یہ ہے کہ جب لیکن اجتماع ساکنین کی وجہ سے محذوف ہوتا ہے تو جب تا باقی ساکن متحرک ہو جاوے تو چاہیے کہ وہ محذوف لوٹ آئے کیونکہ سبب زائل ہو گیا تو چاہیے رمتا اور رمت المرأۃ میں الف واپس آجاوے اور یوں بولا جاوے رماتا اور رمات المرأۃ حالانکہ وہ محذوف لوٹتا نہیں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے مصنفؒ اس کا جواب دیتا ہے کہ تار تانیث متحرک ہوتا جو ساکن ہونیکے سبب سے محذوف ہوا ہے اس کے لوٹانے کو نہیں چاہیے کیونکہ یہ حرکت عارضی تو رفع التقاء ساکنین کی وجہ سے اس پر آتی ہے اسی وجہ سے رمات المرأۃ نہیں بولا جاتا ہے اسی پر سوال ہوتا ہے کہ اگر تمہارے قول کو تسلیم کر لیں جائے تو ان کا قول المرأتان رماتا غلط ہوتا ہے حالانکہ عرب اسی طرح بولتے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ جیسے تم کہتے ہو ایسے نہیں ہے جواب یہ ہے ان کا قول ضعیف ہے جو قابل اعتبار نہیں ہے چونکہ قاعدہ مذکورہ کے مخالف ہے ۱۲ **قولہ اما الحاق علامۃ الخ** یہ جملہ مستانفہ ہے ایک وہم کے دور کرنے کیلئے لایا ہے وہم یہ ہوتا ہے کہ تثنیہ اور جمع کی حالت بھی الحاق میں تار تانیث کے مانند ہیں تو جس طرح پر مسند الیہ کی تانیث کیلئے تار تانیث فعل پر بڑھائی جاتی ہے اسی طرح چاہیے کہ مسند الیہ جبکہ اسم ظاہر ہو تو اس کے مثنیٰ اور مجموع پر دلالت کرنے کیلئے فعل کیساتھ تثنیہ اور جمع کی علامتیں بڑھا دینی چاہییں حالانکہ بڑھائی نہیں جاتی ہے مصنفؒ جواب دیتا ہے ان کا الحاق فعل کے ساتھ اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ مثنیٰ اور مجموع ان علامتوں کی طرف محتاج نہیں ہیں کیونکہ مسند الیہ مثنیٰ اور مجموع سے انکا مثنیٰ اور مجموع ہونا معلوم ہو جاتا ہے بخلاف تانیث کے کہ بعض دفعہ وہ معنوی ہوتی ہے کہ خود اس مسند الیہ سے اسکا مؤنث ہونا معلوم نہیں ہوتا اسی وجہ سے فعل کیساتھ علامت تانیث کا الحاق ضروری ہو گیا ہے اور چونکہ جب فاعل مثنیٰ اور مجموع ہو تو دلیل مذکور اس کو مقتضی ہے کہ فعل کے ساتھ علامات تثنیہ و جمع نہ بڑھائی جاوے اسی وجہ سے ان کا الحاق ضعیف ہو گیا ہے اسی وجہ سے قاما الزیدان وقاموا الزیدون وقمن النساء بولنا ضعیف ہو گیا نیز اس الحاق کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اس وجہ سے یہی جائز نہ ہو بلکہ ممتنع ہو حالانکہ الحاق کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے تو مصنفؒ اس کے متعلق کہتا ہے کہ ان علامات کے الحاق کے وقت میں یہ ضمیریں نہ ہوں گی بلکہ تاکہ خرابی مذکورہ لازم نہ آئے بلکہ ان کو فاعل پر دلالت کرنے والی محض علامات قرار دیا جاویگا جیسے تار تانیث ساکنہ کہ محض علامت ہے اور ضمیر نہیں ہے کیونکہ اگر ضمیر ہوتی تو اظہار فاعل کے وقت میں اس کا حذف واجب ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ضربت ہند بولنا جائز ہے لہٰذا یہ ضمیریں ضمیریں بھی نہیں ہیں ۱۲ **قولہ التنوین الخ** تنوین دراصل مصدر ہے جس کے معنے نون داخل کرنا ہے اب خود نون کو تنوین بولنے لگے ہیں اصطلاح میں جو معنے ہے مصنفؒ اسکو بیان کرتا ہے چنانچہ کہتا ہے تنوین نون ساکن ہے جو کلمہ کی آخر حرکت کے تابع ہوتا ہے نہ بغرض تاکید فعل جاننا چاہیے کہ یہ تنوین تلفظ میں نون ساکن ہوتا ہے اور کتابت میں نون نہیں ہوتا بلکہ نون کے بجائے دو زبر یا دو زیر یا دو پیش لگاتے ہیں اور یہ بذات خود ساکن ہوتی ہے اور حرکت عارضی سے اس کو کچھ ضرر نہ ہوگا جیسے عاد الاولیٰ تتبع کی قید سے من اور عن کا نون خارج ہو گیا کیونکہ اگرچہ یہ نون ساکن ہے مگر حرکت کے تابع نہیں ہے بلکہ یہ نون ان کلموں کا آخر حرف ہے ۱۲ **قولہ حرکۃ آخر الکلمۃ الخ** یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے تتبع آخر الکلمۃ کیوں نہیں کہا لفظ حرکت کیوں [illegible] اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس نے اس امر پر تنبیہ کرنی ہے کہ تنوین حالت وقف میں حرکت کے ساقط کرنیکے وقت ساقط ہو جاتی ہے اگر مصنفؒ تتبع آخر کہتا تو لازم آتا کہ تنوین حالت وقف میں ساقط نہ ہو بعض نے لفظ حرکت کے اندراج کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر مصنف یوں کہتا کہ آخر الکلمہ بلا لفظ حرکت نہ یاد کرنیکے تو اس سے سمجھا جاتا ہے کہ بلا کسی تخلل کے کلمہ کے آخر کو تنوین لاحق ہوتی ہے حالانکہ حرکت آخر کلمہ اور تنوین کے درمیان حائل ہے غرضیکہ واقع کے خلاف بیان لازم آتا اس علت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ جہاں اس سے وہ متبادر ہوتا ہے اس کیساتھ یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ درمیان میں حرف بھی حائل نہ ہو لہٰذا اس کے اندراج کی وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی یہ نہیں ہے (بقیہ حاشیہ بر ص۱۸۱)

لا لتاکید الفعل وهي خمسة اقسام الاول للتمكن وهو ما يدل على ان الاسم متمكن في مقتضى الاسمية اي انه منصرف نحو زيد ورجل والثاني للتنكير وهو ما يدل على ان الاسم نكرة نحو صهٍ اي اسكت سكوتا ما في وقت ما واما صهْ بالسكون فمعناه اسكت السكوت الآن والثالث للعوض وهو ما يكون عوضا عن المضاف اليه نحو حينئذ وساعتئذ ويومئذ اي حين اذ كان كذا والرابع للمقابلة وهو التنوين الذي في جمع المؤنث السالم نحو مسلماتٌ وهذه الاربعة تختص بالاسم والخامس للترنم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰) اور کلمہ سے مراد یہاں اسم ہے خواہ حقیقۃً ہو خواہ حکماً لہٰذا اس میں قائمۃ اور بصریٌ کی تنوین داخل ہو جاویگی اور آخر سے مراد وہ حرف ہے جس پر تکلم ختم ہو اور اس مراد پر قاضیٍ کی تنوین کو یہ تعریف شامل ہو جاویگی کیونکہ ضاد آخر کلمہ ہے نہ حقیقۃً اور نہ حکماً بلکہ آخر کلمہ اس کا محذوف ہے یا خود تنوین ہے لیکن ضاد آخر میں تکلم کے اعتبار سے ہے جو یہاں پر مراد ہے مصنفؒ نے آخر کلمہ کے بجائے آخر الاسم کے اس وجہ سے کہا ہے تاکہ یہ تعریف تنوین ترنم اور غالی کو بھی شامل ہو جاوے کیونکہ یہ دونوں جس طرح اسم پر آتی ہے اسی طرح فعل اور حرف پر بھی آتی ہے ۱۲ **قولہ لا لتاکید الفعل الخ** یہ نون ساکن جو آخر کلمہ کی حرکت کے تابع ہوتا ہے فعل کی تاکید کے واسطے نہ ہو اس قید سے نون خفیفہ تعریف تنوین سے خارج ہو گیا کیونکہ وہ نون ساکن آخر حرف کی حرکت کے تابع ہے لیکن تاکید فعل کے واسطے ہے لہٰذا تنوین نہ ہوگا اور لا لتاکید الفعل میں لا حرف نفی ہے جو فعل مقدر پر داخل ہوا ہے جس پر مصنفؒ کا قول لتاکید دلالت کرتا ہے کیونکہ جار مجرور فعل کے متعلق ہوگا یہاں فعل چونکہ لفظاً نہیں اس وجہ سے تقدیراً مان لیا جاویگا پھر یہ جملہ تنوین کی صفت ہے تقدیر عبارت ہوگی لا یکون التنوین ساکنۃً لتاکید الفعل یا حرف عطف ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے اس صورت میں تقدیر ہے التنوین نون ساکنۃ تتبع حرکۃ آخر الکلمۃ لا نون ساکنۃ تلحق الآخر لتاکید الفعل ۱۲ **قولہ وہی الخ** یعنی تنوین پانچ قسم پر ہے بلکہ چھ قسم پر ہے کیونکہ ایک قسم تنوین غالی ہے ۱۲ **قولہ وہو ما یدل الخ** یہ تنوین تمکن کی تعریف ہے یعنی تنوین تمکن وہ تنوین ہے جو اس پر دلالت کرے کہ وہ اسم جس پر داخل ہوئی وہ متمکن یعنی مقتضی اسمیہ میں راسخ ہے یعنی اس پر دلالت کرے کہ وہ اسم منصرف ہے یہ تنوین تمام اسماء معربہ پر جو کہ منصرف ہوتے ہیں داخل ہوتا ہے اگرچہ جمع مؤنث سالم اور نحو جوار کے ان دونوں پر یہ تنوین داخل ہوتی ہے اور اس تنوین کا نام تنوین تمکین اور تنوین الصرف بھی ہے چونکہ منصرف اور غیر منصرف کے درمیان اس سے فرق ہوتا ہے ۱۲ **قولہ نحو زید ورجل الخ** بعض نے وہم کیا ہے اور کہا ہے کہ رجل میں تنوین تنکیر کی تنوین ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ اگر تنوین تنکیر ہوتی ہے تو جس وقت اسکے ساتھ کسی کا نام رکھ دیا جاتا اور علم بنا دیا جاتا تو تنوین باقی نہ رہتا حالانکہ یہ تنوین بحالہ باقی رہتی ہے جس سے ثابت ہوا کہ اس میں متمکن کی تنوین ہے نہ تنکیر کی ۱۲ **قولہ والثانی الخ** یعنی دوسری قسم تنوین کی تنوین تنکیر ہے اور تنوین تنکیر وہ تنوین ہے جو اس پر دلالت کرے کہ جس پر وہ داخل ہے نکرہ اور معرفہ نہیں ہے یہ تنوین مبنی اسموں پر آتی ہے معرفہ اور نکرہ میں فرق کرنے کیواسطے جیسے صہٍ باتنوین اور صہْ بالسکون دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول نکرہ ہے اور ثانی معرفہ اول کے معنی ہے اسکت سکوتاً ما فی وقتٍ ما صحاح میں ہے کہ صہ میں وصل اور وقف کے درمیان فرق کرنے کیلئے ہے یعنی منون بولتے ہیں تو صہ حالت وصل میں ہوتا ہے اور بلا تنوین کے حالت وقف میں ہوتا ہے اس کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ تنوین کی ایک چھٹی قسم ہے جو وصل اور وقف کے درمیان فارق ہے رضیؒ نے کہا ہے کہ تنوین تنکیر صوت اور اسم فعل کے ساتھ مختص ہے جیسے سیبویہ اور صہ جبکہ بلا تنوین کے بولا جاتا ہے تو اسکے معنے اسکت السکوت الآن کے ہوتے ہیں یعنی یہ معرفہ ہوتا ہے ۱۲ **قولہ والثالث الخ** یعنی ان اقسام میں سے تیسری قسم کی تنوین عوض ہے اور تنوین عوض تین قسم پر ہے ایک وہ جملہ کے عوض میں ہوتی ہے یہ وہ تنوین ہے جو اذ کے آخر میں جملہ کے عوض میں آتی ہے جو کہ اذ کے بعد ہوا کرتا ہے اور اس کو حذف کرکے یہ تنوین لائی جاتی ہے اور یہ جملہ اذ کا مضاف الیہ ہوتا ہے جیسے حینئذٍ ۔ کہ اصل میں حین اذ کان کذا تھا حین اذ کا طرف مضاف ہے اور اذ جملہ کی طرف پھر جملہ کو تخفیف کی غرض سے حذف کرکے اس کے بدلے میں اذ کے ساتھ تنوین لگا دی ایسے ہی ساعتئذ اور یومئذ ساعت اذ کان کذا اور یوم اذ کان کذا تھا تنوین عوض کی دوسری قسم وہ ہے جو اسم کے بدلے ہوتی ہے اور تنوین کل کے آخر میں مضاف الیہ کے بدلے میں آیا کرتی ہے جس کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے کلٌّ قائمٌ کہ اصل میں کل انسان قائم تھا انسان کو حذف کر دیا اور اس کی عوض میں تنوین لے آئے تیسری قسم وہ ہے جو حرف یا حرکت کے عوض میں ہوتی ہے اور یہ مثل جوارٍ غواشٍ میں حالت رفع اور جر میں آتی ہے ایک سبب پر یعنی اصل میں جواری اور غواشی کے آخر میں یا متحرک تھی اس پر سے حرکت ضمہ یا کسرہ کو حذف کر دیا اور اس کے بدلے میں تنوین لے آئے اور یا اجتماع ساکنین کی بنا پر حذف ہو گئی یعنی بعض یا محذوف کے بدلے میں تنوین لاتے ہیں اور یاء کا بعد حذف ضمہ اور کسرہ کے تقدیر تنوین کے ساتھ اجتماع ساکنین سے اس کو حذف کر دیتے اور پھر تنوین یاء کے عوض میں لاتے ہیں ۱۲ **قولہ الرابع الخ** چوتھی قسم تنوین کی مقابلہ کیلئے ہے یعنی تنوین مقابلہ ہے یہ وہ تنوین ہے جو جمع مؤنث سالم پر داخل ہوتا ہے جیسے مسلماتٌ اس میں تنوین نون کے مقابلہ میں ہے جو کہ مسلمون یا مسلمین میں ہے اور مسلمات میں الف تا علامت جمع ہے جیسا کہ واؤ مسلمون میں اور یا مسلمین میں علامت جمع ہے اور اس میں یہ تنوین تنوین تمکن نہیں ہے جیسا کہ بعض نے وہم کیا ہے اور تنوین تنکیر بھی نہیں ہے کیونکہ یہ تنوین ان اعلام میں پائی جاتی جس میں تصرف ممتنع ہے اور تنوین عوض بھی نہیں ہے کیونکہ اس کے معنے نہیں بنتے ہیں اور یہ تنوین ترنم بھی نہیں ہے چونکہ وہ شعروں اور مصرعوں کے آخر میں آتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ مسلمات میں تنوین مقابلہ ہے ۱۲ **قولہ وہذا الاربعۃ الخ** یعنی یہ مذکورہ چار قسمیں اسم کے ساتھ مختص ہیں وجہ اختصاص علامات اسم میں بیان ہو چکی ہے مصنفؒ کے اس کلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تنوین کی پانچویں قسم یعنی تنوین ترنم اسم کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ وہ اسم و فعل پر داخل ہوتی ہے ۱۲ **قولہ الخامس الخ** یعنی ان اقسام میں سے پانچویں قسم تنوین ترنم ہے اور یہ وہ ہے جو شعروں اور مصرعوں کے آخر میں آوے ترنم اچھی آواز اور گانا اور آواز کا پھرانا اور کمان کے کھینچنے کے وقت آواز کرنا اور قرآن خوانی میں عمدہ آواز کرنا یہ سب معنے ترنم کے آتے ہیں یہ تنوین شعروں اور مصرعوں کے آخر میں شعر خوانی کی تحسین کیواسطے داخل ہوتی ہے کیونکہ ترنم کے معنی لغت میں گانا اور یہ تنوین ایسا حرف ہے جس کے سبب سے ناک میں آواز کا گھمانا آسان ہو جاتا ہے اور ناک میں آواز کا گھمانا راگ کی خوبی کے سبب سے ہے لہٰذا اس بیان سے ثابت ہوا کہ تنوین ترنم خوبی راگ کے حاصل کرنے کے واسطے لاحق ہوتا ہے ابن یعیشؒ کا مذہب ہے اور ابن حاجبؒ کے نزدیک بھی مختار ہے اور بعضوں (جن میں سے رضی بھی ہے) کے نزدیک اس تنوین کو تنوین ترنم اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ ترنم کے چھوڑنے کیواسطے آتی ہے کیونکہ اس تنوین کو حروف اطلاق منفا کر کے لگاتے ہیں (بقیہ برص ۱۸۲ پر) ؛

وهو الذی یلحق اٰخر الابیات والمصاریع کقول الشاعر شعر

اَقِلِّی اللَّومَ عَاذِلُ وَالعِتَابَنْ   وَقُولِی اِنْ اَصَبْتُ لَقَدْ اَصَابَنْ

وکقوله یا ابتا علّک او عساکن وقد یحذف من علم اذا کان موصوفا بابن او ابنة مضافا الی علم اٰخر نحو جاءنی زید بن عمرو وهند ابنة بکر **فصل** نون التاکید وهی وضعت لتاکید الامر والمضارع اذا کان فیه طلب وهی بازاء قد لتاکید الماضی وهی علی ضربین خفیفة ای ساکنة ابدا نحو اَضرِبَنْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۱) اور یہ حروف مذکورہ درازی آواز کی وجہ سے ترنم کی خود صلاحیت رکھتے ہیں تو لہذا جب شعروں میں ترنم کا قصد مقصود ہوتا ہے تو حروف اطلاق کو حذف کرکے تنوین لگاتے ہیں جو درازی آواز سے خالی ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ تنوین ترنم کے چھوڑنے کے واسطے آتی ہے اس مقام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ تنوین معنے کے واسطے موضوع نہیں بلکہ غرض ترنم کے واسطے موضوع ہے اور ایسے ہی اور تنوینات جیسے عوض اور مقابلہ کہ غرض تعویض اور مقابلہ کیلئے موضوع ہیں اور نفس تعویض اور نفس مقابلہ کیلئے موضوع نہیں ہے لہذا ان کو حروف سے شمار کرنا درست نہیں جیسے حروف تہجی کہ حروف نحویہ نہیں کیونکہ حروف نحویہ کلمہ نحویہ کی قسم ہیں اور یہ چونکہ معنی کیلئے موضوع نہیں اس وجہ سے حروف نحویہ نہ ہوئے بعض نے کہا ہے کہ ذکر تنوین میں برائے افادہ ان کو ذکر کیا ہے اس وجہ سے اعتراض نہیں ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب ۱۲ **قولہ اقلی الخ** یہ جریر ابن عطیہ کا شعر ہے جو فحول شعراء اسلام سے شمار کیا جاتا ہے اقلی واحد مؤنث حاضر امر اقلال بمعنے چھوڑنا کم کرنا اور یا ر فاعل اللوم اقلی کا مفعول اللوم والعذل اور عتاب مرادف الفاظ ہیں سب کے معنی عذاب دینا ملامت کرتا ہے عاذل مرخم عاذلہ منادی یا حرف ندا محذوف یہ مبنی الضم ہے علی حرف المحذوف یا الموجود والعتابن اللوم پر معطوف اور منصوب کا معطوف منصوب ہو جاتا ہے اس وجہ سے یہ منصوب ہے نون ساکن اس میں ترنم کی ہے جو الف اطلاق کو حذف کرکے بعد لگایا گیا ہے اور قولی اقلی پر معطوف ہے واحد مؤنث حاضر قول سے امر بمعنی کہنا ہے اور یا اس میں فاعل ہے ان حرف شرط اصبت فعل ماضی یا فاعل متکلم اصابت بمعنے صواب کو پہنچنا سے متعلق محذوف اے مجیبک یا فعل ماضی یا فاعل مخاطبہ اصابت بمعنے ٹھیک بولنا سے ماخوذ ہے اس وقت بھی متعلق محذوف ہے انت فی ما تقولینہ بدل اللوم یہ فعل شرط ہے اور جواب شرط محذوف جس پر قول ماقبل دلالت کرتا ہے اور لقد میں لام موطئہ للقسم ہے یعنی قسم محذوف پر دلالت کرتا ہے لئے واللہ اصابن فعل ماضی اس میں ضمیر فاعل جو جریر کی طرف لوٹتی ہے اور نون اس میں الف اطلاق کے محذوف کے بدلے میں ہے موضع استشہاد والعتابن اور اصابن ہے یہ دونوں العتابا اور اصابا با الف اطلاق تھے اسکو حذف کرکے نون ترنم کا اس کے ساتھ لگا دیا اس سے معلوم ہوا کہ تنوین ترنم قوافی مطلقہ کے آخر میں آتی ہے بخلاف تنوین کے کہ وہ قوافی مقیدہ کے آخر میں لگا کرتی ہے قوافی مطلقہ وہ ہیں جو آخر میں حروف اطلاق یعنی حروف مدہوں اور قوافی مقیدہ وہ جن کے آخر میں حروف اطلاق یعنی مدہ نہ ہوں ۱۲ **قولہ یا ابتا الخ** یا ابتا منادی مضاف الی یاء المتکلم ہے اور تا اور الف اس میں یا کے عوض میں ہے اور علک اور لعلک کے معنی میں ہے اور عساک اس پر معطوف ہے اور لعل وعسے کی خبر محذوف ہے تقدیر یہ ہے علک تجد رزقا او عساک تجد پہلا قول تنوین ترنم کی مثال جو بیت کے آخر میں ہے اور ثانی مثال جو فعل کے آخر میں داخل ہوئی اور مصرع کے آخر میں لاحق ہوئی ہے حرف پر تنوین داخل ہوا اسکی مثال فعل لہا ان تردالخس بین ہے ۱۲ **قولہ ویحذف من العلم الخ** علم سے تنوین کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے جبکہ علم موصوف ہو اور صفت اس کی ابن اور ابنۃ ہو اور اس کی دوسرے علم کی طرف اضافت ہو رہی ہو جیسے زید ابن عمرو اور ہند ابنۃ اس میں زید اور ہند موصوف ہے جس کی صفت ابن اور ابنۃ ہے جو عمرو اور بکر کی طرف مضاف ہے لہذا زید اور ہند موصوف سے تنوین کا حذف واجب ہے علم پر سے تنوین کا حذف کرنا تخفیف کی غرض ہوتا ہے چونکہ ایسے وقت لفظ طویل ہو جاتا ہے اور علم ثقیل ہے اور اس طرح پر استعمال کثیر ہے اور یہ امر خفت کو مقتضی ہیں لہذا تنوین کا حذف کرنا ضروری ہوگیا جاننا چاہیے کہ خاص کر ابن کے الف کو کتابت میں حذف کر دیا جاتا ہے اور ابنۃ کے الف کو حذف نہیں کیا جاتا ہے ابن کے الف کو دو وجہ سے حذف کرتے ہیں (۱) خط میں تخفیف حاصل ہو جاوے (۲) حذف اس امر پر دلالت کرے کہ موصوف کا اتصال صفت کے ساتھ بہت زیادہ ہے اور ابنۃ کے الف کو اس وجہ سے خط میں حذف نہیں کرتے ہیں کہ اگر حذف کریں تو ابنۃ کا بنت سے التباس ہو جاویگا اور اس سے بچنا ضروری ہے اسوجہ سے حذف کرنا ممنوع ہے نیز جاننا چاہیے کہ اس کلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جبکہ ابن غیر علم کیواسطے صفت ہو جیسے نام رجل ابن عمرو یا ابن صفت نہ ہو جیسے زید ابن بکر کہ اس میں ابن بکر زید کی خبر ہے صفت نہیں ہے یا ابن علم کیلئے صفت ہو لیکن علم کی طرف مضاف نہ ہو جیسے قام زید ابن الاخوان سب صورتوں میں تنوین کو حذف نہیں کریں گے اور ابنۃ کا حکم تمام مذکورات میں ابن کا حکم ہے مگر حذف ہمزہ میں یعنی اس کے ہمزہ کو کتابت میں حذف نہ کیا جاویگا نیز جاننا چاہیے کہ کبھی تنوین کو حرکت بھی دی جاتی ہے جبکہ تنوین دوسرے ساکن سے ملتقی ہو جاوے کبھی کسرہ کی حرکت دیتے ہیں چونکہ وہ اصل ہے اور کبھی ضمہ کی حرکت دیتے ہیں جیسے عذابن ارکض ۱۲ **قولہ نون التاکید الخ** اس میں اضافت بیانیہ ہے اے نون الذی یفید التاکید یعنی مطلوب کے حصول میں تاکید کا فائدہ دے نون تاکید کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ نون تاکید وہ نون ہے جو امر اور مضارع کی تاکید کے واسطے موضوع ہو جبکہ مضارع میں طلب ہو کیونکہ اس نون کے ساتھ وہی چیز تاکید کی جاتی ہے جو مطلوب ہوتی ہے اور یہ نون تاکید مضارع میں اس قد کے مقابلہ میں ہے جو تاکید ماضی کیلئے موضوع ہو یعنی جس طرح قد تاکید ماضی کیلئے موضوع ہے اسی طرح تاکید مضارع کیلئے نون موضوع ہے بشرطیکہ مضارع میں طلب کے معنی ہو ۱۲ **قولہ وہی علی ضربین الخ** یعنی تاکید نون دو قسموں پر منقسم ہے خفیفہ اور ثقیلہ نون خفیفہ ساکن نون ہوتا ہے اور یہ اپنی اصل پر ہے (بقیہ بر صفحہ ۱۸۳) پر

ثقيلتا اي مشددة مفتوحتا ابدا ان لم يكن قبلها الف نحو اضربن ومكسورة ان كان قبلها الف نحو اضربان واضربنان وتدخل في الامر والنهي والاستفهام والتمني والعرض جوازا لان في كل منها طلبا نحو اضربن ولا تضربن وهل تضربن وليتك تضربن والا تنزلن بنا فتصيب خيرا وقد تدخل في القسم وجوبا لوقوعه على ما يكون مطلوبا للمتكلم غالبا فاراد ان لا يكون اخر القسم خاليا عن معنى التاكيد كما لا يخلو اوله منه نحو والله لافعلن كذا واعلم انه يجب ضم ما قبلها في جمع المذكر نحو اضربن ليدل على الواو المحذوف وكسر ما قبلها في المخاطبة نحو اضربن ليدل على الياء المحذوف

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۲) کیونکہ مبنی میں اصل سکون ہے اسی وجہ سے اس کو ثقیلہ پر مقدم بھی کیا ہے دوسری وجہ تقدیم کی یہ ہے کہ نون خفیفہ نون ثقیلہ کا جز ہے اور جز کل پر مقدم ہوتا ہے اور نون ثقیلہ (یعنی مشددہ اور یہ تاکید میں مشددہ سے بڑھا ہوا ہے) متحرک ہوتا ہے چونکہ فتح خفیف ہے ثقل خفت کو مقتضی ہے لیکن فتح جب آتا ہے جبکہ اس کے پہلے الف نہ ہو جیسے اضربن اور جبکہ اس کے پہلے الف ہو خواہ الف ضمیر ہو جیسا کہ تثنیہ میں جیسے اضربان خواہ زائدہ ہو جیسے کہ جمع مؤنث میں ہوتا ہے جیسے اضربنان تو مکسور ہوتا ہے ۱۲ **قولہ وتدخل فی الامر الخ** یعنی نون تاکید خواہ ثقیلہ ہو خواہ خفیفہ ایک تو امر میں داخل ہوتا ہے خواہ وہ امر معلوم ہو یا مجہول ہو خواہ حاضر ہو خواہ غائب ہو یہاں پر ایک اعتراض ہوتا ہے تقریر یہ ہے کہ نون تاکید حروف معانی سے ایک حرف ہے جیسے حرف نفی اور استفہام اور قسم اور ان کا محل کلام کا شروع ہے لہذا نون تاکید بھی شروع میں داخل ہونا چاہیے لہذا مصنف کو چاہیے تھا کہ یوں کہتا کہ تدخل فی اول الامر جواب نون خفیفہ اول میں چند وجہ سے داخل نہیں ہوتا بلکہ آخر میں لاحق ہوتا ہے (۱) اگر اول میں داخل ہو تو ابتدا بسکون لازم آتی ہے اور یہ متعذر ہے (۲) نون تاکید تنوین کے مشابہ ہے اور یہ تنوین آخر میں آتی ہے اسوجہ سے یہ بھی آخر میں آتا ہے (۳) تاکید ایسا معنی ہے جو آخر کو چاہتا ہے کیونکہ مؤکد ہمیشہ مؤکد سے متأخر ہوتا ہے (۴) حروف مذکورہ کلام کے صدر کو چاہتے ہیں اور منفصل ہوتے ہیں اور یہ منفصل نہیں ہوتا اسوجہ سے کلمہ کے آخر میں متصل ہوتا ہے اول میں ۱۲ **قولہ لان الخ** یہ مواضع مذکورہ میں نون تاکید کے داخل ہونے کی علامت ہے نون تاکید ان پانچوں موضعوں میں اس وجہ سے داخل ہوتا ہے کہ ان مواضع میں سے ہر ایک کے اندر طلب کے معنے ہیں لہذا ان میں سے ہر ایک کی تاکید مناسب ہے اسوجہ سے طلب تاکید کے واسطے نون تاکید کا دخول ان پر ہوتا ہے طلب کا وجود امر نہی استفہام میں تو ظاہر ہے

لیکن تمنی میں اور عرض میں طلب اس وجہ سے موجود ہے کہ یہ دونوں بمنزلہ امر کے ہے نون تاکید کا دخول نفی میں بطور قلت کے ہوتا ہے اگرچہ اس میں طلب کے معنی نہیں ہے مگر چونکہ نفی نہی کے مشابہ ہے نظر بریں نفی میں دخول قلیل ہے اسی وجہ سے مصنف نے اس کو بیان نہیں کیا چونکہ قلت عدم کے ساتھ ملحق ہے بیان سابق سے معلوم ہوا کہ نون تاکید ماضی اور حال پر داخل نہیں ہوگا چونکہ یہ معنی طلب سے خالی ہیں ۱۲ **قولہ وقد تدخل فی القسم وجوبا لوقوعہ الخ** مصنف کی عبارت میں قسم سے مراد جواب قسم ہے کیونکہ نون تاکید نفس قسم پر داخل نہیں ہوتا ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ جواب قسم میں نون تاکید کا دخول واجب ہے لیکن یہ دخول اسوقت واجب ہے جبکہ جواب قسم مثبت ہو اور نون تاکید کا دخول اس وجہ سے واجب ہے کہ قسم متکلم اکثر اس پر کھاتا ہے جو چیز اس کو مطلوب ہوتی ہے لہذا نحویوں نے یہ چاہا کہ قسم کا آخر تاکید کے معنے سے خالی نہ ہو جس طرح کہ قسم کا اول تاکید کے معنے سے خالی نہیں ہے جیسے واللہ لافعلن کذا جاننا چاہیے کہ اما شرطیہ کے ساتھ نون تاکید کا استعمال کثیر ہے جیسے اما تفعلن کیونکہ اس حرف شرط میں تاکید کیلئے ما زائدہ لایا گیا ہے تو جب حرف شرط کی تاکید کی تو فعل شرط کی بھی تاکید مناسب ہے اس وجہ سے اس کے ساتھ نون تاکید لگایا جاتا ہے **قولہ واعلم انہ یجب ضم الخ** یہاں سے مصنف نون تاکید کے ماقبل کی حالت بیان کرتا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ نون تاکید خواہ وہ نون خفیفہ ہو یا ثقیلہ جمع مذکر میں اس کے ماقبل مضموم ہونا واجب ہوتا ہے خواہ وہ جمع مذکر حاضر ہو یا غائب اضربن لیضربن تضربن اس جگہ میں نون تاکید کے ماقبل کا مضموم ہونا اس وجہ سے ضروری ہے تاکہ ماقبل کا ضمہ واؤ محذوف پر دلالت کرے جو کہ مثلاً اضربن میں اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہوا ہے اور وہ دو ساکن واؤ حرف علت اور نون تاکید ہے اگرچہ یہ اجتماع ساکنین ایسا ہے کہ جس کا جمع ہونا جائز کیونکہ اول مدہ ہے اور ثانی مدغم ہے مگر چونکہ یہاں تخفیف مقصود ہے اس وجہ سے ضمہ پر کفایت کرکے واؤ کو حذف کردیا جاتا ہے سوال نون تاکید کے جمع مذکر میں لگانے سے واؤ اور نون میں اجتماع ساکنین ہوجاتا ہے اس کی وجہ سے واؤ جو علامت جمع وضمیر فاعل ہے حذف کردی جاتی ہے اس کا حذف کرنا کیسے درست ہوگیا جبکہ یہ فاعل ہے کیونکہ فاعل کا حذف کرنا درست نہیں ہے جواب ہم تسلیم نہیں کرتے کہ واؤ محذوف ہے کیونکہ جو اس پر دال ہے یعنی ضمہ وہ موجود ہے تو گویا کہ واؤ حذف نہیں ہوا ہے چنانچہ جب اس پر دال یعنی ضمہ واؤ سے پہلے نہیں ہوتا تو واؤ کو حذف نہیں کرتے ہیں بلکہ اجتماع ساکنین کے دور کرنے کے واسطے واؤ کو ضمہ دیتے ہیں جو واؤ کے مناسب ہے جیسے لا تخشون ۱۲ **قولہ وکسر ماقبلہا الخ** یہ ضم پر معطوف ہے جو یجب کا فاعل ہے لہذا یہ بھی یجب کا فاعل ہے مطلب یہ ہوا کہ واحد مؤنث حاضر میں نون تاکید کے ماقبل کو کسرہ دیا جاتا ہے وجوب کسرہ ماقبل اور اسی وجہ سے ہے کہ یہ کسرہ یاء محذوفہ پر دلالت کریگا جو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہوتی ہے اور وہ ساکنین حرف علت یاء اور نون تاکید ہے اور یاء کا حذف محض تخفیف ہے اگرچہ یہ اجتماع ساکنین جائز تھا جیسا کہ پہلے معلوم ہوا یہاں پر بھی ماتقدم سوال وجواب عائد ہوتے ہیں ۱۲

وفتح ما قبلها في ما عداهما اما في المفرد فلانه لو ضم لالتبس بجمع المذكر ولو كسر لالتبس بالمخاطبة
واما في المثنى وجمع المؤنث فلان ما قبلها الف نحو اضربان واضربنان وزيدت الف
قبل النون في جمع المؤنث لكراهة اجتماع ثلث نونات نون الضمير ونونا التاكيد ونون الخفيفة
لا تدخل في التثنية اصلا ولا في جمع المؤنث لانه لو حركت النون لم تبق خفيفة فلم تكن على
الاصل وان ابقيتها ساكنة يلزم التقاء الساكنين على غير حده وهو غير حسن ۞ تمت

قولہ وفتح ما قبلہا الخ یعنی جمع مذکر اور مخاطبہ کے سوا میں نون تاکید کے ماقبل کا فتح واجب ہے یعنی مفرد مذکر میں خواہ غائب ہو یا حاضر یا غائبہ ہو اور مثنی میں مطلقاً اور جمع مؤنث میں مطلقاً اور متکلم میں مطلقاً یعنی ان سب ہی نون تاکید کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے مفرد میں تو اس لئے کہ اگر ضمہ دیں تو جمع مذکر سے اشتباہ ہوتا ہے اور اگر کسرہ دیں تو مخاطبہ سے التباس ہوتا ہے اور اگر ساکن رکھیں تو اجتماع ساکنین لازم آتا ہے لہذا فتح متعین ہو گیا رہا یہ امر کہ جمع کو فتح دیتے ہیں اور مفرد کو ضمہ تو یہ اس وجہ سے نہیں کیا کہ مفرد بہ نسبت جمع کے کثیر الاستعمال ہے اور کثرت خفت کو چاہتی ہے اسی وجہ سے مفرد کو فتح دیا اور جمع کو ضمہ اور مفرد کو فتح اور مخاطبہ کو کسرہ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صیغہ بہ نسبت مخاطبہ کے اشرف ہیں چونکہ مذکر بھی ہوتے ہیں اور فتحہ حرکت خفیف ہے اور کسرہ ثقیل اور خفیف بہ نسبت ثقیل کے اشرف ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ اشرف کو اشرف دیا جاتا ہے اس وجہ سے فتحہ مفرد کو دیا اور کسرہ مخاطب کو اور ضمہ بہ نسبت کسرہ کے ثقیل ہے . . . .
اس وجہ سے کسرہ ضمہ سے ہلکا ہے اور مخاطبہ بھی بہ نسبت جمع کے اعلیٰ ہے چونکہ اس کے افراد زیادہ ہیں اور کثیر الاستعمال بھی ہے لہٰذا کسرہ مخاطبہ کو دیا اور ضمہ جمع کو دیا اور متکلم مفرد مذکر کے اس حکم میں تابع ہے ایسے ہی واحد مؤنث غائب ہے ۱۲ **قولہ اما فی المثنی وجمع المؤنث الخ** یہاں پر سے مصنف یہ بتانا چاہتا ہے کہ مثنی اور جمع مؤنث میں نون تاکید کے ماقبل کا فتح کیوں واجب ہے مصنف کہتا ہے کہ اس وجہ سے واجب ہے کہ ان دونوں میں نون تاکید سے پہلے الف ہوتا ہے اور الف فتحہ کے حکم میں ہے اور مراد فتح ما قبلہا سے اعم ہے کہ وہ فتحہ حقیقۃً ہو جیسے اضربن میں ہے یا حکماً ہو جیسے اضربان میں اور الف مثنی میں محذوف نہیں ہوتا کیونکہ اگر حذف کر دیا جاوے تو واحد کے ساتھ التباس لازم آئیگا اور یہ درست نہیں ہے ۱۲ **قولہ زیدت الخ** یعنی جمع مؤنث میں نون سے پہلے ایک الف بڑھا دیا گیا چونکہ تین نون یعنی نون مضمر اور تاکید کے دو نون کا جمع ہونا یعنی توالی امثال ہونا مکروہ ہے الف کے لانے سے وہ ثقل جو موجب ادغام ہے رفع ہو جائے گا الف کو حروف زوائد سے اس وجہ سے اختیار کیا ہے کہ الف اخف ہے دوسری صورت اجتماع امثال کے رفع کی یہ تھی کہ نون ضمیر کو حذف کرتے چونکہ یہ نون علامت رفع نہیں ہے بلکہ جمع مؤنث کی ضمیر ہے لہذا اس کا محذوف ہونا کیسے بھی درست نہیں ہے ۱۲ **قولہ نون الخفیفۃ الخ** چونکہ نون خفیفہ کا دخول ان مقامات پر جائز ہے جہاں ثقیلہ داخل ہوتا ہے مگر دو مقام ایسے ہیں کہ ان میں خفیفہ کا داخل ہونا ممنوع ہے اس وجہ سے مصنف ان دونوں مقام کو بیان کرنا چاہتا ہے تاکہ متکلم بصیرت پر ہو جاوے چنانچہ کہا کہ نون خفیفہ تثنیہ میں بالکل داخل نہیں ہوتا اور ایسے ہی جمع مؤنث میں بھی بالکل داخل نہیں ہوتا ہے کیونکہ نون خفیفہ کو جب اس کے ساتھ ملایا جاوے تو دو ساکن جمع ہونگے ایک الف اور دوسرا نون خفیفہ اب دو صورتیں ہیں یا تو نون کو حرکت دی جائے یا ساکن رکھا جائے اول پر وہ خفیفہ باقی نہیں رہتا ہے لہذا وہ اپنی اصل پر نہیں رہیگا اور ساکن رہنے دیا جاوے تو التقاء ساکنین علیٰ غیر حدہ لازم آتا ہے چونکہ اگرچہ پہلا ساکن مدہ ہے لیکن دوسرا ساکن مدغم نہیں اور یہ اجتماع ساکنین درست نہیں اس وجہ سے ان دونوں میں نہیں لاتے ہیں غیر حسن ادنیٰ ما یکتفی پہ عمل کرتے ہوئے کہا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اجتماع ساکنین علی غیر حدہ ممنوع ہے غیر حسن ہی نہیں یہ امر مذکور تثنیہ میں تو ظاہر ہے کیونکہ الف تثنیہ ضمیر ہے جس کو حذف نہیں کر سکتے ہیں مگر جمع مؤنث میں نہ لانا ظاہر نہیں ہے کیونکہ اس میں الف فاصل ہوتا ہے تاکہ اجتماع توالی امثال لازم نہ آوے اور یہاں پر یہ خرابی لازم نہیں آتی ہے تو پھر اس کے نہ آنے کی وجہ کیا ہے تو جواب دیا گیا ہے کہ نون خفیفہ سب احکام میں نون ثقیلہ کے مثل ہے جیسا کہ کتب صرف کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے اور نون ثقیلہ کے احکام میں سے ہے کہ جب وہ جمع مؤنث میں داخل ہوتا ہے تو ایک الف فاصل لانا لازم ہے اگرچہ اس کی علت تین نون کے درمیان فصل کرنا ہے وہ یہاں پر مفقود ہے لہذا جمع مؤنث میں جب نون خفیفہ داخل ہو تو الف کا لانا ضروری ہوگا اس کے بغیر چارہ نہیں جاننا چاہیئے کہ نون خفیفہ کا جمع مؤنث حاضر اور مثنیٰ میں نہ آنا یہ جمہور کا مذہب ہے بخلاف یونس کے کہ اس کے نزدیک دونوں میں داخل ہونا جائز ہے کیونکہ اس کے نزدیک التقاء ساکنین محال نہیں ہے کیونکہ مدہ الف ہے اس کے نزدیک بمنزلہ حرکت کے ہے دونوں میں داخل ہونا جائز ہے کیونکہ اس کے نزدیک التقاء ساکنین محال نہیں ہے کیونکہ وہ مدہ جو الف ہے اس کے نزدیک . . . . . . چونکہ مدہ خفیف ہے جیسے محیای باسکان الیاء قولہ تعالیٰ و محیای و مماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین قد تم ہذہ الحاشیۃ بعون اللہ تعالیٰ وفضلہ فلہ الحمد وعلی رسولہ الذی ہو سیدنا محمد الصلوٰۃ وعلی آلہ واصحابہ المنحصرین بکراماتہ اللہم صح طالبہ نحو اصدہ وزین قاصدیہ بفرائدہ وارزق الراغبین الی اللہ من مقاصدہ والمرجو منہم ان یدعو لی بالخیر والغفران عسیٰ ان یختمنی اللہ سبحانہ بالسعادۃ مع الاہمال

تمت بالخیر